ماہنامہ

کرن

مئی 2016

دلکش ایمبرائڈری

بیادِ محمود ریاض

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

مستقل سلسلے

مئی 2016

جلد 39 شمارہ 2

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو دُنیا سے رخصت ہوں تو ان کے لیے کوئی دل دُکھی ہو۔ وہ کسی کی دُعاؤں میں شامل ہوں اور ان کی خوش بختی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے جو ہزاروں لاکھوں لوگوں کی دُعاؤں میں شامل ہو۔

محمود ریاض صاحب کا شمار ان ہی خوش بخت لوگوں میں ہوتا ہے۔ ریاض صاحب ان لوگوں میں سے نہیں تھے، جو سونے کا نوالہ منہ میں لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی میں ہر چیز انہیں بغیر محنت کے مل جاتی ہے۔ انہوں نے زندگی میں کڑی محنت اور جدوجہد کے بعد اپنا مقام بنایا۔ سچائی، خودداری اور محنت ان کی زندگی کے اصول تھے اور تمام زندگی انہوں نے ان اصولوں کو پاس داری کی۔ وہ سادگی، سچائی اور مثبت قدروں پر یقین رکھتے تھے اور اپنے پرچوں کے ذریعے انہوں نے قارئین کو بھی یہی راہ دکھائی۔ اور بلاشبہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے۔ اس کے گواہ وہ خطوط ہیں جو قارئین ہمیں لکھتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ خواتین ڈائجسٹ کے ادارے سے نکلنے والے پرچوں نے ان کی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔

محمود ریاض ۱۵ مئی ۲۰۰۵ء کو دُنیا سے رخصت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ابدی زندگی میں سکون اور راحت عطا فرمائے۔ آمین۔

سردار محمود صاحب،

جراغ بجھتے جا رہے ہیں سلسلہ وار

چودھری سردار محمود مختصر سی علالت کے بعد راہیٔ مُلکِ عدم ہوئے۔

إِنَّا لِلَّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سردار محمود صاحب انشا جی سے چھوٹے اور محمود ریاض صاحب کے بڑے بھائی، پبلشنگ کے کام سے منسلک تھے۔ انہوں نے اپنے ادارے سے بہت عمدہ اور معیاری کتابیں شائع کیں۔ ساٹھ کی دہائی میں خواتین کے لیے ماہنامہ حنا کا بھی اجرا کیا۔

سردار محمود صاحب اور ریاض صاحب کے درمیان بھائی ہونے کے ناتے فطری محبت تو لازمی تھی لیکن اس سے ہٹ کر ان دونوں کے درمیان ایک اچھی اور گہری دوستی کا تعلق بھی تھا۔

انسان دُنیا سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن اس کی یادیں، اس کی باتیں باقی رہتی ہیں۔ سردار محمود صاحب بھی بہت سی یادیں چھوڑ کر اس دُنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ بہت با اخلاق، سادہ مزاج اور مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ چودھری سردار محمود صاحب کی مغفرت کے لیے دُعا فرمائیں۔

نگہت سیما کا ناول،

اس ماہ سے آپ کی پسندیدہ مصنفہ نگہت سیما کا دلکش مکمل ناول "دست مسیحا" پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ نگہت سیما کی اور تحریروں کی طرح ان کی یہ تحریر بھی آپ کو پسند آئے گی۔ خطوط کے ذریعے آپ کی رائے کے منتظر ہیں۔

اس شمارے میں،

- بیاد محمود ریاض،
- "ماں کی آنکھوں کے تارے" مصنفہ ذرے پر سوے، اداکارہ "رُباب ہاشمی" سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دُنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "ربیعہ اکرم"، "کھیلے پنکھ یادوں نے" مصنفین سے سروے،
- آسیہ مرزا اور تنزیلہ ریاض کے سلسلے وار ناول، نگہت سیما اور فرح طاہر کے مکمل ناول،
- "میرے حصے کی زمین میرا آسمان" شفق افتخار کا ناولٹ، "عشق چاند کو رہ سا تھا" بنت سحر کا ناولٹ،
- سیمرا غزل، شبینہ گل، کائنات غزل، عمیرا نوشین اور نزہت جبیں ضیا کے افسانے اور مستقل سلسلے،

تحفہ،

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب "دلکش ایمبرائیڈری" علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

بیاد محمود ریاض

کچھ یادیں، کچھ باتیں

نگہت سیما

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ جس سے کسی کو بھی نجات نہیں، لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ کبھی نہیں بھرتا۔ محمود ریاض بھی ایسی ہی ایک شخصیت تھے۔

اپنے اہل خانہ کے لیے تو ہر شخص ہی اہم ہوتا ہے اور اس کی کمی ہمیشہ وہ محسوس کرتے ہیں۔ محمود ریاض ان لوگوں میں سے تھے جن کی کمی دوسرے بھی محسوس کرتے ہیں۔

وہ محبت و شفقت کا پیکر تھے۔ انہیں اپنوں کا ہی نہیں غیروں کا بھی خیال رہتا تھا، خصوصاً" اپنے پرچوں میں لکھنے والوں کی وہ بہت عزت اور لحاظ کرتے تھے۔ میں ان کے متعلق بہت زیادہ نہیں جانتی۔ میری ان سے صرف تین یا چار بار فون پر بات ہوئی اور دو بار میری ملاقات ہوئی۔ پھر بھی مجھے لگتا ہے میں انہیں بہت زیادہ جانتی ہوں۔ لگتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو جب میں اپنی آنکھوں میں حیرت اور خوشی سموئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اچھا تو یہ ہیں ریاض صاحب۔ خواتین ڈائجسٹ کے بانی۔ ابن انشاء کے بھائی" اور میرے گھر میں یہاں کراچی سے بہت دور، وہ پنجاب میں کچھ رائٹرز سے ملے تو ہمارے گھر بھی آئے تھے امت الصبور صاحبہ اور رضیہ جمیل کے ساتھ۔ گو مجھے تب خواتین میں لکھتے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، لیکن انہوں نے میری تحریر کو سراہا۔ حوصلہ افزائی کی۔ مجھے ان کا ایک جملہ یاد رہ گیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔ "کہ مجھے اور امتل کو تو آپ کے افسانوں کا انتظار رہتا ہے اور جب ڈاک میں پیلا لفافہ نظر آتا ہے تو میں امتل سے کہتا ہوں لو بھئی امتل، نگہت کا افسانہ آگیا ہے۔"

ان دنوں میں نے ایک ساتھ ہی دو تین درجن لفافے منگوائے تھے جن کا رنگ پیلا تھا اور میں ان میں ہی اپنے افسانے پوسٹ کرتی تھی۔

دوسری بار میری ملاقات "خواتین ڈائجسٹ" کے آفس میں ہوئی تھی۔ میں ایک ایوارڈ تقریب میں شرکت کرنے کراچی گئی تھی تو امتل سے ملنے خواتین ڈائجسٹ کے آفس میں گئی۔ جہاں امتل سے میری ملاقات ہوئی، تو امتل مجھے ریاض صاحب کے آفس میں لے گئیں۔ وہ بہت سنجیدہ اور خاموش سے لگے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔

"آپ کہاں ٹھہری ہوئی ہیں۔" جب میں نے بتایا کہ اپنی دوست کی طرف، تو انہوں نے پوچھا۔

"آپ کو کہاں ٹھہرنا چاہیے تھا۔" اور میں لاجواب سی ہو گئی۔

میں ان کے سوال کا مطلب سمجھ گئی تھی.... جب وہ میرے گھر تشریف لائے تھے تو میرے پاس صرف ایک حوالہ تھا۔ میں ان کے پرچوں میں لکھتی تھی، لیکن اس ملاقات میں ایک حوالہ اور بھی تھا کہ کچھ عرصہ قبل ان کی بھتیجی کی شادی میرے بھتیجے سے ہو چکی تھی۔ انہوں نے کچھ ناراضی کا اظہار کیا۔ ربیعہ اور شہزاد کی خیر خیریت دریافت کی اور اگلے روز اپنے گھر مدعو کر لیا۔

دوسرے دن میں اپنی دوست کی چھوٹی بہن اور بھائی کے ساتھ ان کے گھر گئی، تو میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی کیونکہ ان کی طبیعت خراب تھی اور کچھ سانس کی تکلیف تھی شاید۔ البتہ امتل اور رضیہ جمیل سے ملاقات رہی۔ سوچا تھا کہ زیادہ دیر تک ان سے بات چیت ہو گی لیکن....

ان دو ملاقاتوں میں جو گفتگو رہی اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ انہیں اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے اپنے بھائیوں اور ان کے بچوں کا ذکر بہت محبت اور پیار سے کیا۔

ایک بار میں نے ایک کہانی "بے وفا عشق ہے" چھپنے کے لیے انہیں بھیجی اور اس کے متعلق پوچھنے کے لیے جب امتل کو فون کیا تو امتل نے بتایا کہ وہ تو انہوں نے اپنے بڑے بھائی صاحب کو "حنا" میں چھپنے کے لیے دے دی ہے۔ میں اسے خواتین یا شعاع میں چھپوانا چاہتی تھی جب میں نے انہیں فون پر گلہ کیا تو وہ ہولے سے ہنسے تھے۔

"میں نے آپ کی کہانی پر آپ کی تحریر اور اس کہانی کے متعلق ایک نوٹ لکھ کر دیا ہے۔ اس سے آپ سمجھ لیں کہ مجھے وہ کہانی بہت پسند آئی تھی، لیکن میں اپنے بھائی صاحب کا بہت احترام کرتا ہوں اور انکار نہیں کر سکتا۔"

اس وقت جب میں یہ مضمون لکھ رہی ہوں تو آج صبح ہی ان کے بھائی سردار صاحب کی وفات کی خبر ملی ہے۔ اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)۔

دوسری بار میں نے انہیں اپنی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں فون کیا۔ میں اپنے افسانوں کو کتابی شکل میں چھپوانا چاہتی تھی جس کے لیے انہوں نے مجھے اچھے مشورے دیے اور مجھے اجازت دی کہ میں انہیں چھپوا سکتی ہوں ان دنوں مکتبہ عمران ڈائجسٹ سے "افسانوں" کو کتابی شکل میں چھاپنے کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔

تیسری بار انہوں نے مجھے خود فون کر کے میری ایک کہانی "وہ جو نامہ بر ہے بہار کا" جو کشمیر سے متعلق تھی کی تعریف کی تھی۔ آخری دو فون جو میں نے انہیں کیے وہ تعزیت کے تھے وہ بہت دکھی اور افسردہ تھے۔ نہ میرے پاس لفظ تھے اور نہ ان کے پاس ہی کہنے کے لیے کچھ تھا۔ سو چند جملوں کے بعد ہی بات ختم ہو گئی تھی۔

میں نے انہیں ایک بے حد شفیق انسان پایا۔ اپنے ادارے میں کام کرنے والوں کے لیے مخلص اور ہمدرد۔ جونیئر، سینئر کا فرق کیے بغیر وہ سب کو یکساں عزت دیتے تھے.... اور میں نہیں سمجھتی کہ انہوں نے کبھی کسی سے کوئی ایسی بات کہی ہو جس سے اس کا دل دکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)۔

ماں کی آنکھوں کے تارے

شاہین رشید

مدرز ڈے پر ایک سروے

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ اسلام اور ''اماں حوا'' کو والدین کے رتبے پہ فائز کیا۔ اولاد کے رتبے پہ نہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ والدین کو اپنی اولاد سے جو محبت 'الفت' پیار اور لگن ہوتی ہے وہ اولاد کو اپنے والدین سے نہیں، جو قربانی کا جذبہ اور بے لوث محبت کا جذبہ والدین میں ہوتا ہے اولاد میں نہیں 'ماں باپ امیر ہیں تو دنیا جہاں کی نعمتیں، بچوں پر نچھاور کر دیتے ہیں اور اگر غریب ہیں تو خود فاقہ کر لیتے ہیں مگر بچوں کا پیٹ خالی نہیں رہنے دیتے.... آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ والدین بڑھاپے کی عمر میں پہنچتے ہیں تو اولاد کی اکثریت انہیں اکیلا چھوڑ دیتی ہے مگر والدین قبر میں جانے تک اولاد کی ہی محبت کا دم بھرتے رہتے ہیں.... خدا نے ماں کا درجہ بہت بلند رکھا ہے اور اس کی وجہ بھی یہی سمجھ میں آتی ہے کہ اولاد کو دنیا میں لانے کے لیے وہ جن دو مراحل سے گزرتی ہے وہ اس کی زندگی کے سب سے زیادہ تکلیف دہ مراحل ہوتے ہیں۔ نو ماہ تک اولاد کو پیٹ میں رکھنا اور پھر پیدائش کے عمل سے گزرنا.... آفرین ہے ماں پر۔

ہم ہر سال اولاد سے ان کی ماں کے بارے میں تاثرات سروے کی صورت میں لیتے ہیں۔ اس بار ہم نے ''ماں'' سے ان کے بچوں کے بارے میں سروے کیا۔ سوال ایک ہی تھا کہ۔

★ ''آپ اپنے بچوں کے بارے میں کیا کہیں گی 'کوئی شکایت 'کوئی نصیحت یا کوئی بات جو آپ کے دل میں ہے اور آپ بچوں تک پہنچانا چاہتی ہیں؟''

عمرانہ مقصود.....(رائٹر)

میرے دو بچے ہیں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی جن سے آپ سب واقف ہیں۔ میرے خیال میں آج کل کی نسل جنہیں ہم بچے کہتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت والدین اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کر سکتے ہیں اور کر دیتے ہیں 'اس کے بعد ہمیں انہیں آزاد اور کھلا چھوڑنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم انہیں باندھ کے رکھیں گے تو ان کی دنیا ہم آگے بند کر دیں گے 'ان کی ترقی کے راستے ہم بند کر دیں گے۔ ان کے راستے کھلے رہنے چاہئیں 'اس لیے کہ دنیا بہت چھوٹی ہو گئی ہے اور اس چھوٹی سی دنیا کو ''سر'' کرنے کے لیے ہر بچہ آگے نکلنا چاہتا ہے.... اور ہم چاہتے ہیں اور ہم سب کو چاہیے

کہ ہمارے بچے بھی آگے نکلیں اور ہماری بنائی ہوئی بندشوں میں نہ پھنسیں دعا ہے کہ ہر ماں اپنے بچوں کو اسپیس دے..... وہ آگے بڑھیں' ماں باپ اپنا کام کریں اور بچے آگے بڑھنے کے لیے جگہ اور راستے خود ڈھونڈتے جائیں اور بناتے جائیں اور ''دنیا سر کرلیں''

ناجیہ اشعر..... اینکر پرسن (آج ٹی وی)

میرے دو بچے ہیں۔ بیٹی (علیحہ Aliha) — نو سال کی ہے اور بیٹا (عاحل) Aahil تقریباً'' سات سال کا ہے..... اور مجھے اپنے بچوں سے بے انتہا محبت ہے ..... اور میرے احساسات اور (فیلنگز Feelings) دیگر ماؤں سے مختلف نہیں ہیں' ہر ماں اپنے بچوں سے بے حد محبت کرتی ہے ان کو دل سے سینے سے لگا کر رکھتی ہے' اس طرح میں بھی بچوں سے پیار کرتی ہوں۔ مگر پھر بھی لگتا ہے کہ جیسے کہیں کمی رہ گئی ہے۔ میری خواہش ہے میرے بچے ایک کامیاب اور باعزت زندگی گزاریں ..... اور ایک بیلنس زندگی گزاریں جس میں فیملی اور کام دونوں ساتھ ساتھ ہوں۔ محبت اور ایک دوسرے کی عزت کا بھی خیال رکھیں ..... میری بیٹی عالیہ میری چھوٹی سی دوست ہے اور وہ اپنی ہر بات مجھ سے شیئر کرتی ہے اور میرا بیٹا بہت (ذہین) brilliant ہے اور اپنی (تخلیقی صلاحیتوں) creativity سے مجھے ہر وقت حیران کیے رکھتا ہے۔ میری امی کو خوشی ہوتی ہے' جب انہیں کوئی ناجیہ کی امی کے نام سے پکارتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ میں علیحہ اور عاحل کے نام سے جانی جاؤں..... ''اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے میرے بچوں' لیکن اپنی بھرپور لائف کے ساتھ جو کرنا جو بننا چاہو بنو..... اپنی صحت اور خوشی کے ساتھ اور اپنے والدین کا سر بلند کرنا Love U so much میرے بچوں۔

عابدہ الطاف..... (گلوکارہ' شاعرہ' اداکارہ' ہاؤس وائف)

الحمد للہ میرے دو بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا میری بیٹی ڈاؤ میڈیکل کالج میں ''بی ڈی ایس'' کی تھرڈ ایر کی طالبہ ہے۔ اور میرا بیٹا 18 سال کا ہے اور اعلا تعلیم کے لیے کینیڈا گیا ہوا ہے۔ میں اپنے بچوں سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جتنی مصیبتوں سے' جتنی پریشانیوں سے اور جتنی محنت سے ہم آگے بڑھے ہیں' ہمارے بچوں کو یہ پریشانیاں نہیں اٹھانی پڑی ہیں۔ اور میری خواہش ہے کہ میری بیٹی اور میرا بیٹا اچھی تعلیم حاصل کریں اپنے پیروں پہ کھڑے ہوں۔ اپنے ماں باپ کا نام روشن کریں۔ بڑوں کی عزت کریں اور جو کچھ ہم نہیں کر سکے ہیں وہ ہمارے بچے کریں' ہم سے زیادہ کامیابیاں

حاصل کریں... آمین بس یہی نصیحت ہے میری اپنے بچوں سے۔

صائمہ قریشی..... (آرٹسٹ)

ماشاء اللہ میرے تین بیٹے ہیں ' جو مجھے بہت پیارے ہیں اور مجھے اپنے بیٹوں سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ آگے چل کر ایک دوسرے سے پیار ' محبت اور یک جہتی کے ساتھ رہیں ' ایک دوسرے کا ہمیشہ خیال رکھیں ' بہت اعلا تعلیم حاصل کریں اور جب پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جائیں تو پھر شادی کریں اور شادی کے بعد بھی اس طرح ایک دوسرے سے محبت کریں جس طرح اب کرتے ہیں۔ بے شک شادی کے بعد اپنی اپنی ترجیحات ہو جاتی ہیں ' مگر اس کے باوجود ایک دوسرے کا خیال بھی رکھیں اور پیار بھی کریں... مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے ' کیونکہ میرے تینوں بیٹے بہت لائق ہیں۔ پڑھائی میں بہت اچھے ہیں... ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں ہماری عزت کرتے ہیں۔ بڑوں کی عزت کرتے ہیں اور میں ان سے بہت خوش اور مطمئن ہوں... میں آج کل کے نوجوانوں کا مقابلہ جب اپنے بچوں سے کرتی ہوں تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میرے بچے ہزار درجے اچھے ہیں۔ ماشاء اللہ...

بس میری ان سے یہی خواہش ہے کہ یہ مل جل کر پیار محبت کے ساتھ رہیں۔

ردا آفتاب..... (شیف ' بزنس وومن)

ماشاء اللہ سے میرے دو بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا ' اور میں تو یہ کہوں گی کہ بچوں کے ساتھ ہمیشہ دوستوں کی طرح رہنا چاہیے ان پر سختی نہیں کرنی چاہیے ' جو ماں باپ بچوں پر سختی کرتے ہیں تو ان کے بچے جھوٹ بھی بولتے ہیں اور غلط کام بھی کرتے ہیں اور اپنی غلطیوں کو چھپاتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اپنے ماں باپ کو یہ باتیں بتادیں تو وہ ہمیں ماریں گے ' ماں باپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچے غلط صحبت میں بھی پڑجاتے ہیں اور غلط راستے پہ بھی نکل جاتے ہیں... تو ہمیشہ بچوں کے ساتھ پیار محبت سے پیش آئیں ان کو دوستوں کی طرح رکھیں... اور ان کو یہ اعتماد دیں کہ آپ کو کوئی بھی مسئلہ ہو اپنی ماں سے شیئر کریں ' میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گی بلکہ آپ کے مسائل کو حل کروں گی... تو میں بھی اپنے بچوں سے یہی کہتی ہوں... اور میں ماں باپ سے بھی یہ کہنا چاہوں گی کہ آج کل نوجوان نسل "سوشل میڈیا" میں بہت زیادہ انوالو ہے۔ مطلب چوبیس گھنٹے یا تو موبائل ہاتھ میں ہے یا کمپیوٹر پہ بیٹھے ہوئے ہیں جن کی وجہ

سے وہ نہ صرف اپنے والدین سے بلکہ دیگر لوگوں سے بھی دور ہو جاتے ہیں... اب جیسے گھر میں آئے ہیں ماں نے ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگایا اور بچوں کو آواز دے رہی ہے... مگر وہ موبائل پہ لگے ہوئے ہیں... تو اس چیز کا بھی بچوں کو احساس دلانا چاہیے کہ آپ ایک ٹائم مقرر کرلیں موبائل اور کمپیوٹر کے لیے اور جب گھر کے سارے افراد ایک جگہ پر ہوں تو موبائل کو ایک سائڈ پہ رکھ دیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کریں ... ایک دوسرے کے ساتھ اپنی باتیں شیئر کریں... نہ کہ موبائل پہ نظریں ہوں یا موبائل کی بیل مسلسل بج رہی ہو۔

فضیلہ قیصر..... (آرٹسٹ)

ماشاءاللہ سے میرے دو بیٹے ہیں.... اور جہاں تک نصیحت اور کچھ کہنے کی بات ہے۔ تو ماں باپ تو ساری زندگی بچوں کو نصیحت کرتے ہی رہتے ہیں اور ضروری بھی ہوتی ہے.... کیونکہ ہمارے والدین نے اپنے تجربات ہم سے شیئر کیے.... اور جب ہمارے ماں باپ ہم سے اپنے تجربات شیئر کررہے ہوتے ہیں تو ہمیں اندازہ نہیں ہوتا.... جبکہ نصیحت والدین کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتی ہے.... تو اب جب ہم اپنے بچوں کو نصیحت کررہے ہوتے ہیں تو ان کے بھلے کے لیے ہی کررہے ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے' جب تک ماں باپ حیات ہوتے ہیں.... میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت کلوز ہوں.... میری ان سے اتنی دوستی ہے کہ میں جو بات ان سے کہنا چاہتی ہوں با آسانی کہہ دیتی ہوں.... کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ ماں باپ کو اپنے بچوں کی ساتھ بہت زیادہ Expressive (اظہار کرنے والا) ہونا چاہیے۔ بہت زیادہ فرینڈلی ہونا چاہیے۔ اگر آپ بچوں سے محبت کرتے ہیں تو اس کا اظہار بھی کریں۔ یہ سوچ بہت پرانی بھی تھی اور ٹھیک بھی نہیں تھی کہ بچوں کے ساتھ ایک فاصلہ رکھیں تاکہ رعب رہے.... ہو سکتا ہے کہ پرانے زمانے میں یہ سوچ ٹھیک بھی ہو مگر میں اسے ٹھیک نہیں سمجھتی۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کے ساتھ جتنا زیادہ پیار سے بات کریں گے۔ جتنی زیادہ محبت دیں گے۔ بچوں میں خود اعتمادی آئے گی کہ ہمارے والدین ہمارے ساتھ ہیں اور کوئی مشکل وقت آیا تو ہمارے والدین ہمارے ساتھ کھڑے ہوں گے اور کوئی خوشی کا وقت آیا تو وہ خوشی کریں گے۔ اس سے خود اعتمادی کا لیول بہت بڑھ جاتا ہے.... اور میں یہ بھی کہنا چاہوں کہ الحمدللہ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی اولاد دی ہے۔ جو ہماری فرمانبردار ہیں.... یہ بہت بڑی نعمت ہے میں ہمیشہ اپنے بچوں کے لیے صحت و تندرستی کے ساتھ زندگی کی دعا کرتی ہوں اور یہ بھی کہ اللہ انہیں بہت کامیابیاں دے اور حلال ذریعے سے ہر وہ نعمت انہیں دے جو ان کے لیے بہترین ہے اور میں اپنی زندگی میں انہیں بہت کامیاب، بہت پرسکون دیکھنا چاہتی ہوں اور نیک مسلمان بننا کیونکہ وہ نیک مسلمان بنیں گے تو زندگی میں ان کے لیے آسانیاں ہوں گیں ان شاءاللہ۔

شبانہ کوثر..... (گلوکارہ)

میرا ایک بیٹا ہے جس کا نام سید مصطفیٰ احمد.... میں اپنے بیٹے سے بلکہ نئی نسل کے نوجوانوں سے کہنا چاہوں گی کہ اپنی تعلیم پر بھرپور توجہ دیں کیونکہ آپ

ہی ہمارے ملک کے معمار ہیں' ستون ہیں.... میں اپنے رب سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ ہمارے بچوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ کیونکہ اب اسکولوں کے جو حالات ہیں ان کی وجہ سے صرف میں ہی نہیں میری طرح لاکھوں کروڑوں مائیں پریشان رہتی ہیں۔ بچوں کو اسکول بھیجنے کے بعد ان کے گھر آنے تک کا وقت بہت ٹینشن اور دعاؤں میں گزرتا ہے.... میرا بیٹا بہت ذہین ہے۔ وہ اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن پاک کی تعلیم بھی حاصل کر رہا ہے۔ میرا بیٹا دیگر بہت سارے بچوں سے بہت مختلف ہے' اس کی ایک پیاری عادت تو یہ ہے کہ جب وہ خود پانی پیتا ہے تو میرے لیے بھی لے کر آتا ہے.... بس ایک بات مجھے بری لگتی ہے کہ جب گیمز کھیلنے بیٹھے گا تو پھر کچھ ہوش نہیں رہتا' مطلب وقت کی کوئی لمٹ ہی نہیں ہے۔ بے شک وہ اپنے اسکول کے کام سے فارغ ہو کر گیمز کھیلتا ہے.... مگر پھر بھی.... لیکن میں یہ دعوے سے کہتی ہوں کہ میرے اردگرد جتنے بھی بچے ہیں ان سب میں میرا بیٹا سب سے زیادہ ذہین اور فرمانبردار ہے اور میرا اتنا زیادہ کہنا مانتا ہے کہ کیا بتاؤں.... اگر میں نے کوئی کام کیا ہے کوئی بات سمجھائی ہے تو وہ اس کے لیے پتھر پہ لکیر ہو جائے گی.... اللہ میرے بیٹے کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی عمر دے اور یہ اعلا تعلیم حاصل کر کے اعلا مقام بھی حاصل کریں۔ آمین

نازنی نصر.... (آرٹسٹ)

میرے دو بچے ہیں۔ ایک بیٹی ایک بیٹا.... بیٹا بڑا ہے بیٹی چھوٹی ہے.... آج کے دور میں بچوں کو پالنا ذرا مشکل ہو گیا ہے۔ بہت ٹف دور ہے.... بچے جب غلطیاں کرتے ہیں تو پھر ہمیں اپنا دور یاد آجاتا ہے کہ شاید ہم نے بھی یہ غلطیاں کی ہوں گی' مگر وہ دور ذرا مختلف تھا اور ہر دور کی اپنی ایک بات ہوتی ہے۔ ہماری غلطیوں کی نشان دہی جب ہمارے والدین کرتے تھے تو ہم برملا کہتے تھے کہ آپ تو پرانے زمانے کے ہیں اور اب ہم بھی یہی بات سنتے ہیں کہ آپ پرانے زمانے کی ہیں اب ایسا نہیں ہوتا.... اب سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ والدین اپنے تجربے کی بنا پر اپنے بچوں کو سمجھاتے ہیں.... ہمارا دیر سے آنا.... یا ہمارا کہیں جانا والدین کو برا لگتا تھا تو اب جب آپ ویسی ہی صورت حال سے گزر رہے ہوتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ایسی تکلیف ہمارے والدین کو بھی ہوتی ہو گی.... والدین کو لبرل ضرور ہونا چاہیے سختی کا وقت گزر چکا ہے۔ اب بہت ٹف ٹائم آگیا ہے۔ میں اپنے بچوں کو

صرف اپنے تجربات بتاتی ہوں یا ان کو سمجھاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ 'بیٹا میں آپ کو فالو نہیں کر سکتی کہ تم گھر سے باہر جاتے ہو تو کہاں جاتے ہو' کیا کر رہے ہو.... بس والدین کی باتوں کو ذہن میں رکھ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھانا کیونکہ والدین ہمیشہ اپنے بچوں کا بھلا ہی چاہتے ہیں.... میرے بیٹے کا نام زوہیب سومرو ہے وہ 19 سال کا ہے اور بیٹی زویا حسن ہے جو ماشاء اللہ پندرہ سال کی ہے۔

عاصمہ شیرازی.....(اینکر پرسن)

میرے ماشاء اللہ میرے دو بیٹے ہیں علی آیان عباس اور دوسرے علی حسین عباس ہیں.... بڑا بیٹا ماشاء اللہ ساڑھے چھ سال کا ہے اور دوسرا پونے دو سال کا.... دونوں ابھی کافی چھوٹے ہیں.... اور میری خواہش ہے کہ ہمارے دونوں بچے بڑے ہو کر بہت اچھے انسان بنیں۔ اعلا تعلیم یافتہ ہوں۔ بہت محبت کرنے والے اور اسٹرونگ ہوں اور عباس کے بارے میں بتاؤں کہ اس کا چھوٹی چھوٹی بات پر دل ٹوٹ جاتا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ عباس (علی آیان عباس) بہت مضبوط ہو' کہیں بھی کمزور نہ ہو' یہ میرا آرٹسٹ بچہ ہے اس کی اسٹرونگ دیکھنا چاہتی ہوں اور اس کے لیے میری نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو مضبوط رکھنا ہے اور کسی بھی مقابلے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنا چاہیے اور ہمیشہ سچ بولنا چاہیے۔ سچ بہت بڑا ہتھیار ہے۔ کسی بھی چیز کو پانے کے لیے.... اور میں اپنے دونوں بچوں کو بہت مضبوط دیکھنا چاہتی ہوں۔

غزالہ بٹ.....(آرٹسٹ)

میرے ماشاء اللہ تین بچے ہیں' پہلا بیٹا اور پھر دو بیٹیاں ہیں تینوں شادی شدہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں اس لحاظ سے میں نانی دادی بھی ہوں.... اور میں خوش نصیب ہوں کہ میری بہو بھی بہت اچھی ہے اور میرے داماد بھی.... اور ماؤں کو اگر بچوں سے شکایت ہوتی بھی ہے تو وہ کبھی نہیں کہتی کہ مجھے تم سے شکایت ہے.... کیونکہ شکایتیں کرنے کا فائدہ نہیں ہوتا ہماری تربیت اتنی اچھی ہونی چاہیے کہ شکایت کا موقعہ ہی نہ آئے۔ ہیرے میں اور پتھر میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہیرا بھی پہلے پتھر ہی ہوتا ہے اسے تراشتے ہیں تو وہ ہیرا بنتا.... اولاد بھی اس دنیا میں آتی ہے تو اسے کسی چیز کا کوئی سینس نہیں ہوتا۔ اسے بھی والدین تراشتے ہیں بہترین تربیت اور تعلیم کے ذریعے سے اور انہیں اگر زندگی کی اونچ نیچ' بڑوں سے بولنے اور ادب کرنے کی تربیت دیں تو میرا نہیں خیال کہ بچے بڑے ہو کر

والدین کے نافرمان ہوں گے اور اپنی ذمہ داریوں کو قبول نہیں کریں گے۔ میرے بچے اتنے اچھے ہیں کہ میں دعا کرتی ہوں کہ دنیا کے تمام بچے اتنے ہی اچھے ہوں...... سب والدین سے کہوں گی کہ بچوں سے محبت کریں اور ان میں کوئی برائی دیکھیں تو برملا کہیں اور اچھائی دیکھیں تو حوصلہ افزائی کریں.... اب میرے بچے زندگی کی اس اسٹیج پہ ہیں جہاں میں ان کی سنتی ہوں اگرچہ مجھے سب باتیں پتا ہوتی ہیں کیونکہ میں نے ایک زندگی گزاری ہے۔ سب تجربات سے گزری ہوں ... مگر جب بچے کہتے ہیں کہ مما آپ کو کچھ نہیں پتا تو میں ایسے ری ایکٹ کرتی ہوں جیسے مجھے واقعی کچھ نہیں پتا جبکہ مجھے سب پتا ہوتا ہے... تو بچے خوش ہو جاتے ہیں کہ ہاں.... ہم نے اپنی ماں کو کوئی نئی بات بتائی ہے۔ میری ایک بیٹی ”مکہ“ (سعودی عرب) میں ہے تو جب وہ میرا لہجہ پریشان دیکھتی ہے تو خانہ کعبہ جاتی ہے اور میرے نام کا طواف کرتی ہے تو بتائیے میرے سے زیادہ خوش قسمت ماں کون ہوگی.... میری پوتی جو دس گیارہ سال کی ہے وہ میری اتنی خدمت کرتی ہے کہ مجھے میڈیسن دیتی ہے میرا بیٹا' بہو اچھے ہیں تو میری پوتی میرے ساتھ اچھی ہے... تو میں تو بہت خوش قسمت ماں ہوں... کہ جس طرح میں نے اپنی اولاد کو رکھا آج میری اولاد مجھے اس طرح رکھتی ہے... یہ عمل کا ردعمل ہے۔ بس میری دعا ہے کہ جب میرا اس دنیا سے جانے کا وقت ہو تو میری اولاد کو کسی امتحان میں نہیں ڈالنا بلکہ مجھے چلتے پھرتے اپنی پاس بلا لینا۔

شگفتہ بھٹی...... (ناول نگار + ڈرامہ نگار)

میرے ماشاء اللہ تین بچے ہیں۔ بیٹا فہد حسین' بیٹی فاطمہ اور بیٹا محمد زید' تینوں بچے ویسے تو ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں' لیکن مجھے ان سے تھوڑا یہ گلہ ہے کہ یہ اونچی آواز میں بات کرتے ہیں۔ تھوڑا شور مچاتے ہیں زور سے بولتے ہیں' میں کہتی ہوں کہ تھوڑا آرام سے بات کیا کریں.... بس یہی سمجھاتی رہتی ہوں انہیں....

میری ایک خواہش اور توقع بھی کرتی ہوں ان سے ... کیونکہ میں نے زندگی میں بہت محنت اور جدوجہد کی ہے اور ہر طرح کے حالات میں صبر و شکر کے ساتھ' ان بچوں کے لیے ہی کر رہی ہوں جو بھی کر رہی ہوں تو بس میری یہی خواہش ہے کہ اللہ کرے یہ بھی میری طرح محنتی ہوں اور اپنا مستقبل بنالیں.... اپنے پاؤں پر اتنی اچھے طریقے سے کھڑے ہو جائیں کہ نہ صرف اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے بہتر کر سکیں بلکہ مجھے میرے بڑھاپے میں بھی سہارا دے دیں... اور میں' بس تھوڑا سا ٹائم زندگی کا یا اپنے بڑھاپے کا کچھ ٹائم بڑے سکھ چین کے ساتھ ان بچوں کے ساتھ گزاروں ... اور جو میری خواہشات اس وقت ہیں وہ میں اس وقت پوری کرلوں... اور باقی بچوں سے بھی میں یہی کہنا چاہوں گی کہ اپنے والدین کی عزت و قدر کریں اور ان کا خیال رکھیں۔

☆ ☆

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	کونین
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی	موسیٰ رضا

رباب ہاشمی سے ملاقات

شاہین رشید

رباب کے نام کے ساتھ ہی ایک پیارا سا۔ نرم لہجے میں بات کرنے والا چہرہ سامنے آجاتا ہے۔ اس فنکارہ کو اداکاری کی فیلڈ میں آئے ہوئے بہت عرصہ نہیں ہوا ہے۔ مگران کے ڈرامے دیکھ کر لگتا ہے کہ رباب اس فیلڈ میں بہت لمبا عرصہ قیام کریں گی اور بہت شہرت پائیں گی۔ اس فنکارہ کو ہم اب تک کافی مختلف کردار میں دیکھ چکے ہیں حتی کہ ینگ ٹو اولڈ کردار میں بھی.... اوران کی ہر پرفارمنس لاجواب ہوتی ہے۔ یوں تو رباب کا ہر سیریل بہت مقبول ہوا، لیکن رخسانہ نگار عدنان کا "ایک تھی مثال" اور صائمہ اکرم چوہدری کا "عنایہ تمہاری ہوئی" بے حد مقبول ہوا.... اور آج کل "من چلی" مقبول ہو رہا ہے۔

★ "جی رباب ہاشمی صاحبہ کیسی ہیں؟"

✲ "الحمدللہ.... آپ سنائیں۔"

★ "جی اللہ کا شکر ہے.... کتنا عرصہ ہو گیا ہے اس فیلڈ میں اور کیا کیا کر چکی ہیں؟"

✲ "اداکاری کی فیلڈ میں آئے ہوئے تو تقریباً" مجھے سال ہو گیا ہے، ویسے اس فیلڈ میں، میں بچپن سے ہوں۔ اور کیا کیا کر چکی ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں ان خوش قسمت فنکاراؤں میں سے ہوں جنہوں نے کم عرصے میں کافی کچھ کر لیا ہے.... ماشاءاللہ سے .... حتی کہ ینگ ٹو اولڈ کردار بھی کر لیا ہے...."

★ "ینگ ٹو اولڈ کردار کا تجربہ کیسا رہا.... پر بات کرنے سے پہلے تو یہ بتائیں کہ اگر آپ بچپن سے اس فیلڈ میں ہیں تو پھر نئی کیوں لگ رہی ہیں؟"

✲ ہنستے ہوئے.... "بے شک میں اس فیلڈ میں بچپن سے ہوں .... لیکن اداکاری کی فیلڈ میں نہیں بلکہ ہوسٹنگ کی فیلڈ میں تھی۔ میں جب 10 سال کی تھی تو اس فیلڈ میں آگئی تھی.... ظاہر ہے عمر کم تھی تو یا تو بچوں کے ساتھ مل کر بیٹھ سکتی تھی جیسا کہ عموماً" ہوتا

ہے یا پھر پرفارم کر سکتی تھی آڈینس میں بیٹھنا پسند نہیں تھا لہٰذا مجھے پروگرام کی میزبانی کرنے کے لیے کہا گیا... اور چونکہ بولڈ تھی تو باآسانی میزبانی کرلی بچوں کے پروگرام کی... اس کے بعد جانوروں کے حوالے ایک ڈاکومینٹری پروگرام کی میزبانی کی... ایک اسپورٹس چینل سے دو سال "گیم شو" کی میزبانی کی 'ڈاکومینٹری پروگرام کی بھی دو سال تک میزبانی کی... اداکاری کا شوق تھا مگر جن کے لیے ہوسٹنگ کرتی تھی ان کا خیال تھا کہ میں میزبانی اچھی کر لیتی ہوں۔"

★ "شوق کا کبھی اظہار نہیں کیا کہ میں اداکاری بھی کرنا چاہتی ہوں؟"

⁕ "کیا تھا... اپنے گھر والوں سے... مگر ان کا کہنا بھی ٹھیک تھا اور خود میں نے بھی محسوس کیا تھا کہ اگر اداکاری کی طرف گئی تو پڑھائی کے لیے برابر ٹائم نہیں دے پاؤں گی... کیونکہ میزبانی پہ کم اور اداکاری میں وقت بہت دینا پڑتا ہے۔"

★ "پھر کیا پڑھا اور کہاں سے پڑھا؟"

⁕ "میں نے نیشنل کالج آف آرٹ (نایا) سے گریجویشن کی اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے سولہ سال کی عمر میں گریجویشن مکمل کی اور میں 'نایا' کی کم عمر ترین گریجویٹ تھی... اب یہ سوال کہ کیا پڑھا تھا تو چونکہ مجھے اداکاری کا شوق تھا' جنون تھا تو میں نے اداکاری بھی پڑھی اور سیکھی بھی... ویسے میں نے مارکیٹنگ میں "بی بی اے آنرز" کیا اور جیسے ہی تعلیم مکمل ہوئی... میں اس شعبے میں آگئی۔"

★ "آپ نے کہا کہ پڑھائی کی وجہ سے اداکاری کی فیلڈ میں نہیں آئی کہ وقت بہت ضائع ہوتا تھا... اب کیا صورت حال ہے؟"

⁕ "میں تو پہلے بھی کرنا چاہتی تھی... مگر ایک تو عمر کم تھی پھر پڑھائی ٹف تھی اور خود بھی احساس تھا کہ اگر اس کام میں لگ گئی تو مشکل ہو جائے گی۔ چنانچہ اپنے شوق کی تکمیل کے لیے ایسے ہی تھوڑا بہت کام کر لیا کرتی تھی مگر اب تو میں تعلیم سے فارغ ہوں تو وقت کا کوئی ایشو نہیں ہے۔"

★ "اب کمپیئرنگ کو خیرباد کہہ دیا ہے؟ اور اداکاری میں آپ کے استاد کون تھے؟"

⁕ "ارے نہیں... وہ تو بچپن سے کر رہی ہوں۔ اس لیے اس کے بغیر رہ نہیں سکتی' اس لیے کبھی کبھار کر لیتی ہوں... اور اداکاری میں میرے استاد طلعت حسین' راحت کاظمی اور ضیاء محی الدین تھے' جو "نایا" میں پڑھاتے بھی ہیں۔"

★ "ابتدا میں ٹی وی میں کیا کیا۔ کیا' کچھ بتایئے؟"

⁕ "میں نے اپنی فنی زندگی کا آغاز پی ٹی وی ہوم کے ڈرامہ سیریل "ہم یہ جو گزری" سے کیا تھا جسے انور مقصود صاحب نے لکھا تھا اور اس کے ڈائریکٹر ثانیہ سعید کے شوہر شاہد شفاعت تھے۔ اور اس میں خود ثانیہ سعید نے بھی اداکاری کی تھی۔ اس کے بعد مصباح خالد کی ڈائریکشن میں "داغ ندامت" کیا اور اس میں میرا مرکزی رول تھا اور یہ بھی پی ٹی وی ہوم سے ٹیلی کاسٹ ہوا۔ بس پھر اس کے بعد سلسلہ چلتا رہا

اور ڈرامہ سیریل ''پیا من بھائے''، ''ضد''، ''تم سے مل کر''، ''سرمئی والا''، ''میرے درد کی تجھے کیا خبر''، ''عنایہ تمہاری ہوئی''، ''ایک تھی مثال'' اور دیگر ڈرامے جن کے ابھی نام یاد نہیں آرہے ایک ڈرامہ سیریل ''دل نادان'' بھی تھا۔ ''عشق آوے'' بھی تھا۔ تو ماشاء اللہ کم عرصے میں میں نے کافی کام کرلیا ہے۔''

★ ''اور مزید....؟''

✻ ''جی مزید بھی انڈر پروڈکشن ہیں.... ان شاء اللہ جلد ہی آپ میرے نئے سیریلز بھی دیکھیں گی۔''

★ ''رول کیا ہوں گے؟''

✻ ''میری کوشش ہوتی ہے کہ میں بہت خیال سے اسکرپٹ کا انتخاب کروں اور ایسے کردار لوں جو (دہرائے) Repeat نہ ہوں اس سے یکسانیت سے آجاتی ہے اور یکسانیت مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ ہر سیریل میں میرا مختلف رول ہی ہوتا ہے.... اگر آپ میرے ڈرامے دیکھتی ہیں تو آپ کو خود بھی محسوس ہوا ہوگا۔''

★ ''ایک تھی مثال'' میں ینگ تو اولڈ رول تھا.... تجربہ کیسا رہا.... اور ڈر نہیں لگا کہ اتنی سی عمر میں اولڈ رول کی چھاپ نہ لگ جائے؟''

✻ ''ینگ تو اولڈ رول کا تجربہ اچھا رہا.... مزا آیا اور اپنے آپ کو دیکھ کر احساس ہوا کہ جب میں مڈل ایج میں آؤں گی تو کیسی لگوں گی۔ تو دیکھ کر اچھا لگا کہ میں اچھی اور سوبر لگوں گی اور اس رول کو اولڈ رول نہیں کہہ سکتے مڈل ایج کا رول کہہ سکتے ہیں۔ جہاں تک چھاپ کی بات ہے تو وہ دور گیا.... اب فنکار اور ڈائریکٹر خود سمجھتے ہیں کہ کس فنکار سے کیسا رول کرانا ہے اور فنکار بھی سمجھتا ہے کہ ورائٹی لانے سے چھاپ نہیں پڑتی بلکہ فنکار ورسٹائل کہلاتا ہے۔''

★ ''کامیڈی رول نہیں کیا کبھی....؟''

✻ ''ابھی تک کامیڈی رول ٹی وی ڈراموں میں تو نہیں کیا' البتہ تھیٹر کے ڈراموں میں ضرور کیا ہے۔''

★ ''اچھا آپ تھیٹر بھی کرتی ہیں؟''

✻ ''جی جی.... میں نے کافی تھیٹر کیا ہے اور مجھے تھیٹر میں کام کرکے اچھا لگتا ہے.... تو کامیڈی بھی میں نے تھیٹر میں ہی کی ہے اور لوگوں نے میرے اس روپ کو بھی بہت پسند کیا ہے۔ میں نے راحت کاظمی کے ساتھ ''آدھے ادھورے'' اور ''بجلی پیار اور ابا جان'' کیا ہے۔ ''آدھے ادھورے'' تو اتنا پسند آیا کہ دوبار کیا۔ اس طرح ایک روسی کھیل بھی کیا جس کا نام ''میرج پروپوزل'' تھا۔ اسے زین احمد نے ڈائریکٹ کیا تھا جو ثمینہ احمد کے بیٹے ہیں اور ''ناپا'' میں ڈائریکٹر ہیں اور یہ ڈرامہ بھی کئی بار پیش کیا گیا۔''

★ ''کون سے کردار کرنے کی خواہش ہے اور کون سے کردار کے لیے سوچتی ہیں کہ اگر یہ مل گیا تو نہیں کر سکوں گی؟''

✻ ''سچ بتاؤں.... مجھے تو ہر کردار کرنے کی خواہش ہے.... اور یقیناً'' ایسا کوئی کردار نہیں ہوگا جس کے بارے میں میں سوچوں کہ یہ میں نہیں کر سکوں گی.... میں تو چاہتی ہوں کہ میں ہر طرح کے رول کروں اور مشکل رول تو میرے لیے ایک چیلنج ہوگا.... کیونکہ آپ کی صلاحیتیں تو تب ہی کھل کر سامنے آئیں گی جب آپ چیلنجنگ رول کریں گے۔

★ "کبھی اداکاری سے بوریت ہوئی؟"

❋ "بوریت؟ اداکاری تو میرا جنون ہے.... اس سے تو بور ہو ہی نہیں سکتی۔ حالانکہ کبھی کبھی تو ایک سین کے لیے کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں مگر اس کے باوجود مجھے بوریت کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی میرے موڈ پر کوئی اثر پڑتا ہے.... کیونکہ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے کام کو کتنا سنجیدہ لیتے ہیں اور کتنا انجوائے کرتے ہو۔"

★ "ویسے آسان کام ہے یا انتہائی مشکل کام ہے؟"

❋ "کام بہت مشکل اور تھکا دینے والا ہے.... یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو اداکاری کا جنون ہے۔"

★ "آج کل ڈرامے ایک جیسے موضوعات کے ساتھ چل رہے ہیں۔ کچھ کہیں گی آپ اس بارے میں؟"

❋ "جی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ کہانیوں میں بہت یکسانیت آگئی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو موضوع ہٹ ہو گیا پھر رائٹر کچھ نیا لانے کی کوشش بھی نہیں کرتے.... بے شک کہانیاں ہمارے معاشرے کی ہی ہوتی ہیں۔ مگر معاشرے میں ہر چیز بری نہیں ہو رہی کچھ اچھا بھی ہو رہا ہے۔"

★ "عورت بے شک مظلوم ہے۔ مگر اتنی نہیں جتنی دکھائی جا رہی ہے؟ کیا خیال ہے آپ کا؟"

❋ "جی ہاں عورت کو "بے چاری" بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ اپنی ریٹنگ بڑھانے کے لیے.... مگر یہ ایک برا رجحان ہے۔ ہمیں صرف نگیٹو پہلو نہیں دکھانے چاہیں۔ پوزیٹو بھی دکھانا چاہیے.... باہر کے ممالک میں بھی ہمارے ڈرامے دیکھے جاتے ہیں اس طرح کے ڈراموں سے امپریشن خراب ہوتا ہے۔"

★ "کبھی گزرتے وقت کے ڈرامے دیکھنے کا اتفاق ہوا؟"

❋ "بالکل جی.... سیکھنے کے لیے پرانے ڈرامے دیکھنے بہت ضروری ہیں کیونکہ وہ ہمارے لیے بہت ضروری ہیں۔ وہ کلاسک کا درجہ رکھتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہمارا ڈرامہ بہت بدل گیا ہے.... اور شاید لوگوں کے مزاج بھی بدل گئے ہیں.... پھر کافی چینل آجانے سے مقابلہ بھی بڑھ گیا ہے اور مقبولیت کے لیے بارہ مسالے کی چاٹ بن گیا ہے ڈرامہ۔"

★ "کچھ ترقی بھی ہوئی ہے.... اگر ہوئی ہے تو کس شعبے میں ہوئی ہے؟"

❋ "بہت اچھی تبدیلیاں آئی ہیں' ٹیکنالوجی کافی نئی آ گئی ہے جس کی وجہ سے ڈرامہ بہت اچھا ہو گیا اوریجنل لوکیشنز پہ کام ہوتا ہے نئے اور فریش چہرے آگئے ہیں.... بس اسٹوریز میں بھی تھوڑی توجہ ہو جائے تو کیا ہی بات ہے.... ڈائریکٹرز بھی نئی ٹیکنالوجی کے تحت کام کرتے ہیں.... ہمارا ڈرامہ ترقی کر رہا ہے اور ان شاء اللہ کرتا رہے گا۔"

★ "آپ نے مارکیٹنگ میں گریجویشن کیا ہے ڈگری تو اب الماری کی نذر ہو جائے گی؟"

❋ "ارے ایسا کچھ نہیں ہے.... بے شک میری تعلیم مارکیٹنگ میں ہے لیکن میری ڈگری ضائع نہیں ہو گی کیونکہ میں اس فیلڈ کے کسی بھی شعبے میں جا کر با آسانی اپنی جگہ بنا سکتی ہوں۔ میں صحافت کی طرف بھی جا سکتی ہوں۔"

★ "ایک زمانہ تھا جب ہماری فلم انڈسٹری بھی لاہور میں تھی اور ڈراموں کا زیادہ کام بھی لاہور میں ہوتا تھا .... اب کراچی دونوں حوالوں سے انڈسٹری بن چکا ہے ....لاہور میں کام کرنے کا تجربہ کیسا رہا؟"

❋ "کام کا تجربہ تو اچھا رہا.... لیکن میں نے دیکھا ہے کہ کراچی میں کام بہت تیزی سے ہوتا ہے۔ لاہور میں پروفیشنل ازم ذرا کم ہے۔ جبکہ لوگ بہت اچھے ہیں اور بہت تعاون بھی کرتے ہیں۔ پروفیشنل ازم سے مراد یہ ہے کہ وقت کی پابندی کا خیال نہیں رکھا جاتا.... لیکن میرا خیال ہے کہ جب لاہور میں زیادہ کام ہونے لگا تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

★ "چلیں ... رباب اب اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

* "جی میں 28 نومبر 1988ء میں کراچی میں پیدا ہوئی ... اور کراچی میں ہی میری پرورش ہوئی اور اس شہر میں اپنی تعلیم بھی مکمل کی۔ 28 نومبر کے حساب سے میرا ستارہ (قوس) Sagi tarius ہے اور ہائیٹ 5 فٹ اور 8 انچ ہے۔"

★ "اتنی ہائیٹ والی لڑکیاں تو ریمپ پہ ماڈلنگ بھی کرتی ہیں آپ نے کی؟"

* "نہیں جی ریمپ ماڈلنگ تو نہیں کی البتہ کمرشلز میں ماڈلنگ ضرور کی ہے... کسی اچھی جگہ سے ریمپ ماڈلنگ کی پیش کش ہوئی تو پھر اس بارے میں ضرور سوچوں گی۔"

★ "فلم سے تو آپ کو ضرور آفر ہوئی ہوگی؟"

* "جی آئی تھی... لیکن مجھے اسکرپٹ کچھ معیاری نہیں لگا اور ویسے بھی میں ابھی ڈرامہ کی فیلڈ میں کچھ مزید کر کے دکھانا چاہتی ہوں۔ مزید سیکھنا چاہتی ہوں اور جب محسوس کروں گی کہ اب مجھے کام کرنا چاہیے تو کروں گی۔"

★ "اور فارغ وقت میں کیا کرتی ہیں؟"

* "فارغ اوقات ملتے ہی کہاں ہیں... مل جائیں تو گھر والوں کے ساتھ ہی گزارتی ہوں۔"

★ "اور کچھ کہنا چاہیں گی؟"

* "میرے خیال میں آپ نے سب کچھ ہی پوچھ لیا۔"

او کے جی... اور اس طرح ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

✡ ✡

آواز کی دنیا سے

ربیعہ اکرم

شاہین رشید

ہر کامیاب انسان کے پیچھے کسی دوسرے انسان کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے... اگر انسان ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کریں... انہیں ٹریننگ نہ دیں۔ انہیں گائیڈ لائن نہ دیں اور سب سے بڑی بات کہ حوصلہ افزائی نہ کریں تو کوئی انسان آگے نہ بڑھے۔ میرے تجربے کے مطابق تو تعاون کی ایک چین (Chain) چلی آرہی ہے کسی ایک فیلڈ میں نہیں بلکہ ہر فیلڈ میں ... چونکہ آج بات ہو رہی ہے "آواز کی دنیا سے" کی تو اس بار ہم آپ کی ملاقات ربیعہ اکرم سے کروائیں گے جو FM 101 کی پروگرام منیجر ہیں اور ایف ایم 101 میں جن آر جے ز کو ہم اور آپ نہایت شستہ لہجے میں اور صحیح تلفظ کے ساتھ بہترین اردو میں پروگرام کرتے ہوئے سنتے ہیں وہ ربیعہ اکرم کی ہی کاوش اور ٹریننگ کا نتیجہ ہے... اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے انہوں نے ہمیں ٹائم دیا اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

★ "کیا حال ہیں؟ اور کیا مصروفیات ہیں؟"

✲ "اللہ کا شکر ہے... اور مصروفیات تو بس گھرداری ہے اور ریڈیو کی نوکری ہے۔ لوگ کہتے ہیں ناکہ ملا کی دوڑ مسجد تک تو میری دوڑ گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر ہے۔ صبح نو بجے سے شام 4 بجے تک میری ڈیوٹی ٹائمنگ ہے پھر گھر پہنچتے پہنچتے 5 تو بج ہی جاتے ہیں۔ پھر فریش ہو کر نماز پڑھتی ہوں اور اس کے بعد گھر کے کاموں پر توجہ دیتی ہوں

پھر ماشاء اللہ بچوں پر بھی توجہ دینی ہوتی ہے۔ وہ کیا کر رہے ہیں پڑھائی پہ کتنی توجہ دے رہے ہیں۔ ان سب باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

★ "بچوں پر تو واقعی نظر رکھنی پڑتی ہے کہ آج کل کا ماحول بہت خراب ہے... کتنے بچے ہیں اور کیا پڑھ رہے ہیں؟"

✲ "بچوں میں اچھائی اور برائی کی تمیز تو ہم نے ہی اجاگر کرنی ہے۔ بچے انٹرنیٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں تو گہری نظر اس بات پر بھی رکھنی پڑتی ہے کہ کیا کر رہے ہیں لیکن مجھے اپنے بچوں میں شعور اور آگہی نظر آتی ہے۔ بچے ماشاء اللہ دو ہیں بڑی بیٹی ایم بی بی ایس کر رہی ہیں اور بیٹا 18+ ہے۔ وہ اے لیول کا امتحان دے گا اور بیٹی ڈاؤ یونیورسٹی میں ہے... اور میاں صاحب ہمارے ڈاکٹر ہیں اور ان کی بالکل بھی خواہش نہیں تھی کہ بیٹی ڈاکٹر بنے... مگر بیٹی کی اپنی خواہش تھی کہ میں میڈیکل میں جاؤں... میڈیکل میں جانے کا شوق تو مجھے بھی بہت تھا مگر چونکہ دل کی کمزور تھی تو نہ جا سکی... مگر شادی بھی ڈاکٹر سے ہو گئی اور بیٹی بھی ڈاکٹر بن رہی ہے وہ تھرڈ ایئر میں ہے اور اکرم (میاں صاحب) جنرل فزیشن ہیں۔"

★ "تو جناب اب آپ کی فیلڈ کی طرف آتے ہیں... تو یہ بتایئے کہ ترقی کے منازل کس طرح قدم بہ قدم طے کیے آپ نے؟"

✲ "میں تو اپنے آپ کو ابھی تک طفل مکتب سمجھتی ہوں، بہت سے لوگ براڈ کاسٹر ہونے کا دعوا تو کرتے ہیں مگر انہیں اس کی الف ب نہیں پتا ہوتی، مگر میں اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتی۔"

★ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں... مگر اتنی محنت کے بعد کامیابیوں کے بعد دل کو تھوڑا اطمینان ہوتا ہے کہ ہم نے کچھ اچیو (حاصل) کیا ہے عمر کو گنوایا نہیں ہے؟"

٭ "بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ.... اگر میں ایم ایس سی کر کے گھر داری میں ہی الجھ جاتی تو یقیناً" عمر گنوانے کے مترادف ہی ہوتا۔ کیونکہ ایم ایس سی بھی میں نے ہوم اکنامکس میں کیا تھا.... تو ایم ایس سی کے بعد لیکچرر شپ کا امتحان دیا اور پوزیشن حاصل کی.... مگر ریڈیو میں بولنے کا اور لکھنے کا جنون تھا اور میرے اندر کا فنکار مجھے اس فیلڈ میں آنے کے لیے اکساتا تھا تو میں لیکچرر شپ کی طرف نہیں گئی بلکہ ریڈیو کی طرف آ گئی۔ اور ریڈیو میں ہمارے اسٹیشن ڈائریکٹر نے کہا کہ ربیعہ صاحبہ لیکچرار تو لاکھوں کی تعداد میں ہیں مگر حیدر آباد ریڈیو اسٹیشن میں پروڈیوسر آپ واحد ہیں تو آپ اپنی پہچان بنوائیں.... تو میں ریڈیو حیدر آباد میں تھی اور شادی ہو کے پھر کراچی آ گئی۔"

★ "تو ریڈیو کی طرف رجحان کیسے ہوا آپ کا؟"

٭ "طالب علمی کے دور میں غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیا کرتی تھی

مجھے ریڈیو کے لوگوں نے کہا کہ بی بی آپ اتنا اچھا بولتی ہیں آپ ریڈیو کے لیے پروگرام کیوں نہیں کرتیں.... تو میں نے کہا کہ پتا نہیں گھر سے ریڈیو پہ کام کرنے کی اجازت ملتی ہے یا نہیں.... تو کہا گیا کہ طالب علموں کے پروگراموں میں آنے سے گھر والے کیوں منع کریں گے.... تو خیر میں نے اپنے والد کو یہ بات بتائی تو انہوں نے بہت حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ ہاں ہاں ضرور جاؤ تو بس اس طرح ریڈیو سے شروعات ہوئی.... بہ حیثیت ایک طالبہ کے پھر وہیں پہ ڈرامہ سیکشن کے لیے بھی آڈیشن دیا.... اور یہ بات ہے 1979ء کی اس وقت میں انٹر کی طالبہ تھی.... لیکن پروڈیوسر میں دس سال بعد بنی یعنی 1989ء میں پروڈیوسر بننے کے بعد سینئر پروڈیوسر بنی.... پھر ریڈیو کی طرف سے ہی میں تین سال کے لیے "وائس آف امریکہ" چلی گئی.... جہاں کی اردو سروس کے لیے پروگرام کیے (واشنگٹن ڈی سی) وہاں سے جب پاکستان آئی تو میری پرموشن ہو گئی

اور میں پروگرام منیجر کے عہدے پر فائز ہوئی.... اور سوائے "دیہاتی بھائیوں" کے پروگرام کے میں نے ہر طرح کے پروگرام اور ان میں مذہبی پروگرام بھی شامل ہیں اور مجھے بہترین پروڈیوسر کا ایوارڈ بھی مجھے مل چکا ہے۔"

★ "فخر تو ہوتا ہوگا؟"

٭ "بالکل 1979ء میں بہ حیثیت طالبہ کے گئی اور 1989ء میں جب اسی ریڈیو اسٹیشن پہ پروڈیوسر کی کرسی پر بیٹھی تو بہت اچھا لگا اور بہت فخر محسوس ہوا.... اور وہاں پہ کام کرنے والے جب کہتے کہ ربیعہ سعید تو پروڈیوسر بن گئیں تو اور بھی زیادہ اچھا لگتا تھا۔"

★ "کراچی کب آئیں؟"

٭ "میں نے بی ایس سی حیدر آباد سے ہی کیا۔ ایم ایس سی کرنے کراچی آئی اور ایم ایس سی کر کے واپس

حیدر آباد چلی گئی اور 1994ء میں جب میری شادی ہوئی تو میں کراچی آگئی اور کراچی آکر میں نے ریڈیو پاکستان کراچی کو جوائن کیا۔

★ "101 FM ایک سرکار ادارہ ہے اور دیگر چینلز کی طرح یہاں آزادی بھی نہیں ہوتی پروگرامز کے سلسلے میں تو آپ کا دل نہیں چاہا کہ میں دوسرے FM پہ چلی جاؤں؟"

☼ "بالکل دل نہیں چاہتا... اگرچہ "وائس آف امریکہ" میں کام کرنے کی آزادی ہوتی تھی' وہاں لب سلے ہوئے نہیں ہوتے تھے... بہت آزادی ہوتی تھی مگر ہمارے ریڈیو پاکستان کی جو "اقدار" ہیں وہ مجھے

★ "سرکاری ادارہ ہے مگر یہاں کے آر جے ز معاوضے سے مطمئن نہیں ہیں... ایسا ہے نا...؟"

☼ "نہیں نہیں... ایسی بات نہیں ہے یہ فل ٹائم جاب نہیں ہو سکتی آر جے ز کے لیے... ظاہر وہ نوکری بھی کرتے ہیں... لیکن ہم لوگ چونکہ سرکاری ملازم ہیں اور گریڈ 18 یا گریڈ 19 کے لوگوں کی جو تنخواہیں وہ کم نہیں ہیں ہاں جو آر جے جز وقتی ہوتے ہیں انہیں کم معاوضہ ملتا ہے۔ اس لیے پھر لوگ پرائیویٹ چینل کی طرف رجوع کرتے ہیں یا چلے جاتے ہیں۔"

★ "آپ کو آفرز تو آئی ہوں گی؟"

☼ "بہت آفر آتی ہیں اور قاضی واجد صاحب کا تو میرے ساتھ اٹھتے بیٹھتے بس ایک ہی وظیفہ ہوتا ہے کہ چھوڑو اور ٹی وی چلو... کیونکہ وہ دیکھتے رہتے ہیں کہ جس طرح کے کردار "حنا دل پذیر" ٹی وی پہ کرتی ہیں اسی طرح کے کردار میں ریڈیو پہ کرتی تھی... ہر طرح کی آوازیں بنانا ہر طرح کے لہجے بنانا... تو وہ بار بار کہتے تھے کہ کیوں اپنے آپ کو ضائع کر رہی ہو۔ ٹی وی کی طرف آجاؤ... تو میں کہتی تھی کہ میاں صاحب نے ریڈیو کی اجازت دے دی یہی بہت ہے۔"

★ "میاں صاحب کو فورس کرتیں آپ؟"

☼ "ارے نہیں... ان کا تو پہلے دن یہ سوال تھا کہ نوکری چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔ تو میں نے کہا تھا کہ جس دن گھر متاثر ہو گا اس دن چھوڑ دوں گی اور بچوں کے ساتھ مجھے واقعی بہت مشکل ہوتی تھی اور قمر علی عباسی جو کہ کافی سخت مزاج تھے ان کے ساتھ کام کرنا واقعی حوصلہ کی بات تھی... بس میرا ساتھ تو میرے اللہ نے دیا ہے۔ میں نے پروڈیوسر بننے کے بعد بھی بہ حیثیت کمپیئر کے بہت کام کیا ہے اور پروگرام منیجر بننے کے بعد بھی کام کیا... "صبح پاکستان" کے نام سے ایک پروگرام ہوتا تھا جسے عظیم سرور صاحب پیش کرتے تھے تو اس کا اسکرپٹ لکھنا' پیش کرنا اور کمپیئرنگ کرنا یہ تینوں کام میں خود کیا کرتی تھی اور پروگرام منیجر بننے کے بعد کیے... خواتین کے بہت سے پروگرام حیدر آباد ریڈیو سے اور کراچی ریڈیو اسٹیشن سے کیے اور اب بھی کبھی ضرورت پڑتی ہے اور کوئی کہے کہ گیت غزل اور شعر و شاعری کا پروگرام کرنا ہے تو میں کر لیتی ہوں... تو اگر ٹی وی پہ جاتی تو بچے بہت نظرانداز ہوتے اور اب بھی میں سمجھتی ہوں کہ میرے بچے بہت جلدی انڈی پینڈنٹ ہو گئے ہیں۔"

★ "میں نے دیکھا ہے کہ جن بچوں کے والدین جاب کرتے ہیں ان کے بچے پڑھائی میں بھی بہت اچھے ہوتے ہیں اور جلدی انڈی پینڈنٹ بھی ہو جاتے ہیں... کیا خیال ہے آپ کا؟"

☼ "ہاں... بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... میرے اندر ایک احساس رہتا تھا کہ کہیں مجھے طعنہ نہ ملے کہ آپ نے بچوں کی تربیت ٹھیک نہیں کی۔ جاب کریں گی تو بچے تو بگڑیں گے ہی... اس طعنے سے بچنے کے لیے میں نے اپنی سوشل لائف ختم کر لی اور صرف اور صرف جاب اور گھرداری پہ توجہ دی۔ کام سے آتی تھی تو بچوں کے ساتھ ان کی پڑھائی پر لگ جاتی تھی تو جہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی بیس (بنیاد) بہت اچھی بن گئی... ان میں ایک تہذیب ایک سلیقہ آگیا۔ مذہب سے دوری نہیں ہوئی ان میں... اور یہ سب کچھ کرنے کے لیے میں جانتی ہوں کہ مجھے کتنی قربانیاں دینی پڑیں... ہم اپنا 100 فیصد ان بچوں کو دیتے ہیں جس کی وجہ سے یہ بگڑتے نہیں ہیں۔ باوجود جاب کرنے کے ہماری اپنی بچوں پر گہری نظر ہوتی ہے۔"

★ "جو نئے بچے بچیاں آتی ہیں ان میں آپ کیا کوالٹی دیکھتی ہیں؟"

☼ "تین چار باتیں ضرور دیکھتی ہوں.... سب سے پہلے آواز دیکھتی ہوں جو کہ بہترین ہونی چاہیے۔ پھر تلفظ لہجہ اور میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ کمپیئر حلق سے نہیں ہوتا' زبان سے نہیں ہوتا' کمپیئر دماغ سے ہوتا ہے.... آپ کا دماغ حاضر دماغ ہونا چاہیے۔ اپ ڈیٹ ہو حالات حاضرہ سے اور ہر شعبے جیسے سیاست' معاشیات اور کھیلوں سے متعلق معلومات ضرور ہو....

★ "اپنی آر جے ز کے لیے آپ نرم طبیعت کی مالک ہیں یا سخت؟"

☼ "میں اپنے آرجے ز کے معاملے میں بہت سخت ہوں' آڈیشن کے وقت اگر آپ مجھے دیکھیں گی تو میں آپ کو ایک بالکل مختلف ربیعہ اکرم نظر آؤں گی۔ کوشش کرتی ہوں کہ بیسٹ ٹیم' بیسٹ آرجے کا انتخاب کروں اور جب سلیکشن ہو جاتا ہے تب بھی سخت ہی رہتی ہوں فرینڈلی میں اس وقت ہوتی کہ کوئی میرے کمرے میں آکر چائے وغیرہ پیئے....

★ "اس قدر گہری نظر آپ اپنے آرجے ز پہ رکھتی ہیں تو گھر آکر بھی گویا آپ ڈیوٹی پہ ہی ہوتی ہیں؟"

☼ "آپ یقین کریں میں رات کے بارہ بجے تک آن ڈیوٹی رہتی ہوں اور ریڈیو کو مانیٹر کرتی رہتی ہوں.... ہمارے یہاں ایک بچہ ہے عمیر علی انجم جو شاعری کے پروگرام کرتا ہے اور خود بھی صاحب کتاب شاعر ہے اسے میں پورے پروگرام کے دوران sms کرتی رہتی ہوں کہ کوئی غیر معیاری پوئٹری نہیں سنانی ہے.... اور نہ ہی بے وزن شاعری ہو.... ورنہ تمہارا نام بھی خراب ہو گا اور چینل کا نام بھی اور تلفظ کے معاملات تو میں ہضم نہیں کرپاتی اور اس سخت ڈیوٹی کی وجہ سے مجھے دوسری اپنی ذاتی ایکٹوٹی کے لیے ٹائم ہی نہیں ملتا.... ریڈیو ہی میرا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔ ہاں ایک گھنٹہ میں اپنے لیے ضرور نکالتی ہوں

★ "اب آپ اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتایئے.... کیونکہ فیلڈ سے متعلق تو کافی باتیں ہو گئیں؟"

☼ "ہمارا شجرہ نسب جمیل الدین عالی کے خاندان سے ملتا ہے.... والد کو نہ صرف شاعری کا شوق تھا بلکہ وہ خود بھی شاعر تھے اور وہ سرکاری ملازم تھے جبکہ والدہ ہاؤس وائف.... اور خاصی پڑھی لکھی بھی.... اردو ان کی بھی بہت اعلا تھی اور میلاد شریف میں "بیان" وغیرہ پڑھتی تھیں.... میری تاریخ پیدائش 13 اگست 1962ء کی ہے حیدر آباد میں جنم لیا.... دسمبر 1993ء میں میری شادی ہوئی.... اور تعلیم کے بارے میں تو بتایا کہ "ایم ایس سی" ان ہوم اکنامکس' ایم ایس سی رعنا لیاقت علی کالج سے کیا 4 بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں۔"

★ "شادی میں آپ کی پسند کو کتنا عمل دخل ہے؟"

☼ "100 فیصد عمل دخل ہے.... ان کی فیملی اور ہم آپس میں پڑوسی تھے تو بس.... اللہ کو جو منظور تھا وہ ہوا .... ماشاء اللہ سے ہماری اچھی فیملی ہے.... میرے میاں اکرم میرے مقابلے میں بے حد متوازن شخصیت کے مالک ہیں نرم اور ٹھنڈے مزاج کے انسان ہیں.... پہلے تو مجھے جلدی غصہ آجاتا تھا.... مگر اب ایسا نہیں ہے.... مگر پھر بھی یہی کہوں گی کہ اکرم میرے مقابلے میں 100 فیصد بہتر ہیں۔"

★ "سیاست' کھیل.... ان سے لگاؤ ہے؟"

☼ "کرکٹ کو دیکھنے کی حد تک شوق ہے۔ کھیلوں کے مقابلے میں کبھی حصہ نہیں لیا.... ہاں میری دوستیں جب اچھا کھیلتی تھیں تو ہم تالیاں بجانے والوں میں ضرور ہوتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ مطالعہ کا شوق ہے اور اچھی کتابیں مل جائیں تو ضرور پڑھتی ہوں.... "سفرنامے" پڑھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔"

★ "گھر میں آپ کتنی سخت مزاج ہیں اور کس معاملے میں آپ فرینڈلی ہیں؟"

☼ "گھر میں بے ترتیبی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی' جسے جائے نماز رکھنے کی جو جگہ ہے اسے وہیں پہ ہونا چاہیے ادھر ادھر نہیں.... تو ان معاملات میں سخت ہوں.... ویسے میں فرینڈلی مدر ہوں.... اور اپنے آرجے ز کے ساتھ بھی بہت فرینڈلی ہوں.... مزاجاً "لوگ مجھے جولی کہتے ہیں۔"

آسیہ مرزا

من مورکھ کی بات نہ مانو

عباد گیلانی بلڈ کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ وہ اپنی بیوی مومنہ کو چھوڑ کر اپنے بیٹے حازم کو اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور دوسری شادی عاظمہ سے کرلیتا ہے۔ حازم اپنی سوتیلی ماں عاظمہ اور بھائی بابر کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہا ہوتا ہے مگر اپنے باپ عباد گیلانی کی بیماری کی وجہ سے فکر مند رہتا ہے جبکہ عاظمہ اور بابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔

حوریہ مومنہ کی بھتیجی اپنی پھوپھو اور اپنی دوست فضا سے بہت محبت کرتی ہے۔ فضا کی ایک امیر زادے سے دوستی ہے اور وہ گھر والوں سے چھپ کر ملتی رہتی ہے۔ حوریہ کو اس بات سے اختلاف ہے، وہ فضا کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کہ وہ اس راستے پر نہ چلے۔

عباد گیلانی جب موت کو اپنے قریب دیکھتا ہے تو مومنہ کے باپ یاور علی کو بلاتا ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے۔ حازم کو خاص طور سے اس کے نانا یاور علی سے ملواتا ہے مگر حازم اپنے نانا سے مل کر اچھے تاثرات کا اظہار نہیں کرتا۔

(اب آگے پڑھیے)

پانچویں قسط

وہ ریسیور تھامے اپنی ہمت مستحکم کر رہی تھی۔ جب ماؤتھ پیس سے حازم کی آواز ابھری۔

"اگر مراقبہ پورا ہو چکا ہو تو پلیز مجھے نمبر دے دیں۔" وہ دوسری طرف حوریہ کی موجودگی محسوس کر چکا تھا۔ بظاہر اس کا لہجہ سادہ سا تھا مگر حوریہ شرمندہ سی ہو گئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ رقیہ بھابھی موجود نہیں تھیں۔

"یقین کریں۔ میں آپ کی پھپھو کو مزید ہرٹ کرنے کے لیے نمبر نہیں مانگ رہا ہوں بلکہ سوری کرنے کے لیے کال کرنا چاہتا ہوں۔" نیم طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ریسیور پر ہلکے سے انگلی بجائی۔

"اگر دینے میں کوئی ہچکچاہٹ ہے تو کوئی بات نہیں۔"

"جی۔ نمبر یہ ہے۔" وہ نمبر بتانے لگی پھر اس کے تھینک یو کہہ کر لائن ڈس کنیکٹ کرنے سے پہلے جلدی سے بولی۔

"میں نے جو کہا تھا آپ سے۔ اس کے لیے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ دیکھیے پلیز آپ پھپھو سے کچھ مت کہیے گا۔" دوسری طرف بے ساختہ ہلکے سے سانس بھرتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔

"اوکے میں کوشش کروں گا کہ کچھ نہ بتاؤں۔"

"دیکھیے مجھے آپ سے کوئی ذاتی دشمنی تو نہیں ہے نا۔ وہ تو میں نے پھپھو کی خاطر کہا تھا۔ وہ آپ کے رویے سے ہرٹ ہوئی تھیں اور میں انہیں دکھی نہیں دیکھ سکتی۔" ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔

"اور مجھے بھی اپنے کسی بھی عمل سے ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ میں آل ریڈی ان کے دل میں موجود ہوں۔ اتنا تو مجھے یقین ہے۔" دوسری طرف بڑی گہری سنجیدگی سے کہا گیا تھا اور لائن ڈس کنیکٹ ہو گئی۔ حوریہ ریسیور پکڑے کھڑی رہ گئی۔ رقیہ بھابھی کے تیز تیز بڑبڑانے کی آواز پر اس نے چونک کر جلدی سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"جا بجا کانچ بکھرے پڑے ہیں اس لڑکی میں تو عقل نام کو نہیں ہے۔ نوری ذرا دھیان سے صفائی کرو۔ پیر میں لگ نہ جائیں۔" وہ ماسی کی بیٹی سے کہہ رہی تھیں۔

حوریہ چپکے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

فضا کو ہوش آیا تو وہ مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ پیر سے سینے تک چادر اوڑھے ہوئے۔۔۔ اس نے آنکھیں کھولیں پھر گھبرا کر دوبارہ بند کر لیں اس کے کانوں میں جہاں آرا کی آواز سنائی دی تھی پھر ابا کی آواز ابھری۔

"کیا ہوا۔ ہوش آیا یا نہیں۔"

"آ گیا ہے ہوش آپ کی لاڈلی کو۔۔۔ جان نکال دی سب کی۔" وہ فضا پر نگاہ ڈال کر کمرے سے نکل گئیں۔

"میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ یہ تو اچھا ہے پچھواڑے گلی میں ہی رہتی ہیں نگہت آپا۔ اسپتال میں نرس ہیں وہ۔ جلدی سے دوڑ کر ان ہی کو بلا لائی۔" وہ ابا کو پوری رپورٹ دے رہی تھیں۔ وہ ہوش میں آنے کے باوجود آنکھیں بند کیے پڑی رہی۔ شدید نقاہت بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ نرس۔ کیوں بے ہوش ہو گئی یکایک۔۔۔ کیا ہو گیا تھا؟" ابا کے لہجے میں تشویش تھی۔

"آپ کا کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے آ کر کھا لیں۔ زبیر تم بھی آ جاؤ۔ دستر لگا دیا ہے۔"

اسے لگا۔ جہاں آرا نے ابا کی بات جان کر سنی ان سنی کر کے ٹال دی تھی۔

"آ رہا ہوں اماں۔ فضا آپی کو بھی بلا لیں۔"

"نہیں اسے سونے دو۔ اسے میں بعد میں دے دوں گی۔" وہ چت پڑی آنکھیں موندیں یہ آوازیں سنتی رہی۔

جہاں آرا اس طرح مہربان ہو رہی تھیں اسے اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا سب کچھ۔۔۔ سر پھر بھاری بھاری سا ہونے لگا اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کوئی گھنٹا بھر بعد اس کی آنکھیں کھلیں تو جہاں آرا اس کے سامنے کرسی رکھے بیٹھی تھیں۔ وہ اٹھنے لگی تو جلدی سے بولیں۔

"لیٹی رہو۔ لیٹی رہو۔ نقاہت بہت ہے تمہیں۔"

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں بس۔" وہ کچھ گھبرا سی رہی تھی۔۔۔ جہاں آرا کی یہ مہربانیاں۔ ہضم نہیں ہو پا رہی تھیں اس سے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔۔۔ واقعی اسے نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ سر بھی بھاری بھاری ہو رہا تھا۔ جہاں آرا کی جہاندیدہ نظریں اس پر ٹکی اس کا از سر نو جائزہ لے رہی تھیں۔

"مجھے لگتا ہے میں کچھ زیادہ سو گئی ہوں۔ اس وجہ سے سر بھاری ہو رہا ہے۔" وہ جہاں آرا سے نظریں چراتے ہوئے بے مقصد مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔

"ہاں بی بی۔ کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔" جہاں آرا نے ایک لمبی سانس بھر کر چبھتے انداز میں اسے دیکھا۔

"مگر سو تو ہم گئے تھے۔۔۔ اور پانی سر سے اوپر ہو گیا۔" وہ یکدم تنتناتے لہجے میں بولی تھیں۔ فضا اٹھنے لگی اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے دوبارہ مسہری پر پٹخا۔ اور اس کے اوپر جھکتے ہوئے بولیں۔

"واہ بھولی حسینہ۔ واہ۔ اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے یعنی جہاں آرا کو اس کوٹھری نما گھر میں رہتے ہوئے خبر نہ ہو پائی۔ میری ناک کے نیچے یہ کھیل ہوتا رہا۔ تف ہے جہاں آرا تم پر۔" وہ اسے دھکا دے کر۔ واپس اپنی کرسی پر سیدھی ہو کر بیٹھیں۔ اور اسے خوں خوار نظروں سے گھورنے لگیں۔

"منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا اپنے باپ کو۔۔۔ اب انگلی نہیں انگلیاں اٹھیں گی۔۔۔ اس گھر پر۔۔۔ باپ کی عزت دو کوڑی کی کر دی۔" فضا کے اوپر تو گویا آسمان آ گرا۔ وہ دم سادھے پڑی رہ گئی۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"ابھی تو صرف مجھ پر کھلی ہے یہ حقیقت اس کے بعد۔۔۔"

"جہاں آرا۔" ابا کی آواز دروازے کے باہر سنائی دی۔ وہ اس طرف آ رہے تھے۔

"اب کیسی طبیعت ہے فضا کی۔" جہاں آرا نے فضا کو دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں ایسا خوف بھر آیا جیسے قتل ہوتے ہوئے مقتول کی آنکھوں میں آخری لمحے ہوتا ہو گا۔ اس نے بے ساختہ جہاں آرا کا بازو تھاما تھا ملتجی انداز میں۔

"ہاں جاگ رہی ہے لاڈلی۔" ابا بھڑا ہوا دروازہ کھول کر اندر آئے۔ فضا کی آنکھوں میں۔ منت ' لجاجت ' معافی ' وحشت۔ کیا کچھ نہ تھا۔ جہاں آرا نے ایک ہنکارا بھرا اور کرسی سے اٹھتے ہوئے ابا کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"ہاں بس نقاہت باقی ہے۔ وہ بھی کھائے پیے گی تو دور ہو جائے گی۔" ابا اندر آ کر مسہری کی طرف آئے۔ بڑی نرمی اور پدرانہ شفقت دکھائی دے رہی تھی ان کے چہرے سے۔

"کیسی ہو بھئی۔ کیا ہو گیا تھا اچانک۔ پریشان ہی ہو گیا تھا میں تو۔" فضا کے لب بولنے کی کوشش میں کھل کر پھر بند ہو گئے۔ ابا نزدیک آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

"امتحانوں کا بوجھ سر پر لے لیا ہو گا نا۔ ارے بیٹا۔ یہ پڑھائی وڑھائی کو دماغ پر سوار مت کیا کرو۔ ہمیں کون سا تمہیں نوکری کرانا ہے۔ بس شادی کر کے گھر بار ہی سنبھالنا ہے نا۔" وہ اسے تھپکتے ہوئے بڑے پیار سے کہہ رہے تھے۔ تیز پنکھے کے نیچے بیٹھے بیٹھے بھی وہ پسینے سے نہا رہی تھی۔ اسے لگا اس کے تلوے کے نیچے کوئی سلگتا انگارہ رکھا ہوا ہے۔ جس کی تپش روئیں روئیں میں اتر رہی ہو۔ وہ سر جھکائے بس اپنی دھڑکنوں کو سنتی رہی۔

"چلو آرام کرو۔ جہاں آرا اسے دودھ ضرور دے دینا اور ہاں ختم ہونے کی فکر مت کرنا۔ میں رات کو دوسرا لے آؤں گا۔" ابا پلٹتے پلٹتے جہاں آرا کو تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔ فضا کو جہاں آرا کی طرف دیکھنے کا

حوصلہ نہیں تھا اس کا دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سماجائے۔

☆ ☆ ☆
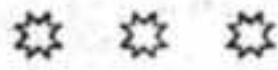
مومنہ نے حوریہ کو بلوایا تھا، مگر وہ یوں ہی کمرے میں سوتی بن گئی رقیہ بھابھی اسے دیکھ کر پلٹ گئیں۔ مگر کچھ دیر بعد مومنہ خود اس کے کمرے میں چلی آئی وہ آنکھیں کھولے چھت کو تک رہی تھی۔

"حوریہ۔" مومنہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔

"خفا ہو مجھ سے۔"

"نہیں تو۔ خفا کیوں ہونے لگی بھلا۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"شاید۔ تمہیں برا لگا۔ میرا حازم کا یوں فیور کرنا۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گئی۔

"پگلی۔ تم میرے لیے کتنی مخلص ہو۔ ایک جذباتی انداز میں سوچتی ہو۔ کیا میں نہیں جانتی۔ تمہیں حازم کا مجھ سے۔ اپنے پاپا کے حق میں دلائل دینا۔ اپنے پاپا کے لیے اموشنل (جذباتی) ہونا۔ تکلیف دے رہا تھا نا۔ ہاں میں جانتی ہوں۔"

"پھپھو۔ آپ ہرٹ (دکھی) ہوئی تھیں۔ اسے سوچنا چاہیے تھا کہ وہ اپنی ماں کے سامنے کھڑا ہے۔ صرف باپ کے ساتھ نہیں۔ اسے آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ اداسی سے بولی۔ پھر ان کی گود میں سر ڈال دیا۔

"کوئی آپ کو ہرٹ کرے۔ آپ کی آنکھوں میں نمی لے آئے۔ میری برداشت سے باہر ہے۔ وہ آپ کا بیٹا ہے تو کیا ہوا۔ اسے یہ حق تو حاصل نہیں ہے کہ وہ آپ کے جذبات و احساسات کا خیال تک نہ کرے۔"

"نہیں حوریہ۔ چندا۔ وہ اپنی جگہ غلط نہیں تھا۔ میرے سوچنے سمجھنے کا انداز غلط تھا۔" مومنہ آزردگی سے بولی۔

"نہیں پھپھو۔ آپ بالکل غلط نہیں تھیں۔" سر اٹھا کر احتجاجاً بولی۔

"حازم غلط تھا اس کا بی ہیویئر (رویہ) غلط تھا۔" وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی۔ شاید لاشعوری طور پر وہ حازم کو غلط ثابت کرنا چاہ رہی تھی۔ مومنہ نے اسے دیکھا اور ہلکے سے مسکرائی۔ پھر اس کے رخسار سہلاتے ہوئے بولی۔

"او کے۔ چلو حازم غلط تھا بس۔"

"ہاں بالکل۔ اب اس کی سزا ہونی چاہیے' اس نے آپ کا دل دکھایا ہے۔ اور دل دکھانے کی سزا تو ملنی چاہیے۔" مومنہ کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ گزرا اور وہ سوچنے لگی۔ دل دکھانے کی سزا وہ کب ملتی ہے کسی کو۔

"کیا خیال ہے پھپھو۔ میں کچھ غلط کہہ رہی ہوں۔"

"اچھا بتاؤ پھر۔ کیا سزا ملنی چاہیے۔" مومنہ خیالوں سے نکل کر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولی۔

"میں سیریس ہوں پھپھو۔"

"او کے۔ میں بھی بڑی سنجیدگی سے ہی پوچھ رہی ہوں۔ میرا خیال ہے حازم کو اب یہاں آنے سے روک دوں گی۔ اسے اب یہاں نہیں آنا چاہیے۔" مومنہ نے اب کے قدرے سنجیدگی سے کہا۔ حوریہ بیڈ سے کھڑی ہو گئی۔ اور مومنہ کی طرف دیکھا اور سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں پھپھو۔ میں ایسا نہیں کہہ سکتی۔ وہ آپ کا بیٹا ہے' اسے یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"میں تو روک سکتی ہوں نا۔" مومنہ اٹھ کر اس کے نزدیک آئی ہے۔

"حوری۔ تمہاری خوشی میرے لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔" حوریہ نے تڑپ کر انہیں دیکھا ان کا پھر ہاتھ تھام

کر بیٹھ کر سوچا کرو۔
"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ مگر پھپھو۔ میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔" "آپ تو کچھ زیادہ ہی سیریس ہو گئیں۔"
سوچو تو پھر۔ ایسا کرتے ہیں آج حازم آرہا ہے۔ اس کے سامنے بیٹھ کر کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کرتے ہیں حازم سے کہوں گی وہ تمہارے سامنے مجھ سے معافی مانگے گا۔ ٹھیک۔" مومنہ مسکراتے ہوئے پوچھتی ہے۔
حوریہ کو لگا کوئی پھندا سا اس کے گلے میں آلگا ہو۔
"حازم آرہا ہے۔" وہ گھبرا کر نظریں کترا کر اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے رخ موڑ لیتی ہے۔
"چھوڑیں پھپھو۔ چھوڑیں بھی اب۔ رات گئی بات گئی۔ اب اس ذکر کو رہنے ہی دیں۔ اور ہاں۔ میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ پھر مل کر اسٹرونگ سی چائے پیتے ہیں۔" وہ یہ کہتی مومنہ کی آگے سے کوئی بات سنے بغیر چھپاک سے باتھ روم میں گھس جاتی ہے۔
"عجیب لڑکی ہے۔" مومنہ اسے دیکھتی رہ جاتی ہے پھر باتھ روم کے دروازے پر ہلکے سے ہاتھ مار کر کہتی ہے "میں یاور کے کمرے میں ہوں۔ آجانا تم وہیں۔ اور ذرا جلدی آجانا۔" مومنہ یہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ حوریہ نے بیسن کے اوپر لگے آئینے میں اپنا منہ دیکھا اور پھر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے زور زور سے مارتے ہوئے سوچنے لگی کہ حازم آرہا ہے۔ وہ کیسے اس کا سامنا کرپائے گی۔ اف۔ اگر اس نے پھپھو سے اس کی شکایت کردی تو۔ اور یاور ماموں کو بھی بتا دیا تو پھر۔ وہ تپتے رخساروں پر پانی ڈالنے لگی۔

☼ ☼ ☼

حوریہ جو نہی یاور علی کے کمرے میں آئی تو اس کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ حازم بالکل سامنے سنگل صوفے پر بیٹھا یاور علی سے باتیں کر رہا تھا۔ مومنہ نے کپ میں چائے بھرتے اور پلیٹ میں نگٹس نکالتے ہوئے حوریہ کو دیکھا تو مسکرائی۔
"آؤ حوریہ۔" حازم کا دھیان یک دم یاور علی جانب سے ہٹا تھا۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ حوریہ جھجکتے ہوئے اندر آرہی تھی۔ سبز اور نیلے رنگ کے کڑھائی والے لباس میں دوپٹا شانوں پر پھیلائے وہ ترو تازہ مہکی مہکی سی محسوس ہو رہی تھی، حازم کو یک دم اپنے اندر طراوت کا احساس ہوا۔ تاہم وہ فطری جذبوں کی لگامیں کھینچ کر یاور علی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔
"نہیں۔ میں یہ سب کچھ نہیں کھاؤں گا ابھی پاپا کے ساتھ لنچ کیا تھا۔" وہ اسنیکس کی پلیٹ بھری ہوئی دیکھ کر بولا۔
"اب کیسی طبیعت ہے عباد کی۔" یاور علی پوچھنے لگے۔
"زیادہ بہتر نہیں ہے۔" وہ افسردگی سے بولا۔ "پاپا یو کے جانے کو راضی نہیں ہو رہے ہیں کہتے ہیں موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی انسانوں، خطوں اور جگہوں کے ہاتھ میں نہیں، بس مان کر نہیں دے رہے ہیں۔" وہ افسردگی سے بولا۔ مومنہ کا ہاتھ چائے کے مگ پر لحظہ بھر لرزا۔ تاہم وہ سر جھکا گئی اور خود کو لاتعلق ظاہر کرنے لگی اس موقع پر یاور علی نے یونہی اس کی طرف دیکھا پھر جلدی سے بات بدلتے ہوئے بولے۔
"تم زیادہ میٹھی چائے پیتے ہو یا کم۔ مومنہ چینی زیادہ ڈالتی ہے مجھے تو خیر میٹھی پسند ہے۔" وہ بات کو دوسرا رخ دینے کی غرض سے ہلکے مزاح کے ساتھ بولے۔
"حوریہ چائے اچھی بناتی ہے میں کھانا رقیہ اور مومنہ کے ہاتھ کا پکا کھاتا ہوں مگر چائے ہمیشہ حوریہ کے ہاتھ کی پیتا ہوں۔" مومنہ نے مسکرا کر حوریہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں یہ تو ہے۔ حالانکہ حوریہ خود بالکل چائے نہیں پیتی مگر بناتی اچھی ہے۔" اس نے چائے کا مگ حازم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا پھر حوریہ کو دیکھنے لگی جو کہیں بیٹھنے کی جگہ منتخب کر رہی تھی کہ ایسے کونے میں بیٹھے جہاں حازم کی نظروں میں براہ راست نہ آسکے۔

"اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جو لوگ چائے پیتے نہیں مگر بناتے اچھی ہیں۔" یاور علی بولے۔

"شاید" حازم مسکرایا اور تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ایسا ہی ہے جیسے لوگ کسی کے بارے میں زیادہ جانتے نہ ہوں مگر ان کے بارے میں رائے کھل کر اور صحیح دیتے ہوں۔" یہ کہہ کر حوریہ پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔

"ویسے میری زیادہ تنقید کی عادت نہیں ہے نہ چائے پر نہ کسی کی رائے پر۔" یاور علی محظوظ ہو کر ہنسنے لگے۔ حوریہ کو اپنا اعتماد بکھرتا محسوس ہوا۔ وہ جانتی تھی اسے ہی سنا رہا ہے۔

"ارے تم بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو اب تک۔ آؤ ادھر آجاؤ میرے پاس۔" مومنہ حوریہ سے کہنے لگی۔

"نہیں پھپھو۔ میں بس دادا جان کو سلام کرنے آئی تھی۔ دراصل مجھے کچھ نوٹس بنانے ہیں فری ہو کر آتی ہوں پھر۔"

"تو یہ کون سا وقت ہے نوٹس بنانے کا۔ کوئی ضرورت نہیں۔"

"پھپھو پلیز۔ کل ٹیسٹ ہے میرا۔" وہ مومنہ کو چمکارنے لگی۔

"آتی ہوں نا بس تھوڑی دیر میں۔" وہ حازم سے نظریں چرا کر کمرے سے نکل بھاگی۔

"عجیب لڑکی ہے۔ بے وقت پڑھائی تو یہ کبھی کرتی نہیں ہے جانے کیا ہوا اسے۔ ارے حازم تم لو نا یہ ایک آدھ تو کھاؤ۔" حازم ایک ہلکی سی سانس لیتے ہوئے مومنہ کا دل رکھنے کو نگٹس اٹھا کر کھانے لگتا ہے۔

☆ ☆ ☆
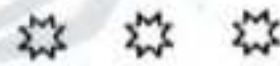
حوریہ نے صحن میں آکر ایک گہری سانس بھری اور چمپا کے درخت کے نیچے بنی سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھ گئی۔ یہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی عموماً وہ یہاں آکر بیٹھ جاتی جب بہت زیادہ الجھی ہوتی یا پھر اکیلے ہوتی کچھ دیر گزری کہ حازم سگریٹ پینے کی غرض سے صحن میں آیا تو وہ اسے ایک طرف بیٹھی دکھائی دی۔ حازم کو اس طرف آتا دیکھ کر سٹپٹا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ہلکے سے کھنکارتا اس طرف آیا اور پینے کی غرض سے نکالی ہوئی سگریٹ دوبارہ پیکٹ میں ڈال دی۔

"کیا ہو رہا ہے نوٹس وو ٹس نہیں بن رہے۔"

"نہیں وہ دراصل فرینڈ کے فون کا ویٹ (انتظار) کر رہی تھی اس سے کچھ پوائنٹس لینے تھے۔"

"ہوں۔" حازم نے ہلکے سے ہنکارا بھر کر اسے دیکھا۔

"مقابلہ کرنے کی طاقت بالکل نہیں لگتی تم میں۔" اس کا لہجہ دوستانہ تھا۔ "ویسے اچھی عادت ہے اپنی غلطی کو تسلیم کر لینا۔"

"ارے واہ۔ میں نے کب آپ سے سوری کیا ہے یا یہ کہا کہ میں نے جو کہا آپ کو وہ غلط تھا۔"

"کمال ہے میں سمجھا تم نادم ہو۔" حازم سر کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"خیر وہ تو ہوں۔" وہ دھیرے سے بولی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"گڈ۔ ویسے غلطی کو کمزور نہیں بلکہ مضبوط لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ یاد رکھنا۔" اس کا لہجہ سراہتا ہوا تھا اور ستائشی انداز میں ابرو اچکا کر اسے دیکھتے ہوئے مزید بولا۔

"مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ تم مما سے اتنا پیار کرتی ہو۔" پھر رک کر بولا۔ "سوری میں تمہیں تم کہہ

کر مخاطب کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ تم مجھ سے شاید بہت چھوٹی ہو اور کزن ہو میری۔ سو اجنبیت تو کوئی ہے نہیں۔"

حوریہ کیا بولتی۔ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"مما سے تمہارا یہ دلی لگاؤ۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ محبت کرنے والے عموماً" ایسے ہی اموشنل ہوتے ہیں۔ ویسے تمہارا مما کے لیے جذباتی ہو جانا مجھے یہ احساس دلا گیا کہ میں غلط تھا۔"

"نہیں پھپھو تو آپ سے بالکل بھی شاکی نہیں ہیں' ان کے خیال میں آپ غلط نہیں تھے۔" اس کی بات پر حازم دھیرے سے مسکرایا۔

"ان کا کیا ہے وہ تو ماں ہیں انہیں میں ہنڈریڈ پرسینٹ بھی غلط ہوں گا تب بھی غلط نہیں لگوں گا وہ مجھے محبت کی نظروں سے دیکھ رہی ہیں ایک ماں کی نظر سے بول رہی ہیں۔" پھر ایک ہلکی متاسفانہ سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"مجھے انہیں پہلے یہ احساس دلانا چاہیے تھا کہ وہ میرے لیے کس قدر اہم ہیں' کتنی ضروری' اس کے بعد مجھے پاپا کا فیور لینا چاہیے تھا (آئی میڈ مسٹیک (میں نے غلطی کی)" وہ سر کو ہلکے سے جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"پتا نہیں مجھے رشتوں کو الگ الگ خانوں میں فٹ کرنے نہیں آتا یا شاید مجھے سلیقہ نہیں آتا کہ پاپا اور مما کے تعلق میں میرا کیا الگ الگ رول ہونا چاہیے۔" پھر اس کی طرف براہ راست دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا اس معاملے میں تم میری کچھ ہیلپ کر سکتی ہو۔" حوریہ نے اس کی طرف دیکھا وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"تمہاری مدد سے آئی ہوپ (مجھے امید ہے) میں اس معاملے کو بہتر طور پر سولو (حل) کر سکوں۔"

"کیسی ہیلپ۔ میں سمجھی نہیں۔"

"تم مما سے بہت اٹیچڈ رہی ہو ان کے رویوں کو' ان کے مزاج کو زیادہ بہتر سمجھتی ہو وہ کب اور کس وقت کیا محسوس کرتی ہیں انہیں کون سی بات ہرٹ (تکلیف دیتی) کرتی ہے وہ کس طرح کیا سوچتی ہیں تم سمجھ رہی ہو نا میری بات۔" حوریہ بے اختیار ہلکے سے مسکرا دی پھر بولی۔

"حازم صاحب۔ رشتوں کو سمجھنے کے لیے ان کے نزدیک آنے کے لیے صدیوں کی ضرورت نہیں پڑتی یہ سچے اور بے غرض ہوں تو لمحوں میں قرب کی منزلیں طے کر لیتے ہیں' دل کو یوں گھیر کر اپنا رنگ پھیر دیتے ہیں جیسے برسوں ساتھ ہی رہے ہوں۔ سچے رشتوں کو سمجھنے کے لیے آپ کو کسی کی مدد کی یا کسی سیڑھی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا مدھم مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل رہی تھی' جو کچھ اور گہری ہو گئی۔ حازم کو اس کے لہجے کا کھرا پن بہت پیارا لگا تھا۔

"سچا تعلق از خود اپنا راستہ بنا لیتا ہے بغیر کسی کی مدد کے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ حازم نے بے ساختہ اسے بغور دیکھا پھر ایک گہری سانس کھینچ کر یوں مسکرایا گویا اس پر بہت کچھ واضح ہو گیا ہو پھر سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"آئی ایگری اٹ (میں متفق ہوں)" اس کی نگاہوں کی گہری تپش سے حوریہ نے نظریں چرا لیں پھر بولی۔

"میرا خیال ہے آپ کو اندر جانا چاہیے۔ پھپھو ویٹ کر رہی ہوں گی۔" وہ یہ کہہ کر پلٹ کر جانے لگی کہ جلدی سے بولا۔

"حوریہ۔" وہ رک کر ذرا سا پلٹی۔ وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا۔

"اگر جذبے سچے ہوں تو مقابل کے دل میں اترنے میں کتنا وقت لیتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بڑی دل آویز نظروں سے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ پھر ابرو کو جنبش دیتے ہوئے بولا۔

"شاید تمہیں خبر ہو۔" وہ یک دم نگاہوں کا رخ بدل کر دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرا خیال ہے میری فرینڈ کا فون آیا ہو گا۔" اس کی نگاہوں میں جانے ایسا کیا کچھ تھا حوریہ پلکیں جھپک کر رخ موڑ کر جانے کو مڑی۔
"کیا ہم پھر اس ٹاپک پر بات کر سکتے ہیں۔" وہ یک دم بڑی سنجیدگی کے ساتھ بولا۔ مگر وہ رکی نہیں اور گرل کھول کر جلدی سے اندر بھاگ لی۔ حازم نے ایک گہری سانس بھری اور بے حد خوشگواریت محسوس کرتے ہوئے سگریٹ سلگا کر پینے لگا۔

☆ ☆ ☆

بابر مسلسل فضا کو کانٹیکٹ کرنے میں لگا ہوا تھا مگر اس کا موبائل آف آرہا تھا۔ جھنجلا کر اس نے موبائل پٹخ دیا۔
"چلو بابر گیلانی۔ اب تم جیسے آدمی کو بھی اس دو ٹکے کی لڑکی کے پیچھے خوار ہونا پڑے گا۔" اس نے بیڈ روم فریج کھولا اور 7UP کا ٹن نکال کر اسے کھول کر منہ سے لگاتے ہوئے کمرے سے باہر آگیا۔
نیلی ٹی شرٹ اور بلو جینز میں ملبوس لائبہ صوفے پر بے زار صورت کے ساتھ بیٹھی تھی اور ٹی وی ریموٹ سے چینل ادھر ادھر کر رہی تھی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اکتائی ہوئی ہے۔ عاظمہ ایک طرف اپنے سیل فون پر مصروف گفتگو تھیں۔ وہی غیر ضروری باتیں بے کار کی ہنسی اور تیسرے کی غیبت۔ وہ ٹن کا بڑا سا گھونٹ بھر کر خالی کر کے ٹن ریک پر رکھتے ہوئے لائبہ کی طرف آیا۔
"اوہو۔ تم یہاں کیسے نازل ہو گئیں۔" اسے دیکھ کر لائبہ کا چہرہ یک دم کھل اٹھا۔
"تھینکس گاڈ۔ تمہاری شکل نظر تو آئی۔"
"میری شکل تو تمہیں روز نظر آسکتی ہے اگر تم روز روز آؤ تو ویسے بائی دی وے میری صورت دیکھنے کو تم اتنا کیوں ترس رہی تھیں۔" پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔
"عموماً" لڑکیاں میری فقط ایک جھلک دیکھنے کو اسی طرح بے قرار ہو جاتی ہیں' چلو تمہارا ایک اور اضافہ۔" وہ گداز صوفے پر دھنس کر بیٹھ گیا اور ٹانگیں ٹیبل پر پھیلالیں۔
"میرا خیال ہے تمہیں مس انڈر اسٹینڈنگ (غلط فہمی) ہو رہی ہے۔ میں ایکچوئیلی (دراصل) بور ہو رہی تھی اس لیے کوئی کمپنی دینے والا نہیں تھا خالہ جان تو فون پر لگی ہوئی ہیں۔"
"اب اتنی وضاحت دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے اور رہا بور ہونے کا سوال تو یہاں ملازم موجود ہیں کسی کو بھی بلالیتیں۔"
"اب میرا ٹیسٹ اتنا برا بھی نہیں ہے کہ ملازموں سے گپیں لڑاؤں۔" اس نے گھورتے ہوئے بابر کو جواب دیا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔
"حازم تو ہوتا نہیں ہے اس وقت گھر پر شاید۔"
"اوہو تو یہ تشریف آوری حازم کے لیے تھی۔" وہ ہنسا۔
"جی نہیں۔ یہ تم دونوں بھائیوں کو خوش فہمی کچھ زیادہ نہیں رہتی۔ پتا نہیں کیا سمجھتے ہو تم دونوں۔ میں تو خالہ کو پک کرنے آئی ہوں۔ ہمیں جانا ہے۔"
"خوش فہمی تو ہو گی نا۔ مجھے دیکھتے ہی تمہارا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔" لائبہ نے جل کر اسے دیکھا اسی پل عاظمہ سیل فون آف کر کے اس طرف آگئیں۔
"خالہ دیکھ رہی ہیں آپ اسے۔ یہ کتنا مجھے اریٹیٹ (چڑا رہا) کر رہا ہے۔" عاظمہ اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے

اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ پھیلا کر بولی۔
"تم اس کی باتوں کو زیادہ اہمیت نہ دیا کرو۔ اس کی مذاق کی عادت ہے۔ بلکہ چڑانے کی۔" پھر بابر کو گھورتے ہوئے بولیں۔
"یہ بتاؤ۔ تم آج گھر پر کیوں دکھائی دے رہے ہو' تمہیں اس وقت آفس میں ہونا چاہیے تھا میرے حساب سے۔" بابر نے سنتے ہوئے بھی ان کی بات ان سنی کر دی۔ عاظمہ نے چڑ کر ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے کر سائڈ ٹیبل پر پٹخا۔
"میرا خیال ہے میں نے تمہیں کچھ سمجھایا تھا۔"
"سمجھایا ہی نہیں تھا ممکنہ خطرے سے آگاہ کیا تھا۔" وہ ہنسا۔
"تو پھر۔"
"تو پھر یہ کہ۔ آج پاپا گھر پر آ رہے ہیں میں نے سوچا ان کو پروٹوکول تو دوں نا کیا کہتے ہیں اسے ہاں سواگت کے لیے رکا ہوا ہوں۔" ابرو اچکا کر عاظمہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"اور آپ کو بھی شاید آج گھر پر ہی موجود ہونا چاہیے۔" عاظمہ کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے اس نے بابر کو ذرا ترش نظروں سے دیکھا پھر بولیں۔
"تمہارے پاپا کسی دوسرے ملک سے سال بھر کے بعد نہیں آ رہے ہیں کہ میں ان کے سواگت کے لیے یہاں بیٹھی رہوں۔ ہماری ڈیلی ملاقات ہو جاتی ہے۔" وہ جھٹکے سے صوفے سے کھڑی ہو گئیں بابر کی طنزیہ مسکراہٹ انہیں زہر لگ رہی تھی پھر وہ ملازم امیر علی کو آواز دینے لگیں۔
"امیر علی۔ یہ نصیبہ کہاں ہے اسے کہو میرا ڈریس پریس کر دے۔ میں نے اپنے بیڈ پر نکال کر رکھا ہوا ہے۔" پھر لائبہ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولیں۔
"سوئٹی۔ تم ویٹ (انتظار) کرو۔ میں شاور لے لوں۔ تم اتنی دیر بابر سے گپ شپ لگاؤ۔" پھر بابر کی طرف اشارہ کر کے طنزیہ بولیں۔ "اس کے پاس یوں بھی فالتو ٹائم بہت ہے۔" جواباً" بابر مبہم انداز میں مسکرا کر کینڈی اٹھا کر کھانے لگا۔
"آپ چائے پئیں گے بابر صاحب۔" امیر علی نے پلٹتے ہوئے بابر سے پوچھا۔ بابر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"پہلے جا کر نصیبہ سے کہہ دو۔ بعد میں اس کی خاطر مدارت کرتے رہنا۔" عاظمہ نے قدرے تیز لہجے میں کہا تو امیر علی گھبرا کر سر ہلا گیا۔
"اور ہاں سنو۔ عباد کا کمرہ اچھی طرح صاف کر دیا ہے نا۔"
"صرف صاف ہی نہیں کیا چمکا دیا ہے آپ فکر ہی نہ کریں۔" امیر علی چہک کر بولا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی رونق صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اسے عباد گیلانی کا شدت سے انتظار تھا۔ وہ لمحے گن رہا تھا اپنے صاحب کی واپسی کے۔ بابر نے ایک ہنکارا ابھرا اور پلٹ کر جاتی عاظمہ کو سناتے ہوئے بولا۔
"میرا خیال ہے امیر علی کو آپ سے زیادہ پاپا کی آمد کی خوشی ہے اسے تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے یہ تو آنکھیں بچھانے کو تیار بیٹھا ہے۔" عاظمہ نے پلٹتے پلٹتے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر لائبہ پر نگاہ پڑی تو کھسیا کر جبراً" ہنستے ہوئے بولیں۔
"یہ بابر کو نا ہر وقت مذاق کی پڑی رہتی ہے۔ بھلا مجھ سے زیادہ کس کو خوشی ہو گی عباد کے گھر آنے کی۔" وہ کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ بابر فقط ابرو کو جنبش دے کر رہ گیا۔ پھر لائبہ کی طرف متوجہ ہوا۔
"ہاں تو نازل ہوئی کزن۔ آج کل کیا مشاغل ہیں تمہارے۔"

"اوہ۔" لائبہ بے ساختہ ہنسی۔ "تمہاری اردو تو بہت اچھی ہو گئی ہے۔ مشاغل۔۔۔ واؤ۔ کلاسک اردو بولنے لگے ہو۔"

"میری اردو تو تم نے ابھی سنی کہاں ہے کہو تو چند شعر سناؤں۔"

"اوہ۔ نو نو آئی ایم ناٹ انٹرسٹڈ ان پوئٹری (مجھے شاعری میں دلچسپی نہیں ہے)۔"

"ہوں۔ لگ ہی رہا ہے۔" بابر ایک ٹھنڈی سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"تم جونیئر مما ہو۔ ان ہی کے سارے شوق اپنائے ہیں تم نے۔"

"آف کورس۔ یوں بھی میں خالہ کو آئیڈیلائز کرتی ہوں۔"

"مما کو۔۔۔ واؤ!۔" بابر نے اس کی بات پر یوں گہری سانس لی اسے حقیقتاً "افسوس ناک دھچکا لگا ہو۔

"اگر اس وقت مما یہاں موجود ہوتیں تو خوشی سے پاگل ہو جاتیں کہ کوئی انہیں بھی آئیڈیلائز کرتا ہے۔" بابر کا انداز تمسخرانہ تھا۔ لائبہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا پھر افسوس سے سرہلاتے ہوئے بولی۔

"بابر۔ تم خالہ جان کے سگے بیٹے ہو کہ ایسی باتیں کرتے ہو۔ ویری شیم (بہت شرم کی بات ہے) تم سے اچھا تو حازم ہے وہ ان کی کتنی ریسپیکٹ (عزت) کرتا ہے۔"

"حازم کی تو بات ہی مت کرو کزن۔" وہ پیر سمیٹ کر صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ "وہ تو تمہاری بھی ریسپیکٹ کر لیتا ہے۔ جو نہیں کرنی چاہیے۔" وہ ایک جمائی لیتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھا۔

"اب جا کہاں رہے ہو۔ مجھے چھوڑ کر۔"

"اپنے روم میں آرام کرنے۔ نیند آرہی ہے مجھے۔"

"واٹ۔ تو میں یہاں بیٹھ کر اکیلے کیا کروں بور ہوتی رہوں۔" لائبہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اب میں نے تم سے کوئی ایگری مینٹ (معاہدہ) تو نہیں کیا کہ یہاں بیٹھ کر تمہیں کمپنی دیتا رہوں گا۔ بور نہیں ہونے دوں گا۔" پھر جھک کر ریموٹ اٹھا کر اس کی طرف پھینکا۔

"یہ لو سائنس کی اس ایجاد سے دل بہلاؤ۔ یہ بور نہیں ہونے دے گا۔" پھر ہلکی سانس بھرتے ہوئے بولا "او. اگر ٹی وی دیکھنے سے دل بھر جائے تو اپنا موبائل نکالو اور بیٹھے بیٹھے اپنے اس برے منہ کی جتنی بھی چاہو سیلفیاں لے سکتی ہو۔ پوری آزادی ہے تمہیں۔"

"نائی فٹ۔" لائبہ کا دل چاہا اس کا منہ نوچ لے۔ وہ جیب سے چیونگم نکال کر اس کا ریپر کھول کر منہ میں ڈالتا ہوا وہاں سے چلتا بنا۔ وہ کھولتے دماغ سے اپنا پرس کھول کر موبائل نکالنے لگی۔ پھر یک دم ادھر ادھر دیکھا اور کھلے ہوئے پرس سے پاکٹ مرر (آئینہ) نکال کر اپنا فیس (چہرہ) دیکھنے لگی۔

"کمینہ نہ ہو تو۔" وہ مرر میں اپنا فیس دیکھ کر قدرے مطمئن ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"میں آپ کی عمر بھر احسان مند رہوں گی امی۔" فضا نے جہاں آرا کے گھٹنے پر ہاتھ رکھتے ہوئے لجاجت سے کہا وہ دونوں مسہری پر بیٹھی تھیں۔

"بات احسان ماننے والنے کی نہیں ہے میں سوچ رہی ہوں کہ کب تک یہ بات چھپی رہ سکے گی۔"

"جب تک آپ چاہیں گی۔" فضا جلدی سے بولی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ ایں۔ مجھے بتانا ہوتا تو اول روز ہی تمہارے ابا کو بتا چکی ہوتی۔ یہ اتنے پردے کیوں ڈالتی، نگہت آپا کے پاس کیوں لے جاتی تمہیں۔" جہاں نے اسے تاڑتی نظروں سے دیکھا وہ پہلے ہی نقاہت

محسوس کر رہی تھی نڈھال لہجے میں بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ بات آپ کے علاوہ کسی کو پتا نہیں ہے آپ نے ابھی تک پردے رکھا ہے آگے بھی رکھ لیجیے گا۔"

"بات فقط تمہارے ابا کی نہیں ہے اس بچارے سیدھے سادے انسان کی ناک کے نیچے تو کیا کچھ ہو گیا اس بھلے مانس کو خبر نہ ہوئی۔ بات تمہاری شادی کی ہے۔ ارے شادی بھی تو ہونا ہے نا اور تمہارا دولہا اتنا بھولا بھالا تو ہو گا نہیں کہ۔۔۔"

"یہ شادی کی بات کہاں سے آ گئی بیچ میں امی۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"نہ تو تمہیں کیا ساری عمر سر پر بٹھا کر رکھنا ہے مجھے۔ اس کارنامے کے بعد تو تمہیں ہاتھ پکڑ کر کسی اندھے کے ساتھ بھی رخصت کر دوں۔ یہ اچھا ہے۔ اے چندا تم نا سمجھ تو ہو نہیں کہ آنے والے حالات کی سنگینی کو سمجھ نہ پا رہی ہو۔" جہاں آرا کی کڑکتی نظروں میں طنز کی آمیزش بھی گھل گئی۔ فضا کی برداشت جواب دے رہی تھی۔ وہ جہاں آرا کی دست نگر ہو کر رہ گئی تھی اس کے ابا سے یہ راز چھپا کر جہاں آرا اس کی محسن بن گئی تھیں۔ ورنہ تو یہ سوچ کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اگر ابا کو یہ ساری باتیں پتا لگ جاتیں تو وہ اس کا کیا حشر کرتے۔ قیامت سے پہلے حشر بپا ہو جاتا یہاں۔

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ تم کو کہاں بیاہوں بلکہ جلد از جلد بیاہ کر یہ قصہ ہی ختم کروں۔"

"میں نے اس لڑکے سے بات کی ہے کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔ آپ انتظار تو کریں۔ اس کی طرف سے جواب تو آنے دیں۔" اس نے کہا تو جہاں آرا جو ابا" اتنے زور سے ہنسیں کہ منہ میں ڈالی ہوئی چھالیہ منہ سے باہر آ گری۔

"واہ ری فضا۔ تمہاری عقل کو بھی سلام ہے اور تری خوش فہمی کو بھی۔" وہ گرے ہوئے چھالیہ کے دانے کپڑوں اور مسہری سے جھاڑتے ہوئے برابر مسکرائے جا رہی تھیں۔

"وہ مجھ سے رابطہ کر رہا تھا" مگر آپ نے مجھ سے میرا موبائل ہی لے لیا ہے ایک بار مجھے اس سے بات تو کرنے دیں۔"

"کس دنیا میں رہتی ہو بی بی۔ اسے شادی کرنا ہوتی تو تمہیں بہتی گنگا سمجھ کر ہاتھ کیوں دھو لیتا۔ بس اب اس نشے سے باہر آ جاؤ۔ اونہہ۔۔۔ شادی کر لے گا۔ کر ہی نہ لے۔" فضا مسہری سے اٹھ کر بے بسی سے کھڑکی کی جالی سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے جہاں آرا کے وجود سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس کا دل اس وقت تنہا بیٹھنے کو چاہ رہا تھا۔ مگر اب تو یہ چوبیس گھنٹے اس کے سر پر سوار رہتی تھیں۔

"اس کا اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ ایسے امیرزادے وقت گزارنے کو جسے ٹائم پاس کہتے ہیں اس کے لیے تم جیسی لڑکیوں کو چنتے ہیں۔ پیسہ" گاڑی دکھا کر چند محبت کے بول اور لمبی لمبی شاپنگ۔ پھر ایک دن یوں۔۔۔ یوں پھینک دیتے ہیں۔" جہاں آرا نے ایک کونے میں زور سے تھوکا۔ پھر ہنستے ہوئے بولیں۔

"تھوکا کون چاٹتا ہے بھلا۔"

"خدا کے لیے۔ آپ مجھے اس وقت اکیلا چھوڑ سکتی ہیں۔" وہ کرب سے کراہی۔

"اب اکیلا نہیں چھوڑتا بی بی۔ فیصلہ کرنا ہے تمہارا جلدی فیصلہ۔" وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں اور فضا کو گھورتے ہوئے مسہری سے اٹھیں۔

"بہت ہو گیا یہ ناٹک اور کروا لی خدمتیں۔ آج ہی بتول آپا سے بات کرتی ہوں تمہارے سلسلے میں۔"

"بتول آپا سے کیا بات کریں گی۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر جہاں آرا کو دیکھنے لگی۔

"ابھی میری نظر میں وہی ایک گھر ہے جہاں تم ان کرتوتوں کے بعد بھی سما سکتی ہو۔"
"کیا آ... کیا مطلب ہے اس بات کا۔"
"مطلب تمہیں بہت اچھی طرح سمجھاؤں گی۔" وہ آنکھیں گھما کر ہنسیں اور کمرے سے نکلنے لگیں کہ فضا بھاگ کر ان کے نزدیک آئی۔
"آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔" اس کی آنکھوں میں تحیر اور خوف بھرنے لگا۔
جہاں آرا کی بھنویں تن گئیں وہ رکھائی سے بولیں۔
"اسی طرف ہے جس طرف تم سمجھ رہی ہو۔"
"آپ ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں۔"
"تمہاری ان حرکتوں نے ہی سوچنے پر مجبور کیا ہے۔" پھر تڑخ کر بولیں۔
"اے بی بی! نصیر بھی تمہیں قبول کرلے تو بڑی بات ہے۔ اونہہ آئیں بڑھی ایسا کیسے سوچ سکتی ہیں..." وہ دھڑ سے دروازہ اپنے پیچھے بند کرتی گئیں۔ فضا اپنی جگہ دم بخود کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

حوریہ کے آگے کتاب کھلی تھی وہ ایک ایک لفظ کو کئی کئی بار پڑھ چکی تھی "مگر اس کا ذہن تو جیسے بار بار بھٹک کر ان لفظوں سے نکل کر حازم کے لفظوں میں الجھ رہا تھا۔ دھیما دھیما لہجہ۔
"حوریہ۔ اگر جذبے سچے ہوں تو۔ مقابل کے دل میں اترنے میں کتنا وقت لیتے ہیں۔" دل آویز نظریں گویا اس کے چہرے پر چمٹ کر رہ گئی تھیں۔ اس نے سٹپٹا کر بے ساختہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور گھبرا کر سر جھٹک کر کتاب بند کردی۔
"اوہ۔ یہ کیا فضول سوچنے لگی ہوں میں۔" اس نے کتاب ایک طرف رکھی اور تپائی پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگالیا۔
"حوریہ۔" مومنہ نے کمرے میں جھانکا پھر اندر آتے ہوئے بولی۔
"کیا بات ہے۔ تم کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ہو۔" پھر جا بجا بیڈ پر بکھری کتابوں پر نگاہ ڈال کر مسکرائی۔
"اس کا مطلب ہے پڑھائی وڑھائی ہو رہی ہے۔"
"کوشش تو کر رہی تھی۔" وہ جواباً "مسکرا دی۔
"چلو۔ میں سمجھی تم مجھ سے ناراض ہو کر کمرے میں بند ہو گئی ہو۔" وہ اس کے نزدیک آئی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔
"ویسے ناراض ہونے کا حق تو ہے تمہیں۔"
"ناراضی بھلا کیسی میں کیوں ہونے لگی آپ سے ناراض بھلا۔"
"حازم کو سزا دینے کی بجائے میں اس کی خاطر مدارت میں لگ گئی نا۔"
"کم آن۔ پھپھو۔ یہ کیسے سوچا آپ نے کہ میں اس بات پر خفا ہوں گی آپ سے۔" وہ بے ساختہ ان کا ہاتھ تھام کر بولی۔
"آپ کی خوشی میری خوشی ہے اور سچ پوچھیں تو پھپھو آپ کو یوں خوش اور مسکراتا ہوا دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا۔" وہ پر خلوص لہجے میں بولی۔
"حازم آپ کا بیٹا ہے آپ نے اسے جنم دیا ہے اسے اپنی گود میں سلایا ہے۔ آپ کی رگ رگ اس سے جڑی

ہوئی ہے پھپھو۔ میں اس محبت میں حصہ دار کیسے ہو سکتی ہوں۔" مومنہ نے بے اختیار اسے خود سے لگالیا۔ اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

"حازم بے شک میرا بیٹا ہے' مگر میرا پہلا پیار تم ہو حوریہ۔ میں نے تمہیں جنم نہیں دیا' مگر اپنی گود میں پالا ہے۔ تمہاری جگہ تو کوئی نہیں لے سکتا پگلی۔" حوریہ نے بھیگی پلکوں کو جھپک کر سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر مسکرانے لگی۔

"میں آپ کی محبت کی قدر کرتی ہوں' مگر یقین کریں پھپھو۔ آپ کی خوشی میرے لیے دنیا کی ہر چیز سے اہم ہے' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی جس خواش کو آپ برسوں دبائے بیٹھی تھیں وہ خواہش یوں پوری ہو جائے گی۔ جس دعا کو مانگتے مانگتے آپ کے لب سوکھ جاتے تھے وہ دعا اس طرح ایک دن قبول ہو جائے گی۔" مومنہ فرط محبت سے اسے تکنے لگی۔

"کوئی خوشی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ایک ماں کو اس کا بیٹا مل گیا اور ایک بیٹے کو اس کی ماں مل گئی۔" مومنہ نم پلکوں کو جھپکتے ہوئے مسکرادی۔

"تم خوش ہونا۔ حازم کے یہاں آنے سے' اب تمہیں کوئی شکایت تو نہیں۔"

"شکایت تو مجھے پہلے بھی نہیں تھی پھپھو۔ بس ہرٹ ہوئی تھی اس لیے کہ آپ ہرٹ ہوئی تھیں۔" مومنہ نے ہلکی سانس کھینچتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ بس وہ میرا جذباتی رویہ تھا حازم دراصل بہت حساس ہو گیا ہے شاید باپ کی اس موذی بیماری کی وجہ سے۔ وہ اپنے باپ کو صحت مند دیکھنا چاہتا ہے اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ دنیا کی ساری خوشیاں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ یہ اس کی خوبی ہے کہ وہ باپ کے لیے اتنے خوب صورت اموشنز (جذبات) رکھتا ہے۔

وہ مجھ سے ملا نہیں برسوں سے' میری گود میں پل کر جوان نہیں ہوا اور میں اس سے اتنی ساری توقعات باندھ بیٹھی تھی یہ میری نادانی تھی' مگر اس سے مل کر مجھے احساس ہوا ہے کہ وہ تو بہت معصوم اور سادہ طبیعت کا لڑکا ہے وہ محبت کا حق ادا کرنا جانتا ہے۔" حوریہ بڑی محبت سے انہیں تکنے لگی۔ مومنہ کے لہجے میں حازم کے لیے محبت کا دریا بہہ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ حازم کی خوبیاں گنواتی جائے اس کی تعریفیں کرتی رہے۔ وہ ممتا کی ماری' محبت میں ڈوبی ایسی ماں دکھائی دے رہی تھی' جس کو گھپ اندھیرے میں اپنا بیٹا روشنی کا منبع دکھائی دے رہا ہو۔

☼ ☼ ☼

فضا نے جب دیکھا کہ جہاں آرا گھر سے نکلی ہیں بتول آپا کی طرف جانے کو۔ اس نے موقع پاکر جلد چادر کی بکل ماری اور نزدیکی پی سی او میں آکر بابر سے رابطہ کرنے لگی۔ بابر نے احسان عظیم کرتے ہوئے گویا اس کی کال ریسیو کرلی۔ یوں تو وہ خود بھی کئی دنوں سے اس سے رابطہ کرنے میں لگا ہوا تھا مگر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔

"تم کہاں ہو بابر۔" وہ چھوٹتے ہی بولی۔ "میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ آج ہی ابھی۔ اسی وقت۔" وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اس کی اس عجلت پر ذرا حیران ہوا۔

"خیریت تو ہے' کون بھاگ رہا ہے پیچھے۔"

"بابر میں سیریس ہوں۔"

"او ہو۔ ہونا بھی چاہیے۔ بائی دی وے۔ اتنے ارجنٹ (فوری) ملنے کا مقصد۔"

"میں بتاتی ہوں۔ تم ملو تو سہی۔"

''کہاں ملوگی' اس وقت تو تمہارا کالج بھی بند پڑا ہے۔''
''تم آجاؤ۔ میں تمہیں گلی کے نکڑ پر مل جاؤں گی۔'' بابر نے بے ساختہ سانس کھینچتے ہوئے اپنے ہی موبائل کو دیکھا اور طنزیہ ہنستے ہوئے بولا۔
''بقول تمہاری پاکیزہ دوست کے تو تمہیں اپنے گھر میں اب سانس لینا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ اب یوں نکلنا دشوار نہیں ہوگا۔''
''دشوار ترین سمجھ لو۔ مگر آج موقع مل گیا ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو بابر۔ میں اتنی لمبی بات نہیں کر سکتی۔''
''تمہارا اپنا سیل فون کہاں ہے۔''
''اوہو۔ یہ ساری باتیں ملنے پر بتاتی ہوں۔ تم آرہے ہو نا۔''
''ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔''
''کیا؟ کیسی شرط؟''
''جو میں تم سے انفارمیشن (معلومات) چاہوں وہ بالکل ٹھیک دو گی۔''
''ہاں مجھے ہر شرط منظور ہے۔ تم ملو تو سہی۔ میں بہت پریشان ہوں۔''
''او کے۔ میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے لائن ڈس کنیکٹ (منقطع) کر دی۔
فضا کا چہرہ کھل اٹھا۔ اسے اس دبیز اندھیرے میں روشنی کا نقطہ دکھائی دینے لگا۔ وہ اپنے تئیں سوچنے لگی کہ وہ کسی طرح بھی بابر کو رام کر لے گی۔ کہ وہ اس سے کم از کم نکاح ہی کر لے اور یوں وہ بتول آپا کے بیٹے تصیر سے بچ جائے گی۔ جہاں آرا کی اس سازش کا حصہ ہرگز نہیں بن سکتی تھی وہ۔ اس کا ذہن اس نہج پر گیا ہی نہیں کہ بابر اس سے کیا معلوم کرنا چاہتا تھا۔
وہ پلٹ کر گھر آگئی۔ کپڑے بدلے اور چہرے پر ہلکا سا لیف کا ٹچ دیا مگر پہلے کی طرح خود کو سنوارنے کی کوشش نہیں کی۔ بس قدرے بہتر حلیہ کر کے چادر کی بکل ماری اور ٹھیک دس منٹ بعد گھر سے نکل کر گلی کے کنارے پہنچی۔ چند لمحوں بعد ہی سفید گاڑی پانی کی طرح پھسلتی چلی آرہی تھی۔ اس کے نزدیک آکر رک گئی۔ اس نے ادھر دیکھا نہ ادھر۔ غڑاپ سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔
''جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔'' اس نے چادر منہ سے ہٹائی اور گہری سانس کھینچی۔ جہاں آرا' بتول آپا کے گھر سے شام سے پہلے نہیں لوٹنے والی تھیں اتنا تو اسے اطمینان تھا۔ بابر گاڑی بھگا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عباد گیلانی ''گیلانی ہاؤس'' میں حازم کے ہمراہ داخل ہوئے تو ہمیشہ کی طرح سناٹے کا راج تھا کوئی استقبال کو موجود نہیں تھا سوائے امیر علی کے۔ حازم کو بے حد ناگواری محسوس ہوئی۔ اس نے عاظمہ سے کہا تھا وہ پاپا کو لینے جا رہا ہے اور بابر کے علم میں بھی تھا۔ اس کے خیال میں تو ان دونوں ماں بیٹے کو رسما'' ہی سہی گھر پر رہنا چاہیے تھا۔
''سلام صاحب۔'' امیر علی کا چہرہ اپنے صاحب کی آمد پر چمکنے لگا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ عباد گیلانی نے اس کے کندھے کو ہلکی سی تھپکی دی اور اس کے ہمراہ اندر آنے لگے۔
''آج کچھ زیادہ ہی خاموشی محسوس ہو رہی ہے۔'' وہ لابی میں ٹھہر کر دھیرے سے بولے۔ حازم نے رک کر امیر علی سے پوچھا۔
''بابر کہاں ہے۔''
''وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر سے نکلے ہیں اور بیگم صاحبہ۔ اپنی بھانجی کے ساتھ کافی دیر ہوئی گھر سے نکلی

تھیں۔"

"انہیں نہیں پتا تھا کہ پاپا آج گھر پر آرہے ہیں۔"

"جی پتا تھا۔ بابر صاحب سے بھی اس سلسلے میں بات ہو رہی تھی ان کی۔"

"ہوں۔" حازم ایک ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

"میں تو عادی ہوں اس سناٹے ان رویوں کا، تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔" عباد دھیمے سے مسکرائے مگر ان کی مسکراہٹ میں کوئی خوش گواریت نہیں تھی بلکہ یاسیت تھی۔

"میں کسی ایک فرد کے لیے گھر نہیں آیا۔ بس اپنے گھر آیا ہوں۔ میں عادی ہوں یوں بھی مجھے کسی کے ہونے اور نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔" وہ امیر علی کے سہارے اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئے۔ امیر علی کسی قیمتی متاع کی طرح انہیں تھامے چل رہا تھا۔

"وہ اچھا ہی ہے کوئی موجود نہیں ہے میں تنہائی چاہتا ہوں۔ اسی سکون کا خواہش مند تھا۔" حازم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ان کی طرف دیکھنے لگا پھر کھڑکیوں کے بلائنڈز کھولتے ہوئے بولا۔

"یہ آج کل آپ کو تنہائی کی طلب کچھ زیادہ نہیں ہونے لگی۔" عباد بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بے ساختہ ایک ہلکی سانس بھر کر رہ گئے۔ امیر علی نے ان کا تکیہ اونچا کیا تو وہ اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"کمرہ تو بہت چمک رہا ہے امیر علی۔" حازم کمرے پر طائرانہ نگاہ دوڑاتے ہوئے امیر علی سے بولا۔

"صاحب کے لیے تو جان بھی حاضر ہے یہ تو تھوڑی سی محنت تھی۔" امیر علی کے لہجے میں حقیقی خوشی، محبت، عقیدت جھلک رہی تھی۔ وہ باادب ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ اپنے صاحب کے کسی نئے حکم کے انتظار میں۔

"تم جاؤ امیر علی۔ ضرورت ہوگی تو تمہیں بلا لوں گا۔" عباد گیلانی نرمی سے بولے، تو امیر علی سر ہلاتا پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ دروازے کی طرف نگاہ ڈال کر عباد گیلانی حازم کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"یہ بات مجھے پوری جوانی میں سمجھ نہیں آئی اور اب عمر کے اس حصے میں پہنچ کر میں سمجھا کہ دولت جتنی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے رشتوں کے لیے دل میں اتنی ہی گنجائش کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ محبت مرتی نہیں تو ختم ضرور ہونے لگتی ہے۔ بہر حال محبت کے لیے جگہ نہیں بچتی۔" حازم نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"کہہ تو آپ ٹھیک ہی رہے ہیں مگر افلاس بھی تو محبت کی موت ہے۔"

"مگر میں نے پھر بھی افلاس میں رشتوں کو مرتے نہیں دیکھا۔" حازم ہلکے سے مسکرا دیا۔ عباد گیلانی بولے۔

"خیر۔ یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی یوں بھی یہ ایک لمبی بحث ہے تم ادھر آکر بیٹھو مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" حازم چلتا ہوا ان کے نزدیک کرسی کھینچ کر بیٹھ جاتا ہے۔

"میرا خیال ہے آپ کو کچھ دیر آرام کر لینا چاہیے۔"

"مجھے تھکن بالکل نہیں ہو رہی ہے اور نہ اس وقت نیند آرہی ہے۔ اسپتال میں بھی سوائے آرام کے اور کیا کام تھا میرا۔"

"میں جانتا ہوں۔ آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"اچھا۔" عباد گیلانی نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ آپ مجھ سے حوریہ کے بارے میں باتیں کریں گے پھر میرا اوپینین (رائے) لیں گے۔"

"ہاں بالکل مگر صرف باتیں نہیں کروں گا اب عملی قدم اٹھانے والا ہوں۔" حازم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"ہاں حازم۔ میں یاور علی سے بات کروں گا اور باقاعدہ تمہارا پرپوزل رکھوں گا..." پھر ایک کھلی سانس بھرتے ہوئے بولے۔

"وہ ایکسپٹ (قبول) کرتے ہیں یا نہیں۔ یہ بعد کی بات ہے۔ میں کارروائی شروع کر رہا ہوں۔" وہ مسکرائے
ان کا لہجہ بے حد مضبوط تھا۔ حازم مضطربانہ انداز میں کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔
"پاپا..... آپ کچھ جلدی نہیں کر رہے ہیں۔"
نہیں۔ یہ بالکل مناسب وقت ہے۔" پھر کھلی سانس بھرتے ہوئے بولے۔
"ٹائم از فلائنگ نیور ٹو ریٹرن (وقت اڑ رہا ہے۔ کبھی واپس نہیں آئے گا) تم چاہتے نہیں ہو حازم میں تمہاری خوشی دیکھ لوں۔ پھر بے شک ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لوں۔" حازم نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"آپ نے پھر ایسی باتیں شروع کر دیں۔ کم آن پاپا۔ آپ میری اور بابر کی خوشیاں اپنی زندگی میں دیکھیں گے۔"
"ضرور مگر میں فی الوقت تمہاری یہ خوشی دیکھنا چاہتا ہوں۔ حوریہ کو اپنی آنکھوں سے تمہاری دلہن بن کر "گیلانی ہاؤس" میں اترتا دیکھنا چاہتا ہوں' تمہارے ساتھ اسے اٹھتا بیٹھتا چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ یوں مسکرائے جیسے حقیقتاً" وہ اپنی آنکھوں سے سب دیکھ رہے ہوں..... پھر حازم کا ہاتھ فرط محبت سے تھامتے ہوئے بولے۔
"یہ خواب نہیں ہے خواہش ہے میری۔ اور یہ خواہش ایسی بھی نہیں کہ جو پوری نہ ہو سکے۔" پھر اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے بولے۔
"مجھے نہیں پتا کل میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے میں لمبی پلاننگ نہیں کر سکتا۔ بس جو دماغ میں اور دل کو سمجھ میں آرہا ہے وہ کر گزرنا چاہتا ہوں۔"
حازم مضطرب سا دکھائی دینے لگا کچھ کہنا چاہا کہ انہوں نے جلدی سے اسے ٹوک دیا۔
"نہیں حازم۔ جو کہہ رہا ہوں۔ وہ بس سنتے رہو۔" پھر مسکرائے اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔
"مجھے تمہاری آنکھوں میں حوریہ کے لیے پسندیدگی صاف دکھائی دے رہی ہے۔" حازم نے یک دم سیدھا ہو کر نظریں چرائیں اور چہرے پر ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔
"اس میں کوئی معیوب اوبجکشن ایبل (قابل اعتراض) بات نہیں ہے۔ حوریہ ایک اچھی اور مکمل لڑکی ہے اسے ناپسند کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں بنتا۔"
"اور اگر مجھے ہی ریجیکٹ (مسترد) کر دیا گیا تو....." وہ مسکرایا۔ عباد گیلانی اس کی بات سن کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے ایک سانس بھری اور سر کو خفیف سی جنبش دیتے ہوئے بولے۔
"ہاں۔ ایسا ہو بھی سکتا ہے' انسان کو ہر حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے' مگر حازم مجھے جانے کیوں ایسا لگتا ہے کہ' یاور علی کو بالفرض اوبجیکشن (اعتراض) ہوا بھی تو مومنہ تمہارا ضرور فیور (حق میں بولے گی) کرے گی۔ وہ تمہاری ماں ہونے کے ناطے مورل سپورٹ (اخلاقی حمایت) کرے گی۔" حازم فقط ہنکارا بھر کر رہ گیا۔
"وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔" عباد گیلانی تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئے۔
حازم کے ذہن کے پردے پر حوریہ کا مسکراتا گھبراتا ہوا چہرہ جھانکنے لگا۔ امیر علی ان کے لیے دودھ کا گلاس اور حازم کے لیے جوس لے کر آیا۔
"امیر علی۔ AC بند کر دو۔" امیر علی ان کے پیروں پر چادر ڈالنے لگا تو وہ بے حد ٹھنڈ محسوس کرتے ہوئے بولے۔
"اب ان ہڈیوں میں دم نہیں رہا ہے اتنا۔"
"خدا آپ کو لمبی عمر اور صحت دے صاحب۔" امیر علی چادر کے کنارے جھٹک کر ٹھیک کرتے ہوئے محبت اور

عقیدت سے بولا۔ عباد گیلانی مسکرا دیے۔

"بیماری کے ساتھ اتنی لمبی عمر لے کر کیا کرنا ہے امیر علی۔۔۔ بس دعا کرو۔ حازم اور بابر کی خوشیاں دیکھ لوں، اس سے زیادہ کی اب خواہش بھی نہیں۔"

"ضرور دیکھیں گے۔ اپنے حازم صاحب۔ کے لیے خدا آپ کو صحت دے گا۔ ہر بیماری سے شفا دے گا۔۔۔ وہ بڑا رحیم کریم ہے۔"

"یہ لے جاؤ۔ انہوں نے خالی گلاس امیر علی کو واپس کیا اور لائٹ کچھ کم کرتے ہوئے جانا۔" امیر علی سرہلاتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"آپ اب ریسٹ کریں۔ اور ریسٹ صرف جسمانی نہیں ہوگا۔ ذہنی بھی ضروری ہے۔" حازم تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں ذرا آفس کا ایک آدھ چکر لگا آتا ہوں۔ تب تک آپ ایک بھرپور نیند لے لیں۔" وہ انہیں تھپک کر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر رک کر بولا۔

"کچھ کھانے کا موڈ ہو تو امیر علی سے کہہ دیتا ہوں۔"

"نہیں۔" پھر جلدی سے بولے حازم تم میرے اس فیصلے سے خوش تو ہو نا۔"

"بہت زیادہ۔" اس نے ایک لمبی سانس کھینچی۔ "بس مٹھائی بٹوانے کی کسر رہ گئی ہے۔" عباد بے ساختہ ہنسے۔ "یہ وقت بھی آجائے گا۔ پورے شہر میں بٹوادوں گا تمہارے نکاح کی مٹھائی۔"

"میرا خیال ہے آپ پھیل رہے ہیں مجھے فوراً" سے پیش تر یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" وہ گاڑی کی چابی انگلی میں گھماتے ہوئے ہنسا اور باہر نکل گیا عباد گیلانی کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔

☼ ☼ ☼

فضا بابر کے سامنے بیٹھی آنسو بہانے کے بعد اب ٹشو سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ بابر پر ان آنسوؤں کا مطلق اثر نہ ہو رہا تھا۔۔۔ بلکہ وہ کسی حد تک بے زار دکھائی دے رہا تھا۔ تاہم بظاہر اس کی دل جوئی کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھو فضا (اس طرح کے معاملات) میں یہ سب تو فیس (سامنا) کرنا ہی پڑتا ہے۔ ٹھیک ہے یہ سب بے اختیاری میں ہو گیا تو اب اسے لے کر تو نہیں بیٹھنا نا۔ فار گیٹ اٹ (بھول جاؤ)۔"

"تمہارے لیے یہ سب کہنا آسان ہے۔"

"محبت میں اس طرح ہو جاتا ہے۔"

"محبت۔" وہ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے محبت ہی کب کی بابر۔"

بابر بیری جوس کے آخری سپ لیتے ہوئے مسکرایا اور بولا۔

"اور تم نے بھی محبت کب کی۔ تم نے بھی خود کو بس پیش کیا۔"

"تم مجھے ذلیل کرنے آئے ہو یا میرا مسئلہ حل کرنے۔" وہ گیلی لکڑی کی طرح چیخی۔

"میں نے کب کہا کہ میں تمہارے مسئلے سولو (حل) کرنے آیا ہوں یہاں۔ تم نے مجھے کال کی۔ میں آگیا۔ تم نے اپنی رام کہانی سنائی۔ میں نے سن لی۔ اب اس ٹپیکل کہانی کا کیا اینڈ (اختتام) ہونا چاہیے۔ کیا نہیں۔۔۔ یہ میرا دردِ سر نہیں ہے۔"

"تو کس کا دردِ سر ہے۔" وہ کرب سے چلائی۔

"تمہارا۔۔۔ تمہارا اپنا۔" بابر نے ناگواری سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اپنے پرنسپل (ذاتی معاملہ) کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ جب مجھ سے ملتی تھیں۔ اس وقت بھی تمہارا باپ اتنا ہی غیرت مند تھا' تمہاری ماں بھی اسٹیپ (سوتیلی) تھی۔ اور تمہیں سوچنا چاہیے تھا کہ ان حالات میں ایک اجنبی مرد کے ساتھ جس سے تمہارا کوئی لیگل ریلیشن (قانونی رشتہ) نہیں ہے۔ تم اسی کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔ اس سے تحائف وصول کرتی رہیں۔ تمہارے لیے مسائل کری ایٹ (پیدا) کر سکتا ہے۔ تب کیوں نہیں سوچا تم نے۔"

"مجھے نہیں پتا تھا تم اتنے گھٹیا اور کمینے نکلو گے۔"

"لینگویج پلیز' زبان سنبھال کے) بابر نے جوس کا خالی گلاس میز کی سطح پر زور سے پٹخا۔ اور اسے تنبیہہ نظروں سے گھورا۔

"ویسے تو تم اسی قابل ہو کہ تمہارری شادی نصیر سے کر دی جائے۔"

"بابر۔ یو۔۔۔" فضا کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔ "تم ایک بے رحم اور سفاک انسان ہو۔ تم سے بات کرنا فضول ہے۔"

"اوکے۔ بیٹھو۔" بابر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر پٹخا۔

"زیادہ جذباتی اور ڈرامائی ماحول کری ایٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" فضا اسے دکھ اور کرب سے گھورتی دوبارہ بیٹھ گئی۔

"ہاں اب بتاؤ۔ میں تمہاری اس سلسلے میں کیا مدد کر سکتا ہوں۔" فضا نے بے بسی سے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔

"تمہارے لیے کچھ سوچا جا سکتا ہے۔" وہ سر کو ہلاتے ہوئے بولا۔

"تم سوچو گے تب تک شاید میں خودکشی کر چکی ہوں گی۔"

"اوہ۔" بابر نے بھویں اچکا کر سے یوں دیکھا جیسے کسی بچے کی بچکانا بات پر لطف لیا جا رہا ہو۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"اس طرح کی اموشنل (جذباتی) بلیک میلنگ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں امپریس (متاثر) نہیں ہوتا۔"

"یہ بلیک میلنگ نہیں ہے' میری ذہنی کیفیت ہے بابر۔ آخر تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو۔ میں کس کرب اور اذیت سے گزر رہی ہوں' تمہیں میری ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں ہے' اتنے بے رحم تو مت بنو۔"

"اوکے۔ اوکے۔۔۔ تمہارے خیال میں تمہاری سوتیلی ماں کو اس اقدام سے یعنی تمہاری اس بے جوڑ شادی سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔" وہ اتنی معصومیت سے پوچھ رہا تھا کہ فضا کا دل چاہا کانچ کا خالی گلاس اس کے سر پر دے مارے۔

"مجھ سے شادی کر کے۔ ویری سمپل" (بہت سادہ) وہ غصہ ضبط کرتے ہوئے بغیر ہچکچاہٹ کے بولی۔ بابر بے ساختہ سٹی کے انداز میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ پھر نیچے ہو کر سیٹ کی پشت پر خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے دھیرے سے مسکرایا۔

"ہوں۔۔۔ سوچا جا سکتا ہے۔" وہ فضا کا دل یکبارگی دھڑکا۔ اسے پتھر میں جونک بھی لگتی محسوس ہوئی۔

"تمہاری وہ بیسٹ فرینڈ۔ کیا نام ہے اس کا ہاں۔۔۔ حوریہ۔ اس کی کیا رائے ہے۔ آئی مین وہ کیا کہتی ہے کہ مجھ جیسے آوارہ۔ بدقماش' فلرٹی آدمی سے تم کو شادی کر لینی چاہیے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ اس پل اس کی آنکھوں کے گوشوں میں ایک مکارانہ چمک تھی۔

"حوریہ کی تم چھوڑو۔۔۔ میرے مسائل مجھے ہی حل کرنے ہیں۔ اور یوں اس روز کے بعد اس نے مجھ سے کوئی

تعلق نہیں رکھا جائے تم نے ایسا کیا کہہ دیا تھا۔ وہ اتنی غصہ ہو گئی تھی۔"

بابر فقط بھنووں کو جنبش دے کر رہ گیا۔ پھر ایک پل کی خاموشی کے بعد بولا۔

"تم مجھے اس کا کانٹیکٹ نمبر دو۔ میں اس سے خود بات کرتا ہوں۔"

"اس سے کیا بات کرو گے۔ وہ اور زیادہ خفا ہو گی۔"

"سوری کروں گا۔"

"چھوڑو۔ بابر۔ بے کار میں وہ مجھ سے اور خفا ہو گی۔" وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئی۔

بابر نے کسی حد تک ناگواری سے ہنکارا بھرا۔

"مجھے تو کوئی تامل نہیں ہے مگر وہ۔ وہ شاید ہی....."

"بہت فکر ہے تمہیں اس کی ناراضی کی۔ اور میں جو تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ میری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مجھے اس سے پینگیں نہیں بڑھانی ہیں۔ جو میں نمبر مانگ رہا ہوں۔"

"اچھا نا۔ خفا کیوں ہو رہے ہو۔" فضا جلدی سے بولی۔

"ہو سکتا ہے ہمارے نکاح میں اسے بطور گواہ آنا پڑے۔" بابر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کے دل کی حالت سے بے خبر فضا اس جملے پر کھل اٹھی۔ پھر ہنس کر بولی۔

"عورت گواہ نہیں ہوتی۔"

"اچھا۔ چلو۔ اینا گیسٹ تو (مہمان کے طور پر) آ سکتی ہے نا۔" فضا کے چہرے پر چھائی پژمردگی جیسے پرانی بات لگنے لگی اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ لبوں پر مسکراہٹ بکھرنے لگی۔ بابر کی اسی امید افزا باتوں نے گویا اس کے اندر پھر سے جان ڈال دی تھی۔ وہ اسے حوریہ کا پرسنل نمبر دینے لگی۔ پھر بولی۔

"تم اس سے کانٹیکٹ کرو گے۔"

"ہاں۔"

پھر ایک لمبی سانس بھر کر نظریں غیر مرئی نقطے پر مرکوز کرتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا۔

"آخر اس نے مجھے ایک برا انسان کہا تھا اسے بتانا تو ہے نا کہ میں اتنا برا انسان نہیں ہوں۔ جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔" پھر دل میں سوچا۔

"اس سے بھی برا انسان ہوں۔ ذرا سمجھا دوں گا۔" فضا اس کے دل و دماغ میں چلنے والی ان سوچوں سے بے خبر مسرور سی اس کے ہمراہ ریسٹورنٹ سے باہر آ گئی۔

"بات سنو۔ ابھی تمہاری امی کو اس ملاقات کے بارے میں اور ہمارے نکاح کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے..... میں خود ہی مناسب موقع دیکھ کر بات کر لوں گا۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ مگر ذرا جلدی کر لینا۔" پھر نفرت سے بھرے لہجے میں بولی۔ "اس عورت کا بس نہیں چل رہا ہے کہ مجھے کل کے کل ہی اپنے اس گئے گزرے بھانجے سے بیاہ دیں۔" بابر نے سنی ان سنی کرتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"تم جاؤ۔ میں رکشا لوں گی۔ شام ہو گئی ہے گلی میں رونق ہو گئی ہو گی۔ میں کوئی رسک لینا نہیں چاہتی۔" اس نے کہا تو بابر گویا منتظر ہی تھا۔ تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ فضا مسرور کن احساس سے کھڑی گاڑی کو دور ہوتا دیکھتی رہی۔ پھر قریب سے گزرتے رکشا کو ہاتھ اٹھا کر روکا۔

☆ ☆ ☆

درد کو دل پہ حکومت تھی، کہاں تھا اس وقت
جب مجھے تیری ضرورت تھی کہاں تھا اس وقت
موت کے سکھ میں چلا آیا مجھے دیکھنے کو
زندہ رہنے کی مصیبت تھی کہاں تھا اس وقت
دل کے دریاؤں میں اب ریت ہے صحراؤں کی
جب مجھے تجھ سے محبت تھی کہاں تھا اس وقت

ایک عرصے بعد پھر مومنہ علی پر ایسی دل گرفتہ۔ آزردہ سی کیفیت چھائی ہوئی تھی کہ۔۔۔ مرجانے کو دل کر رہا تھا۔ رات کی اسی تنہائی میں۔ عباد گیلانی کے قدموں کی چاپ اس کے نزدیک۔ سنائی دینے لگی۔ وہ منظر اسے یاد آکر اس کے اضطراب کو بڑھا رہا تھا۔ عباد گیلانی کے لہجے میں اتنا بکھراؤ اتنی شکستگی۔ وہ حیرت سمیٹ سمیٹ کر بھی نہیں سمیٹ پا رہی تھی۔

"تم شکوہ کرنے میں حق بجانب ہو۔ میں تو مدت سے منتظر تھا کہ کوئی مجھ سے گلہ کرے۔ میرے کردہ گناہوں کا مجھ سے حساب مانگے، سنگ ملامت برسائے۔" یہ آواز۔ یہ لہجہ۔ یہ انداز۔ اس کے دل کو کاٹنے لگا۔ اس نے شدت کرب سے بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر جلتی آنکھیں زور سے بند کرلیں۔ شاید عباد گیلانی کا تصور سے بچنے کی ادنیٰ سی کوشش کی۔ مگر رات کے اندھیرے میں جانے کیا سحر ہے کہ ہر منظر اور واضح کر دیتا تھا۔ ہر تصویر نمایاں کر دیتا ہے۔ بنا روشنی کے بھی ہر شے روشن دکھائی دینے لگتی ہے۔

جس اذیت کو صبر کے ساتھ سینے میں دبائے بیٹھی تھی برسوں سے۔ تم نے اس چادر کا ٹانکا ٹانکا ادھیڑ کر رکھ دیا، مجھے نئے سرے سے بکھیر دیا۔ برسوں کے ضبط کو عمر بھر کی ملاقات میں توڑ کر رکھ دیا۔ تم نے محبت کب کی تھی، محبت تو میں نے کی تھی، تمہاری بن بن کر تم سے۔ تم نے کب عہد نبھایا۔ عہد تو میں نبھاتی رہی اس رشتے کا۔ تم نے کب وفا کی۔ وفاداریاں تو میں نبھاتی رہی۔ تم نے تو فقط تکبر میں مجھ کو جیتا ضد میں مجھے پایا۔ انتقاماً" مجھے اپنایا تھا۔ محبت کب کی تھی تم نے۔ پھر اب یہ برسوں کی کسی اذیت کا رونا ہے۔ اذیت تو میرے حصے میں آئی۔ بے اولادی اور لاحاصلی کا دکھ تو میں نے اٹھایا۔ تمہیں کسی بات کا ملال ہے۔ دل تو وہاں ٹوٹتے ہیں جہاں جڑتے ہیں۔

وہ اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ ہوا کے جھونکے چہرے سے ٹکراتے تو ٹھنڈک کا احساس ہونے لگا۔ بے اختیار اس کی انگلیاں چہرے پر آٹھہریں۔ ہلکی گیلاہٹ کا احساس ہوا کہ اچانک کمرے کی خامشی میں موبائل بجنے لگا۔ وہ چونکی۔ اس نے کچھ حیرت سے بیڈ پر رکھے موبائل کو دیکھا مگر دوسرے پل آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرا کر کال ریسیو کی۔

"ہیلو۔۔۔" دوسری طرف حازم تھا۔

"ہیلو۔ مما۔ کیسی ہیں۔"

"ٹھیک۔ تم آئے نہیں آج۔" وہ بیڈ پر بیٹھ کر اس سے باتیں کرنے لگی۔

"کل دراصل بابا کو گھر میں شفٹ کیا ہے، آج سارا دن بابا کے ساتھ ہی رہا ہوں۔" مومنہ عباد کے ذکر پر لحہ بھر چپ سی رہ گئی کوئی درد رگ کو کاٹتا ہوا گزر گیا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھی۔

"طبیعت کیسی ہے ان کی۔" حازم نے ایک پرملال سانس کھینچی۔

"بس دعا کریں۔ مما۔" حازم آزردگی سے بولا۔

"امید اور ناامیدی کے درمیان زندگی جیسے رک سی گئی ہے۔" پھر یکلخت افسردگی کے سحر سے نکلتے ہوئے بولا۔

"اور اس وقت کیا ہو رہا تھا۔ میں سمجھا آپ سو رہی ہوں گی۔"

"نہیں۔ تمہیں مس کر رہی تھی۔"

"آپ جاگتی رہتی ہیں کیا۔ لگتا ہے پاپا کی طرح آپ کو بھی جاگنے کی عادت ہے۔"

"وہ کیوں جاگتے رہتے ہیں۔" وہ بے اختیار بولی۔

"انہیں تو آرام کی ضرورت ہے۔" حازم کو جانے کیوں مومنہ کا یہ کہنا اچھا لگا۔

"مما۔ ایک بات کہوں۔ آپ مائنڈ تو نہیں کریں گی۔" مومنہ چپ رہی۔ حازم شاید کسی ہچکچاہٹ کا شکار محسوس ہو رہا تھا۔ مومنہ جانتی تھی وہ اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔

"کیا آپ پاپا کو معاف نہیں کر سکتیں۔" اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔

"میں معاف کرنے والی کون ہستی ہوں۔ میں تو خود ایک بشر ہوں۔ گناہ گار' خطا کار۔"

"پاپا سے بہت زیادتیاں ہوئی ہیں مما۔" اس نے اذیت سے ایک پل آنکھیں بند کیں۔ ماضی ایک بدنما دھبے کی طرح دکھائی دینے لگا۔

"میں پاپا کا فیور نہیں لے رہا ہوں۔ دراصل ان کی کنڈیشن (حالت) کبھی کبھی مجھے بہت پریشان کر دیتی ہے۔ میں نے پاپا کو آپ کی یاد سے بہلتا دیکھا ہے مما۔ ان کے نزدیک ہر شے بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ مگر آپ کی یاد سے انہیں سکون ملتا ہے۔ آپ کے ذکر سے ان کے اندر زندگی دوڑنے لگتی ہے۔" مومنہ کرب سے مسکرائی۔

"مجھے مت بہلاؤ حازم۔"

"اٹس ٹرو (یہ سچ ہے) مما۔" وہ جیسے تکلیف سے بولا۔ وہ اس وقت مومنہ کی ذہنی کیفیت سے اچھی طرح آگاہ نہیں تھا مگر اس پل اپنے پاپا عباد گیلانی کی پژمردگی' دل گرفتگی کا خیال آ رہا تھا۔

بہت کچھ کرنے کی خواہش اور کچھ نہ کر سکنے کی بے بسی اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی۔

"اس سچ کا کیا فائدہ۔ اب یہ ساری باتیں میرے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی ہیں۔" مومنہ یکسر بے کیف لہجے میں بولی۔

"اب ان باتوں کا فائدہ نہیں رہا۔ معافی مانگنا نہ مانگنا۔ میرا ملال۔ یہ سب وقت کی اڑتی دھول میں دھول ہو چکا ہے' ہاتھ آئے تو کیا نہ آئے تو کیا۔"

"ہاں۔ یہی رنج تو مجھے بھی تکلیف دے رہا ہے کہ ازالے' تلافی کا کوئی راستہ نہیں رہا۔" مومنہ آنکھیں بند کر کے یوں سن سی بیٹھی رہ گئی جیسے نہ دیکھ رہی ہو نہ سن رہی ہو۔ یک دم اس کے ذہن میں ایک انتشار برپا ہو گیا تھا۔ ازالہ۔ تلافی۔

"مما" وہ بے قراری سے پکار رہا تھا۔

"حازم...... رشتہ آئینہ کی مانند ہوتا ہے' بے حد چمکتا خوش نما۔ جس میں اپنا عکس دیکھ دیکھ کر۔ عورت خوش ہوتی ہے۔ مگر جب یہ ٹوٹتا ہے تو کرچی کرچی ہو کر رہ جاتا ہے پھر اس میں کوئی عکس نہیں ابھرتا۔ کوئی تصویر نہیں بنتی۔ سب پارہ پارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اپنے پاپا سے کہو حازم...... مومنہ وقت کی دھول میں گم ہو گئی ہے۔ اسے ڈھونڈنا دیوانہ پن ہے۔"

مومنہ لائن ڈس کنیکٹ کر چکی تھی حازم احساس بے بسی کے ساتھ موبائل پکڑے بیٹھا رہ گیا تھا۔ وہ سوچنے لگا۔ ایک جذباتی قدم کیسے عمر بھر کے لیے نقصان جھولی میں ڈال جاتا ہے کہ نہ ازالہ ممکن رہتا ہے نہ تلافی کا امکان رہتا ہے۔ گزرے وقت کا فقط ماتم رہ جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

بابر۔ حوریہ کے کانٹیکٹ نمبر کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ نمبر نہ ہو۔ حوریہ کی تصویر ہو۔ گویا خود اس کے سامنے کھڑی ہو۔

آں۔ہا۔" ایک خمار آلود سانس بھرتے ہوئے اس نے کشن سر کے نیچے دبایا اور صوفے پر بے ترتیب انداز میں لیٹ گیا۔اور موبائل کو ہلکے سے چوما پھر مخمور انداز میں مسکرانے لگا۔

"مس پاکیزہ۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔

عمر نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے

"آہ۔ قیامت سے پہلے قیامت مچادی تم نے۔" اس نے موبائل تپائی پر پھینکا اور کشن سینے پر رکھ کر اس کے گرد بازو لپیٹ کر سیٹی کی شوخ دھن پر گنگنانے لگا۔

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیان گزرے
تو پھر یہ کیسے کٹے۔ زندگی کہاں گزرے
اسی کو کہتے ہیں جنت اسی کو دوزخ بھی
وہ زندگی جو حسینوں کے درمیان گزرے

وہ جیسے اپنی سوچ اپنے تصورات اور اپنی گنگناہٹوں کو خود ہی محظوظ ہو کر سن رہا تھا۔ پھر یک دم اچھل کر کشن ادھر ادھر پھینک کر سیدھا ہو بیٹھا اور سگریٹ سلگا کر اس کے ہلکے ہلکے کش لگانے لگا۔ پھر موبائل اٹھا کر حوریہ کے نمبر پش کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں تیرتا خمار کچھ اور دبیز ہونے لگا۔

"چلو بابر صاحب۔ اس مہ جبیں' پری وش کی آواز تو سنی جائے۔ اہ۔ہا۔"

آواز وہ جادو سا جگاتی ہوئی آواز
مدہوش دلوں جاں کو بناتی ہوئی آواز

وہ ہلکی سی گنگناہٹ کے ساتھ دوسری طرف کال ریسیو کرنے کا انتظار کرنے لگا۔

حوریہ۔ اپنے وارڈروب سے کپڑے ادھر ادھر کرتے ہوئے اپنا سوٹ نکالنے لگی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے ہینگر لگا سوٹ نکال کر وارڈروب بند کی اور سوٹ بیڈ پر ڈال کر موبائل اٹھالیا۔

"ہیلو۔" بابر کو لگا اس کے ارد گرد بجلیاں کڑکڑانے لگی ہوں۔ دل میں ہوس ہلکورے لے رہی ہو تو ہر مہین آواز' بے باک تصور میں ڈھل کر ہوس زدہ دل کو بدمست کر دیتی ہے۔ بابر نے یوں خمار آلود سانس بھری گویا حوریہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی ہو۔ "ہیلو۔۔۔ آداب۔"

"کون۔۔۔ سوری میں نے پہچانا نہیں۔" وہ الجھ کر بولی۔

"پہچان کے لیے ایک دوسرے کے قریب آنا پڑتا ہے اتنے فاصلوں سے بھلا پہچان کیسے ہو سکتی ہے۔" وہ دھیمے سروں میں بولا۔

دوسری طرف یکلخت خاموشی چھا گئی۔ تاہم لحہ بھر بعد۔ وہ بولی۔

"آپ۔۔۔؟" "بابر۔" وہ جلدی سے بولا۔

"آپ پھر کہیں گی کون بابر۔۔۔ سوری۔ میں نے پہچانا نہیں۔" وہ دھیرے سے ہنسا۔ تو لحہ بھر کے توقف کے بعد آواز ابھری۔

"نہیں۔ اب میں یہ نہیں کہوں گی۔" "واؤ۔ گڈ"

"دراصل لہجہ' انداز' الفاظ خود کردار کی پہچان کرا دیتے ہیں۔" وہ تلخی اور طنز سے ہلکے سے ہنسی۔

"اور یہ لہجہ اور الفاظ بولنے والے کے کردار کی بھرپور عکاسی کر رہا ہے۔" ایک پل کو بابر جیسے اپنی ساری چوکڑی بھول کر دم بخود سا رہ گیا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

سیرا غزل

ایک سو بیس گز پہ مشتمل اس ڈبل اسٹوری مکان کی نچلی منزل کے چھوٹے سے صحن میں دادی اماں اپنے ناک سے منہ پر بڑی سی عینک جمائے نہایت انہماک سے چھالیہ کاٹنے میں مصروف تھیں۔ یوں بھی گرمیوں کے دن شروع ہو چکے تھے دن بھر کے حبس کے بعد گرمیوں کی شامیں ہلکی پھلکی ہوا کے سندیسے دیتی پھرتی تھیں، سو دادی اماں کا خاص معمول تھا کہ وہ عصر پڑھتے ہی صحن میں بچھے چھوٹے سے تخت پہ اپنا پاندان لیے ڈیرہ ڈال لیتی تھیں۔

دادا کی وفات کے بعد یوں بھی وہ کوئی کام نہ کرتی تھیں، نہ ہی چھوٹی بہو اسما انہیں کسی کام کو ہاتھ لگانے دیتی تھیں۔ سارا دن وہ بچوں کے ساتھ لگی رہتی تھیں یا نماز میں مشغول رہتی تھیں۔ بچے بھی اب بڑے ہو رہے تھے۔ وہ اپنی چھوٹی بہو اسما اور چھوٹے بیٹے احمد کے ساتھ نچلی منزل پہ رہتی تھیں جن کے دو ہی بچے تھے، عالیان اور آئمہ دونوں ہی سارا دن اپنی شرارتوں سے گھر سر پہ اٹھائے رکھتے تھے۔ جبکہ بڑی بہو انجم اپنے اکلوتے ولاڈلے سپوت رضا اور میاں راجہ کے ہمراہ اوپری منزل پہ رہائش پذیر تھے۔ ان کے میاں بھی صرف نام کے ہی راجہ تھے ورنہ راج تو گھر پہ ان کی نصف بہتر انجم کا ہی چلتا تھا۔ مجال ہے جو بیوی کے سامنے ان کی آواز نکل جائے۔ پکے جورو کے غلام تھے وہ۔ دادی تو دادی اب تو بچے بھی ان کا مذاق اڑاتے تھے خاص کر آئمہ۔ ابھی بھی عالیان اور آئمہ کمرے میں بیٹھے بڑے ہی زور و شور سے لڈو کھیل رہے تھے۔

"ارے او آئمہ منع کیا ہے نہ کہ یہ نحوست بھرا گیم نہ کھیلا کرو نیستی پھیلتی ہے گھر بھر میں، ویسے ہی اوپر والوں نے کیا کم نیستی پھیلا رکھی ہے۔ وہی دیر دیر تک جاگنا اور صبح دیر تک سونا۔" حسب معمول دادی کی توپوں کا رخ بڑی بہو کی جانب مڑ گیا تھا انہیں انجم کے مزاج، طور و طریقوں سے شروع سے ہی کوفت ہوتی تھی۔

"ارے میری پیاری دادی جان بس آپ منع کریں اور ہم وہ کام کرلیں ایسا کبھی ہوا ہے کیا" عالیان اس بار بھی دادی کو مکھن لگانے سے باز نہیں آیا تھا آئمہ بھی دادی کی باتوں میں جھول گئی تھی، دونوں کا مقصد تائی کے خلاف ہونے والے محاذ کو روکنا تھا ورنہ ایک بار جو دادی شروع ہو جاتیں پھر اگلے گھنٹے تک انہیں کوئی چپ نہ کرسکتا تھا۔

"ہٹ شریر کہیں کا ساری باتیں سمجھتی ہوں میں تیری" دادی نے عالیان کو ایک دھمو کا جڑا تھا پھر بڑا سا پان بنا کے منہ میں رکھ لیا تھا، آئمہ نے موقع کا فائدہ اٹھا کے پاندان میں سے چھالیہ اٹھالی تھی۔ عالیان نے اسے سخت گھورا تھا، لیکن آئمہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے دھمکی دی تھی جواباً" عالیان کو مجبوراً" منہ بند رکھنا پڑا تھا۔ اسما کچن میں شام کی کھانے کی تیاریوں میں مصروف عمل تھیں، آج بچوں کی فرمائش پہ وہ چکن پلاؤ اور کباب بنا رہی تھیں۔

"آئمہ بیٹا کبھی میری بھی مدد کردیا کرو کچن میں خیر سے اب تو تمہارا گریجویشن بھی ہو گیا ہے، چلو آؤ ادھر

یہ برتن دھو اور کباب کا مسالا پیسو سل پہ۔'' اسما نے دادی سے لاڈ اٹھواتی آئمہ کو کچن کی کھڑکی سے آنکھیں دکھائی تھیں۔

''افوہ ماما ایک تو آپ بھی نا میرے آرام کی دشمن ہی بن گئی ہیں بھئی اب تو چوپر کا زمانہ ہے یہ سل پہ پیس کے کون ٹائم ضائع کرتا ہے۔'' آئمہ نے منہ بنایا تھا۔

''بری بات ہے بیٹا ایسے نہیں کہتے امی سے، وہ بھی تو سارا دن تم لوگوں کے لیے کچن میں لگی رہتی ہے، تمہیں تو اس کا خیال کرنا چاہیے اور رہی بات سل کی تو جو ذائقہ سل کے پسے مسالے کے کبابوں میں ہے وہ بھلا مشینوں میں کہاں اور پھر کل کو تمہاری شادی بھی تو کرنی ہے نا۔'' دادی کو اس کی بات بری لگی تھی مگر وہ بھی پیار سے سمجھانے کی عادی تھیں اور سچ تو یہ تھا کہ آج تک بچوں نے کبھی ان کی بات ٹالی بھی نہیں تھی۔

''آہم.... آہم.... شادی اس چڑیل سے بھلا کون شادی کرے گا دادی جان۔'' عین اسی لمحے رضا اپنا آفس بیگ اٹھائے سب کو سلام کرتا اندر داخل ہوا تھا بڑی بہو کی لاکھ کوششوں کے باوجود دادی نے گھر کے

آنے جانے کا راستہ الگ نہ کیا تھا۔

"چڑیل... چڑیل کس کو کہا آپ نے کبھی خود کو دیکھا ہے غور سے پورے جن لگتے ہیں وہ بھی کوہ قاف کے۔" آئمہ نے فوراً"حساب برابر کیا تھا رضا بھی وہیں دادی کے پاس گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا تھا۔

"کوہ قاف میں تو پریاں ہوتی ہیں پاگل اور اچھا ہے اگر میں وہاں کا جن ہوں تو کم از کم چڑیلوں کے بجائے پریوں کے ساتھ تو رہتا ہوں۔" رضا نے اسے بری طرح چڑایا تھا۔

"آپ کو تو دیکھ لوں گی اچھی طرح" آئمہ نے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"دیکھ لو بھئی دیکھ لو یہیں بیٹھا ہوں۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا تھا آئمہ دانت پیس کے رہ گئی تھی۔

"رضا... رضا بیٹا آگئے ہو تو جلدی اوپر آجاؤ فریش ہو جاؤ تمہاری نانی کی طرف جانا ہے نا۔" انجم نے بیٹے کی آواز سن کے فوراً" آواز لگائی تھی بھلا ان سے بیٹے کا نیچے وقت گزارنا کب برداشت ہوتا تھا۔

"جاؤ بیٹا جاؤ ورنہ تمہاری تو خیر نہیں۔" دادی کو سخت برا لگا تھا' مگر وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔ بڑی بہو کا مزاج ہی ایسا تھا۔ آئمہ نے جاتے جاتے اسے منہ چڑایا تھا رضا بھی مسکراتے ہوئے اس کے خود سے بے خبر خوب صورت سراپے کو اپنی نظروں میں مقید کرتا ہوا اوپر چلا گیا تھا اور وہ بے چاری امی کی مدد کرنے کچن میں چلی آئی تھی۔

☆ ☆ ☆
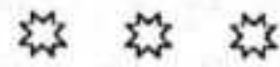
وہ لوگ صحن سے ملحقہ کمرے میں بڑے ہی سلیقے سے دسترخوان پہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ جب راجہ میاں تھکے ہارے گھر لوٹے تھے۔ دادی نے آواز دے کر انہیں وہیں بلا لیا۔

"یہاں آجاؤ راجہ میاں آپ کی زوجہ محترمہ زبردستی میرے تھکے ہارے پوتے کو لے کے میکے سدھار گئی ہیں۔" دادی کا انداز طنزیہ لٹھ مار تا ہوا تھا۔ کباب سے ہاتھ صاف کرتی آئمہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی مگر اگلے ہی پل دادی کی گھوریوں کے خوف سے اس نے اپنی ہنسی کو بریک لگائے تھے۔

"جی امی جان مجھے نہیں پتا تھا" وہ بھی اماں کو اور سب کو سلام کرتے دسترخوان پہ بیٹھ گئے تھے۔ ظاہر تھا انجم میکے گئی تھیں' سویٹ پوجا کے بعد ہی انہیں گھر لوٹنا تھا اور وہ اتنی فیاض دل نہ تھیں کہ اپنے بے چارے شوہر کے لیے کھانا پکا جاتیں۔ یوں بھی ان کے ہاتھ کا بدمزا کھانا کھانے سے اچھا تھا کہ بندہ بھوکا رہ لے۔

"ویسے بیٹا ایک بات تو بتاؤ ایسے کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں تمہارے سسرال میں کہ بہو بیگم روز وہاں کی سواری پکڑ لیتی ہیں۔" وہ دادی ہی کیا تھیں جو کسی معاملے میں چپ رہ جاتیں' ویسے بھی انہیں انجم کے اطوار و انداز کئی دن سے کھٹک رہے تھے۔

"مجھے کیا پتا اماں میں تو صبح دکان جاتا ہوں شام کو لوٹتا ہوں مجھے تو وہ فون تک نہیں کرتیں جاتے وقت۔" راجہ میاں کے پلیٹ میں پلاؤ ڈالتے ہاتھ رکے تھے وہ خود اپنی زوجہ محترمہ کی ہٹ دھرمیوں سے سخت کبیدہ تھے۔

"لو یہ کیا بات ہوئی بھلا ہم سے اس کی نہیں بنتی تھی ہم نے تمہارے سکھ چین کی خاطر اسے اوپر بھیج دیا' لیکن ہے تو وہ ہمارے ہی گھر کی بہو ذرا کنٹرول رکھو اس پہ' یہ آزادیاں یہاں نہیں چلیں گی تمہارے ابا نے بڑی محنت سے یہ گھر بنایا ہے' اب تم دونوں بھائیوں کی ذمہ داری ہے کہ اسے جوڑ کے رکھو' اپنے مرحوم ابا کا وعدہ تو یاد ہے نہ راجہ میاں تمہیں۔" اماں نے سخت سنائی تھی۔ انہیں بیٹے کی ناقدری پہ بڑا ہی دکھ ہوتا تھا۔

"جی اماں یاد ہے۔" راجہ میاں نے اماں سے نظریں چرائی تھیں۔

"یہ کون سے وعدے کی باتیں ہو رہی ہیں آپی۔" عالیان نے آئمہ کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"مجھے کیا پتا۔" آئمہ نے کندھے اچکائے تھے اسما نے دونوں کو گھورا تھا۔

"شکر ہے تمہیں یاد ہے اور سنو اپنی بیوی کو بھی یاد کرا دینا۔" اماں نے اپنا کھانا مکمل کرتے ہوئے کہا تھا پھر نماز کے لیے اٹھ کے چلی گئی تھیں، آئمہ اسما کے ساتھ دستر خوان اٹھانے میں لگ گئی تھی جبکہ عالیان سونے چلا گیا تھا کمرے میں دونوں بھائی رہ گئے تھے اور ان کا موضوع گفتگو اب ابا مرحوم کا وعدہ تھا جس سے سارے بچے اب تک انجان تھے۔

☼ ☼ ☼
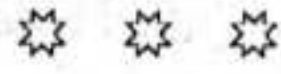
"بڑے ذائقے دار کوفتے بنائے ہیں رمشا تم نے بیٹا کہاں سے اتنا ٹائم نکال لیتی ہو کالج اور پڑھائی پھر گھر کے کام، جب سے آئی ہوں کچن میں لگی ہوئی ہو ہمارے پاس بھی بیٹھ جاؤ۔" کوفتے اور چکن پلاؤ سے انصاف کرتی انجم نے بڑی ستائش سے اپنی اکلوتی بھتیجی رمشا کو دیکھا تھا۔

"ارے میری بچی ہے ہی اتنی سگھڑ، باجی یقین کریں سارا دن میرے ساتھ لگی رہتی ہے اس کا بس چلے تو مجھے کچن میں گھسنے ہی نہ دے۔ جس گھر میں بھی جائے گی سکھ اور خوشیاں بکھیر دے گی۔" رمشا کی بجائے انجم کی بھابھی راشدہ نے بڑے ہی فخر سے جواب دیا تھا۔ انجم کا میکا بس اپنے بھائی اور بھابھی سے ہی آباد تھا اماں ابا کا تو برسوں پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

"جی بالکل ماشاءاللہ بیٹی کے نصیب اچھے کرے۔" ہلکی سی حسرت سے انجم نے لمبے سے بالوں کی چوٹی بنائے گوری چٹی سی رمشا کو بڑے ہی پیار سے دیکھا تھا۔

رضا بیٹھے بیٹھے بور ہو رہا تھا یہاں اس کی گیدرنگ کا کوئی نہ تھا، نہ ہی اس کا یہاں دل لگتا تھا۔ نجانے کیوں اسے ایسا لگتا تھا کہ جب بھی وہ یہاں آتا ہے رمشا بہانے بہانے سے اس کے گرد ہی منڈلاتی رہتی ہے۔ اسے سخت کوفت ہوتی تھی مامی کی ہمہ وقت اپنی بیٹی کے تعریفوں کے پل باندھنے سے اور اپنی اماں کی ان کی ہاں میں ہاں ملانے سے، بڑی ہی مشکل سے اس نے پلاؤ مکمل کیا تھا۔

"ارے لو نہ بیٹا اور لو اچھا نہیں لگا کیا؟" راشدہ نے اس کی خالی پلیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ارے نہیں مامی میں نے کھا لیا بس" اس نے تکلفاً" کہا تھا، پھر متواتر بجتے موبائل کی جانب متوجہ ہوا تھا جو بج بج کے بند ہو چکا تھا اس نے نمبر دیکھا پاپا کا تھا وہ فوراً" اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ماں جلدی چلیں پاپا فون پہ فون کر رہے ہیں میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔" اس نے فوراً" انجم کو چلنے کا اشارہ دیا تھا۔

"اچھا چلو لگتا ہے جلدی آ گئے آج وہ۔" وہ یکدم بے زار ہوئی تھیں لیکن ماحول ایسا تھا کہ وہ مزید کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں رضا کی آنکھوں میں انہیں صاف خفگی نظر آ رہی تھی سو وہ بھی خاموشی سے اپنی چادر اور پرس سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے نہایت انہماک سے گنگناتے ہوئے اپنی پیاری سی سائیکل کو رگڑ رگڑ کے دھو رہا تھا، سرف کی آدھی بری وہ صرف اپنی سائیکل پہ ضائع کر چکا تھا۔

"تمہاری دلہن سج گئی ہو تو میں صفائی کر لوں یہاں سے۔" صبح کے بارہ بج رہے تھے اور عالیان کی وجہ سے صحن اب تک گندہ پڑا تھا، یوں بھی اتوار کے دن سب دس بجے تک ہی اٹھتے تھے۔

"ابھی تو دھونا شروع کیا ہے تم ابھی سے میرے سر پہ سوار ہو گئیں۔" عالیان نے سرف سے بھرے ہاتھوں سے اس کے منہ پہ چھینٹے ماری تھیں۔

"اف عالیان کے بچے چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔" وہ جھاڑو ہاتھ میں پکڑے اس کی طرف بھاگی تھی عالیان اپنی شامت آتی دیکھ سائیکل چھوڑ چھاڑ اپنی جان بچانے کو بھاگا تھا۔

"ہمت ہے تو پکڑ کے دکھاؤ۔" عالیان نے بھاگتے ہوئے اسے منہ چڑایا تھا۔

"آؤچ ہائے مر گیا میں تو کوئی تو بچاؤ۔" وہ دونوں اپنی مستیوں میں لگے تھے کہ نائٹ ڈریس میں ملبوس

ایک ہاتھ سے آتی جمائی روکتا نیچے اترتا رضا سیڑھیوں کے نیچے پڑے سرف سے پاؤں پھسلنے کے سبب بری طرح نیچے گرا تھا۔

"یا اللہ! عالیان دیکھا نا تمہاری وجہ سے کیا ہوا اگر لگ گئی نا ان کو دادی ہم دونوں کو نہیں چھوڑیں گی۔" جھاڑو چھوڑ چھاڑ آئمہ فوراً" رضا کے پاس پہنچی تھی مبادا دادی نہ دیکھ لیں۔ اس نے بجلی کی تیزی کی طرح لپک کے رضا کا ہاتھ پکڑ کے اسے اٹھانا چاہا تھا۔

"جب اٹھانے والا اتنا حسین ہو تو کون ظالم ہو گا جو اٹھنا چاہے گا گرا رہنے دو۔" رضا فوراً" شوخ ہوا تھا۔

"کیا.... یہ کیا کہہ رہے ہیں جلدی اٹھیں دادی آجائیں گی۔" آئمہ کے چھوٹے سے دماغ میں رضا کی معنی خیز باتیں ذرہ برابر بھی نہ سمائی تھیں' اسے تو بس دادی کی فکر تھی نہ' خود پہ جمی رضا کی شوخ نظروں کی نہ اس کی باتوں کی وہ تو سنہری دھوپ میں چمچماتے اپنے کندن جیسے روپ سے بھی بے خبر تھی رضا ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے ہوا تھا۔

عالیان بھی رضا کو اٹھانے آگیا تھا۔ دادی کے باہر آنے کی آواز آرہی تھی آئمہ جھٹ جھاڑو سنبھالتی ادھر ادھر کھسک لی تھی عالیان سر کھجاتا سائیکل دھونے لگ گیا تھا اور رضا اپنے کپڑے گندے ہونے کے باعث اوپر چینج کرنے چلا گیا تھا مگر جاتے جاتے خود سے بے خبر آئمہ پہ اک نگاہ ڈالنا نہ بھولا تھا۔

☼ ☼ ☼ ☼

آج تو انجم بیگم کے انداز و اطوار ہی نرالے تھے وہ صبح سے ہی راجہ میاں کے اردگرد منڈلا رہی تھیں دوپہر کے کھانے کے بعد وہ قیلولہ کی غرض سے کمرے میں لیٹے تو انجم ان کے لیے چائے لے کے آگئیں۔

"خیریت تو ہے بیگم صاحبہ آج اس ناچیز کی بڑی خاطر تواضع کی جارہی ہے کوئی نئی فرمائش ہے تو بتادیں بھئی۔" راجہ انجم کے مزاج سے بخوبی واقف تھے جانتے تھے کہ بیگم اتنی خاطر مدارت خواہ مخواہ ہی نہیں کرتیں۔

"لو جی ایک تو نیکی کرو اوپر سے دریا میں ڈال دو' آج چھٹی ہے آپ کی اب لڑ نہیں رہی تو بھی سکون نہیں ہے آپ کو۔" انجم نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی تھی آثار تھکن زدہ تھے یوں بھی اب عمر ڈھلتی جارہی تھی بیٹی کوئی تھی نہیں جو ہاتھ بٹاتی اور دیورانی سے انہوں نے کبھی بنا کے نہ رکھی تھی۔

"ارے بھئی بیگم صاحبہ اب تو آپ بھولے ہی آئیں آپ سے اب کام نہیں ہوتا۔" راجہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں تو میں تو تیار بیٹھی ہوں آج چلیں کیا؟ بھابھی کے ہاں" انجم فوراً" موقع دیکھ کے مطلب کی بات پہ آئی تھیں۔

"بھابھی کے ہاں.... کیا مطلب ہے تمہارا؟" راجہ صاحب فوراً" الرٹ ہوئے تھے۔

"ارے بھئی بہو تو میں اپنی بھتیجی رمشا کو ہی بناؤں گی تو ظاہر ہے مجھے بات کرنے بھابھی اور بھائی کے پاس ہی جانا پڑے گا نا۔" انجم کا اطمینان قابل دید تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا' انجم جان بوجھ کر انجان مت بنو تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ابا نے اپنی زندگی میں ہی رضا اور آئمہ کو ایک دوسرے سے منسوب کر دیا تھا اور میں اپنے مرحوم ابا کی آخری خواہش کبھی رد نہیں کروں گا۔" راجہ ایک دم آپے سے باہر ہوئے تھے۔

"واہ واہ کیا بات ہے مرحوم ابا کے لیے اپنے بیٹے کی زندگی خراب کرو گے وہ میرا بیٹا ہے جہاں میں بولوں گی وہ وہیں شادی کرے گا اور آخر ہے کیا آپ کی بھتیجی میں ایسا' جو اس سے میں اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کروں۔ رمشا اور وہ ہم عمر ہیں مگر رمشا کو دیکھ لیں پڑھائی کے ساتھ ساتھ سارا گھر سنبھالتی ہے اور آپ کی بھتیجی مجال ہے جو گھر سنبھال لے اماں کی لاکھ ڈانٹ پھٹکار سننے کے بعد بھی وہ صرف جھاڑو اور برتن ہی کرتی ہے سارا دن بس اس سے ہنسی مذاق کروالو شرارتیں کروالو مجھے نہیں بنانا اسے اپنی بہو۔" انجم کے لہجے سے زہر اگل رہا تھا ان کا لہجہ راجہ صاحب کی

آواز سے کافی تیز تھا۔

"بکواس بند کرواپنی، رضا سے میں خود بات کرلوں گا شادی ہوگی تو آئمہ سے۔ میں ابھی جا کے اماں سے بات کرتا ہوں تمہیں شریک ہونا ہو تو ہونا ورنہ جا کے اپنے بھائی کے ہاں بیٹھنا۔" راجہ کا انداز و فیصلہ اٹل تھا انجم اتنے سخت انداز پہ ان کی شکل دیکھتی رہ گئی تھیں۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی راجہ ہیں جن کی آواز نہیں نکلتی تھی ان کے سامنے' راجہ صاحب کہہ کے کھٹ سے دروازہ بند کر کے چلے گئے تھے۔

باہر کھڑا رضا جو کہ ماں اور باپ کی ساری باتیں سن چکا تھا فوراً" چھپا تھا کہیں پاپا دیکھ نہ لیں۔ دادا کے فیصلے سے وہ انجان تھا مگر یہ اس کی بھی دلی خواہش تھی مگر ماں کی ناراضی و خفگی کے ساتھ نہیں' اب اسے ماما کو منانا تھا کیسے' یہ اسے طے کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اماں اگر بھابھی کو اعتراض ہے تو میرا یہی خیال ہے کہ آپ لوگ اس رشتے کے بارے میں ایک بار سوچ لیں۔ میری ایک ہی بیٹی ہے میں نہیں چاہتی وہ ساس کی ناپسندیدہ بن کے کسی کے گھر جائے' اسما راجہ صاحب کی بات سن کے فوراً" متفکر ہوئی تھیں بھابھی کی عادت و اطوار سے انہیں پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ آئمہ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتیں مگر اتنا ناپسند کرتی ہیں کہ ابا کی آخری خواہش نہ پوری کریں یہ نہیں جانتی تھیں۔

"ارے اسما کیسی باتیں کر رہی ہو کسی کے گھر سے کیا مراد ہے اپنے ہی گھر جا رہی ہے وہ آپ فکر نہ کریں انجم کی تو عادت ہے اس گھر کے ہر فیصلے پر اعتراض اٹھانے کی۔" راجہ صاحب نے فوراً" اپنے بھائی بھابھی اور اماں کو تسلی دی تھی۔

"میرا خیال ہے رضا سے پوچھ لو ایک بار میرے لیے بچوں کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔" دادی جو کب سے خاموش تھیں اب بول پڑی تھیں۔

"مگر اماں بھابھی۔۔۔" اسما ایک بار پھر فکر سے بولی تھیں۔

"میں نے کہا نا جو بچے چاہتے ہیں وہی ہوگا رضا سے پوچھ لو اور ساری فکریں چھوڑ دو اللہ بہتر کرنے والا ہے' میری آئمہ لاکھوں میں ایک ہے۔" دادی نے سب کو چپ کروایا تھا اب رضا سے پوچھنے کی ذمہ داری راجہ کی تھی اور وہ جانتے تھے کہ ان کا بیٹا کبھی انکار نہیں کرے گا۔

☼ ☼ ☼

رضا کی ہاں سنتے ہی گھر بھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ آئمہ کے لیے سب کچھ اچانک تھا' خوشی تھی تو بس یہ کہ اسے اماں ابا کو چھوڑ کے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہ تھی اور رضا کی تو جیسے من کی مراد بر آئی تھی انجم سب سے منہ پھلائے بیٹھی تھیں وہ تو شکر تھا کہ انہوں نے اپنی بھابھی کو رمشا کے لیے اشارہ نہیں دیا تھا ورنہ تو شدید سبکی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ابھی بھی وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے بھائی کے ہاں ہی گئی ہوئی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم انجم! رضا کی شادی وہ بھی تمہاری دیورانی کی بیٹی سے' ہم تو کہتی تھیں کہ وہ بس ہر وقت کھیل کود میں لگی رہتی ہے پھر گھر کیسے سنبھالے گی۔" راشدہ سخت حیران تھیں وہ تو رضا کو اپنا داماد بنانے کے خواب سجائے بیٹھی تھیں۔

"کیا بتاؤں بھابھی ہمارے مرحوم سسر نے 12 سال پہلے مرنے سے پہلے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا میں نے تو سوچا تھا بچپن کی بات ہے سب بھول جائیں گے مگر نہ بھئی وہ لوگ نہ بھولے اور میری خفگی کی بھی پروا نہ کی بھئی اکلوتا بیٹا ہے اب بہو بھی اپنی مرضی سے نہ لا سکوں تو کیا فائدہ میرا۔" چائے کا سپ لیتے ہوئے وہ سخت آبدیدہ تھیں۔

"بس انجم بس ہمت حوصلہ رکھو رضا نے کچھ نہیں کہا تم اسے سمجھاتیں نا کہ وہ تمہارا ساتھ دے۔" راشدہ نے مشورہ دیا تھا۔

"اسی نے تو مسئلہ کیا ہے جا کے ہاں کر دی باپ اور

دادی کے سامنے' پھر کیا وہ لوگ تو اگلے مہینے ہی شادی طے کر بیٹھے اب کچھ نہیں ہو سکتا بھابھی لیکن آپ دیکھیے گا چین سے نہیں رہنے دوں گی اس لڑکی کو جینا اجیرن نہ کر دیا اس کا' میرا نام بھی انجم نہیں۔ بڑی آئی میرے بیٹے کو مجھ سے چھیننے والی۔" انجم کی آنکھوں میں بڑی ہی کمینی سی چمک آئی تھی۔

"بالکل ویسے ہی جیسے اپنی ساس کا کیا تھا مجبوراً انہیں تمہیں الگ کرنا پڑا تھا" راشدہ اسے نئی راہ دکھا رہی تھیں بجائے سمجھانے کے اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔

"بس دیکھتی رہیے کیا سبق سکھاتی ہوں۔" انجم نے کمینگی سے کہتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے تھے اس وقت ان کی آنکھوں پہ ان کی ہار کی پٹی بندھی تھی۔

☼ ☼ ☼
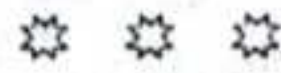
بنو رے بنو میری چلی سسرال رے
انکھیوں میں پانی دے گئی

عالیان اپنی پھٹی ہوئی آواز کو سریلا بنانے کی ناکام کوشش کرتا ہوا آئمہ کو چھیڑ رہا تھا جو بے چاری اماں کے آرڈر پہ قورمے کے لیے ڈھیر ساری پیاز کاٹتی ہوئی آنسو بہا رہی تھی۔

"عالیان کے بچے" آئمہ نے اسے چھری دکھائی تھی۔

"نہ.... نہ مارنا مت مجھے میں تو ڈر گیا رے بابا۔" عالیان نے زور سے ہنستے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑنے کی اداکاری کی تھی۔

"تمہاری تو...." وہ چھری اٹھا کے اس کی جانب بڑھی تھی۔

"آئمہ یہ کیا بدتمیزی ہے کب سدھرو گی تم شادی میں دن نہیں ہیں اور تمہارا بچپنا ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے اور یہ دیکھو ابھی تک پیاز نہیں کٹی تم سے جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ ابھی سالن بھی تم نے بنانا ہے۔" اسما شور کی آواز سن کے فوراً کچن میں آئی تھیں اور یہاں کا منظر دیکھ کے سخت برہم ہوئی تھیں۔

"کیا سالن .... نہیں بھئی آپ نے صرف پیاز کاٹنے کا کہا تھا۔" وہ زور سے چیخی تھی عالیان کا زوردار قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

"جی سالن شادی کے بعد سسرال والوں کو بھوکا رکھو گی کیا؟ میرا نام خراب کرو گی رضا اتنا پیارا بچہ ہے کیا بھوکا رہے گا وہ اور بھائی بھابھی' دیکھو آئمہ میں آخری بار سمجھا رہی ہوں کچن میں دلچسپی لو ورنہ تمہارے ابا کو بتا دوں گی۔" اسما نے ابا کی دھمکی فوراً دی تھی اور وہ کارگر بھی ثابت ہوئی تھی وہ ابا سے بہت ڈرتی تھی جو اکثر اس کی نقصان دینے والی شرارتوں پہ اسے سرزنش کرتے رہتے تھے۔

"ہونہہ بڑا پیارا بچہ ہے' میری تو فکر ہی نہیں۔" وہ من ہی من اماں کے رضا کو پیارا کہنے پہ بڑبڑائی تھی۔

"کچھ کہا تم نے۔" اسما نے جاتے جاتے اس کی بڑبڑاہٹ ہلکی سی سن لی تھی۔

"نہیں.... نہیں کچھ نہیں۔" وہ فوراً مکری تھی پھر دل ہی دل میں خود کو کوستی پیاز کاٹنے لگی تھی ابھی وہ پیاز کاٹ کے روتی ہوئی اسے براؤن کر ہی رہی تھی کہ رضا بھی وہیں آ گیا تھا۔

"آہا بھئی آج تو بڑے بڑے لوگ کچن میں نظر آ رہے ہیں کیا بات ہے بھئی۔" رضا نے اس کی سرخ ہوتی ناک کو دیکھ کے بڑی محبت سے چھیڑا تھا۔

"آئیے آئیے آپ ہی کی کمی تھی۔" وہ فوراً چڑی تھی۔

"اہم اہم۔"

ہمیشہ ہوئے دیکھ کر مجھ کو برہم
کسی دن ذرا مسکرا کر تو دیکھو
جفائیں بہت کیں بہت ظلم اٹھائے
کبھی اک نگاہ کرم اس طرف ہو

رضا نے بھرپور شوخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نصرت فتح صاحب کی قوالی کے دو مصرعوں کو بڑی لے میں گنگنایا تھا۔

"آپ.... اب آپ کو کیا ہو گیا" وہ رشتے کی بدلتی نوعیت کے سبب بلش کر گئی تھی فوراً سر جھکا کے پیاز

تلنے لگی تھی۔

"میں کیا بھئی... اب اس خاکسار نے کیا کر دیا۔" رضا نے بڑی اپنائیت سے اس کے سرخ پڑتے گالوں کو دیکھا تھا اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی رضا نے اسما کو کچن کی طرف آتے دیکھ لیا تھا وہ فوراً" اوپر کی جانب بھاگا تھا۔

جو بھی تھا اب شادی میں دن ہی کتنے رہ گئے تھے اور اسے دادی سے ڈانٹ نہیں کھانا تھی۔ آئمہ بھی مسکراتی ہوئی کام میں لگ گئی تھی اس کا غصہ ایک دم ختم ہو گیا تھا وہ خود بھی حیران تھی۔

☼ ☼ ☼

دریچہ ہے دھنک کا اور اک بادل کی چلمن ہے
اور اسی چلمن کے پیچھے چھپ کے بیٹھے
کچھ ستارے ہیں، ستاروں کی
نگاہوں میں عجب سی ایک الجھن ہے
وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور پھر آپس میں کہتے ہیں
یہ منظر آسماں کا تھا یہاں پر کس طرح پہنچا!
زمین زادوں کی قسمت میں یہ جنت کس طرح آئی؟"

نہایت مخمور و مدھم لہجے میں ڈھیروں محبت و چاہت کے دیپ آنکھوں میں جلائے، شب وصل کی اس حسین رات میں رضا نے نظم گنگناتے ہوئے اس کی نازک و حسین داہنے ہاتھ کی تیسری انگلی میں گولڈ کی خوب صورت سی رنگ پہنائی تھی، پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"اف رضا بھائی آپ اتنے رومانٹک ہیں بالکل شاہ رخ خان کی طرح۔" صدا کی نا سمجھ و بے وقوف آئمہ نے کاجل سے لبریز آنکھیں اٹھا کے پٹر پٹر بولا تھا۔

"نا سمجھ لڑکی بھائی تو نہ بولو یار اب مجازی خدا بن گیا ہوں تمہارا، کچھ تو موقع کی نزاکت کو سمجھو۔" رضا اس کے مزید قریب ہوا تھا وہ اپنی عقل کو کوستی نظریں جھکا گئی تھی، اماں نے اسے بہت نصیحتیں کی تھیں رضا کا خیال کرنے کی، سوچ سمجھ کے منہ کھولنے کی، وہ شرمندہ سی خود میں سمٹتی چلی گئی تھی جو نظریں اٹھی ہوئی تھیں وہ خود ہی جھکتی چلی گئی تھیں۔

شب وصل بھی ہے حجاب اس قدر کیوں
ذرا رخ سے آنچل اٹھا کر تو دیکھو

رضا نے اس کی ٹھوڑی اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا آئمہ نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور ہلکے میک سے سجا اپنا چاند سا چہرہ اپنے حنائی ہاتھوں سے چھپا لیا تھا رضا کا زوردار قہقہہ ہوا میں گونجا تھا۔

رضا نے اسے خود سے مزید قریب کر لیا تھا ابھی تو اسے اپنی داستان محبت سنانی تھی، اپنے اعتماد کا یقین دلانا تھا وصل کی یہ رات نہایت مکمل اور پرسکون تھی وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ کوئی تھا جو ان کی خوشیوں کا دشمن بنا بیٹھا تھا آگے کیا ہونا تھا وہ دونوں اس سے بے خبر تھے۔

☼ ☼ ☼

شادی کے کچھ دن تو ہنسی خوشی بسر ہو گئے تھے رضا کی محبت نے اس کے حسن کو مزید نکھار دیا تھا۔

انجم تو آئمہ سے سیدھے منہ بات تک نہ کرتی تھیں وہ جب بھی نیچے جاتی اسما الگ اپنی نصیحتوں کے پنڈارے کھول دیتیں کہ تائی ہیں اب ساس بھی ہیں کبھی زبان نہ کھولنا ان کے آگے عزت کرنا میری ناک نہ کٹوانا وہ چڑ سی جاتی۔ دادی بھی خوش تھیں ان کے بچے ہنسی خوشی ان کے گھر میں تھے بس انہیں بھی انجم کی فکر تھی کہ جلدی ان کا موڈ ٹھیک ہو جائے اور انہیں امید بھی تھی کہ ایسا جلدی ہو گا۔

اس روز شام میں آئمہ نک سک سے تیار ہو کے رضا کا انتظار کرتی کچن میں چلی آئی تھی آج اسے اٹھنے میں تھوڑی دیر ہو گئی تھی انجم پہلے سے کچن میں موجود کوفتوں کا مسالا پیس رہی تھیں۔

"تائی رہنے دیں میں کر لیتی ہوں نا آپ کیوں کر رہی ہیں یہ سب۔" آئمہ بے خبری میں لگی آنکھ پہ کافی

شرمندہ تھی نہ وہ دیر تک سوتی نہ انجم کو کام کرنا پڑتا۔
"اتنی فکر ہوتی پکانے کی تو شام ڈھلے تک سوتی نہ رہتیں اور بی بی یہ تیار وغیرہ ہونے سے میاں کا پیٹ نہیں بھرتا کھانے سے بھرتا ہے" انجم نے شادی کے بعد پہلی بار اپنے طنز کے نشتر چلائے تھے آئمہ ان کے لہجے کی سختی میں کھو کر رہ گئی تھی۔
"آئی ایم سوری میں ابھی کر دیتی ہوں۔" آئمہ نے پل بھر کو سوچا تھا کہ جواب دے مگر اماں کی باتیں یاد آ گئیں۔
"رہنے دو تم یہ سب رضا کو میرے ہی ہاتھ کے کوفتے پسند ہیں ویسے بھی اگر کچھ کرنا ہی ہے تو مشین لگا لو کپڑے بہت جمع ہو گئے ہیں۔" انجم بڑی کامیابی سے اپنی چالیں چل رہی تھیں۔
"اس وقت مشین.... کپڑے تو صبح دھلتے ہیں نا میں صبح ہی لگا لوں گی مشین۔" آئمہ حیران تھی۔
"بی بی صبح لگانی ہوتی تو میں خود ہی لگا لوں گی رہنے دو جاؤ آرام کرو تم اپنے کمرے میں۔" انجم قدرے تیز لہجے میں بولی تھیں عین اسی لمحے رضا وہاں آیا تھا بیرونی دروازہ یوں بھی نیچے تھا تو پتا نہیں چلتا تھا کسی کے آنے کا۔
"کیا ہو رہا ہے امی یہ سب "آپ چیخ کیوں رہی ہیں۔" رضا نے پہلے ماں کو دیکھا پھر چہرے پہ قدرے تلخ تاثرات لیے کھڑی آئمہ کو دیکھا۔
"پوچھو اپنی بیوی سے بھئی اب شادی کو دن ہو گئے ہیں گھر کی بچی ہے کوئی کھیر پکائی کی رسم کی ضرورت تو نہیں ہے نا تمہارے جاتے ہی کمرے میں گھس جاتی ہے شام میں بھی دیر تک سوتی ہے بھلا اب بتاؤ میں کب تک گھر سنبھالوں' میں نے صرف اتنا کہا کہ میں کھانا بنا رہی ہوں تو تم کپڑے دھولو شادی کی وجہ سے کئی دن سے کپڑے بھی نہیں دھلے تو یہ مجھ سے بحث کرنے لگی۔"
انجم نے ایک کی دو چار لگا کے بڑی ہی صفائی سے جھوٹ بولا تھا حالانکہ وہ بے چاری تو دن بھر انجم کا دل جیتنے کے لیے اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتی تھی۔
"رضا یہ.... یہ جھوٹ ہے۔" آئمہ فوراً" بولی تھی۔
"اچھا بس کوئی بات نہیں جو امی کہہ رہی ہیں تم ویسا کر لو پہلے مجھے چائے دے دو۔" رضا سمجھ دار تھا جانتا تھا ماں خفا ہیں آئمہ سے اس لیے اس نے کسی کی سائڈ نہیں لی تھی' بلکہ خوش اسلوبی سے بات ہی ختم کر دی تھی۔ آئمہ منہ پھلائے چائے بنانے لگ گئی تھی انجم کی آنکھیں بڑی ہی کمینگی سے مسکرائی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دن یونہی بے کیف سے گزرتے جا رہے تھے یوں تو گھر کے صرف چار ہی مکین تھے مگر انجم تھیں کہ کاموں کا انبار اس کے سر پہ لادے رکھتیں جہاں وہ آرام کرنے جاتی آواز لگاتیں۔
"آئمہ چائے بنا دو میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"
اور وہ بے چاری فوراً" جی حضوری کرنے لگ جاتی مبادا اس دن کی طرح ساس صاحبہ کوئی نیا ڈرامہ نہ کھڑا کر دیں۔
شام میں وہ رضا کے ساتھ ذرا سی دیر کو نیچے چلی جاتی تھی جب بھی انجم کو برداشت نہ ہوتا تھا فوراً" آواز لگاتیں۔
"ارے بھئی مجھے بھوک لگ رہی ہے نماز بھی پڑھنی ہوتی ہے تم لوگ کب آؤ گے اوپر۔" آئمہ بے چاری فوراً" کھڑی ہو جاتی رضا بھی سب سمجھتا تھا مگر مجال ہے جو ماں سے کچھ کہتا اسے اپنی جنت نہیں گنوانی تھی اسے یقین تھا آئمہ اپنے صبر اور پیار سے انجم کا دل جیت لے گی کبھی وہ کھانا بناتی تو انجم چپکے سے کھانے میں نمک کی اضافی مقدار شامل کر دیتیں پھر اسے سخت سناتیں۔
"ابھی تو سب کچھ مل رہا ہے نا جب نہیں ملے گا تو کہاں سے اتنا خرچا کرو گی ہاتھ روک کے ڈالا کرو نمک' ساری ہنڈیا خراب کر دی دھیان کہاں ہوتا ہے تمہارا' میرے پاس اتنی دولت نہیں ہے کہ روز دو دو ہنڈیا بناؤں۔" وہ بے چاری خاموش ہو جاتی فٹافٹ انڈا

وغیرہ بنا کے لا دیتی۔

دراصل انجم یہ چاہتی تھیں کہ رضا روز آئمہ کو اس کی غلطیوں پہ سخت سے سخت سنائے وہ لوگ ہمہ وقت آپس میں لڑتے رہیں اور راجہ صاحب کی اتنی مجال نہ تھی کہ بیگم کے سامنے کچھ کہتے بڑی مشکل سے انہوں نے شادی جیسے محاذ پہ سختی دکھائی تھی اور نتیجتاً انجم ابھی تک ان سے بات نہیں کر رہی تھیں۔ راجہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا آئمہ سے سرزد ہونے والی غلطیوں کے پیچھے انجم ہے کم از کم وہ انہیں اتنا گرا ہوا نہیں سمجھتے تھے۔

اس روز اتوار تھا آئمہ کا ارادہ بریانی بنانے کا تھا وہ بریانی کا مسالا ککر میں چڑھا کے رضا کے پاس چلی آئی تھی جو بیڈ پہ دراز کوئی فلم دیکھنے میں مگن تھا۔

"آپ کا تو بس یہی کام ہے۔ کبھی ہمیں بھی دیکھ لیا کریں۔" روایتی بیویوں کی طرح آئمہ نے منہ پھلایا تھا۔

"اہم اہم کچھ جلنے کی بو آرہی ہے۔ ارے بھئی آپ کو کچن کے کاموں سے فرصت ہوگی تو دیکھیں گے نہ آپ کو۔ آپ کو تو بس گھر کے کام یاد رہتے ہیں بے چارا اکلوتا میاں نہیں اچھا خاصا آؤٹنگ کا پروگرام تھا میرا لیکن آپ کو بھی مہان دیوی بننے کا شوق چڑھا ہے۔" رضا نے اسے اپنے قریب کھینچا تھا۔

"ہاں تو نہ کروں، تائی ناراض ہو جائیں گی۔ ایک بار سب صحیح ہو جائے اس کے بعد گھومنا پھرنا تو ساری زندگی ہی ہے۔" آئمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ تم اتنی سمجھ دار کیسے ہو گئیں پہلے تو ذرا عقل نہ تھی کسی چیز کی۔" رضا نے اس کی نازک سی ناک کو دبایا تھا۔

"سمجھ دار تو پہلے بھی تھی بس کسی کی نظر نہیں تھی پرکھنے والی۔" آئمہ نے فرضی کالر جھاڑے تھے اور ٹی وی بند کر دیا تھا۔

"اچھا... یہ خوش فہمیاں ہائے ہائے کیا کہنے ہیں آپ کے۔" رضا نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھینا تھا۔

"آئمہ.... ارے پاگل ہو چلی ہو کیا، ادھر آنا۔" وہ دونوں باتوں میں مگن تھے کہ انجم کی چیختی آواز پہ باہر بھاگے تھے۔

"کیا ہوا امی سب ٹھیک تو ہے نا۔" آئمہ حیران کھڑی تھی۔

"تمہارے ہوتے ہوئے کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے کیا؟ ارے جب کھانا بنانا نہیں ہوتا تو بتاتی کیوں ہو سارا مسالا جل گیا بریانی کا، ابھی میں کچن میں نہیں آتی تو کوئلہ بن چکی ہوتی بریانی۔" انجم سخت غصے میں کھڑی اسے گھور رہی تھیں۔

"سوری میں بھول گئی تھی۔" آئمہ نے فوراً" بریانی کا مسالا دیکھا تھا وہ واقعی باتوں باتوں میں مسالے کو بھول ہی گئی تھی وہ شرمندہ تھی۔

"اُفوہ امی آپ بھی ڈرا دیتی ہیں، میں سمجھا پتا نہیں کیا ہو گیا۔" رضا نے اپنا رکا سانس خارج کیا تھا پھر کمرے میں چلا گیا تھا۔

آئمہ کی پلکیں بھیگ چلی تھیں نجانے کیوں اسے لگنے لگا تھا کہ انجم اب اسے کبھی نہیں اپنائیں گی ورنہ یہی بات وہ آرام سے بھی کر سکتی تھیں مگر انہیں تو موقع چاہیے ہوتا تھا بے چاری آئمہ کو سخت سے سخت سنانے کا۔

☼ ☼ ☼

ابھی تک انجم کچھ ایسا نہیں کر پائی تھیں کہ رضا آئمہ سے بری طرح بدگمان ہو جائے یا ان دونوں کی کوئی سخت قسم کی ان بن ہو جائے۔ لاکھ کوشش کے باوجود بھی انجم کے دماغ میں کوئی ترکیب نہیں آ رہی تھی۔ اس روز کوکر کا چولہا بھی انجم نے ہی تیز کر دیا تھا تاکہ آئمہ کو سخت سے سنا سکیں اور رضا بھی اس سے بدگمان ہو جائے مگر یہ آئمہ کی خوش قسمتی ہی تھی کہ رضا اس سے بدگمان ہونے کے بجائے مزید اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا جب ان سے کچھ بن نہ پڑا تو اب انہیں بھابھی کی ہی یاد آئی تھی سو وہ آئمہ کو پکانے

کا کام سونپ کے صبح ہی رضا کے ساتھ بھابھی کے ہاں آگئی تھیں۔
رضا کو آفس کے لیے دیر ہو رہی تھی سو وہ امی کو باہر ہی چھوڑ کر چلا گیا تھا دروازہ آدھا کھلا تھا شاید بھائی آفس جاتے وقت دروازہ بند کر کے نہ گئے ہوں گے اسی لیے کھلا رہ گیا تھا۔ خیر انجم اندر چلی آئی تھیں اندر اندھیرا اندھیرا سا لگ رہا تھا شاید بھابھی سو رہی ہوں گی لاؤنج بھی خالی پڑا تھا وہ بھابھی کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں کہ ان کے کمرے سے آتی تیز آوازوں میں شامل اپنا نام سن کے وہیں رک گئی تھیں۔
''ارے دیکھا کیسے چھپ کے گھر میں بیٹھی بہو سے خدمتیں کروا رہی ہے انجم' ویسے تو بڑے چکر لگاتی تھی مگر اب ہے کہ آ نہیں رہی ارے آئے گی نہیں تو میرا پلان کیسے پورا ہو گا۔'' طنز کے نشتر میں ڈوبی یہ آواز بلا شبہ ان کی پیاری بھابھی کی ہی تھی۔
''پلان کیسا پلان؟ اب کیا سوچا ہے آپ نے مجھے تو لگا تھا آپ رضا سے میری شادی کروائیں گی مگر اب کیا ارادہ ہے آپ کا۔'' دوسری آواز رمشا کی تھی انجم حیران سی وہیں کھڑی اندر سے آتی باتوں کی آوازوں اور ان میں چھپے رازوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
''ارے تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں تمہاری شادی رضا سے کرواؤں گی۔ تم نہیں جانتی اس انجم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ تم پوچھتی تھیں نا کہ مما' ہارون ماموں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی کیا وجہ ہے اس کی تو سنو میری شادی پہ تمہارے ماموں کو انجم بہت پسند آگئی تھی انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ شادی کریں گے تو صرف انجم سے' اپنی شادی کے ایک مہینے بعد میں نے تمہارے پاپا سے اور اپنی ساس سے بات کی تھی کہ میری امی میرا بھائی کا رشتہ لے کے آنا چاہتی ہیں۔ بس یہی بات انجم نے سن لی تھی' تم تو جانتی ہو تمہارے ماموں کافی کالے ہیں بس انجم نے وہ واویلا مچایا گھر میں کہ میں کسی کالے سے شادی نہیں کروں گی' کبھی نہیں کروں گی تمہارے پاپا کی اکلوتی بہن تھیں' کھانا پینا چھوڑ دیا بس پھر کیا تمہارے پاپا اور دادی نے مجھ سے معذرت کرلی اور میرے بھائی کا دل اجڑ گیا جو اب تک خالی ہے۔
جب بھی میں اپنے بھائی کے خالی گھر اور انجم کے لیے بسائے گھر کو دیکھتی ہوں تو میرے اندر آگ لگ جاتی ہے۔ بس جب میں نے صبر سے کام لیا اور انجم کو اپنا دوست بنا لیا۔ وہ بھی میرے قریب ہو گئی کہ بھابھی کتنی اچھی ہیں' مجھ سے ناراض ہونے کے بجائے میرا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ تمہارے پاپا مزید میرے قریب آگئے اور جب انجم نے راجہ جیسے خوبرو انسان کے رشتے کے لیے ہاں کی تو میرا دل سلگ اٹھا۔ بس پھر کیا میں نے اسے سسرال والوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اتنا قریب کرلیا اپنے کہ وہ اپنی ماں سے پہلے اپنے گھر کی ہر بات مجھ سے کرتی میں نے ہی اسے سکھایا کے شوہر کی عزت نہ کرو دبا کے رکھو' تمہارا غلام بن کے رہے گا جیسے تمہارے پاپا میرے کہنے میں رہتے ہیں اور وہ سدا کی بدھو میری باتوں میں آتی گئی اور ساس کے دل سے اترتی گئی۔ دیورانی سے بھی بنا کے نہ رکھی یہاں تک کہ الگ بھی میں نے ہی کروایا ہے اور دیکھنا وہ اپنا گھر خود جلا رہی ہے ہم تو صرف تماشا دیکھیں گے تماشا۔''
انکشافات کا طوفان لیے ہوئے راشدہ کی باتیں باہر کھڑی انجم کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچتی چلی گئی تھیں انہیں ایک ایک کرکے بھابھی کے مشورے اور اپنی کم عقلی میں کی گئی نادانیاں یاد آرہی تھیں۔ اسے یاد آرہا تھا کہ اس کی ساس اکثر کہا کرتی تھیں کہ۔
''جو لڑکیاں دوسروں کی باتوں میں آکر اپنا گھر خراب کرتی ہیں وہ سدا پچھتاتی ہیں'' اور وہ بھی پچھتا رہی تھیں آج۔ کس قدر نادان تھیں وہ کہ اپنے ہی بیٹے کی خوشیوں میں خوش نہ ہو سکیں شوہر کو ستاتی رہیں ساری زندگی' انہیں لگا کہ وہ مزید یہاں کھڑی رہیں تو گر جائیں گی وہ جس طرح چپکے سے آئی تھیں اسی طرح چپکے سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھیں ہمیشہ کے لیے۔

✡ ✡ ✡

وہ جیسے تیسے گھر آ تو گئی تھیں مگر جب سے آئی تھیں آنسو بہاتی کمرے میں لیٹی رہی تھیں آئمہ کئی بار انہیں دیکھنے آئی تھی مگر وہ سوتی بن گئی تھیں دوپہر تک انہیں اچھا خاصا بخار چڑھ آیا تھا۔

وہ دوپہر کے کھانے پہ بھی باہر نہیں آئی تو آئمہ کو تشویش لاحق ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو انجم ابھی تک سو رہی تھیں اس نے ہاتھ لگا کے دیکھا تو وہ بخار میں بری طرح تپ رہی تھیں۔ آئمہ فوراً" ٹھنڈا پانی اور پٹیاں لے آئی تھی۔ کافی دیر پٹیاں کرنے کے بعد جب ان کا بخار کم ہوا تو وہ ان کے لیے دلیا بنا کے لے آئی اور انہیں بڑے پیار سے اٹھا کے اپنے ہاتھ سے کھلایا صدمے سے انجم کا برا حال تھا ندامت تھی کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی اور ستم یہ تھا کہ وہ کسی سے اپنے دل کی بات' اپنا دکھ بانٹ تک نہ سکتی تھیں انہوں نے بڑی مشکل سے دو چار چمچے ہی دلیے کے کھائے تھے پھر آئمہ کا بڑھتا ہاتھ روک دیا تھا۔

"تائی کھانا تو صحیح سے کھائیں ورنہ ٹھیک کیسے ہوں گی اور آپ کی طبیعت خراب تھی تو آپ کو جانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اب دیکھیں نا کتنا بخار ہو گیا۔"

وہ بڑی محبت سے بات کر رہی تھی آنکھیں صاف و شفاف تھیں انجم کی آنکھوں سے بدگمانیوں کی پٹی ہٹی تو انہیں آئمہ کا خلوص اس کی محبت صاف نظر آ رہی تھی وہ اور شرمندہ ہو گئی تھیں۔

"تائی میں جانتی ہوں آپ کی ناراضی مجھ سے ہے مگر پلیز کھانا تو کھالیں پھر میں آپ کو ٹیبلٹ دے دیتی ہوں۔" آئمہ نے پھر چمچے میں دلیہ بھر کے ان کے منہ میں ڈالا تھا اس بار وہ منع نہیں کر پائی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو آئمہ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا ہے جان بوجھ کر میں ہی تمہارے کھانے میں نمک تو کبھی مرچیں زیادہ ڈالا کرتی تھی اور تو اور اس دن تمہارا مسالا بھی میں نے ہی جان بوجھ کر چولہا تیز کر کے جلایا تھا۔ پلیز' ایک بار مجھے معاف کر دو میں تمہیں اپنی بیٹی بنا کے رکھوں گی۔" انجم شرمندہ تھیں سو انہوں نے معافی مانگنے میں ذرا بھی دیر نہ کی تھی۔

"تائی امی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ.... آپ میری بڑی امی ہیں اور مائیں کبھی بچوں سے معافی نہیں مانگتیں۔" آئمہ نے انہیں گلے لگا لیا تھا انجم کے انکشافات اس کے لیے دھماکا خیز تھے لیکن اس نے پل بھر میں اپنا دل وسیع کر لیا تھا وہ لاکھ چنچل سہی مگر تھی اپنی ماں اسما کا پرتو ہی۔ شام تک آئمہ' انجم کے پاس ہی رہی تھی اسما اور دادی جان بھی انجم کو دیکھنے آ چکی تھیں' عالیان بھی تائی کو جا کے دوا دلا لایا تھا نتیجتاً" شام تک وہ کافی حد تک ٹھیک ہو گئی تھیں۔

رضا گھر آیا تو سب کو اس طرح ساتھ بیٹھے دیکھ کے وہ بھی اوپر' حیران رہ گیا تھا سب سے زیادہ حیرانی اسے اپنی اماں اور آئمہ کی دوستی پہ ہوئی تھی وہ بھی ماں کی طبیعت کا سن کے وہیں بیٹھ گیا تھا۔ انجم نے دادی جان اور اسما سے بھی معافی مانگی تھی دادی اور اسما نے بھی انجم کو گلے لگا لیا تھا۔ آئمہ اور رضا اس کایا پلٹ پہ حیران تھے' لیکن جو بھی تھا اچھا تھا سو انہوں نے زیادہ چھان بین کی ضرورت نہ سمجھی۔

اب انجم کو راجہ کے ساتھ اپنا رویہ صحیح رکھنا تھا اور انہیں یقین تھا کہ راجہ ضرور انہیں اپنی محبتوں سے نوازدیں گے۔ انجم نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب بھابھی کے ہاں تو جائیں گی ہی نہیں اور اگر جائیں گی بھی تو ان پر اس دن کے راز کو بھی ظاہر نہ کریں گی بلکہ اپنے ہنستے بستے گھر کی خوشیوں سے انہیں باور کرا دیں گی کہ وہ ہرگز ان کے پلان کو کامیاب نہ ہونے دیں گی' یوں تھا تو یوں ہی سہی اب وہ پرسکون تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج پندرہ مئی تھی مئی کا دوسرا اتوار آج کا دن آئمہ ہمیشہ سے ہی اپنی امی کی ہر بات مان کے انہیں مدرز ڈے کا خراج پیش کرتی تھی' مگر آج تو اسے دو دو مائیں ملی تھیں۔ اس نے علی الصبح اٹھ کے اپنی ماؤں کے لیے ڈھیر ساری دعائیں مانگیں اور انجم کے لیے اسپیشل ناشتا یعنی حلوہ پوری بنانے لگ گئی۔ اماں کو دیکھ دیکھ کے اس نے کافی اچھی حلوہ پوری بنانا سیکھ لی تھی۔ انجم

انھیں تو اتنی صبح وہ بھی چھٹی کے دن اسے کچن میں دیکھ کے حیران رہ گئیں آئمہ نے فوراً" انہیں کچن سے باہر نکال دیا اور ناشتا ٹیبل پہ لگانے کے بعد سب کو بلانے چلی گئی۔
ناشتے کے بعد وہ اپنی الماری سے خوب صورت سی جائے نماز اور پیاری سی شال انجم کے لیے نکال لائی تھی۔
"ہیپی مدرز ڈے مائی سویٹ امی۔" شال ان کے کندھے پہ ڈال کے وہ انجم کی بازوؤں میں جھول گئی تھی انجم نے اسے ڈھیروں پیار کر ڈالا تھا۔
"اب مجھے کون وش کرے گا بھئی۔" اسما' دادی اور عالیان اوپر چلے آئے تھے' احمد صاحب ابھی تک سو کے اٹھے نہیں تھے۔ اسما کا لہجہ معصوم سا شکوہ لیے ہوئے تھا۔
"ارے میری پیاری چچی جان میں ہوں نا آپ کا بیٹا! آئمہ نے تو پارٹی بدل لی بھئی۔" رضا نے اسما کو گلے لگایا تھا پُرجوش کیا تھا۔
"نہیں امی ان کو تو بس نمبر بڑھانے کی عادت ہے میں آپ کا گفٹ بھی لائی ہوں۔" آئمہ نے رضا کو گھورتے ہوئے کہا۔
"چل بدتمیز تنگ نہ کرو میری بچی کو۔" انجم مسکرائی تھیں۔
"تم لوگ یہ تو بتاؤ سب نے پارٹی بدل لی مجھے تو بھول ہی گئے' ایک بوڑھی دادی بھی ہیں۔" دادی نے بھی مصنوعی غصہ دکھایا تھا۔
"ارے دادی' میری جان میرا سب کچھ آپ پہ قربان آپ کے لیے تو آپ کا یہ چھوٹا پوتا ہی کافی ہے" عالیان بھی نمبر بڑھانے میں آگے تھا اب عالیان اور رضا کی محبت شروع ہو گئی تھی۔
"ارے بھئی' بچوں لڑو مت کوئی بھی ایک کسی کا نہیں ہے بلکہ ہم سب ایک دوسرے کے ہیں' جو کریں گے ساتھ کریں گے۔ ہمارا ساتھ ہی ہماری طاقت ہے اور آج کا دن ہم سب مل کے سیلبریٹ کریں گے کیوں راجہ صاحب۔" انجم نے بڑے پتے کی بات کی تھی سب مسکرا اٹھے تھے راجہ نے بڑی ستائش سے ان کی جانب دیکھا تھا۔
"واہ بہو! آج تم نے واقعی ثابت کر دیا کے تم اس گھر کی بڑی بہو ہو۔" دادی نے آگے بڑھ کے انجم کے سر پہ دست شفقت رکھ دیا تھا۔
انجم کے ذرا سا دل وسیع کرنے سے اس گھر کے در و بام و مکینوں پہ محبت کے موسم ٹھہر گئے۔ تھے ہمیشہ کے لیے جن کی ٹھنڈی چھاؤں نے تاعمر اس گھر کی اور اس کے مکینوں کی ہر دھوپ و نرم گرم سے حفاظت کرنی تھی۔

☆ ☆

فرح طاہر

خوش گوار موڈ میں اس کی تلاش میں نظر دوڑاتا وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو اسے سب کے درمیان بٹھا پاکر وہیں چلا آیا۔

"مجھے معلوم تھا تم لوگوں کی محفل یہی جمی ملے گی...." مسکرا کر کہتا وہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

"آج پنکی میڈم آئی ہوئی ہیں اسی خوشی میں محفل جمانا پڑی۔" نبیل نے دھیما سا مسکراتی پنکی کی طرف شوخ نظر سے دیکھتے ہوئے اپنے وہاں جمع ہونے کی وجہ بیان کی تھی۔

"اچھا...." اسے پنکی سے تو کوئی غرض نہیں تھی جس سے غرض تھی وہ ان سب کے درمیان اس سے انجان بنی بیٹھی تھی۔

"کوئی مجھے بیٹھنے کی جگہ دے گا؟" وہ سب فلور کشن پر بڑے بے ترتیب سے بیٹھے تھے اسے اپنے لیے جہاں جگہ چاہیے تھی وہاں پنکی براجمان تھی۔ اس کی بات پر ان سب کی ہنسی بڑی معنی خیزی لیے ہوئے بلند ہوئی تھی۔ ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود اس بار خود اس کے لبوں پر بھی ہنسی چھنکی تھی۔ جیسے ہونٹ کا نچلا کونا دبا کر چھپاتے ہوئے اس نے اس کی طرف دیکھا جو نظروں ہی نظروں میں اسے نگلنے کو تیار کھڑا تھا۔ نظر سے نظر ملی تو وہ خود بہ خود ایک طرف سمٹتے ہوئے اپنے برابر میں اس کے لیے جگہ بنا گئی۔ اس کی اس حرکت پر انہیں کھانسی کا شدید دورا پڑا تھا جسے مکمل نظرانداز کرتا وہ سکون سے مسکراتا ہوا اس کے برابر میں آن بیٹھا وہ کچھ اور سمٹ گئی جسے محسوس کرتا وہ کچھ اور پھیل کر بیٹھتا اس کا ہاتھ ٹچ کرتا شوخی سے بولا۔

"اب میں بہت آرام محسوس کر رہا ہوں اس لیے اس محفل کا حصہ بننے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"بہت تیز جا رہے ہو بیٹا۔ مت بھولو کہ ہم بھی یہاں موجود ہیں۔" نبیل نے اس کی چوری کو صاف پکڑا تھا۔ وہ ڈھٹائی سے مسکرا دیا۔

"میں کچھ نہیں بھول رہا بلکہ تم بھول رہے ہو آج کی محفل کی چیف گیسٹ پنکی ہے سو اپنی توپوں کا رخ اسی کی طرف رکھو۔" اس کو جواب سے نواز کر اس نے

پنکی کی طرف نظر کی۔

"ہاں بھئی پنکی تم بتاؤ کیسی ہو؟ خالہ اور خالو کے کیا حال چال ہیں؟" اس کو پنکی کی طرف متوجہ دیکھ کر انہوں نے اپنی چائے کی طرف توجہ دی۔ جونہی سونی نے اپنے کپ سے چائے کا سپ لے کر کپ لبوں سے ہٹایا اس نے ہاتھ بڑھا کر بہت نرمی سے اس کے ہاتھ سے کپ لے کر خود چائے پینے لگا۔ اس کی اس حرکت پر وہ بری طرح بلش ہوتی جھنجلائی تھی۔

"تم بہت چھچھورے ہو عادی۔ ہمیشہ میری چائے پی جاتے ہو۔"

"جھوٹا پینے سے پیار بڑھتا ہے اسی لیے پی جاتا ہوں۔" دائیں آنکھ دبائے اس نے شرارت سے اسے چھیڑا تھا، مگر وہ اس کی سب کے سامنے اسی طرح کی حرکات سے مزید چڑ گئی۔

"جس قدر گوند بنے تم بیٹھے ہو۔ اس کے بعد بھی تمہیں پیار بڑھانے کی ضرورت ہے؟" ناک سکیڑے وہ اس سے ذرا سے فاصلے پر ہوئی تھی جسے کم کر کے وہ دوبارہ سے اس کے قریب ہوتا بولا تھا۔

"اسی لیے کہتا ہوں تم میرا جھوٹا کھایا کرو۔ ہر وقت مجھ سے دور بھاگتی ہو۔"

"اونہہ۔۔۔" برا سا منہ بناتی وہ اٹھ کر جانے لگی تھی جب عدیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

"بیٹھ جاؤ۔ اب تنگ نہیں کروں گا۔" اور وہ سعادت مندی کا مظاہرہ کرتی دوبارہ سے اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

"آرٹس کونسل میں تصویری نمائش لگی ہے۔ میرے ساتھ سونیا تو جائے گی ہی۔ اس کے علاوہ مجھے چار مزید پاس ملے ہیں۔ اب تم میں سے جو ساتھ چلنا چاہے وہ مجھے بتا دے۔" عدیل نے سوالیہ نظروں سے ان سب کی طرف دیکھا تھا۔

"پنکی تم تو چلو گی نا؟" اس بار اس نے پنکی سے پوچھا تھا۔

"ہاں میں ضرور جاؤں گی۔" اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"اگر پنکی جا رہی ہے تو میں بھی چلوں گا۔" دانتوں کی نمائش کرتا نبیل بھی فوراً جانے کو تیار ہوا تھا۔

"باقی دو پاس بچتے ہیں اور افراد تین ہیں۔ اب تم تینوں خود ہی ڈیسائڈ کر کے بتا دو تم میں سے کون جائے گا۔"

"میں تو نہیں جا سکتی بھیا کل میرا ضروری ٹیسٹ ہے آپ رمیز اور معیز کو ساتھ لے جائیں۔" ارحم نے انکار کر کے جیسے ان کی مشکل حل کی تھی۔

"چلو پھر ڈن ہوا۔ تم چاروں شام سات بجے تک تیار ملنا مجھے۔ ابھی سے وارن کر رہا ہوں جو تیار نہ ملا میں انتظار کیے بنا اسے چھوڑ جاؤں گا۔" انگلی اٹھا کر وارن کرتا وہ جیسے انہیں ڈرا رہا تھا۔

"سونیا کے علاوہ ہم سب سے تم ہمیشہ ہی سڑے رہتے ہو۔ خدا جانے اس کے ساتھ کیسے اتنا میٹھا بول لیتے ہو۔" نبیل برا سا منہ بناتا اس سے شکوہ کر رہا تھا۔

"یہ تم لوگوں کی طرح بھی تو نہیں کرتی ہے۔ جس دن اس نے ایسا کیا اس کے ساتھ بھی سختی سے پیش آؤں گا۔" آنکھوں میں بہت سی محبت لیے اس نے دھیرے سے مسکراتی سونیا کی طرف دیکھ کر جیسے اسے ڈرانا چاہا تھا، مگر وہ اس کی بات کو جیسے ہوا میں اڑا گئی۔

"خوامخواہ دبنگ خان بننے کی جھوٹی کوشش۔۔۔" اس کی بڑبڑاہٹ کو پاس بیٹھے عدیل نے بالکل صاف سنا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا وہ پھرتی سے اٹھ کر وہاں سے نکلتی اس کی نظروں سے دور ہوئی تھی۔ دروازے کو دیکھتا وہ مسکرا کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆
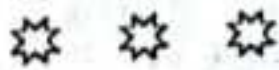
ٹھیک سات بجے یہ چھوٹا سا قافلہ خوب بن ٹھن کے خوش گوار موڈ کے ساتھ تصویری نمائش دیکھنے کے لیے گھر سے روانہ ہو گیا۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے نبیل سب سے ہٹ کر اس کو لیے ایک طرف کو آیا۔

"عادی میں پنکی کے ساتھ آئس کریم پارلر کا چکر لگا آؤں؟" سر کھجاتے ہوئے اس نے اجازت چاہی

تھی۔ عدیل فوراً چوکنا ہوا۔

"شرم تو نہیں آ رہی بڑے بھائی سے ڈیٹ پر جانے کی اجازت مانگ رہے ہو۔" اسے ایک دم ہی اپنا بڑا پن یاد آیا تھا۔ نبیل نے دو قدم پیچھے ہٹ کر سر تا پیر اسے غور سے دیکھا پھر ابرو اچکائے مصنوعی خفگی سے بولا۔

"تم بھول رہے ہو' میں تم سے بس ایک سال چھوٹا ہوں خواہ مخواہ میں بزرگ بننے کی کوشش مت کرو۔ یہ تو میری شرافت ہے جو میں تم سے اجازت مانگ رہا ہوں میری جگہ کوئی اور ہوتا تو بنا بتائے کھسک لیتا۔" وہ بھائی تو اسی کا تھا ادھار کیسے رکھ لیتا۔ عادی کا قہقہہ ایک دم بلند ہوا تھا۔

"آ گئے اپنی اصلیت پر۔۔۔؟"

"ہاں۔ تم بھی تو تنگ کیے جا رہے ہو۔ اچھا اب جلدی بتاؤ ورنہ جو وہ لوگ اندر چلی گئیں تو پھر باہر آنا مشکل ہو جائے گا۔" اس نے مڑ کر خود سے ذرا فاصلے پر دھیرے سے چلتی پنکی اور سونیا کو دیکھا اور عدیل نے اس کے چہرے کو جہاں فلرٹ کے بجائے اسے سنجیدگی دکھائی دی تھی۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

"اچھا جاؤ۔" ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے پر رکھتے ہوئے اس نے ہولے سے دباؤ ڈالا تھا۔ نبیل نے مڑ کر پہلے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر اس کے چہرے کو جہاں رقم تحریر کو سمجھ کر اس نے بہت پیار سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

"شکریہ عادی۔ مجھے تمہارے ہی ساتھ کی ضرورت تھی۔" عدیل مسکرا دیا۔ نبیل اسے وہیں چھوڑ کر تیزی سے پنکی کی طرف بڑھا۔ نزدیک پہنچ کر اس نے نجانے اسے کیا کہا جس پر اس نے گھبرا کر سونیا کی طرف دیکھا تھا' مگر سونیا اپنی ہی دھن میں آگے بڑھ رہی تھی۔ موقع اچھا تھا۔ نبیل نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چپ کر کے وہاں سے کھسک لیا۔ پیچھے کھڑے عادی نے ان کی اس حرکت کو خوب انجوائے کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے جا چکے تو اس نے سونیا کی طرف دیکھا۔ رمیز اور معیز نجانے کس طرف گئے تھے سونیا اکیلی ہی

آگے بڑھتی اب اوپری منزل پر جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کا دل دھک سا رہ گیا۔ ایک لڑکا بہت تیز رفتار سے سیڑھیاں پھلانگتا اترتا سونیا کو ذرا سا سائڈ مارتا نیچے جاچکا تھا سونیا بری طرح لڑکھڑائی تھی قریب تھا وہ لڑکھڑا کر گرتی عدیل نے اسے برق رفتاری تھام کر گرنے سے بچایا تھا۔

"کب سے دیکھ رہا ہوں پتا نہیں کدھر دھیان ہے تمہارا...؟" اس کو ساتھ لگائے وہ اس کے بہت قریب سے بول رہا تھا۔

اس اچانک رونما ہو جانے والی افتاد سے ذرا سی گھبرائی سونیا نے خود کو اس کے بازوؤں کے حلقے میں دیکھا پھر نظر اٹھا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں اس کے لیے پریشانی نمایاں تھی۔ ساری گھبراہٹ منٹوں میں دور ہوئی تھی۔ اس نے سکون بھرا گہرا سانس لیا اور نرمی سے اس سے الگ ہوتی سیدھی ہوئی۔

"میں کیسے گر سکتی ہوں جب میرے ساتھ تم ہو...." بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ تیزی سے سیڑھیاں طے کر گئی تھی۔ پیچھے عدیل حد درجہ خوش گوار حیرت میں گھرا اس کی بات کو محسوس کر رہا تھا۔ سونیا بہت کم اپنے جذبات کا اظہار کرتی تھی۔ آج عرصے بعد ایسا ہوا تھا کہ وہ اس قدر صاف لفظوں میں دل کی بات کہہ گئی تھی۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک سیل کی رنگ ٹون بجی، نمبر بالکل انجان تھا اس نے حیران ہوتے ہوئے سیل کو کان سے لگایا اور پوچھنے لگا۔

"جی کون...؟"

"شادی کرلی تم نے...؟" اپنے سوال کے جواب میں دوسری طرف سے پوچھی گئی بات کو سن کر وہ اچھل ہی تو پڑا۔

"نہیں تو... مگر آپ کون...؟" وہ بہت زیادہ الجھن کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

"پہچانا نہیں کیا...؟" دوسری طرف سے کیے گئے سوال کو سننے کے بجائے اس نے بولنے والی ہستی کی آتی آواز پر غور کیا تھا جسے پہچاننے میں اسے چند سیکنڈ ہی لگے تھے۔ جونہی پہچان کے مراحل طے ہوئے وہ تیزی سے بولا۔

"زویا یہ تم ہو؟ کہاں نہیں ڈھونڈا ہم نے تمہیں آخر کدھر چھپ گئیں تھی تم...؟"

"تم نے شادی سے جو انکار کر دیا تھا۔" دوسری طرف سے شکوہ ہوا تھا۔

"انکار ہی تھا نا؟ ارے بابا تم نے شادی ہی تو کرنا تھی ہو جاتی شادی بھی۔ خیر میں تم سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کہاں ہو تم...؟" اس کے پوچھنے پر اس نے اپنا پتا اسے سمجھایا تو وہ فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے ابھی تو میں سونی کے ساتھ ہوں۔ تم سے کل ملوں گا میرا انتظار کرنا۔" اس نے تاکید کی تھی۔

"او کے...." بنا کچھ بولے اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ عدیل نے گہرا سانس لیتے ہوئے سونیا کی طرف قدم بڑھائے تھے جبکہ اس کا دماغ پیچھے کہیں دور پرواز کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کسے ڈھونڈ رہے ہو...؟" علی جو اپنے ہی دھیان میں کھڑا یہاں وہاں دیکھ رہا تھا اچانک سے اس کی آواز سن کر چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"زویا کو...!" علی نے سر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا تھا۔

"زویا کو...؟ مگر کیوں...؟" اس کے جواب نے اسے قدرے حیرت میں مبتلا کیا تھا آنکھوں میں حیرت لیے اس نے اس کی طرف دیکھا تو کچھ پل کے لیے علی نے بھی خاموشی سے اس کی نظروں میں دیکھ کر سر جھکا دیا۔ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر عدیل پریشان ہوا تھا۔

"اس مغرور حسینہ کے سوا اور کوئی نہیں ملی تھی دل لگانے کے لیے...؟"

"دل کے معاملے میں زبردستی نہیں چلتی ہے عدیل

یہ تم بھی جانتے ہو۔" وہ خاصا بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا عدیل کو اس سے ذرا اختلاف نہ ہوا، مگر وہ زویا کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ ایسی لڑکی تھی جس نے ابھی تک کلاس میں کسی لڑکے کیا لڑکی کو بھی لفٹ نہیں کرائی تھی۔ حد سے زیادہ حسین' ذہین اور دولت مند۔ اب نجانے اسے ان میں سے کس بات کا غرور تھا جو ہفتہ گزر جانے کے بعد بھی کسی سے دوستی نہیں کی تھی۔ کلاس کی لڑکیوں کو تو وہ ویسے بھی ناپسند تھی، مگر کچھ لڑکوں نے دل لگی کی خاطر جو اس حسینہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہا تو اس نے بری طرح ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ ان کی درگت بنتے دیکھ کر پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی دوبارہ اس کی طرف رخ کرنے کی۔ ایسے میں علی کا اس کے لیے سیریس ہو جانا اس کے لیے واقعی تشویش ناک تھا۔

"یاد ہے نا اس نے ظہیر لوگوں کی کتنی انسلٹ کی تھی؟" عدیل نے اسے کسی پرانی بات کا حوالہ دیا تھا۔

"تو وہ لوگ بھی تو غلط تھے اس کے ساتھ فلرٹ کرنا چاہتے تھے۔" اس کو اس طرح زویا کی حمایت کرتے دیکھ کر خاصی سنجیدہ سچویشن میں بھی عدیل کے لبوں پہ ہنسی بکھر گئی۔

"ابھی سے حمایت؟ ابھی تو اس نے تمہیں فیل پاس بھی نہیں کیا ہے۔"

"مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے۔" علی نے سر جھکا کر معصومیت سے اعتراف کیا تھا۔

"مکمل سیریس۔۔۔؟" اس نے جانچتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" علی واقعی سیریس دکھائی دے رہا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد عدیل نے گہرا سانس لیا اور کہنے لگا۔

"اچھا۔ پھر کرتے ہیں کچھ، تم فکر مت کرو۔"

"اب چلو۔۔۔" اس کا ہاتھ پکڑے وہ آگے کو بڑھا تو منہ بناتا علی بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے گراؤنڈ میں بیٹھا علی کے ساتھ آج کے لیکچر کو ڈسکس کر رہا تھا جب اچانک ہی زویا ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"ہیلو۔۔۔" ان دونوں نے بیک وقت سر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ ان دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ زویا کی طرف۔۔۔ وہ ہنوز اسی طرح ان کے سامنے براجمان تھی اور شاید ان کی حیرت کو محسوس بھی کر رہی تھی۔

"معافی چاہتی ہوں، میں نے آپ لوگوں کو ڈسٹرب کیا۔ ایکچوئلی مجھے کل کے لیکچرز نوٹ کرنا تھے اسی لیے آپ کی مدد کی ضرورت محسوس کی تو چلی آئی۔ امید کرتی ہوں آپ کو برا نہیں لگا ہوگا۔" وہ عدیل پر نظر جمائے ہوئے اسی سے مخاطب تھی۔

"ارے کیسی بات کرتی ہیں آپ ہمیں برا کیوں لگے گا بلکہ مجھے خوشی ہوئی آپ نے ہم سے مدد لینے کی بات کی۔" عدیل کے کچھ بولنے سے پہلے ہی علی نے انتہائی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔ پھر اپنا رجسٹر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"آپ اسی میں سے تمام لیکچرز نوٹ کرلیں، میں نے مکمل نوٹس تیار کر رکھے ہیں۔" اسی کا شاید بس نہ چل رہا تھا کہ خود اس کو نوٹس تیار کر کے دے دیتا۔ دوسری طرف عدیل اسے یوں محنت سے بنائے نوٹس پکڑاتے دیکھ کر سرپیٹ کر رہ گیا۔

"ڈفر پاگل ہوا ہے۔ پسندیدہ لڑکی سامنے دیکھ کر شہید ہوئے جا رہا ہے۔" اس پر گھورتی نظر ڈال کر وہ بڑبڑایا تھا۔ زویا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ علی سے رجسٹر لے کر اپنی کتابوں کے اوپر رکھ دیا۔

"شکریہ۔ آپ لوگوں نے میری مدد کی مجھے اچھا لگا۔"

"نو پرابلم۔ آپ کبھی بھی ہماری مدد حاصل کر سکتی ہیں۔" اس نے تو جیسے حد ہی کر دی تھی۔ اس کے اس قدر عاجزانہ انداز کو دیکھ کر عدیل کی بے ساختہ ہنسی چھوٹی تھی جسے اس نے بمشکل ضبط کیا تھا۔

"کیا آپ کچھ نہیں بولتے۔۔۔؟" اس بار اس نے

کب سے چپ بیٹھے عدیل کی طرف رخ کیا۔
"جی بالکل بولتا ہوں جو اگر کوئی مجھے بولنے کا موقع دے تو۔" اس کے لفظوں میں ہلکا سا طنز نمایاں تھا جسے محسوس کرکے علی کھسیا کر ہنسا تھا۔
"سو نائس۔ آپ لوگوں کی کمپنی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے کیا میں آپ لوگوں کی کمپنی جوائن کرسکتی ہوں؟" وہ لڑکی ہو کر خود ان سے دوستی کی آفر کررہی تھی۔عدیل کو تھوڑا سا برا محسوس ہوا۔
"سوری ہم لڑکیوں سے دوستی نہیں کرتے۔۔۔" بات مکمل کرنے سے پہلے اس کی نظر علی سے ملی جو کھا جانے والی نظروں سے اسے ایسا بولنے سے باز رہنے کا اشارہ کررہا تھا۔
"مگر۔۔۔ آپ نے کہا ہے تو ٹھیک ہے آپ ہماری کمپنی جوائن کرسکتی ہیں۔" علی کی خاطر اس نے بات کو سنبھال کر اس کی آفر کو قبول کیا تھا۔
"شکریہ۔" وہ ہولے سے مسکرائی تو اس کے موتی سے دانت جھلک دکھا کر غائب ہوگئے۔
"مجھے کینٹین جانا ہے۔ آپ میں سے کوئی چلے گا؟" وہ استفہامیہ ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ممکن تھا علی خود اسے کینٹین لے چلنے کی آفر کردیتا، عدیل نے جلدی سے کہا۔
"نہیں۔ ہمیں ابھی تھوڑا سا کام ہے وہ کرلیں پھر جائیں گے۔ آپ چاہیں تو جاسکتی ہیں۔"
"اوکے۔ پھر بعد میں ملتے ہیں۔" وہ اٹھی اور کینٹین کی طرف چلی گئی۔ اب وہاں وہ دونوں رہ گئے تھے اس نے گھور کر علی کی طرف دکھا جو کافی سرشار دکھائی دے رہا تھا۔
"کتنا سمجھایا تھا تمہیں؟ منٹوں میں سب بھول گئے تم۔۔۔؟"
"اللہ کتنا مہربان ہے مانگنے سے پہلے ہی میری مراد پوری کردی۔" اس کی خوشی کا اندازہ اس کے لفظوں سے محسوس کیا جاسکتا تھا۔ وہ کافی اچھے موڈ میں تھا اس وقت اسے ڈانٹنا اسے کافی بے وقت لگا تھا۔ اس لیے ابھی کے لیے اس کی کلاس لینے کا ارادہ ملتوی کرکے عدیل جواب میں بولا۔
"تم مجھے بہت عزیز ہو علی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ہرٹ ہو۔ اسی لیے پلیز مزید آگے بڑھنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ لینا۔"
"تم ہو نا میرے ساتھ پھر مجھے سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے بہت اپنائیت سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔
"یعنی کہ مجھے ہی تمہارے لیے راہ ہموار کرکے دینا ہوگی؟" اس بار اس نے شوخی سے اسے چھیڑا تھا۔
"ہاں۔ بالکل۔" زبان کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی ہلا تھا۔
"تم کبھی نہیں بدلوگے۔"
"نہیں۔" وہ کھلکھلایا تھا۔ اس کو اس طرح خوش ہوتے دیکھ کر عدیل نے بے ساختہ اس کی دائمی خوشی کے لیے دل سے دعا کرتے ہوئے نیلے آسمان کی طرف دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج سونیا کی برتھ ڈے تھی۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ صبح سے کمرہ بند کیے اندر چھپی بیٹھی تھی۔ گھر کے ہر فرد نے وقفے وقفے سے اس کے کمرے کا دروازہ بجا کر اسے باہر آنے کی دعوت دی تھی۔ ان کے بلاوے پر ہر بار اس نے یہی کہا تھا۔
"جب تک تم سب جمع نہ ہوجاؤ اور مکمل ارینجمنٹ نہ کرلو تب تک میں ہرگز باہر آکر بور ہونا نہیں چاہتی۔" اس کی منطق ہی نرالی تھی چاہتی تھی گھر کا ہر فرد کیک درمیان میں رکھے ایک جگہ جمع ہو تب وہ چیف گیسٹ کی طرح آئے اور کیک ذبح کرے۔۔۔ سب اس کی اس عادت سے واقف تھے مگر اس کے باوجود بھی وہ وقفے وقفے سے اس کو باہر آنے کا کہہ کر اس کے لیے آج کے دن کی اہمیت کو مزید بڑھا رہے تھے۔ بارہ بجنے سے پہلے وہ سب پروگرام کے مطابق سب کچھ مکمل کرچکے تھے۔ اپنے گفٹس اور تیاری کے ساتھ کیک درمیان میں سجائے وہ اس کے

منتظر تھے۔ جس کے لیے یہ سب اہتمام کیا گیا تھا۔
"یار یہ سونی نجانے کس طرح پورا دن صبر کر لیتی ہے۔ مجھ سے تو صبر ہی نہیں ہوتا۔ رات بارہ بجتے ہی میں تو سب کی طرف جھانکیاں مارنا شروع کر دیتا ہوں کون میرے لیے کیا کر رہا ہے، کس طرح کا گفٹ لیا جا رہا ہے۔" معیز نے اپنا ندیدہ پن بیان کر کے ان سب کے چہروں پر ہنسی بکھیر دی تھی۔
"تم تو ہو ہی سدا کے ندیدے۔ یاد ہے پچھلی بار اسی طرح جھانکیاں مارنے کے دوران جونہی اسے پتا لگا میں نے اس کے لیے پین خریدا ہے تو بھوکوں کی طرح خود ہی کہہ دیا کہ میرے پاس پین بہت ہیں اس کے بجائے مجھے پرفیوم گفٹ کرو۔" ارحم نے اس کی پرانی حرکت یاد دلائی تو سب کے ساتھ اس نے خود بھی انجوائے کیا تھا۔
"ہاں تو تم بھی تو ہر بار پین دے دے کر مجھے پین کی دکان کھلوانے کے چکر میں تھیں۔ منع نہ کرتا تو کیا کرتا؟"
"اونہہ اور جو تم مجھے ہر بار ڈائری گفٹ کرتے ہو، اس کا کیا؟" ان کی نوک جھونک بڑھنے کو تھی جب عدیل نے انہیں ٹوک دیا۔
"آج سونی کی برتھ ڈے ہے تم اب اپنی برتھ ڈے کا ذکر بند کرو اور جا کر اسے بلا لاؤ۔"
"بھائی۔ میں اب نہیں جانے والی صبح سے آپی کے کمرے تک کی خوب پریڈ کر چکی ہوں۔ اب تو بالکل ہمت نہیں۔" اس نے صاف منع کر دیا تھا۔
"تم۔۔۔؟" اس نے رمیز کی طرف نظر کی۔
"جانے کو تو چلا جاؤں بھائی، مگر آپ جا کر بلائیں گے تو زیادہ اچھا لگے گا۔" اس نے جی بھر کے شوخی دکھائی تھی۔ سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ بکھر گئی۔
"ہاں رمیز نے ٹھیک کہا ہے عادی تم چلے جاؤ اس بہانے آج کے دن سب سے پہلے تم اسے دیکھ بھی لو گے۔" نبیل نے شرارت سے کہتے آنکھ دبائی تھی۔ اس کی بات اس کے دل کو لگی تھی۔ جب ہی مصنوعی خفگی دکھاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
"کس قدر کام چور ہو تم لوگ۔ ہمیشہ کام سے بچتے پھرتے ہو۔"
"نہیں بھائی۔ اگر آپ جانا نہیں چاہتے تو میں چلا جاتا ہوں۔" رمیز فوراً اٹھا تھا۔ اس کے انداز سے شرارت عیاں تھی۔ وہ خود بھی مسکرا دیا تھا۔
"اب بیٹھو میں جاتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑا تھا۔ جب اس نے سامنے نظر کی تو سونیا خود سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ وہ جہاں تھا وہیں تھم سا گیا۔ دوپٹا درست کرتی وہ مگن سی اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کی بے خودی ایک دم عود کر آنے لگی تھی جب نبیل اٹھ کر آ کے برابر کھڑا ہوتا بولا تھا۔
"ہوش میں آ جاؤ میرے بھائی۔ کیوں بڑوں کے درمیان اپنی عزت اتروانے پر تلے ہو؟" اس کے الفاظ کانوں میں پڑے تو وہ چونک کر سیدھا ہوا اور نظر دوبارہ اس حسینہ کی طرف کی جو بلیک جارجٹ کے سوٹ میں ہلکی سی تیاری کے ساتھ انتہائی دلکش دکھائی دے رہی تھی۔ دل کی دھڑکن نے تیزی دکھائی تو اس نے ایک مکمل نظر وہاں موجود سب ہی افراد کی طرف ڈالی۔ سب کی نظریں سونیا پر ٹکی تھیں، وہ گہرا سانس بھرتا واپس اپنی جگہ پر آن بیٹھا۔
"کتنا انتظار کرواتی ہو سونی تم۔۔۔؟" نبیل نے چھیڑ خانی کا آغاز کیا تھا۔
"تو۔۔۔؟ آج کا دن میرا ہے میں جو بھی کروں۔۔۔" اس نے ایک تیکھی سی نظر اس کی طرف کی تو وہ ڈر سا گیا۔
"جی جی۔ آپ جو بھی کریں، ہم تو ادنیٰ سے بندے ہیں، ہماری کیا جرأت جو آپ کی شان میں کوئی گستاخی کر سکیں۔" اس کے اس درجہ فقیرانہ سے انداز پر اس کی بے ساختہ ہنسی چھوٹی تھی۔ نتیجتاً وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ اس طرح ہنسنے سے اس کے کانوں میں پڑے سفید نگینوں کے چھوٹے سے جھمکے گردش کرتے اس کے گالوں کو بوسہ دینے لگے تھے۔ اس کو غور سے دیکھتے عدیل کی نظر جھمکوں کی اس

شرارت پر اٹکی تھی۔ اس پل دل نے انوکھی سی فرمائش کی تھی وہ بے چین ہوا۔ اس کی مسلسل دیکھتی نظروں کی تپش کا اثر تھا کہ اسی پل سونیا نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے فوراً ہی نظروں میں اس سے شکایت کی تھی۔ اس کی نظروں کے تقاضوں کو سمجھتی ہوئی وہ بری طرح نروس ہوتی کیک پر جھکی تھی۔

"اب بارہ بج چکے ہیں میں کیک کاٹنے لگی ہوں۔" کہنے کے ساتھ اس نے چھری اٹھائی اور کیک پر ایک طرف چلا دی۔ فضا میں ایک دم ہی ڈھیر ساری وشز کے ساتھ دعائیں بھی بلند ہوئی تھیں۔ کیک کا کچھ حصہ اس نے ممی پاپا کے ساتھ چچی چچا کو بھی کھلایا تھا۔ ان سے پیار اور گفٹ سمیٹ کر وہ دوبارہ اپنی پارٹی کی طرف آئی جو اس کے کیک کھلانے کے منتظر تھے۔

"میں اب تم لوگوں کو کیک نہیں کھلانے والی خود ہی کھالو۔" اس نے نخرا دکھایا۔

"کس قدر ان مینرڈ لڑکی ہو تم۔ اپنی ہی پارٹی میں خود سے بلا کر کھلانے سے انکاری ہو۔" نبیل نے اسے غیرت دلانے کی کوشش کی، مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

"جو بھی کہو کیک تو میں نہیں کھلانے والی۔ اسی لیے مزید بحث کے بجائے مجھے میرے گفٹ دو اور کیک کھاؤ ورنہ کیک اپنا مزا کھو دے گا۔" اس کا انداز شاہانہ تھا۔ نبیل منہ بنا کر رہ گیا جبکہ عدیل مسکرا رہا تھا۔ اس کے اس انکار کی وجہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ صرف اسے کیک کھلانے سے بچنے کی خاطر اس نے باقی سب کو بھی کھلانے سے انکار کر دیا تھا۔

"کیک تو مجھے تم خود اپنے ہاتھوں سے کھلاؤ گی سونی میڈم ورنہ تم سے لڑائی پکی....." وہ دل میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ نظر مسلسل اس پر جمی تھی۔ جو سب سے گفٹ وصولنے کے بعد اب اس کی طرف آئی تھی۔

"میرا گفٹ....؟" اس نے ہتھیلی کو اس کے سامنے پھیلایا تھا۔

"ضرور دوں گا جو اگر تم انہیں ہاتھوں سے مجھے کیک کھلا دو۔" وہ ایک دم نروس ہوئی۔

"گفٹ نہیں دینا تو مت دو، مگر آج کے دن فرمائشیں مت کرو کیوں کہ آج کا دن میرا ہے۔" وہ نروٹھے پن سے گویا ہوئی تھی۔ ہتھیلی کو بند کرتی اس نے ہاتھ کو واپس گود میں رکھ لیا تھا۔

"ایک کیک ہی تو کھلانا ہے۔" وہ بضد تھا۔ سونی منمناتی اس کے پاس سے اٹھنے کو تھی جب اس نے اس کے دوپٹے کے کونے کو اپنی مٹھی میں بند کر کے اسے اٹھنے سے روکا تھا۔

"بڑوں کی موجودگی کا خیال نہ ہوتا تو پھر دیکھتا تم کیسے کھلانے سے انکار کرتیں۔" دبی آواز میں اس نے جیسے اس سے ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ وہ خاموش ہی رہی۔ تب اس نے ایک نظر اپنے اطراف میں ڈالی۔ سب اپنی باتوں میں مشغول تھے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس نے اس کی گود میں رکھے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے جیب سے گولڈ کی نازک سی رنگ نکال کر اس کی انگلی میں پہنا دی۔

"سالگرہ مبارک ہو۔" چاہت سے پر انداز میں وش کر کے اس نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔ وہ گھبرا کر تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر اس نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا وہ ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف سے رخ موڑ گئی تھی۔ اسی پل اس کے سیل کی میسج ٹون بجی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو اور زیادہ اچھی لگتیں جو اگر کیک کھلا دیتیں۔" میسج عدیل کی طرف سے آیا تھا۔ وہ مسکرا دی، مگر اگنورنگ کا آئی کون ایڈ کر کے اس نے میسج کا ریپلائے کیا، مگر عدیل کو نجانے کیوں ایک دم غصہ آگیا۔ جب ہی ایک غصہ بھری نظر اس کے حوالے کر کے اسے میسج سینڈ کیا۔

"دیکھ رہا ہوں میری طرف سے بہت لاپروا ہوتی جا رہی ہو، مگر مجھے بھی تم اچھی طرح جانتی ہو ابھی تمہاری اس محفل سے بنا کیک کھائے ہی جا رہا ہوں۔ میری بھی ضد ہے اپنی برتھ ڈے کا کیک خود کھلاؤ گی تو کھاؤں گا ورنہ ہرگز نہیں کھاؤں گا۔" ناراضی بھرا اس

کا میسج جوں ہی اس نے پڑھا فوراً" پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا، مگر وہ اب وہاں نہیں تھا اس نے پورے کمرے میں اس کی تلاش میں نظر دوڑائی تھی، مگر وہ وہاں کہیں نہیں تھا۔ اس کی ناراضی کا سوچ کر اسے گھبراہٹ ہونے لگی وقت کافی ہو گیا تھا وہ اس وقت اس کے پیچھے اس کے کمرے میں بھی نہیں جا سکتی تھی ایک دم ہی اس محفل سے اس کا دل اچاٹ ہوا تھا۔

"ٹھیک کہتا ہے عادی۔ میں بہت لاپرواہ ہوتی جا رہی ہوں ہر وقت اسے کچھ نہ کچھ سناتی رہتی ہوں۔" اسے ایک دم ڈھیروں افسوس نے آن گھیرا تھا مگر اس لمحے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی سو صبح اس کی ناراضی دور کرنے کا سوچ کر وہ تھوڑی مطمئن ہوتی ان کی طرف متوجہ ہوئی جو اس ساری صورت حال سے بے خبر اپنی باتوں میں مشغول تھے۔ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد وہ نیند کا بہانہ کرتی اپنے کمرے میں آ گئی اور خود کو بیڈ پر گرا کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عدیل اس سے ناراض تھا اسی لیے روز کی طرح پورچ میں کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنے کے بجائے گاڑی میں بیٹھ کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں سونی سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ پہلی غیر ارادی نظر کے بعد دوسری ارادی نظر اس نے خود اس پر ڈالی تھی۔ اس کے لیے دل میں موجود ناراضی میں کچھ کمی واقع ہوئی تھی۔ وہ اس کے دیے گلابی ڈریس جس پر پنک اور بلیک موتیوں سے کڑھائی کی گئی تھی کو زیب تن کیے ہوئے تھی۔

"ہنہ تو محترمہ کو میری ناراضی کا احساس ہے۔" سنجیدہ سے موڈ کے ساتھ آتی سونی کو دیکھ کر اس کے لبوں پہ بے ساختہ مسکراہٹ بکھری تھی جسے اس نے فوراً" چھپایا تھا۔

"گڈ مارننگ۔۔۔" اس نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مارننگ۔" بدلے میں اس نے اپنے رویے کو روکھا ہی رکھا تھا جسے محسوس کر کے وہ مزید پریشان ہو گئی تھی۔

"آئی ایم سوری عادی۔۔۔" معذرت خواہ انداز میں اس نے معافی طلب کی تھی۔

"فور واٹ۔۔۔؟" ابرو اچکائے اس نے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہیں ہرٹ کرنے کے لیے۔۔۔" نظر جھکائے اس نے جواب دیا تھا۔

"ہنہ۔۔۔" ہلکے سے ہنکارا بھرتے ہوئے اس نے اسے کچھ خاص رسپانس نہیں دیا تھا۔ روز کی نسبت وہ آج ڈرائیونگ تیز کر رہا تھا۔ یعنی کہ اس سے شدید ناراضی کا اظہار ہوا تھا اس کی پریشانی اور بڑھنے لگی تھی۔ اسی طرح ریش ڈرائیونگ کر کے وہ پندرہ منٹ میں یونیورسٹی پہنچا تھا۔ گاڑی کو مخصوص جگہ پارک کرنے کے بعد وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولتا باہر آیا۔ وہ دوسری طرف سے ہوتی اس کے پیچھے آئی تھی۔

"کلاس شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ باقی ہے فوراً" کلاس میں پہنچو۔" کتابوں کو سنبھالتے اس نے اسے تاکید کی تھی۔

"مجھے کلاس نہیں لینی۔۔۔" اس کا لہجہ نمی کی چغلی کھا رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف پلٹا تھا۔

"پھر یونیورسٹی کیوں آئی ہو؟" اس نے ابرو اچکائے۔

"تمہاری ناراضی دور کرنے۔۔۔" وہ اس کے سامنے آئی تھی۔

"اچھا۔۔۔" وہ دوبارہ سے پہلے کی سی پوزیشن میں پلٹا تھا۔ وہ اس کے برابر آئی تو اس نے آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"عادی پلیز۔ اب بس بھی کرو۔ ورنہ میں جگہ کا خیال کیے بنا رونا شروع کر دوں گی۔" پیچھے سے اس کی شرٹ کو پکڑ کر اس نے اسے آگے بڑھنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔ اس کے لہجے میں آنسوؤں کی آمیزش محسوس ہونے لگی تھی وہ ایک دم بے چین ہو گیا اور پلٹ کر

اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ اور دیر اسی طرح سیریس رہتا تو ممکن تھا اس کی ضبط کی کوشش ناکام ہوتی اور اس کے آنسو پلکوں کا بند توڑ کر باہر نکل آتے۔ اور یہ اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ جب ہی گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنی شرٹ پکڑے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں لیتا اس کی طرف پلٹتا۔

"تم نے رونا نہیں ہے...؟"

"تم رلاؤ گے تو میں رووں گی۔" وہ ضبط کی آخری حد پر تھی۔ اس کو ساتھ لیے وہ گاڑی تک آیا کتابوں کو ڈیش بورڈ پر ڈال کر گاڑی لاک کرتا مکمل اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کہاں چلنا ہے...؟"

"میرے ڈیپارٹمنٹ۔" ہلکی سی آواز میں جواب آیا تھا۔

"چلو..." پھر اس کو ساتھ لیے وہ اس کے ڈیپارٹمنٹ چلا آیا۔ جہاں گراؤنڈ میں نسبتاً" تنہا گوشے میں آکر دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے کچھ دیر اسی طرح اس کا جائزہ لینے کے بعد وہ کہنے لگا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" اس نے ایک شکایتی نظر اس کی طرف کی۔

"میری برتھ ڈے کے دن مجھے رلا کر تمہیں میں اچھی لگ رہی ہوں؟"

"ہاں تو تم نے بھی تو مجھے ناراض کیا تھا۔" وہ ہنسا تھا۔ اس نے ناک چڑھائی تو وہ فوراً" بولا۔

"ذرا سی تمہاری ناک ہے اسے بھی ہر وقت چڑھائے رکھتی ہو۔"

"تمہیں اس سے مطلب...؟" ناراضی کم ہونے لگی تھی۔

"مطلب تو سارے تم ہی سے نکلتے ہیں فی الحال تم کیک کھلاؤ۔" اس نے شوخ سے لہجے میں پھر سے فرمائش کی تھی۔

"تمہیں شرم تو نہیں آتی۔" اس نے گہری سانس لی تھی۔ وہ ابھی تک اس بات کو بھولا نہیں تھا یعنی اسے اس سے کیک ہر حالت میں کھانا تھا۔

"نہیں تمہیں جو آتی ہے۔" سیل فون پر علی کو اپنے کلاس میں نہ آنے کا میسج بھیج کر اس نے سیل کو ٹیبل پر رکھا اور نظر اس کی طرف کی جو دائیں طرف دیکھتی کسی کو کچھ اشارہ کر رہی تھی۔ اس نے پلٹ کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنا چاہا مگر وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ وہ سیدھا ہو گیا۔ سونی ٹیبل پر رکھی اپنی کتابوں کو ایک طرف کر رہی تھی۔ اسی دوران اس کی نظر اس کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنی اس انگوٹھی پر پڑی جو رات اس نے اسے دی تھی۔ وہ مزید غور سے دیکھنے لگا۔ سونی کے ہاتھ بہت پیارے تھے۔ سفید اور نرم و ملائم... پتلی سی مخروطی انگلی میں وہ انگوٹھی خوب جچ رہی تھی۔ بے ساختہ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سامنے کیا اور انگلیوں کو سیدھا کرتے ہوئے غور سے اس کے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم سے زیادہ تمہارے ہاتھ پیارے ہیں۔"

"عادی پاگل ہو گیا...؟" وہ ایک دم بہت نروس ہوئی تھی۔ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں مزید کچھ کہتا کینٹین بوائے ان کے درمیان ٹیبل پر کیک رکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔

"واؤ کیک..." وہ ایک دم خوش ہوا تھا۔

"ہاں میں نے فرینڈ کو بولا تھا اسی نے آرڈر کر کے بھیجا۔" اس نے وضاحت دی۔

"بڑی اچھی فرینڈز ہیں تمہاری..." وہ شوخی پر اترنے کو تیار تھا مگر اس نے کوئی جواب دیے بنا ایک طرف سے کیک کاٹ کر ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہاتھ میں لیا اور اس کی طرف بڑھا دیا اس نے فوراً" آگے کو ہو کر اس کے ہاتھ سے کیک کھایا تھا۔

"عادی ہر وقت اس طرح ضدیں کرنا ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔" کیک کے باقی بچے ٹکڑے کو واپس پلیٹ میں رکھتے ہوئے اس نے سنجیدگی دکھائی تھی جسے وہ بالکل خاطر میں نہیں لایا تھا۔

"ہر وقت اسی طرح ضد کرنے کا میں پورا حق رکھتا ہوں سونی۔ میرے اس حق سے تم انکار نہیں کر سکتی ہو۔" گمبھیر تا لہجے میں وہ کس حق کی طرف اشارہ کر رہا تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی جب ہی ایک دم ڈھیر سارا گلال اس کے گالوں پر ابھرا تھا۔
"تمہیں سمجھانا بہت مشکل کام ہے عادی۔" اس نے ہار مانی تھی۔
"تو کس نے کہا ہے مجھے سمجھاؤ؟" اس کی طرف جھکا وہ بہت پیار سے اس کو اس طرح شرماتا دیکھ کر اس کے اس روپ کو دل میں اتار رہا تھا۔ اسی پل کوئی بہت تیزی سے بولتا ان کے سامنے چیئر گھسیٹ کر بیٹھا تھا۔
"اف عادی آج تو خوب خوار کروا دیا تم نے.... کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا میں نے تمہیں۔"
"یہ تو علی نے مجھے بتایا تم یہاں ہو تو میں سیدھی یہاں چلی آئی۔ خیر اب بتاؤ تم کلاس میں کیوں نہیں آئے؟" ایک سانس میں سب بولتے ہوئے اس نے آخر میں سوال کیا تھا۔ ان دونوں نے بیک وقت نظر اٹھا کر بولنے والی کی طرف دیکھا تھا سامنے زویا تھی.... جو ارد گرد سے نظر ہٹائے صرف عدیل پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔ عدیل کو اس کا اس سمے وہاں آنا بڑا ہی بے وقت لگا تھا' جب ہی تھوڑی ناگواری سے اس کی سمت دیکھا تھا جب کہ سونیا حیرت بھری نظروں سے استفہامیہ کبھی عدیل کو تو کبھی زویا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ عدیل کی کبھی کوئی لڑکی دوست نہیں رہی تھی۔ مگر یہ....؟ اسے کافی الجھن ہونے لگی تھی۔
"میں نے اپنے نہ آنے کی وجہ علی کو بتائی تھی۔ کیا اس نے آپ کو نہیں بتائی۔؟" اپنی ناگواری کو اخلاق کے پردے میں چھپائے اس نے سوال کیا تھا۔
"نہیں۔" سر کو انکار میں ہلاتے اس کی نظر اب سونیا پر پڑی تھی۔ تب ہی اس کی آنکھوں میں ایک دم سوال ابھرا تھا۔ اس سے پہلے وہ اس کے متعلق کچھ پوچھتی خود عدیل نے اس سے سوال کر دیا۔
"اوکے۔ اب علی کہاں ہے؟" اسے زویا کے ساتھ علی پر بھی تھوڑا غصہ آیا تھا جس نے اس کی وہاں موجودگی کا زویا کو بتا کر اس کی اور سونیا کی پرائیویسی کو ڈسٹرب کیا تھا۔
"علی بھی آ رہا ہو گا۔" اس نے ذرا سا پلٹ کر دیکھا تو علی کو بھی آتے دیکھا تو فوراً" بولی۔
"لو آ گیا علی بھی۔"
عدیل نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اب علی اس کے سامنے تھا۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ وہ اب زویا کے برابر پڑی خالی چیئر پر بیٹھ چکا تھا۔
"السلام علیکم علی بھائی۔" سونی نے مسکرا کر اسے سلام کیا تھا۔
"وعلیکم السلام۔ میری بہنا کیسی ہے؟" وہ بہت شفقت و احترام سے پوچھ رہا تھا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی۔" اس نے جواب دیتے ہوئے عدیل کی طرف نظر کی تھی۔ اس کی نظروں میں موجود الجھن کو وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہا تھا جب ہی اس کی الجھن دور کرنے کو زویا سے اس کا تعارف کرانے لگا۔
"سونی۔ ان سے ملو یہ ہماری کلاس فیلو ہے زویا ندیم۔ اور زویا یہ سونی ہے میری کزن۔" اس نے ایک نظر سونی کے چہرے پر ڈالی تو دوسری زویا کے چہرے پر۔
"اچھا.... تو کزن سے ملنے کی خاطر تم آج کلاسز کو گول کر گئے۔؟" اس کا لہجہ اچانک ہی عجیب سا ہوا تھا۔ سونی کے ساتھ خود عدیل کو بھی برا لگا۔
"اپنی کزن سے میں روز ہی ملتا ہوں بلکہ ہر وقت ہی ملتا ہوں اس لیے اس سے ملنے کے لیے مجھے کلاسز گول کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔" زویا کافی منہ پھٹ واقع ہوئی تھی مگر اس سمے اسے اس طرح کہتا دیکھ کر انہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا یہی وجہ تھی کہ ان کے موڈ پہلے کی نسبت آف دکھائی دینے لگے تھے۔ بات کے مزید بگڑنے کے ڈر سے علی نے فوراً" بات کو سنبھالی تھی۔
"ایسی بات نہیں ہے زویا۔ آج سونی کی برتھ ڈے ہے تو اسی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے عدیل آج اس کے ساتھ رک گیا ورنہ یہ کبھی کلاسز بنک نہیں کرتا

ہے۔" اس نے نجانے کیوں وضاحت دی تھی۔ مگر زویا کے تاثرات مزید تیکھے ہو گئے۔ سونیا مسلسل اس کے تاثرات کا جائزہ لیتی کچھ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ جب ہی کچھ سوچ کر اس نے علی کی وضاحت کا جواب دیا تھا۔

"اپنی برتھ ڈے میں رات گھر پر سیلیبریٹ کر چکی ہوں علی بھائی' یہ تو عادی کے ساتھ ایک بار پھر سیلیبریٹ کرنا تھی اس لیے یہ سب اہتمام کیا۔" کیک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس نے پلیٹ میں رکھا اور اسی کی طرف بڑھاتی مزید بولی۔

"پلیز آپ بھی کھائیں۔" اس کے انداز میں استحقاق تھا۔ زویا کو ایک بار پھر ڈھیر ساری جلن نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ وہ چیئر کھسکاتی تیزی سے اٹھی اور جس رفتار سے آئی تھی۔ اسی رفتار سے واپس پلٹ گئی۔ وہ منظر سے ہٹ گئی تھی مگر اس کی آمد سے کہیں زیادہ انہیں اس کی واپسی عجیب لگی تھی۔ جس کا اظہار سب سے پہلے سونی نے کیا تھا۔

"سوری فورڈیٹ۔ مگر مجھے آپ کی فیلو بہت عجیب لگی ہے۔ بالکل سمجھ میں نہ آنے والی۔" عدیل نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ کیا' اس کی ہر بات ہی عجیب ہے مگر علی کو....."

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا علی نے اس کی بات کو درمیان سے اچک لیا۔

"کوئی بات نہیں وقت کے ساتھ ہو جائے گی ٹھیک۔" نجانے کیوں وہ زویا کے متعلق اپنی پسندیدگی کو سونی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"تم لوگ اپنا موڈ ٹھیک کرو اور پارٹی کو انجوائے کرو تب تک میں زویا کو دیکھتا ہوں۔" اسے یہی بہتر لگا کہ اس سے وہ ان کے درمیان ہڈی نہ بنے جب ہی کیک کے ٹکڑے کو منہ میں رکھتا ہوا اسے وش کر کے وہاں سے ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼
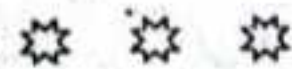
وہ جب سے زویا سے ملی تھی عجیب سی بے چینی و بے کلی نے اسے اپنے لپیٹے میں لے رکھا تھا کل سے اب تک وہ بارہا بار خود پر غور کر کے دیکھ چکی تھی مگر اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا تھا۔ تھک کر اس نے عدیل سے بات کرنے کا پختہ ارادہ کیا تھا۔

آج اس کے دو پیریڈ فری ہو گئے تھے۔ جب ہی آرام سے بیٹھی عدیل کے ساتھ موبائل چیٹنگ کر رہی تھی۔ جب اچانک ہی اس کے دماغ میں نجانے کیا آیا کہ وہ ساتھ بیٹھی دوستوں سے ایکسکیوز کرتی عدیل سے ملنے اس کے ڈپارٹمنٹ چلی آئی۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ وہ اس سے ملنے اس کے ڈپارٹمنٹ جائے۔ عدیل خود ہی اس کے پاس آجایا کرتا تھا۔ آج اس نے اسے سرپرائز کرنے کا سوچ کر اس کی طرف کا رخ کیا تھا۔ جبکہ وہ موبائل پر ابھی بھی وقتاً "فوقتاً" آنے والے اس کے میسج کے جواب بھی دے رہی تھی۔ پانچ منٹ بعد وہ اس کے ڈپارٹمنٹ میں داخل ہو چکی تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ اسے کلاس کی پچھلی طرف بنے گراؤنڈ میں زویا اور علی کے ساتھ بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے دوبارہ سے قدم اٹھائے اور دبے دبے پیروں سے چلتی اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئی۔ وہ سر جھکائے موبائل سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

علی اس کو دیکھ کر خوشگوار حیرت کے ساتھ مسکرایا تھا۔ زویا نے شاید اسے نہیں دیکھا تھا وہ بڑی مگن سی عدیل پر نظر جمائے ہوئے تھی۔ سونیا کی پیشانی پر ایک دم شکنوں کا جال ابھرا تھا۔ اس نے بہت غور سے زویا کی طرف دیکھا تو اسے اپنی بے چینی اور بے کلی کا سبب ایک دم سمجھ آیا تھا۔

"زویا عدیل کو پسند کرتی ہے۔" اسے ایک دم ہی ڈھیر سارا غصہ آنے لگا جب ہی گلا کھنکارتی علی کے ساتھ پڑی خالی جگہ پر بیٹھی عدیل کے مقابل ہوئی تھی۔ اس کی کھنکار پر عدیل اور زویا نے بیک وقت اس کی سمت دیکھا تھا۔

"سونی تم یہاں۔؟" اسے یوں سامنے دیکھ کر اسے حد درجہ خوشی ہو رہی تھی۔

"جی۔" وہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔

"اپنے آنے کا تم نے مجھے بتایا بھی نہیں؟"

"میں نے سوچا روز تم ملنے آتے ہو آج میں آکر سرپرائز دوں۔"

"سرپرائز تو تم نے واقعی دے دیا۔ یہ بتاؤ کیا کھاؤ گی؟" اسے مہمان نوازی کا خیال آیا تھا۔

"کچھ نہیں مجھے بس تم سے باتیں کرنی تھیں۔" وہ جان بوجھ کر اس پر اپنا حق جتا رہی تھی۔ اس سے اس نے کن انکھیوں سے زویا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اسے دیکھ کر جو تاثرات ابھرے تھے ان میں کوئی کمی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جنہیں دیکھ کر خود سونیا کے تاثرات بھی قدرے غصیلے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا سونی؟" اسے اس طرح مسلسل خاموش دیکھ کر علی نے سوال کیا تھا۔

"کچھ نہیں بھائی۔ ویسے ہی ایک بات سوچ رہی تھی۔" اس کی طرف متوجہ ہوتی وہ بالآخر فیصلہ کن انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"کیا سوچ رہی تھیں؟" سوال عدیل کی طرف سے ہوا تھا۔

"یہی کہ آپ لوگوں کی دوستی زویا سے کس طرح ہوگئی۔؟" اپنے سوال کے دوران اس کی نظریں مسلسل زویا پر ٹکی تھیں۔ جسے اس کا سوال بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ جب ہی ناگواری سے بولی تھی۔

"کیوں آپ کو میرا ان سے دوستی کرنا پسند نہیں آیا کیا۔؟"

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔" سونی بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔ ان کے درمیان عجیب سچویشن کری ایٹ ہونے جا رہی تھی جسے عدیل نے محسوس کیا تو فوراً درمیان میں بول پڑا۔

"سونی یہ تم کیا لے بیٹھی ہو۔؟ بات مجھ سے کرنے آئی ہو اور مجھ ہی سے بات نہیں کر رہی ہو۔ چلو آؤ میں تمہیں اپنی کینٹین کے گول گپے کھلاتا ہوں۔"

وہ اٹھا تو لب بھینچتی سونیا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ زویا نے تیکھی نظر سے ان دونوں کو برابر کھڑے دیکھا تھا۔

"ہاں چلو ذرا۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ عدیل کے ساتھ قدم بڑھاتی اس کی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔ جب علی نے اس سے شکایت کی۔

"زویا! تمہیں سونی کے ساتھ اس طرح مس بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اور وہ جس طرح مجھ سے بات کر رہی تھی وہ نہیں دیکھا تم نے؟" وہ الٹا اسی پر ناراض ہوتی مزید بولی تھی۔

"ویسے بھی مجھے یہ لڑکی بالکل پسند نہیں آئی۔" ایک دم ہی اس نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ علی کو جھٹکا سا لگا۔

"ارے۔ سونی تو بڑی اچھی لڑکی ہے۔ تم اسے ناپسند کیوں کر رہی ہو؟"

"کیونکہ وہ..." وہ کچھ بولتی درمیان میں رک گئی۔

"رک کیوں گئیں؟" اس نے فوراً پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں۔" سر جھٹکتی وہ جھٹکے سے اٹھی اور اسے اکیلا چھوڑے وہاں سے چلی گئی۔ اس سے وہ اسے خاصی ابنارمل محسوس ہوئی تھی۔ جب ہی اس نے پریشانی سے خود کلامی کی تھی۔

"پتا نہیں زویا کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ جو وہ اس طرح اوور ری ایکٹ کر گئی ہے۔"

"ابھی تک موڈ خراب ہے تمہارا۔؟"

اپنی طرف سے وہ اسے کولڈ ڈرنک پلا کر اس کا موڈ ٹھیک کر چکا تھا۔ اور اب اس کے سامنے بیٹھا اس کے چہرے پر نظر جمائے تھا۔ جس پر ناگواری کے تاثرات ابھی بھی نمایاں تھے۔

"عادی مجھے تمہاری یہ دوست ذرا پسند نہیں آئی۔ حد سے زیادہ بدتمیز اور عجیب۔ آخر تم نے کیا دیکھ کر اس سے دوستی کرلی؟"

"وہ ایسی ہی ہے تم اس سے مت الجھا کرو۔ میں خود بھی اس سے کم بات کرتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر دوستی کیوں کی؟" اس کا سوال ابھی بھی وہی تھا۔

"علی کی وجہ سے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"علی اس کو حد درجہ پسند کرتا ہے۔ بلکہ یوں کہہ لو اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کی خاطر یہ ہمارے ساتھ ہے۔" اس نے وجہ بیان کی۔

"علی بھائی اس سے محبت کرتے ہیں؟" اس نے حیرت سے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بالکل!" اس نے اقرار میں سرہلایا تو وہ ایک دم تیزی سے بولی۔

"مگر وہ تو تمہیں پسند کرتی ہے۔" اس نے جیسے دھماکا کیا تھا۔ عدیل نے بری طرح چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مجھے پسند کرتی ہے؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" اس کی حیرت بالکل فطری تھی۔ وہ آج تک زویا کو علی کے حوالے سے دیکھتا آیا تھا۔ اپنے متعلق تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا ایسے میں سونیا کا یہ انکشاف۔ اسے کافی گھرا جھٹکا لگا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" اس نے لفظ لفظ پہ زور دیا تھا۔

"مگر تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو سونی۔" اس بار اس کے انداز سے پریشانی جھلکی تھی۔

"میں نے محسوس کیا عادی۔ صرف دو بار اس سے ملی ہوں ان دونوں ملاقاتوں میں جو میں نے محسوس کیا اس کی وضاحت تو نہیں کر سکتی۔ مگر یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں وہ تم لوگوں کے ساتھ صرف تمہاری وجہ سے ہے۔" اس نے اپنی سوچ کو اس کے سامنے بیان کیا۔ تو اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی الجھ گیا۔ صورت حال خاصی عجیب تھی کہنے کو اس کے پاس کچھ نہیں تھا سوائے اس کے۔

"میں علی سے بات کروں گا۔ اس نے نجانے اب تک زویا سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیوں نہیں کیا؟"

"علی بھائی ہرٹ ہوں گے تم کیا کہو گے انہیں۔؟" اس نے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا۔

"جو بھی ہو۔ میں کل علی سے بات کروں گا۔ کم از کم وہ زویا سے اپنی محبت کا اظہار تو کرے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ ان کے اظہار کے بعد ہی اصل بات سامنے آئے گی کہ میں نے جو محسوس کیا وہ غلط تھا یا صحیح۔" اس نے اس کے فیصلے سے اتفاق ظاہر کیا تھا۔ ایک نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ پہلے کی نسبت اب کچھ پر سکون دکھائی دے رہا تھا۔ جبکہ سونی ابھی بھی تھوڑی پریشان سی محسوس ہو رہی تھی۔ جسے اس سے چھپا کر اس نے کچھ اور دیر اس کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں کی پھر اگلا پیریڈ شروع ہونے سے ذرا پہلے وہ دوبارہ سے اپنے ڈپارٹمنٹ چلی آئی۔ جبکہ عدیل بھی وہاں سے اٹھ کر علی اور زویا کے پاس چلا آیا۔

اگلے روز وہ یونیورسٹی پہنچا تو زویا چھٹی پر تھی علی اکیلا ہی اس کا منتظر تھا۔ قدرت نے اس سے بات کرنے کا ایک بہترین موقع اسے فراہم کیا تھا۔ کینٹین میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب لفظوں کی تمہید باندھتا عدیل گویا ہوا۔

"یہ زویا آج اس طرح بنا بتائے غیر حاضر کیسے ہو گئی؟"

"مجھے بھی نہیں معلوم۔ یہاں آ کے مجھے پتا لگا تو اس کا نمبر ٹرائی کیا مگر وہ بھی مسلسل بند جا رہا ہے۔" کپ سے سپ لے کر اس نے کپ کو میز پر رکھتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

"اب کل آئے گی تو معلوم ہو گا۔ خیر میں سوچ رہا تھا تمہیں اب اس سے اپنی پسندیدگی کے متعلق بات کر لینا چاہیے۔ نجانے تم کیا سوچ کر ابھی تک چپ ہو؟" عدیل نے استفہامیہ اس کی سمت دیکھا تھا۔

"ہاں میں بھی یہیں سوچ رہا ہوں کہ اب بات کر ہی لوں اور ابھی تک بس اسی لیے چپ تھا کہ اسے تھوڑا سا سمجھ لوں مگر وہ لڑکی تو مسلسل ایک پہیلی ثابت ہو رہی ہے۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ میں کچھ سمجھ ہی نہیں پایا ہوں۔"

"ارے یار سمجھنے کے لیے عمر پڑی ہے۔ یہ نہ ہو تم سمجھنے سمجھانے میں وقت گنوا دو اس لیے پہلی فرصت میں اس سے بات کر ہی لو۔"

"اچھا نا! ڈرا و تو نہیں۔" علی نے ایک گھوری اس کی نظر کی تھی۔

"میں... وہ..." وہ بولنے کے لیے لفظوں کو ترتیب دے رہا تھا جب اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے علی کا سیل بج اٹھا۔ اس نے فوراً "شکر ادا کیا تھا۔ علی نے جیب سے سیل نکال کر اسکرین پر چمکتا نمبر دیکھا تو بولا۔

"گھر سے فون؟" اس نے فوراً "یس کا بٹن پش کر کے سیل فون کان سے لگالیا۔ مختصری سلام دعا کے بعد نجانے اسے کیا کہا گیا تھا کہ وہ شدید پریشان ہوتا بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر مزید کچھ کہے اس نے اپنے فوراً" آنے کا کہہ کر کال ڈسکنکٹ کردی۔ عدیل اٹھ کر اس کے برابر میں آتا بولا۔

"سب خیریت ہے نا علی۔ تم ایک دم سے بہت پریشان دکھائی دینے لگے ہو؟"

"ہاں یار بات ہی کچھ ایسی ہے۔" سیل فون کو دوبارہ سے جیب میں رکھتا وہ اس کی طرف مڑا۔

"مگر ہوا کیا...؟"

"ماں جی کی طبیعت شدید خراب ہے مجھے فوراً" گاؤں جانا ہوگا۔"

فی الحال میں ابھی گاؤں کے لیے نکلتا ہوں۔ تاکہ جلد ہی وہاں پہنچ سکوں۔" محبت سے اس کے گلے لگا اور فوراً" ہی الگ ہو کر اس سے الوداعی سلام کرتا کتابیں اور نوٹس اٹھا کر وہاں سے چلا گیا۔

اس کو جاتے دیکھ کر عدیل نے بے ساختہ اس کی ماں کی تندرستی کے لیے دعا کی تھی۔

☆ ☆ ☆

زویا اگلے دن بھی چھٹی پر تھی اور ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ اس طرح بغیر بتائے غیر حاضر ہو رہی تھی۔ آج کا دن معمول سے ہٹ کر ذرا ٹف رہا تھا اس لیے مسلسل کلاسز لینے کے بعد تھکا ہارا وہ گھر چلا آیا جہاں سونی اس کی منتظر تھی۔

"بہت تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہو...؟" ممی کے ساتھ بیٹھی وہ رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"ہاں۔ اور اس کے باوجود بھی تم بیٹھی بس پوچھ رہی ہو۔ اتنی توفیق نہیں ہو رہی کہ جا کر ایک کپ چائے لے آؤ۔" وہ کتابیں سائڈ میں رکھتا وہیں ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"لاتی ہوں چائے۔" برا سا منہ بناتی وہ اس کے سامنے سے ہٹی تھی۔ اور جب چائے کے تین کپ بنا کر دوبارہ اندر داخل ہوئی کمرے میں صرف عدیل اکیلا بیٹھا تھا۔

"ممی کہاں گئیں؟" اس کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ماں کا فون آیا اس کو سننے باہر گئی ہیں۔" اس نے جواب دیا تھا۔

"تائی اماں کو ہفتہ ہو گیا ماموں کی طرف گئے تم نے پوچھا نہیں وہ کب تک واپس آئیں گی۔" اس سے ذرا فاصلے پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے دوبارہ سوال کیا تھا۔

"پوچھا تھا کہہ رہی تھیں منڈے تک آجائیں گی۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے وہ ہلکی سی کسی سوچ میں گم بولا تھا۔ اس نے ذرا توجہ سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھنے لگی۔

"تم نے زویا سے بات کی۔"

"نہیں میں اس سے بات کیوں کروں گا بھلا؟ ہاں میں نے تھوڑی سی علی سے بات کی تھی وہ خود بھی زویا سے بات کرنا چاہتا تھا مگر پھر اچانک اسے گاؤں جانا پڑ گیا تو سب ادھورا رہ گیا۔ اور پھر زویا بھی تو غیر حاضر ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"وہ کیوں غیر حاضر ہے؟" سونی نے سوال کیا نظر تھوڑی سی تیکھی ہوئی تھی۔

"مجھے کیا معلوم وہ کیوں غیر حاضر ہے۔ ہوگی اس کی کوئی وجہ۔ تم خواہ مخواہ اس بے چاری سے چڑتی ہو آخر کہتی کیا ہے وہ تمہیں؟" وہ جان بوجھ کر اسے چڑا رہا تھا۔ اور وہ سچ مچ میں چڑ رہی تھی۔

"بڑی بے چاری لگتی ہے وہ تمہیں...؟" بھنویں

سکیٹرے اس نے ذرا غصہ دکھایا تھا۔
"بس بے چاری ہی تو کہا ہے۔" اس بار وہ کھل کر ہنسا تھا۔
"سخت بری لگتی ہے وہ لڑکی مجھے۔ انتہائی عجیب سی۔ نجانے علی بھائی کو اس میں کیا نظر آگیا جو اس سے محبت کر بیٹھے؟" پتا نہیں وہ اس کو اس قدر ناپسند کیوں کرنے لگی تھی۔
"محبت اندھی ہوتی ہے ورنہ میں تم سے محبت کیسے کرتا۔" انتہائی سنجیدگی سے اس نے اسے جواب دیا تھا۔ جب اس نے اس کی سنجیدگی محسوس کر کے جوں ہی اس کے چہرے کی طرف نظر کی تو اس کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی شرارت کو مچلتے پایا۔ تب ہی اس کے لفظوں پر غور کرنے پر مطلب اسے سمجھ آیا تو وہ فوراً" خون خوار نظروں سے اس کو گھورتی سائڈ میں پڑے دو تین کشن ایک ساتھ اٹھا کر اس کی طرف جھپٹنے کو تھی تب وہ خوب ہنستا ہوا مزید اسے چڑاتا وہاں سے بھاگ نکلا۔
پیچھے وہ کھولتی ہوئی دوبارہ سے اپنی جگہ جا بیٹھی۔
دل کی جلن کی ایک عجیب ہی کیفیت تھی جسے وہ تو بخوبی سمجھ سکتی تھی مگر کسی دوسرے کو اپنی کیفیت سمجھا نہیں سکتی تھی۔ وہ عدیل کو بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ جو کچھ زویا کے لیے اس کے دل نے محسوس کیا وہ سب کیا ہے؟ مگر اسے خود پر اور عدیل پر حد سے زیادہ بھروسا تھا کہ کوئی تیسرا ان کے درمیان کبھی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اور شاید کوئی رکاوٹ ان کے درمیان آبھی نہیں سکتی تھی کیونکہ آج سے تین سال پہلے ہی اسے اور عدیل کو ان کے گھر والوں نے نکاح جیسے مقدس رشتے سے باندھ دیا تھا۔
عدیل اس کے تایا کا بیٹا تھا وہ سب ایک ہی گھر میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور حد درجہ خوش تھے۔ عدیل، نبیل، ارحم اور معیز تایا جان کی اولاد تھے جبکہ سونی اور رمیز دونوں بہن بھائی تھے۔ دونوں خاندانوں کے سب ہی افراد آپس میں خوب محبت کرتے تھے مگر عدیل کی سونیا سے حد درجہ محبت کو دیکھتے ہوئے بڑوں نے ان کے یونیورسٹی جانے سے پہلے ہی ان دونوں کو نکاح کے حسین بندھن میں باندھ دیا۔ جس سے وہ دونوں بھی خوش اور مطمئن تھے۔ مگر سونیا کے اطمینان کو زویا نے تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ اپنی طرف سے وہ تسلی دلاسے دیتے اپنے بھروسے کو مضبوط کرتی مطمئن ہونے کی کوشش کرنے میں جتی ہوئی تھی مگر تقدیر اس کے لیے کچھ الگ ہی پلاننگ کیے ہوئے تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ سب کلاس روم میں بیٹھے بڑی توجہ سے سربراہان کے لیکچر کو سن رہے تھے جب اچانک ہی دروازہ کھول کر چوکھٹ میں کھڑی زویا نے سر سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی۔ وہ خاموشی سے اندر داخل ہوئی اور لاسٹ رو میں پڑی خالی چیئر پر جا کر بیٹھ گئی۔ عدیل نے ذرا سا مڑ کر زویا کو دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی اسے ڈسٹرب محسوس ہوئی۔
روز کی نسبت وہ آج بالکل بھی فریش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ نجانے کیا بات ہوئی تھی جس کی وجہ سے پہلے وہ غیر حاضر ہوئی اور اب جب کلاس میں موجود تھی تو بھی غیر حاضر محسوس ہو رہی تھی۔ اسے فطری سا تجسس ہونے لگا۔
سب ہی اسٹوڈنٹس کلاس سے باہر جا چکے تھے۔ وہ بھی پریڈ ختم ہونے کے بعد کتابوں کو سمیٹتا اٹھا ہی تھا جب زویا خود اس کے پاس چلی آئی۔
"ہیلو عادی کیسے ہو؟" اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی مگر نجانے کیوں اسے اس طرح زبردستی مسکراتے دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔
"اللہ کا شکر ہے۔ تم کیسی ہو؟" عدیل نے بدلے میں اس کی خیریت دریافت کی تھی۔
"ہوں فائن۔" اس نے مختصر جواب دے کر دوبارہ سے پوچھا۔
"شفلی دکھائی نہیں دے رہا؟"
"اس کی مدر کی طبیعت خراب تھی اسی لیے اسے گھر جانا پڑا۔" اس نے وجہ بتلائی تو وہ افسوس کرتی

بولی۔

"اوہ! سن کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدر کو جلد صحت یاب کرے۔" "آمین۔ جواباً" اس نے بھی صدق دل سے آمین کہا تھا۔

"چلیں باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔" وہ آگے بڑھا تو وہ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔ گراؤنڈ میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھتے ہوئے اب وہ ایک دوسرے کے مقابل براجمان تھے۔

"خیریت تھی زویا تم اتنے دن غیر حاضر رہیں؟" اس کے سوال پر اس کا حرکت کرتا ہاتھ رکا اور اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اسی پل اس نے بہت غور سے اس کی نظروں میں کچھ تلاشنے کی کوشش کی تھی، مگر یہاں بھی اس کو کچھ بھی دکھائی نہ دیا تو اسے یقین ہونے لگا کہ سونیا کو زویا کی طرف سے غلط فہمی ہوگئی ہے۔ حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے اس کے دل کو اطمینان ہوا۔

"جی بس خیریت نہیں تھی۔" وہ ایک بار پھر سے ڈسٹرب دکھائی دینے لگی تھی۔

"میری زندگی بہت کرائسس میں ہے عادی.... مگر کچھ بھی بتانے سے پہلے میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔" وہ ایک دم ہی کافی سنجیدہ دکھائی دینے لگی تھی۔

"ہاں پوچھو۔" اس نے جیسے اجازت دی تھی۔

اجازت ملنے کے باوجود بھی اس نے نظر اٹھا کر کچھ پل منتظر سے عدیل کی طرف دیکھا تھا۔ یوں جیسے وہ کچھ کہنے کی خود میں ہمت جمع کر رہی ہو۔

"عادی.... کیا تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو۔" بہت دیر کے انتظار کے بعد بالآخر اس نے کہہ ہی دیا اور اب سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جسے اس کے لفظوں نے بہت بھاری جھٹکا لگایا تھا۔

"تم جانتی ہو میں سونیا سے محبت کرتا ہوں؟" عدیل کی پیشانی پر فوراً" ناگواری کی سلوٹیں در آئی تھیں اپنے اور سونیا کے نکاح کو اس نے آج بھی اس پر ظاہر نہیں کیا تھا۔

"ہاں۔"

"اس کے باوجود بھی تم نے ایسی بات کی؟" اس بار ناگواری اس کے لفظوں سے بھی عیاں ہوئی تھی۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنے لفظوں پر زور دیا تھا۔

"مگر میں نہ تو تم سے شادی کرنا چاہتا اور نہ ہی تم سے شادی کر سکتا ہوں۔" اس کا انداز بڑا ہی قطعی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس نے سوچا تھا سونیا غلط فہمی کا شکار ہے اس نے سوچا تھا وہ خود اسے علی کے متعلق بتائے گا تاکہ علی جب آئے اسے سرپرائز کر سکے، مگر اس کی ساری سوچ ہی غلط ثابت ہو چکی تھی خود سے اسے اس طرح شادی کی آفر کر کے اس نے اسے بری طرح سرپرائز کیا تھا، مگر وہ شکر کر رہا تھا ایسے موقع پر علی ان کے درمیان نہیں تھا جو اگر علی کے سامنے اس نے ایسا کہا ہوتا تو علی پر نجانے کیا گزرتی۔ اس بات کا تصور بھی کر کے اسے حد درجہ شرمندگی محسوس ہونے لگی تھی حالانکہ اس سب میں اس کا تو کوئی بھی قصور نہیں تھا، مگر وہ اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا اس لیے اپنی طرف سے اسے مکمل مایوس کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی خاطر دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتا کچھ بولنا چاہتا تھا، مگر شاید وہ مزید کچھ سننا ہی نہیں چاہتی تھی اس لیے مزید کچھ کہے اور سنے بنا اٹھی اور وہاں سے چلی گئی۔

اس دن کے بعد وہ دوبارہ انہیں کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔ ماں جی کی ذرا سی طبیعت سنبھلی تو علی نے یونیورسٹی کا چکر لگایا تھا تب زویا کو غیر حاضر پا کر اس نے اس کے متعلق اس سے استفسار کیا تھا، مگر وہ ساری بات چھپا کر اس نے مکمل لاعلمی کا اظہار کر دیا جس پر علی کافی پریشان ہوا تھا۔ وہ مسلسل اس کا نمبر ٹرائی کرتا رہا تھا، مگر کافی عرصہ تک جب اس کا نمبر بند ملتا رہا تو اس نے اس کے گھر جا کر اس سے ملنے کی کوشش بھی کی تھی، مگر اس طرف بھی اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ لوگ گھر چھوڑ کر جا چکے تھے، مگر کہاں...؟ اس کا پتا وہ کسی طرح بھی معلوم نہ کر سکا۔ عدیل مسلسل اس کے ساتھ تھا زویا کی اس طرح گمشدگی نے اسے بری طرح

مایوس سا کر دیا تھا اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آنے لگا تھا کہ آخر اس نے اپنی محبت کے اظہار میں دیر کیوں کی۔۔۔؟ اس کو ہر جگہ تلاشنے کے بعد ملنے والی ناکامی کے باوجود بھی وہ ہمت ہارنے کو تیار نہ تھا جہاں کہیں بھی اس کے ملنے کی کوئی خبر ملتی وہ وہاں پہنچ جاتا تھا۔

ایسے میں اماں جی کے انتقال کی خبر نے اس پر بہت برا اثر کیا۔ اس کی توجہ پڑھائی پر ویسے ہی کم ہو رہی تھی اب تو جیسے بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی ہر وقت شوخیاں کرنے والا علی بالکل ہی گم سم ہو کر رہ گیا تھا۔ سیکنڈ سمسٹر میں بری طرح فیل ہونے کے بعد اس کا دل اس بری طرح اچاٹ ہوا کہ وہ سب کچھ ادھورا چھوڑ کر اپنے گاؤں واپس چلا گیا۔ عدیل اپنے بہترین دوست کی ایسی حالت کو لے کر حد درجہ دکھی تھا۔ کہیں نہ کہیں دل میں وہ اس کے لیے بہت شرمندگی محسوس کرتا تھا۔ اس نے خود اپنے سورس پر بھی زویا کو ڈھونڈنے کی بہتری کوشش کی تھی، مگر وہ تو ایسے کھوئی تھی جیسے زمین آسمان دونوں ہی اسے نگل گئے ہو۔

علی مایوس ہو کر جا چکا تھا اور اب وہ خود بھی مایوس ہو کر دوبارہ سے زندگی کی طرف پلٹنے لگا تھا۔ وہ علی کے ساتھ رابطے میں تھا اور چاہتا تھا علی زویا کو بھول کر کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لے، مگر نجانے اس کی محبت کیسی تھی جو اسے زویا کو بھولنے ہی نہ دیتی تھی اور یہ شاید اس کی سچی محبت کی لگن تھی جو خدا نے کھوئی ہوئی زویا کو اب اتنے سال بعد ان کی طرف دوبارہ بھیجا تھا اور وہ اب یہ موقع کسی بھی صورت گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ علی کی زندگی سے روٹھی ہوئی خوشیوں کو دوبارہ اس کی زندگی میں لانا چاہتا تھا اسی لیے اس نے کل پہلی فرصت میں زویا سے ملنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

✡ ✡ ✡
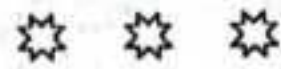
زویا کے بتائے پتے پر پہنچ کر اس نے ڈور بیل بجائی۔ دوسری بیل پر اس کے لیے دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ دروازہ کھولنے والا شخص جو حلیے سے ملازم معلوم ہوتا تھا اسے اپنے ہمراہ لیے ایک کمرے تک لایا اور اسے وہاں بٹھا کر زویا کو اس کی آمد کی خبر کرنے چلا گیا۔ عدیل نے ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا ہی تھا کہ زویا فوراً ہی اندر داخل ہوئی اس نے نظر گھما کر اس کی طرف دیکھا اور حیران رہ گیا۔ اس وقت جو زویا اس کے سامنے کھڑی تھی وہ پہلے والی زویا سے یکسر مختلف تھی۔ پہلے وہ کھلتے گلاب کی سی ہوا کرتی تھی، مگر اس وقت وہ ملگجے اور شکن آلودہ لباس میں بے ترتیب بالوں کو یونہی کیچر میں سمیٹے پژمردہ سی اس کے سامنے تھی۔ وہ ایک دم سیدھا ہوتا اسی حیرت کے ساتھ گویا ہوا تھا۔

"زویا یہ تم ہی ہو نا؟" اس کی اس درجہ حیرت کو محسوس کر کے وہ مسکرا دی تھی۔

"ہاں یہ میں ہی ہوں۔" اس نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"مگر یہ تمہیں ہوا کیا ہے؟ اور یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟" اس کی حیرت کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی حیرت بالکل بجا تھی اس کی جگہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو شاید زویا کو اس حالت میں دیکھ کر اسی طرح کا رد عمل اظہار کرتا۔ وہ اس وقت برسوں کی مریض دکھائی دے رہی تھی۔

"بس تھوڑی سی طبیعت خراب ہے اسی لیے ایسی دکھائی دے رہی ہوں۔۔۔ خیر تم بتاؤ کیسے ہو؟ ماسٹر کمپلیٹ ہو گیا تم لوگوں کا۔۔۔؟" اس نے سوال کر کے استفہامیہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ عدیل نے جواب دینے کو منہ کھولا ہی تھا کہ وہ ایک بار پھر بول پڑی۔

"علی اور تمہاری وہ کزن سونیا کیسی ہے؟ اور تم لوگوں نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟ جب کہ تم دونوں تو آپس میں محبت کرتے تھے نا؟" اپنی پٹاری میں موجود تمام سوال اس نے ایک ساتھ ہی پوچھ ڈالے تھے اور اب منتظر سی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عدیل نے گہرا سانس لے کر اس کے سوالوں کے جواب دینے کا آغاز کیا تھا۔

"ہم محبت کرتے تھے نہیں ابھی بھی کرتے ہیں۔ شادی عنقریب ممکن ہے۔۔۔ میں اور سونیا بالکل ٹھیک

ہیں ہمارا ماسٹر بھی کمپلیٹ ہوگیا تھا' مگر علی ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے بات درمیان میں ادھوری چھوڑ کر غور سے اس کی طرف دیکھا تھا' مگر دوسری طرف کوئی خاص رنگ دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ عام سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"علی کو کیا ہوا ہے؟"

"اس کی مدر کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔ وہ سخت دکھی تھا اسی دوران تم بھی گمشدہ ہوگئیں تھی۔ وہ بے چارہ اتنا دل برداشتہ ہوا کہ سب چھوڑ چھاڑ اپنے گاؤں واپس چلا گیا۔" وہ آہستہ آہستہ اس طرف آرہا تھا جس طرف کی اسے کھوج تھی' مگر زویا نے شاید اس کے پورے لفظوں پر غور نہیں کیا تھا جب ہی اس کی مدر کی ڈیتھ کا سن کر بس افسوس ناک انداز میں بولی۔

"بہت افسوس ہوا۔ اس کی مدر کی ڈیتھ کا سن کر..... میری طرف سے بھی افسوس کرنا۔"

"میں کیوں افسوس کروں۔ اب تم آگئی ہو تو خود ہی افسوس کرلینا۔ اسے اچھا لگے گا۔" اس نے فوراً" اس کو جواب دیا تھا۔

"ہاں..... اچھا....." وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی جب عدیل نے بجائے بات کو گھما کر وقت ضائع کرنے کے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"تم بتاؤ اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں..... ہم نے تمہیں کہاں نہیں ڈھونڈا..... مگر نہ تو تمہارا نمبر کبھی آن ملا اور تم لوگ اپنا پرانا گھر بھی چھوڑ گئے..... ایسا کیوں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ ایک دم سر جھکا گئی جب وہ مزید بولا۔

"اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے لاسٹ ٹائم تم مجھے کچھ بتانا بھی چاہتی تھیں' مگر کچھ بھی بتائے بنا تم منظر سے غائب ہوگئیں تھی۔"

"ہاں بتانا تو اس وقت میں تمہیں بہت کچھ چاہتی تھی مگر....." اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اس نے فوراً" پوچھا تھا۔

"مگر کیا.....؟ یوں اس طرح چپ چاپ سامنے سے ہٹ جانا ہر مسئلے کا حل نہیں ہوا کرتا زویا..... مجھے اس وقت بھی تم بہت ڈسٹرب لگیں تھی اور اس وقت بھی..... بات جو بھی تھی تم اس وقت کرتیں تو شاید اس کا کوئی حل ضرور نکل آتا' مگر تم نے اس طرح سامنے سے ہٹ کر غلط کیا..... تم شاید سوچ بھی نہیں سکتیں تمہارے اس عمل نے کیا کچھ غلط کردیا۔ خیر میرا سوال اب بھی وہی ہے اور آج میں جواب کے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" اس کا انداز قطعی تھا۔ زویا نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

"اوکے میں تمہیں بتاتی ہوں۔" وہ بتانے کو راضی ہوئی تھی جب اسی پل ایک عمر رسیدہ خاتون چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی اور سینٹر ٹیبل پر رکھ کر اسی خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"یہ کون تھیں.....؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ میری آیا اماں ہیں۔" اس نے بتایا۔

"ہوں۔ اچھا اب تم میرے سوال کا جواب دو۔" وہ اپنا سوال بھولا نہیں تھا۔

"اچھا..... بتاتی ہوں' مگر پہلے تم چائے تو لو....." وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیبل تک آئی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چائے کا کپ تیار کیا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ پھر اپنا کپ اٹھائے وہ سیدھی ہوتی اپنی جگہ پر جانے کے لیے پلٹی تھی کہ اسی پل وہ چکرائی کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور وہ خود بھی صوفے پر گر سی گئی اسے اچانک اس طرح گرتے دیکھ کر عدیل فوراً" اس کی طرف لپکا تھا۔

"زویا آر یو اوکے.....؟" مگر زویا شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔ جب ہی اس کے سوال پر کوئی رسپانس نہ دے سکی۔ اس اچانک پیش آجانے والی صورت حال نے عدیل کو بہت زیادہ پریشان کردیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو زویا اچھی بھلی اس سے بات کررہی تھی تو پھر اب اچانک اسے کیا ہوگیا۔ اس کو ہنوز بے خبر پڑے دیکھ کر عدیل اسے وہیں چھوڑ کر باہر کی طرف لپکا۔ برآمدے میں اسے آیا اماں بیٹھی دکھائی دے گئیں وہ فوراً" ان کی طرف بڑھا۔

"اماں جی... زویا کو نجانے کیا ہوا ہے آپ ذرا اندر چل کر اسے دیکھ لیں۔ اس نے پریشانی سے زویا کی حالت ان کے گوش گزار کی تھی جسے سن کر وہ ایک دم بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اندر کی طرف بڑھیں ساتھ ہی انہوں نے ملازم کو فوراً" ڈاکٹر کو کال کرنے کا کہا اور اس طرف آگئیں۔ جہاں زویا بے ہوش پڑی تھی۔

"زویا بٹیا" انہوں نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے تھوڑا سا اونچا کیا اور پکار کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگیں مگر دوسری طرف سے ابھی بھی کوئی ریسپانس نہیں ملا تھا۔ آپا اماں مزید پریشان ہو گئیں

"اماں جی! کیا آپ بتا سکتی ہیں یوں اچانک زویا کو کیا ہوا ہے...؟" اس کے سوال پر انہوں نے زویا کی طرف سے نظر ہٹا کر اس کی طرف کی اور بولیں۔

"میں خود بھی نہیں جانتی بٹیا ایسا کیا ہوتا ہے... ہاں، مگر زویا بٹیا کی اکثر ایسی حالت ہوتی ہے اور یہ اچانک ہی بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ مزید سوال کرتا اسی پل ملازم کے ہمراہ ڈاکٹر اندر داخل ہوا جو سیدھا زویا کی طرف بڑھا تھا اس کے تفصیلی معائنہ کے بعد ڈاکٹر نے بے ہوش پڑی زویا کو انجکشن لگایا اور پیڈ پر نسخہ لکھ کر اس کے پاس آیا۔

"آپ زویا کے کیا لگتے ہیں؟" انہوں نے پہلے کبھی اسے زویا کے ساتھ نہیں دیکھا تھا اس لیے سوال کیا تو اس نے جواباً" کہا۔

"میں ان کا دوست ہوں۔"

"اوکے... اس پرچے پر ہمیشہ کی طرح میں نے کچھ دوائیاں اور ضروری ٹیسٹ لکھ دیے ہیں جنہیں یہ لڑکی ہمیشہ اگنور کرتی رہی ہے۔ آپ اس کے دوست ہیں اس لیے میں اب یہ کام آپ کے ذمے لگا ہوتا ہوں کہ آپ ہر صورت یہ ٹیسٹ کروا کر مجھے رپورٹ چیک کروائیں تاکہ اس کی ہر دوسرے دن بگڑتی اس حالت کی وجہ معلوم ہو سکے۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس نے بھاری ذمہ داری اس کے حوالے کی تھی۔ وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"ابھی کے لیے میں نے انجکشن لگا دیا ہے۔ تھوڑی دیر تک اسے ہوش آجائے گا۔" اس کو تسلی سے نوازتے ہوئے ڈاکٹر نے اپنا سامان سمیٹا اور اس سے مصافحہ کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ تو عدیل آپا اماں کے پاس آیا اور ان سے پوچھا۔ "زویا یہ ٹیسٹ کیوں نہیں کروا رہی۔"

"اب میں کیا کہوں بیٹا؟" آپا اماں اسے نظر چراتی محسوس ہوئیں۔

"اماں جی! پلیز کچھ بھی چھپائے بنا مجھے ساری بات بتائیں... ہو سکتا ہے سب جان کر میں زویا کی مدد کر سکوں۔" اس کا انداز ملتجی تھا۔ جس بات کو جاننے کی چاہ میں وہ یہاں تک آیا تھا وہ زویا سے تو معلوم نہ ہو سکی تھی اب آپا اماں کی صورت میں اسے اس پہیلی کا جواب ملنے کی امید ہوئی تو وہ اصرار پر اتر آیا۔ آپا اماں نے تذبذب میں پڑ کر اس کی طرف دیکھا گویا کہ وہ بتانے نہ بتانے کی کیفیت کے درمیان الجھ گئی تھیں۔

پھر ایک دم پرسکون ہوتی گہری سانس بھر کر بولیں۔

"آپ کے لفظوں میں زویا کے لیے فکر دیکھ کر میرے دل کو اطمینان نصیب ہوا ہے۔ ورنہ اس لڑکی نے خود اپنی فکر کبھی نہیں کی' بس ہمیشہ دوسروں کی غلطی کی سزا خود کو دیتی رہی۔"

"کیا مطلب...؟" ان کی باتوں سے اب عدیل الجھنے لگا تھا۔

"زویا کے ممی پاپا نے پسند کی شادی کی تھی۔ ان کی شدید محبت سے ایک زمانہ واقف تھا۔ خاندان والوں کی سخت مخالفت کے باوجود بھی انہوں نے شادی کی' مگر پھر نجانے کیا ہوا شادی کے چند مہینوں کے بعد ہی ان کی وہ محبت اور پسند سب ہوا ہو کر رہ گئی۔ نجانے کون کون سے اختلافات نے ان کے درمیان جنم لے لیا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ زویا کی ممی اس کی پیدائش سے پہلے زویا کو اس دنیا میں لانا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ اس نے دنیا میں آنا تھا اس لیے ان کے ناچاہنے کے باوجود زویا نے جنم لے لیا زویا ایک پیاری بچی تھی' مگر اس کی ممی نے اس کی طرف کبھی کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ اس لیے

ندیم صاحب نے زویا کی دیکھ بھال کی ذمہ داری مجھے سونپ دی۔ تب سے آج تک میں زویا کے ساتھ ہوں۔۔۔ میں نے ہمیشہ یہ بات محسوس کی ہے کہ والدین کے رویوں کی وجہ سے زویا ہمیشہ دکھی رہتی تھی۔

وہ ان کی بھرپور توجہ چاہتی تھی جو اسے کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ اس ایک کمی کی بدولت اس کی زندگی میں بہت ساری خامیاں پیدا ہو گئیں۔ جن کی بدولت اس نے کبھی دوست تک نہیں بنائے کیوں کہ وہ کسی کے سامنے اپنے حالات لا کر ان کی ترس بھری ہمدردی وصولنا نہیں چاہتی تھی! اس بچی نے تو کبھی اپنے دکھ مجھ سے بھی شیئر نہیں کیے بس جو بھی ہوتا رہا یہ اندر ہی اندر گھٹتی رہی اور ہمیشہ اس بات پر خدا سے شکوہ کناں رہی کہ جب اس کی کسی کو ضرورت نہیں تھی تو اسے پیدا کیوں کیا؟" آہستہ آہستہ وہ زویا کی زندگی کے ان سبھی پہلوؤں سے روشناس کراتی جا رہی تھیں جن کے متعلق وہ بالکل نہیں جانتا تھا۔ زویا کے متعلق پوری کلاس میں آدم بے زار اور مغرور حسینہ جیسے لقب وہ ہمیشہ سے سنتا رہا تھا' مگر اس آدم بے زاری کی وجہ اسے آج معلوم ہوئی تو اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ بظاہر مضبوط نظر آتی زویا کے اندر کس قدر دکھ بھرے تھے اس کا اندازا اسے آج ہوا تھا۔ آیا اماں ابھی بھی کچھ بول رہی تھیں اور وہ بہت توجہ سے انہیں سن رہا تھا۔ آیا اماں جب بول کر چپ ہوئیں تو اس نے اپنا وہ سوال ان کے سامنے بیان کیا جو کب سے اس کے سامنے سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

"اماں جی! کچھ عرصہ پہلے زویا نے اچانک ہی یونیورسٹی آنا بند کر دیا تھا۔ تب ہم نے اسے بہت تلاشا مگر وہ ہمیں کہیں نہیں ملی۔ یوں اس طرح اچانک وہ کہاں چلی گئی تھی؟" آیا اماں نے اس کے سوال پر ذہن پر زور ڈال کر اس وقت کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"زویا کو خوش دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ اتنے سالوں میں وہ کبھی مجھے اتنی خوش دکھائی نہیں دی جتنی ان دنوں خوش دکھائی دینے لگی تھی' مگر اس کی خوشی کی مدت بڑی کم ثابت ہوئی اس کی ممی نے اچانک ہی زویا کی منگنی اپنے بھانجے سے طے کر دینے کا شوشہ چھوڑ دیا۔ ندیم صاحب کو ان کے خاندان والے ذرا برابر پسند نہیں تھے اس لیے انہوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا اور خود زویا بھی یہ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی اس لیے اس نے باپ کا ساتھ دیا جس کو لے کر فاکیہ اور ندیم صاحب کے درمیان چھڑی سرد جنگ مزید شدت اختیار کر گئی۔ ندیم صاحب کی ضد پر زویا کی ممی اس کی شادی فوراً" کر دینا چاہتی تھی۔

تب ندیم صاحب نے چپ چاپ زویا کو دوسرے ملک بھیج دیا یہ خبر پا کر اس کی ممی خوب تلملائیں انہوں نے زویا کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی' مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی تو ایک بڑے معرکے کے بعد وہ دونوں باپ بیٹی سے ناراض ہو کر اپنے بھائی کے گھر چلی گئی اور خود ندیم صاحب زویا کے پاس چلے گئے' معاملہ ٹھنڈا پڑا اور زویا کی ممی کے اس بھانجے کی شادی دوسری جگہ ہو گئی۔ تب زویا اور ندیم صاحب اپنے گھر واپس آ گئے واپس آ کر ندیم صاحب اپنی مصروفیات میں پھر سے مصروف ہو گئے تھے' مگر اب وہ اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر اپنا تھوڑا سا وقت زویا کو بھی دینے لگے تھے۔ شاید اس لیے کہ زویا نے اپنی ماں کی بجائے ان کا ساتھ دیا تھا یا شاید ان کے دل میں زویا کے لیے سوئی محبت جاگ گئی تھی' مگر زویا جب سے واپس لوٹی تھی وہ پہلے سے کہیں زیادہ چپ رہنے لگی تھی۔ محبت کی ترسی زویا کو جواب باپ کی توجہ نصیب ہوئی تو وہ نجانے کیوں ان سے دور بھاگنے لگی حالانکہ زویا نے ہمیشہ ان کی توجہ کی خواہش کی تھی' مگر اب جب اس کی خواہش پوری ہونے لگی تو نجانے وہ کیوں پیچھے ہٹنے لگی اور ان کا ساتھ مل جانے پر بجائے خوش ہونے کے ان سے الگ ہو گئی۔

ندیم صاحب نے اسے سمجھانے کی بہتیری کوشش کی' مگر زویا نے ان کی ایک نہ سنی۔ تب سے وہ یہاں ان سے الگ رہتی ہے۔ ندیم صاحب ہی اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر اس سے ملنے آ جاتے ہیں۔ بظاہر سب ہی کچھ نارمل ہونے لگا تھا کہ ایسے میں

زویا کو نجانے کیا ہوا کہ وہ پہلے کی نسبت کمزور ہونے لگی اور پھر اس طرح بے ہوش ہونے لگی، میں نے بہتیری کوشش کی کہ وہ اپنا علاج کروالے... مگر نہ تو وہ علاج کے لیے تیار ہوئی اور نہ ہی ندیم صاحب کو کچھ بتانے دیتی ہے۔" آپا اماں اس کے لیے کافی فکر مند دکھائی دے رہی تھیں۔ عدیل نے توجہ سے ان کی ہر ایک بات کو سنا جب وہ کہہ چکیں تو اس نے بولا۔

"آپ پریشان مت ہوں اماں جی... میں کل خود زویا کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔" اس نے بہت نرم لہجے میں انہیں تسلی دی تھی۔

"اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا بیٹا... ورنہ اس لڑکی نے اپنا کباڑا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔" ان کے انداز میں زویا کے لیے سگی اولاد کی سی محبت و نرمی نمایاں تھی۔

"آپ فکر مت کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے ایک بار پھر انہیں بھرپور تسلی سے نوازا اور پھر اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا۔ اگلے روز پہلی فرصت میں وہ زویا کو لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچا تھا۔ جہاں سے اس کے تمام ضروری ٹیسٹ کروانے کے بعد اس نے دوبارہ اسے اس کے گھر چھوڑا اور خود آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

شام میں اسے سونی کو لے کر بازار جانا تھا۔ اس لیے وہ جلدی جلدی کام نمٹانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس سے پہلے کہ وہ فارغ ہو کر نکلتا۔ زویا کے ڈاکٹر کی طرف سے اسے میسج موصول ہوا جس میں انہوں نے زویا کی رپورٹس آجانے کی اطلاع کے ساتھ اسے زویا کی رپورٹس کو لے کر کچھ باتیں ڈسکس کرنے کے لیے کلینک آنے کو کہا تھا۔ ان کا میسج پڑھنے کے بعد اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا ابھی اس کے پاس کچھ ٹائم تھا اس لیے تمام فائلز سمیٹتے ہوئے اس نے ڈاکٹر سے ملاقات کے بعد گھر جانے کا فیصلہ کیا اور ٹیبل سے اپنا سیل فون اور والٹ اٹھا کر آفس سے نکل گیا۔

"سب خیریت ہے نا ڈاکٹر...؟ جو آپ نے مجھے اس طرح فوری کلینک آنے کو کہا؟" سلام دعا کی فارملیٹی کے بعد اس نے چھوٹتے ہی ان سے سوال کیا تھا۔

"زویا کی رپورٹس نارمل نہیں ہے... اسے برین ٹیومر ہے۔" ہاتھ میں پکڑے پین کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تھا جو ان کی بات سن کر اپنی جگہ جم سا گیا تھا۔

"ٹیومر...؟" اسے اپنی آواز کہیں بہت دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

"کب سے ہے زویا کو ٹیومر...؟" گو کہ زویا اس کی کچھ بھی نہیں تھی، مگر پہلے علی کے حوالے سے اور اب انسانی ہمدردی کے جذبات سے مغلوب ہو کر وہ اس کی فکر کرنے پر مجبور تھا۔ اس نے اس کی تکلیف کو اپنے دل میں محسوس کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ کیا یہ ضروری ہے محبت کی خواہش لیے زویا اس دنیا سے رخصت ہو جائے؟ اور علی کا انتظار لاحاصل ٹھہرے؟ اس ایک سوچ نے اسے تھرتھرایا تو اپنی سوچ کی نفی کرتے ہوئے اس نے ڈاکٹر طارق کی طرف دیکھا جو اس سے کہہ رہے تھے۔

"ٹیومر زیادہ پرانا نہیں ہے ابھی بالکل ابتدائی اسٹیج ہے۔ اگر زویا پوزیٹو رسپانس دے گی تو ہم اسے کور کر سکتے ہیں۔" ان کی بات پر جیسے اندھیرے میں روشنی کا جگنو ٹمٹمایا تو سینے میں اٹکی سانس پھر سے بحال ہوئی تو اس نے فوراً" کہا۔

"وہ ضرور پوزیٹو رسپانس دے گی ڈاکٹر... آپ بس یہ بتائیں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟" اس نے کہا تو انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"سب سے پہلے تو اسے اپنا بہت سارا خیال رکھنا ہوگا اور ہر صورت خوش رہنا ہوگا کسی بھی ناگوار بات کو سر پر سوار کرنا اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ضروری ہدایات سے آگاہ کرتے ہوئے وہ ذرا دیر کو چپ ہوئے پھر گہرا سانس لے کر دوبارہ گویا ہوئے "اور اس آخری بات کو لے کر میں اس کے لیے پریشان ہوں۔ اس کا فیملی ڈاکٹر ہونے کے ناطے میں اس بات

سے اچھی طرح واقف ہوں کہ یہ لڑکی معمولی باتوں کو بھی کس حد تک سر پر سوار کر لیتی ہے اس لیے آج اسے اس کنڈیشن کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے میں ندیم کو اس کے متعلق بتانا چاہتا تھا مگر اس ضدی لڑکی نے ٹیسٹ ہی اس وعدے پر کروائے کہ میں اس کے باپ کو اس کی طبیعت کے متعلق کچھ نہ بتاؤں حالانکہ ندیم سے میری رو...۔" ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی عدیل کے سیل کی رنگ ٹون گنگنائی تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے جو ان سے ایکسکیوز کرتا سائڈ پاکٹ سے سیل فون نکال کر چیک کر رہا تھا۔ سیل اسکرین پر سونی کا نام جگمگاتے دیکھ کر وہ ایک دم سیدھا ہوا پھر ٹائم پر نظر پڑی تو وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی تو میں نکلتا ہوں ہاں کل زویا کو آپ کے پاس ضرور لے آؤں گا۔" ٹھیک ہے پھر کل سے ہی میں اس کی ٹریٹمنٹ شروع کر دوں گا مگر ابھی کچھ میڈیسن لکھ کر دے رہا ہوں جو اسے آج ہی سے لینا ہو گی۔" کہنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے تیزی سے ہاتھ چلاتے ہوئے پیڈ پر نسخہ لکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا جسے پکڑتے ہوئے وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ میڈیکل اسٹور سے ڈاکٹر کی تجویز کردہ ادویات خرید کر جس وقت وہ زویا کے گھر پہنچا مغرب کی اذان شروع ہو چکی تھی یہی وجہ تھی زویا اس وقت اسے سامنے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔

"عادی تم اس وقت یہاں...؟"

"ہاں تمہارے ڈاکٹر نے یہ ادویات تم تک پہنچانے کو کہا اسی لیے مجھے آنا پڑا۔" میڈیسن کا پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے اپنے آنے کی وجہ بتاتے ہوئے مزید کہا۔

"یہ میڈیسن تمہیں آج سے بلاناغہ لینی ہے۔" اس نے تاکید کی تو زویا نے ہاتھ بڑھا کر میڈیسن کا پیکٹ اس سے لیا اور سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

"ایسا کیا نکل آیا رپورٹس میں جو ڈاکٹر نے میرے بجائے تمہیں بلایا...؟"

"نہیں... انہوں نے مجھے نہیں بلایا وہ تو بائی چانس میرا وہاں سے گزر ہوا تو میں نے سوچا تمہاری متعلق بھی پتا کر لوں۔" نجانے کس جذبے کے تحت اس نے اس سے جھوٹ بولا تھا یا پھر شاید وہ خود اسے اس کی بیماری کے متعلق بتانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے مزید غلط بیانی کرتا ہوا اسے کہنے لگا۔

"میرے پوچھنے کے باوجود تمہارے ڈاکٹر انکل نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ کہنے لگے کل زویا کو میرے پاس لانا میں خود اس سے بات کرنا چاہتا ہوں اور پھر یہ میڈیسن دے کر مجھے رخصت کر دیا۔" بہت صفائی کے ساتھ اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک کے بعد ایک جھوٹ بولا تھا اور وہ اس کے پُراعتماد انداز کو دیکھ کر اس کی سب ہی باتوں پر ایمان لے آئی۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں کل جاؤں گی ڈاکٹر انکل کے پاس۔" اس نے کہا تو وہ جواباً بولا۔

"میں خود آؤں گا تمہیں لینے۔ ایک ساتھ چلیں گے تمہارے ڈاکٹر انکل کے پاس۔" سونیا کی کال ڈسکنیکٹ کرنے کے بعد سے اس کی کال دوبارہ نہیں آئی تھی اس کی ناراضی کے احساس نے دل پہ دستک دی تو وہ بے چین ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا گھڑی کی سوئیاں آٹھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ سیدھا لاؤنج میں آیا تھا جہاں سب ڈنر کے لیے جمع تھے۔ اسے دیکھتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ ہوئی تھی۔

"عدیل۔ سب خیریت تھی بیٹا... صبح آپ بن بتلائے آفس سے گئے اور اب اتنا لیٹ گھر آ رہے ہو۔" سب سے پہلا سوال نادر صاحب کی طرف سے ہوا تھا۔

"جی ڈیڈی بس خیریت تھی، ایک فرینڈ کی طرف سے ایمرجنسی کال آ جانے کی وجہ سے مجھے اس کی طرف بنا بتائے جانا پڑ گیا۔" ان کو جواب سے نواز کر سامنے پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے متلاشی نگاہوں سے سونی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی مگر

اس کی نظر کو مایوس لوٹنا پڑا سوئی وہاں کہیں نہیں تھی گہرا سانس لے کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھتے ہوئے اس نے شائستہ بیگم کی طرف دیکھا جو اس پر ناراض ہوتی بول رہی تھیں۔

"عدیل۔ مجھے تم سے ایسی لاپروائی کی امید نہیں تھی بیٹا۔"

"صبح تمہیں کہا بھی تھا سوئی کو بازار لے کر جانا ہے۔ اس کے باوجود تم نے آنے میں اتنی دیر کردی۔"
سوئی سے پہلے وہ اس کی کلاس لینے کی موڈ میں تھیں۔
وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

"ممی! میرا ایسا کچھ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو بس مجھے اچانک ہی جانا پڑ گیا۔" اس نے وضاحت دی تھی اسی پل سوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے بغور اس کی طرف دیکھا تو اس کے پھولے منہ سے اس کی شدید ناراضی کا احساس ہوا۔ غور کرنے پر اس نے جانا کہ وہ اس کی طرف دیکھنے تک سے گریز کر رہی تھی۔
گہرا سانس لیتا وہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"آج تمہاری خیر نہیں عدیل بیٹا....." وہ بڑبڑاتا ہوا مسلسل اسے دیکھ رہا تھا جو کھانا لگنے کی اطلاع دے کر وہاں سے جا چکی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد چائے کا دور شروع ہوا تو وہ سب سے نظر بچاتا اسی کی تلاش میں کچن تک آیا۔ وہ پیٹھ موڑے سنک کے پاس کھڑی برتنوں سے جنگ کرنے میں مصروف تھی۔ وہ مسکراہٹ چھپائے اندر داخل ہو گیا۔

"اپنا غصہ بے چارے بے جان برتنوں پر نکالنے کی کیا ضرورت ہے۔ خواہ مخواہ میں ایک آدھ شہید ہو جائے گا۔" لبوں پر مچلتی شرارت کو لفظوں کی زبان دی گئی تھی، مگر دوسری طرف ہنوز خاموشی وہ اچھے سے جانتا تھا اس قدر خاموشی کے پیچھے غصے اور ناراضی کا ایک بڑا طوفان مچل رہا تھا۔ اس لیے اس کے قریب ہوتے ہوئے صابن لگے برتن اٹھا کر خود واش کرنے لگا تو وہ پیچھے ہٹ گئی اس نے زیر لب مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر نرمی سے بولا۔

"میں جانتا ہوں جب تک جلا نہیں لوگی تمہارا غصہ نہیں جائے گا۔ اس لیے اس خاموشی کو توڑ کر غصہ کر لو۔ میں بہت شرافت سے تمہاری سب جلی کٹی سن لوں گا۔" اس کے دوپٹے کے پلو سے گیلے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر ایسے لفظوں کا استعمال کیا تھا جس سے وہ بھڑک کر خاموشی توڑ دے، مگر حیرت انگیز طور پر اس بار اس کا یہ وار بھی بے کار گیا تھا۔ اس کے قریب آنے پر، بنا اس کی طرف دیکھے اس سے ذرا فاصلے پر ہوتے ہوئے وہ مسلسل خاموش تھی، جو اس کی شدید ناراضی کا واضح ثبوت تھی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔ پھر کچھ سوچتا ہوا چولہے کی طرف بڑھا۔ اس بار دوسری طرف سے کن انکھیوں سے ملاحظہ کیا گیا تھا جس سے قطعی انجان وہ کیٹل ہاتھ میں لیے مصروف سے انداز میں بولا۔

"تم نے چائے بھی نہیں پی، چلو آج میں تمہیں اپنے ہاتھ کی بنی کافی بنا کر پلاتا ہوں۔" اس کی آفر پر سوئی کے منہ کے زاویے فوراً بگڑے تھے وہ جانتی تھی وہ کس قدر خراب کافی بناتا تھا۔ اس کی بنائی کافی کا کڑوا ذائقہ منہ میں گھلتا محسوس ہوا تو وہ منہ بنا کر سر جھٹکتی دوبارہ برتنوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اسی پل عدیل کی کراہ چیخ کی صورت بلند ہوئی تو وہ بے ساختہ پلٹ کر اس کی طرف بڑھی جو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ میں پکڑے "اوف اوف" کر رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے اس کا ہاتھ تھام کر دیکھا جو گرم کیٹل لگ جانے کی وجہ سے اب سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں تکلیف کے اثرات بڑے واضح تھے اس نے اپنے دل میں اس کی تکلیف کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔ اس لیے ساری ناراضی بھلائے خفا سے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"جب کچھ کرنا نہیں آتا تو پھر کرتے کیوں ہو.....؟"
اس کا صاف اشارہ اس کے کافی بنانے کی طرف تھا۔

"تمہاری ناراضی بھی تو کسی طرح ختم کرنا تھی۔"
وہ فٹ سے بولا۔

"لازمی تو نہیں ہے کہ تم ہاتھ جلا کر مجھے راضی

کرو۔" متاثرہ حصے پر کریم لگاتے ہوئے ذرا سا جھک کر ہولے سے پھونک مارتی وہ مصروف سے انداز میں بولی تھی جبکہ اس کی نظر اس پر ٹکی تھی جو اس کی معمولی سی تکلیف پر ساری ناراضی بھلائے اس کی جلن کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی نظروں کے تقاضے پل میں بدلے اور نرم گرم سے جذبات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

"پھر تم ہی بتا دو۔ آئندہ کبھی ناراض ہو تو کس طرح مناؤں تمہیں....؟" اس کے ملامت بھرے لہجے پر غور کیے بنا اس کے لفظوں پر گھور کر دیکھا گیا تھا۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ تم مجھے ناراض کرو۔" پل میں منہ پھولا تھا اس کی فٹ سے چڑھتی ناک دیکھ کر اس کا دل بڑی بری طرح مچلا تھا۔

"نہیں.... میں کبھی مر کر بھی تمہیں ناراض کرنا نہیں چاہوں گا۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر سامنے کھڑی اپنی جیون ساتھی کے پھولے گال کو نرمی سے سہلایا جبکہ سونی نے اس کے بدلتے موڈ کو دیکھ کر گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔ جس کی نگاہوں میں اس کے لیے پیار ہی پیار تھا۔ اس کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ فوراً نگاہ جھکا گئی تھی۔

"اور آج بھی تمہیں ہرٹ کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ تو بالکل اچانک ہی زویا کی طرف جانا پڑا تو وقت پر تمہارے پاس نہ پہنچ سکا۔" اس کی نظروں کی تحریر پڑھتے ہوئے گھبرا کر اس سے فاصلے پر ہوتی سونی اس کے منہ سے زویا کا نام سن کر فوراً اس کی طرف پلٹی تھی۔

"زویا کی طرف....؟ وہ یہاں کہاں سے آگئی....؟" حد درجہ حیرت لیے وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"ہاں وہ پاکستان سے باہر چلی گئی تھی۔ اب وہ واپس آگئی ہے۔"

"اچھا.... تو اس لیے تم پہلی فرصت میں اس سے ملاقات کرنے پہنچ گئے....؟" ہر لفظ کو چبا کر ادا کرتے اس نے شک بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ارے.... نہیں.... ایسی بات نہیں ہے۔" اس کی غلط فہمی دور کرنے کو وہ فوراً "واضحتاً" بولا۔

"پھر کیسی بات ہے؟" تیکھے چتونوں سے گھورا گیا تھا' مگر جواب لینے سے پہلے ہی وہ دوبارہ بولی تھی۔

"آئی کانٹ بلیو.... مجھے انتظار کرتا چھوڑ کر تم زویا سے ملنے چلے گئے۔" بے یقینی کی انتہا تھی۔ عدیل ایک دم جھنجلا کر بولا۔

"تم مجھ پر شک کر رہی ہو....؟"

عدیل نے حیرت و افسوس کے ملے جلے تاثرات لیے اس کی طرف دیکھا جو اس کی بات پوری سنے بنا ہی شک کی چادر اوڑھے اس کو گھورے جا رہی تھی۔ زویا کے متعلق تفصیل بتانے کا ارادہ کرتے ہوئے اس نے ذرا سے لب کھولے' مگر اس کی شکی نگاہیں دیکھ کر وہ دوبارہ لب بھینچ گیا وہ پہلے سے کہیں زیادہ خفا دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اس کو منانے کے چکر میں وہ اسے مزید ناراض کر چکا تھا' مگر اس بار اس کی ناراضی سراسر بے بنیاد تھی وہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر کچن سے باہر جانے کو آگے بڑھی تھی جب اس نے پیچھے سے پکار کر کہا۔

"کل تیار رہنا۔ میں تمہیں شاپنگ کرانے لے چلوں گا۔" اس نے پلٹے بنا ایک پل کے لیے رک کر اس کو سنا' مگر کوئی بھی جواب دیے بنا تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز تھوڑی دیر آفس میں کام کرنے کے بعد ڈیڈی کو بتا کر وہ واپس گھر چلا آیا' مگر سونی اس کا انتظار کیے بنا پنکی' ارحم کو لیے نبیل کے ہمراہ بازار جا چکی تھی۔ وہ مایوسی سے لب بھینچتا سونی کی ناراضی کا سوچ کر رہ گیا۔ اب اس کے پاس کرنے کو کچھ بھی نہیں تھا اس لیے یونہی بے مقصد چلتا ہوا اپنی ماں اور چچی کے پاس چلا آیا۔ جو صحن میں بیٹھی موسم سرما کی نرم گرم دھوپ کو انجوائے کر رہی تھیں اسے بے وقت سامنے دیکھ کر شائستہ بیگم نے ہلکی سی پریشانی سے پوچھا۔

"عادی! تم اس وقت یہاں؟ سب خیریت تو ہے؟"

"جی ممی! سب خیریت ہے۔ بس میرے سر میں ہلکا سا درد تھا اس لیے میں گھر چلا آیا۔" اپنے آنے کی اصل وجہ گول کرتے ہوئے اس نے بہانہ بنایا۔ ان کے درمیان اپنے لیے جگہ بنا کر سکون سے لیٹ گیا ابھی اسے لیٹے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس کے سیل فون کی میسج ٹون بجی تو وہ اٹھ بیٹھا اس نے چیک کیا۔ زویا کی طرف سے میسج آیا تھا وہ اس کی منتظر تھی۔ اس کا میسج پڑھ کر اسے یاد آیا کہ اسے زویا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔ وہ فوراً" اٹھ کھڑا ہوا اسے اٹھتے دیکھ کر ان دونوں نے بیک وقت اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ ان کی نظروں کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ایک ضروری کام سے مجھے ابھی جانا ہوگا۔ کچھ دیر تک فری ہو کر واپس آجاؤں گا۔" سیل فون سائڈ پاکٹ میں رکھتے ہوئے اس نے جھک کر گاڑی کی چابی اٹھائی اور مسکراتا ہوا باہر کی طرف بڑھ گیا اگلے دس منٹوں میں وہ زویا کے گھر کے سامنے تھا اس نے ہارن دیا تو پہلے سے اس کی منتظر زویا فوراً" گیٹ سے باہر آئی تھی فرنٹ ڈور کھول کر جیسے ہی وہ اس کے برابر براجمان ہوئی اس نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے حوالے کر کے گاڑی کو ڈاکٹر طارق جمیل کے کلینک کے راستے کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو ڈاکٹر انکل۔۔۔" چیئر گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے اس نے کسی فائل کی تلاش میں مصروف ڈاکٹر طارق جمیل کو ہیلو کہہ کر جیسے اپنے آنے کی خبر دی تھی۔

"ہیلو میڈ گرل۔۔۔" جواباً" انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"دس از ناٹ فیئر۔۔۔ ڈاکٹر انکل۔۔۔ آپ ہمیشہ مجھے میڈ گرل کہتے ہیں۔" منہ بنا کر احتجاج بلند ہوا تھا۔

"ہاں تو ایسے کام مت کرو۔ جس وجہ سے تمہیں میڈ بلایا جائے۔"

"میں نے کیا کیا۔۔۔؟" اس نے فوراً" معصوم بن کر سوال کیا تھا۔ اس کے برابر میں بیٹھے عدیل چپ چاپ ان دونوں کی اس تکرار سے لطف اٹھا رہا تھا۔

"سب سے غلط کام تو تم نے یہ کیا کہ اپنے ڈیڈی کو کچھ بھی نہ بتانے کی مجھ پر پابندی لگا دی۔" کچھ کچھ خفا انداز میں کہتے انہوں نے شکایتاً" اس کی طرف دیکھا تو وہ خواہ مخواہ ان سے نظر چرا گئی۔

"وہ تمہارا باپ ہے زویا۔۔۔ اسے حق ہے کہ وہ تمہارے متعلق اچھی بری ہر خبر سے آگاہ رہے۔" اس بار ان کا انداز سراسر سمجھانے والا تھا' مگر زویا فوراً" تڑخ کر بولی تھی۔

"تو کیا یہ ضروری ہے کہ میرے متعلق خبروں سے آگاہی انہیں کوئی تیسرا دے۔۔۔؟"

"وہ میرے باپ ہیں ڈاکٹر انکل۔۔۔ انہیں خود میری ہر خبر سے آگاہی ہونی چاہیے؟" حد درجہ تلخ انداز میں کہتے ہوئے آخر میں وہ ایک پل کے لیے دکھی ہوئی تھی' مگر دوسرے ہی پل خود کو سنبھالے وہ پہلے سے شگفتہ انداز میں ان سے پوچھنے لگی تھی۔

"خیر آپ بتائیں۔۔۔ رپورٹس میں ایسا کیا نکل آیا جو آپ کو مجھے بلانا پڑ گیا۔۔۔؟" اس کو اس طرح مسکرا کر سوال کرتا دیکھ کر ڈاکٹر طارق نے بہت دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہیں برین ٹیومر ہے زویا۔۔۔" سرسراتے لہجے میں انہوں نے جیسے دھماکا کرنا چاہا تھا' مگر۔۔۔ ان کی بات کے ردعمل کے نتیجے میں بس ایک پل کو زویا کے لب خاموش ہوئے تھے پھر دوسرے ہی پل اس کی آواز نے اس سکوت کو توڑ ڈالا تھا۔

"تو کیا ہوا ڈاکٹر انکل۔۔۔ برین ٹیومر بھی تو انسانوں کو ہی ہوتا ہے نا۔" زندگی سے پر آواز میں لاپروائی بہت نمایاں تھی۔ عدیل نے حد درجہ حیرت سے اس کی طرف دیکھا جو پیپر ویٹ کو ہتھیلی میں رکھے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے اسے گھماتے ہوئے ہر چیز سے بے نیاز دکھائی دے رہی تھی یا شاید بے نیاز نظر آنے کی اداکاری کر رہی تھی۔ وہ پورے کا پورا اس کی طرف مڑ گیا۔ جبکہ ڈاکٹر طارق دکھ سے اسے کہہ رہے تھے۔

"اپنے متعلق ایسی بات سن کر تمہیں ڈر نہیں لگا

زویا۔۔۔؟" ان کی بات پر پیپرویٹ کے گرد گھومتے اس کے ہاتھ کی گردش کو زوال آیا اور اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈر تو مجھے اس وقت بھی نہیں لگے گا جب آپ مجھے کہیں گے کہ زویا بس اب تم مرجاؤ گی۔" سفاکی کی انتہا تھی۔ عدیل کانپ کر رہ گیا۔ دکھ اور اذیت کی بھٹی میں تپ کر وہ اب پتھر ہونے کو تھی، مگر وہ اسے اس طرح پتھر ہونے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی زندگی کے ساتھ اس کے دوست کی خوشیاں جڑی تھیں جو کسی بھی عہدو پیماں کے بغیر بڑے صبر سے اس کے لوٹ آنے کے انتظار میں سانس لے رہا تھا۔ اسے زویا کو پتھر ہونے نہیں دینا تھا۔ اس لیے وہ فوراً" بولا تھا۔

"ابھی تو پہلی اسٹیج ہے زویا۔ اگر تم چاہو گی تو بہت جلد پہلے کی طرح سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اچھا۔ پھر کیا ہو گا۔؟" اس پل اس کے لفظوں کے ساتھ اس کی نگاہیں بھی خالی سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اور عدیل کے پاس۔ اس کے سوال کے جواب میں کہنے کو تو بہت کچھ تھا مگر اسے قبل ازوقت کچھ بھی کہنا مناسب نہ لگا۔ اس لیے دل میں اُمڈتے سب ہی لفظوں کا گلا گھونٹ کر بس اتنا بولا۔

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ بس تم امید اچھی رکھو۔" اس کے ہاتھ پر ہولے سے دباؤ ڈال کر اس نے یقین کی ڈور کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں تھمانا چاہا تھا۔ جسے تھامنے سے پہلے اس نے ایک نظر اس نے اپنے ہاتھ کو تھامے اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ جس کی مضبوط گرفت کا احساس یقین دلانے کو کافی تھا۔ اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر اس یقین کو اپنے دل میں اتارا۔ اور بے خودی کی سی کیفیت میں بولی۔

"میں ٹریٹمنٹ کے لیے تیار ہوں۔" بڑے میکانکی انداز میں اس کے لبوں سے وہ لفظ ادا ہوئے جنہیں سن کر عدیل کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر طارق نے بھی شکر ادا کیا تھا۔ زندگی سے بے زار اس لڑکی کو اپنے علاج کے لیے راضی ہوتے دیکھ کر ڈاکٹر طارق فوراً" آگے کے پروسیجر کے متعلق اسے آگاہ کرنے لگے تھے۔ جسے اس نے توجہ سے سنا۔ اور ان کی تمام ہدایات پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر اچھی سی چائے پینے کے بعد ڈاکٹر طارق سے اجازت لے کر اس کے کلینک سے نکل آئے۔ لنچ کا وقت ہو رہا تھا۔ عدیل کا ارادہ گھر جا کر لنچ کرنے کا تھا۔ مگر زویا کے کہنے پر وہ اسے قریبی ہوٹل میں لنچ کے لیے آئے۔

☼ ☼ ☼

یونائیٹڈ مال سے شاپنگ کرنے کے بعد جب وہ واپسی کے لیے نکلے۔ تو ان کا ارادہ سیدھا گھر جانے کا تھا۔ مگر جب گاڑی ہوٹل کے سامنے سے گزری تو سونی نے شور مچا کر نبیل کو گاڑی روکنے پر مجبور کر دیا۔

"ہمیں یہاں سے لنچ کرنا ہے۔" ہوٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بیک ڈور کھول کر ارحم سمیت باہر نکل آئی تھی۔ ان کو اترتے دیکھ کر پنکی بھی ان کا ووٹر بن کر فوراً" گاڑی سے اتری تھی۔ نبیل حیرت سے ان کی ساری کارستانی کو ملاحظہ کر رہا تھا۔

"ہرگز نہیں۔ تم لوگ پہلے ہی میری جیب تقریباً" خالی کرا چکی ہو۔ میں اب ایک روپیہ نہیں خرچنے والا۔" سارے تکلف ایک طرف رکھ کر نبیل نے کنجوسی کی انتہا دکھائی تھی۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔؟" بنا بولے نبیل نے اثبات میں سر ہلایا۔ اچانک کچھ سوچ کر پرجوش سی سونیا پنکی کے قریب ہوئی۔

"تم کہو اسے۔"

"میں۔؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا۔

"میرے کہنے سے یہ مان جائے گا۔؟"

"مان جائے گا۔؟ ارے سر کے بل گاڑی سے باہر آئے گا تم کہہ کر تو دیکھو۔"

"اور اگر نہ آیا تو۔؟" وہ کہنے سے ہچکچا رہی تھی۔ وہ جھنجلا گئی۔

"اف ہو۔ اب کہہ بھی چکو۔" سونیا نے اسے آگے کی طرف دھکیلا۔ تو وہ لب کچلتی دھیمی رفتار سے چلتی

نبیل تک آئی۔ پھر ذرا سا جھک کر بولی۔

"نبیل پلیز۔ اب مان بھی جاؤ ناں۔" اس کے دھیمے سے انداز میں ایک آس تھی اور سب سے بڑھ کر محبت کا مان تھا۔ نبیل واقعی سر کے بل گاڑی سے باہر آیا۔ اور بنا کوئی چوں چراں کیے انہیں اپنے ہمراہ لیے ہوٹل میں انٹر ہو گیا۔

"اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ تم پنکی کے ایک بار کے کہنے پر ہی لنچ کے لیے راضی ہو جاؤ گے تو میں ڈائریکٹ پنکی سے فرمائش کرنے کو کہہ دیتی۔" چکن منچورین پلیٹ میں نکالتے ہوئے۔ مکمل شرارت کے موڈ میں نبیل کی طرف جھکی مسلسل اسے چھیڑ رہی تھی جب پنکی کی آواز نے اسے چونک کر اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

"یہ عدیل بھائی ہی ہے نا؟ مگر یہ ان کے ساتھ کون ہے۔" سونی سمیت ان سب نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ اور حیران و ششدر رہ گئے۔

"عدیل بھائی کے ساتھ لڑکی۔؟" ارحم نے سب سے پہلے اپنی حیرت کو لفظوں کی زبان دی تھی۔

"کوئی کولیگ ہوگی۔" پنکی نے اپنا خیال پیش کیا۔

"نہیں۔ اس لڑکی کو میں نے آفس میں کبھی نہیں دیکھا۔" نبیل نے فوراً" اس کے خیال کی تردید کی تھی۔

"یہ عدیل کی کلاس فیلو ہے۔ زویا۔" زویا اور عدیل پر نظر ٹکائے خاموش بیٹھی سونی نے سپاٹ لہجے میں بتاتے ہوئے انہیں حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگایا تھا۔

"ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ کون ہے یہ لڑکی جسے عدیل اپنے ساتھ یہاں تک لے آیا ہے۔" بڑے بڑے قدم اٹھاتا ہوا نبیل ان کے سر پر پہنچا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی عدیل نے فوراً" سوال کیا تھا۔

"نبیل تم یہاں۔؟"

"یہی تو میں تم سے پوچھنے آیا ہوں۔" جواب دینے کے بجائے الٹا اسی سے سوال کیا۔

"زویا کو بھوک لگی تھی اس لیے ہم یہاں لنچ کے لیے آ گئے۔" اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے اسے بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کی آفر کی تھی۔

"آؤ۔ تم بھی بیٹھو۔"

"سوری۔ میں یہاں اپنی فیملی کے ساتھ آیا ہوں۔" ذرا سا مڑ کر ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے بڑی صفائی سے اس پر طنز کیا تھا۔ جس پر غور کیے بنا اس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ ارحم اور پنکی کی درمیان بیٹھی کاٹ دار نظروں سے اپنی طرف دیکھتی سونی کو دیکھ کر اس نے بے ساختہ سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ ابھی تک وہ اس کی پچھلی غلط فہمی کو دور نہیں کر سکا تھا کہ اب ایک اور غلط فہمی نے جنم لیا تھا۔

"چلو پھر تمہاری فیملی کو بھی انوائٹ کر لیتا ہوں۔" زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کی طرف بڑھا۔ زویا بنا کوئی سوال کیے ہلکی سی حیرانگی لیے ان کی باتوں کو سن رہی تھی۔ جبکہ عدیل کو اپنی طرف آتے دیکھ کر سونی لب بھینچ کر اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

"میں گاڑی میں تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہوں۔" تیز تیز قدم اٹھاتی وہ ہوٹل سے باہر نکل گئی تھی۔ غصے سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ باہر جاتی سونی کو عدیل کے ساتھ ساتھ نبیل نے بھی دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک دو ضروری کام نمٹانے کے بعد جس وقت وہ گھر پہنچا شام اپنے پر پھیلا چکی تھی۔ رات کے کھانے میں ابھی کچھ ٹائم باقی تھا۔ اس لیے وہ ڈرائنگ میں بیٹھے سب کے درمیان آن بیٹھا۔ صبح وہ ڈیڈی کو بتا کر گیا تھا اس لیے آج اس سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں ہوا تھا۔ البتہ نبیل کی کاٹ دار، شک میں ڈوبی گھورتی نگاہیں مسلسل اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ اس لیے ڈیڈی کے پاس سے اٹھ کر نبیل کے برابر میں آن بیٹھا۔

"کیوں اس طرح گھورے جا رہے ہو۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بنا نیچی آواز میں پوچھا۔

"بہت بھولے ہو نا تم۔ جیسے جانتے ہی نہ ہو۔"

فوراً" طنز کا تیر چلا تھا۔ اس سے تو ایک سونی سنبھل نہیں رہی تھی کہ اب نبیل بھی۔ وہ فوراً" گہری سانس بھر کر سیدھا ہوا تھا۔

"جیسا تم سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے ایک بار پھر اپنی صفائی دینا چاہی تھی۔

"تو پھر کیا ہے۔" عدیل کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے فوراً" پوچھا۔

"سنو گے تو ضرور بتاؤں گا۔" عدیل نے پل میں اسے اپنا ہمراز کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"بتاؤ گے تو ضرور سنوں گا۔" وہ دوبدو بولا۔

"ہوں۔" عدیل نے ہنکارا بھر کر پھر کچھ بھی بتانے سے پہلے اس سے سونی کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"تمہارے کارنامے سے ہرٹ ہو کر پنکی کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی ہے۔" ایک بار پھر طنزیہ جواب ملا تھا۔ اس نے لب بھینچ کر اس کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"سونی فضول کی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔"

"اچھا۔" نبیل کی لب و نظر ہنوز اسی انداز پر اٹکے تھے۔

"ہاں۔" عدیل دھیمے سے انداز میں آہستگی کے ساتھ نبیل کو زویا کے متعلق بتانے لگا۔ جیسے جیسے وہ بتا رہا تھا نبیل شرمندگی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب وہ سب بتا چکا تو شرمندہ سے لہجے میں اس سے معذرت کرنے لگا۔

"آئی ایم سوری عادل۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس لیے ہو۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تم پر شک کیا۔" وہ حقیقتاً" کافی شرمندہ دکھائی دے رہا تھا اسے یوں شرمندہ ہوتے دیکھ کر اس کی شرمندگی دور کرنے کو وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ریلیکس کرنے کو بولا۔

"تمہاری اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا بھی مجھے اس طرح کسی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر مجھ پر شک کر سکتا ہے۔" ذرا توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

"تمہاری غلط فہمی تو میں نے دور کردی۔ مگر اب سونی کا کیا کروں جو میری بات سننے کو تیار نہیں ہے۔"

"تسلی سے اسے سمجھاؤ تو وہ بھی سمجھ جائے گی۔" نبیل نے اسے راہ سجھانی چاہی تھی مگر وہ فوراً" انکار میں سر ہلاتا بولا۔

"کتنی بار اسے سمجھانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ مگر ہر بار انجانے میں مجھ سے کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جو اسے مجھ سے پہلے سے زیادہ بدگمان کر دیتی ہے۔" وہ کافی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اب کی بار اس کی شدید پریشانی اس کے لفظوں سے بھی عیاں ہونے لگی تھی۔

"اور اب تو وہ منانے اور سمجھانے کے سارے راستے بند کر کے خالہ کی طرف چلی گئی ہے۔" کس قدر مایوس دکھائی دے رہا تھا وہ نبیل اس کی حالت سے حظ اٹھاتا مسکرا دیا۔

"ذرا سی جدائی پر اتنے دل گرفتہ کیوں ہو رہے ہو میرے بھائی۔؟ ساری عمر کے لیے تھوڑی نہ گئی ہے محترمہ۔ آنا تو اس نے یہیں ہے۔ اور ویسے بھی دو دن بعد تمہاری برتھ ڈے بھی تو ہے۔؟ وہ جتنا بھی غصہ ہو لاکھ تم سے ناراض ہو۔ مگر مجھے یقین ہے وہ تمہیں وش کرنے ضرور آئے گی۔" نبیل نے بروقت اسے اس کی برتھ ڈے یاد کرا کہ اس کی ڈھارس بندھائی تھی۔

"کون آئے گی؟" ڈیڈی نے سوال کیا تھا۔

"سونی کی بات کر رہا ہوں ڈیڈی۔" عدیل کے ہاتھ دبا کر منع کرنے کے باوجود اس نے سچ بولا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ جبکہ ڈیڈی نے اس کی بات سن کر مسکرا دیے اور بولے۔

"سونی اور عدیل کے نکاح کو پانچ سال کا عرصہ ہونے کو ہے۔ اتنا عرصہ کافی ہوتا ہے۔ اب ہمیں ان کی رخصتی کی رسم بھی کر لینی چاہیے۔" انہوں نے استفہامیہ نظروں سے منال بیگم اور نذیر کی طرف دیکھا۔ جو ان کی بات سن کر مسکرا رہے تھے۔ ان کی مسکراہٹ میں چھپے اقرار کو پا کر انہوں نے کب سے چپ بیٹھے عدیل سے کہا۔

"ہاں بھئی دولہے میاں۔ تم کہو کیا کہتے ہو۔؟"
عدیل تو پہلے ہی سونی کو گھیرنے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اب اس طرح قدرت کی طرف سے ملنے والے بہترین موقع کو پاکر ایک دم بولا تھا۔

"مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے ڈیڈی۔ جیسے آپ لوگوں کو بہتر لگے۔" اس کو اس طرح فٹ سے جواب دیتے دیکھ کر ان سب کی بے ساختہ ہنسی چھوٹی تھی۔

"واہ بھائی۔ آپ کی اس تابع داری پر قربان جانے کو دل چاہ رہا ہے۔" اس بار شرارتی سے معیز نے اس کی ٹانگ کھینچی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب ان سب نے مل کر اس کی واٹ لگادینی تھی اس لیے خود کو ان کے متوقع نرغے سے بچاتا وہ تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
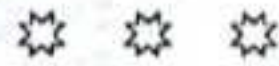
رات بارہ بجنے میں دس منٹ پہلے سے وہ سیل فون سامنے رکھے بیٹھا تھا۔ اور اب بارہ بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ اسے اب تک سب کی وشز وصول ہو چکی تھی۔ سوائے سونی کے۔ جس کی وشنگ کا وہ بے قراری سے منتظر تھا۔ مگر اس کی بے قراری' بے سکونی میں بدل کر اسے بے خواب کر گئی تھی۔ انتظار کی سولی پر لٹکے اسے بارہ سے ایک' ایک سے دو اور پھر صبح ہو گئی۔ مگر اس سنگ دل لڑکی نے نہ اسے وش کرنا تھا نہ ہی اس نے وش کیا۔ اس کا انتظار' انتظار ہی رہ گیا اذیت بھرے رت جگے کی بدولت اگلی صبح آف موڈ کے ساتھ اس نے سب کو اپنی برتھ ڈے کو لے کر کوئی بھی سیلیبریشن کرنے سے سختی سے منع کیا اور ناشتا کیے بنا گھر سے نکل گیا۔ آفس میں سارا دن اس نے جان بوجھ کر خود کو فائلوں میں الجھائے رکھا تھا۔ مگر اس کے باوجود نجانے کس جذبے کے تحت وہ وقتاً" فوقتاً" سامنے رکھے سیل فون پر نظر ڈال لیتا تھا۔ مگر ہر بار اس کی نظر کو نامراد لوٹنا پڑا تھا۔ شام سے ذرا پہلے وہ گھر میں داخل ہوا۔ ارادہ تو سیدھا اپنے کمرے میں جانے کا تھا۔ مگر ٹی وی لاؤنج سے آتی آوازوں پر خوش فہمی کا شکار ہو کر اس کے قدم میکانکی انداز میں لاؤنج کی طرف اٹھے تھے۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ کیونکہ اس کی نظر کے سامنے زویا تھی۔ جو کہ شائستہ بیگم سے بڑے خوشگوار موڈ میں گفتگو کر رہی تھی۔

"زویا تم یہاں۔؟" اپنی حیرت کو لفظوں میں ڈھالی وہ نزدیک پہنچا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میں یہاں۔" اس کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ تھی۔

"مجھے یہاں دیکھ کر تمہیں حیرت ہو رہی ہے نا۔؟" اس کے تاثرات سے حظ اٹھاتی وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں۔ مگر مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم میرے گھر تک کیسے پہنچ گئی؟" اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی شائستہ بیگم کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"بس دیکھ لو۔ میری لگن سچی تھی اس لیے میں یہاں تک پہنچ گئی۔" اپنے کارنامے پر وہ فخریہ بول رہی تھی۔ عدیل مسکرا دیا۔

"اچھا جی۔ مان گئے۔ آپ کی لگن کو۔" اس کو جواب دیتا وہ اپنی ماں کی طرف رخ کرتا بولا تھا۔

"ممی! میں اسے آپ لوگوں سے ملوانے ہی والا تھا۔ مگر میرے ملوانے سے پہلے ہی یہ آفت خود آپ تک پہنچ گئی۔"

"جانتی ہوں تمہارے ملوانے کو ست انسان۔ اچھا کیا جو یہ خود ملنے آگئی۔" پرانی بات کے حوالے سے اس پر طنز کرتے ہوئے شائستہ بیگم پر سوچ نگاہوں سے زویا کی طرف دیکھا تھا عدیل کی جب ان پر نظر پڑی تو انہیں زویا کو اس طرح جانچتی نظروں سے دیکھتے پاکر وہ ذرا دیر کو حیران ہوا۔ مگر پھر سر جھٹک کر دوبارہ زویا کی طرف متوجہ ہوا جو مسکرا کر انہیں بتا رہی تھی۔

"آنٹی۔ میں آج عادی کی برتھ ڈے پر اسے سرپرائز کرنے ہی آئی ہوں۔" انہیں اپنے آنے کی وجہ بتاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر عدیل کو حیران کیا تھا۔

اتنے سال پہلے بتائی جانے والی اپنی ڈیٹ آف برتھ

کے متعلق اس کے منہ سے سن کر اسے حقیقتاً" حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"تم کون سی قسم کے بادام کھاتی ہو زویا؟ جو ہر بات اپوائنٹ سمیت تمہارے کمپیوٹر دماغ میں فیڈ رہ جاتی ہے؟" اس کی یادداشت کو سراہتے ہوئے اس نے اس کی طرف دیکھا تو وہ ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ ماحول خاصا خوشگواریت لیے ہوئے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر مسکراہٹ جمی تھی۔ ماحول کی خوشگواریت کو محسوس کرتے ہوئے زویا نے بڑے دل نشین انداز میں کہا تھا۔

"دل میں رہنے والوں کی باتوں کو یاد رکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ڈیر عادی... ان کی باتیں تو روز اول کی طرح یاد رہ جاتی ہیں۔" اس کے لفظوں کی شدت سے بے خبر شائستہ بیگم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا جبکہ عدیل اس کی بات پر غور کیے بنا لاؤنج کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی سونی کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سونی کے چہرے سے صاف پتا لگ رہا تھا کہ اس نے زویا کے کہے ہر لفظ کو سن لیا ہے۔ اپنے گھر میں اپنوں کے درمیان کھڑے ہونے کے باوجود اس کے قدم چوکھٹ کو پار کرنے سے انکاری تھے۔ اس نے واپسی کے لیے ایک قدم پیچھے ضرور کیا تھا۔ مگر اس کے برابر کھڑی پنکی نے اس کے بازو کو سختی سے دبوچ کر اسے اپنی جگہ چھوڑنے سے منع کیا تھا۔

"آج تم پیچھے نہیں ہٹو گی سونی۔" اس کی سرگوشی پر سونی نے نظر گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی نظروں سے جھلکتی تنبیہہ کو پا کر وہ لب بھینچ کر نظر گھما گئی۔ "آگے بڑھو۔" اس کے کہنے کے باوجود بھی وہ قدم نہیں بڑھا سکی تھی۔ البتہ اس نے نظر اٹھا کر اس دشمن جان کی طرف دیکھا تھا جو اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر زویا کو گھر تک لے آیا تھا۔ اس ایک خیال کے آتے ہی بدگمانی کی شدید لہر نے اس کے اندر غصے کے الاؤ سے بھڑکا دیے تھے۔ اس نے ایک غصیلی نگاہ زویا کے مسکراتے چہرے کی طرف کی۔ اس سے پہلے

کہ وہ غصے میں آگے بڑھ کر اسے کچھ کہتی... شائستہ بیگم کی نظر اس پر پڑی... تو وہ خوش دلی سے مسکرا کر بولیں۔

"ارے میری سونی میرے گھر کی رونق... وہاں کیوں کھڑی ہو' ادھر آؤ میرے پاس..." اسے سامنے دیکھ کر سب کچھ بھلائے انہوں نے انتہائی محبت سے بانہیں پھیلا دی تھیں... اور سونی ان کو اپنی طرف متوجہ پا کر اپنے غصے کو دباتی سر جھٹک کر ان کے قریب آئی تو انہوں نے پنکی کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔

"ممی اور باقی سب کہاں ہیں تائی امی..."

"بس کچھ مت پوچھو... آج تو نہ جانے ان سب کو کن کاموں نے الجھایا ہوا ہے۔ جو یہ فارغ ہو کے نہیں دے رہے... صبح سے بور ہو رہی تھی میں' یہ تو بھلا ہو اس زویا بچی کا جو یہ چلی آئی۔ اس کے ساتھ گپ شپ میں وقت اچھا گزر گیا۔" انہیں اچانک ہی زویا کی موجودگی کا خیال آیا تھا جب کہ اس کے ذکر پر ایک بار پھر سونی کے منہ کا زاویہ بگڑا تھا۔ دوسری طرف عدیل اس کی طرف سے پہنچی ساری اذیت بھلائے صرف اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ آج کے دن سونی نے اسے مایوس نہیں کیا تھا۔

"ہیلو سونیا..." اسے اپنی طرف متوجہ پا کر زویا نے مسکراتے ہوئے ہیلو کیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ بولتی۔ ارحم' نبیل' رمیز اور معوذ کیک لیے اندر داخل ہوئے۔

"تم اپنی خیر مناؤ... یہ زویا بی بی جو آج کے دن بھی ٹپک پڑی ہے' اس کی بدولت مجھے تمہاری خیریت خطرے میں دکھائی دے رہی ہے۔" نبیل نے عدیل کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"بدفعالیں منہ سے نکالنے کی بجائے تم میری اور سونی کی ملاقات کا انتظام کرو۔ آگے میں خود سنبھال لوں گا۔" فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے اس نے نبیل کی طرف دیکھا تو اس نے تسلی دینے کے سے انداز میں سر ہلا کر اسے اپنے ساتھ کا یقین دلایا۔ اتنی دیر میں مثال

بھی کمرے میں پہنچ گئیں۔
"عادی! اب کیک کاٹ لو بیٹا... ورنہ ہماری طرح تمہارے کیک کی کینڈلز بھی بوڑھی ہو جائیں گی۔" ان کے توجہ دلانے پر اس نے مسکراتے ہوئے کیک کے ساتھ رکھی چھری اٹھائی تھی، مگر اس سے پہلے کہ وہ چھری چلا کر کیک کو ذبح کرتا... رمیز شرارت سے بولا۔
"ممی! سوچ لیں آپ خود کو بوڑھا کہہ رہی ہیں... حالانکہ ہم تو آپ کو ابھی تک جوان سمجھ رہے تھے۔" اس نے ایک شرارت بھری نگاہ منال بیگم کے نک سک سراپے پر ڈال کر کہا تھا۔
"ہاں چچی! پلیز خود کو بوڑھا مت کہیں، ورنہ پھر ہمیں بھی اپنی بڑھتی عمر کا احساس ہونے لگے گا۔" معیز نے بھی شرارت میں رمیز کا ساتھ دیتے ہوئے کہا تو پوری محفل زعفران بن گئی... زویا ان کو آپس میں اس طرح فرینک ہوتے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اور جب اس نے رمیز کی بات پر منال بیگم کو مسکراتے دیکھا تو دل کے کسی کونے میں دبے احساس کمتری نے شدت سے سر اٹھانے کی کوشش کی تھی... ذہن میں بہت زور ڈالنے کے بعد بھی اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ اس کی ماں نے کبھی اس کی طرف مسکرا کر بھی دیکھا تھا یا نہیں؟
اپنی ماں کا منال بیگم سے موازنہ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھرا... اور چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا... مگر اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ سوچ کر مزید فرسٹریٹ ہوتی... عدیل نے کیک کاٹ کر ان سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی... فضا ایک دم ہیپی برتھ ڈے کی وشنز سے گونجی تو وہ خود کو سنبھال کر تمام سوچوں کو جھٹکتی گفٹ اٹھا کر عدیل کے قریب آئی اور اس کے برابر پڑی خالی جگہ پر قدرے بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے گفٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شوخی سے بولی۔
"یہ اسپیشلی گفٹ تمہارے لیے... تمہاری پسند کا پرفیوم... جب جب اسے استعمال کرو گے مجھے اپنے قریب محسوس کرو گے۔" سونی جو اسے عدیل کے برابر میں بیٹھتے دیکھ کر پہلے ہی بری طرح جل رہی تھی۔ اب اسے اس طرح شوخی سے چہکتے دیکھ کر اس نے بھنا کر پنکی کی طرف دیکھا تھا جو اسے کب سے عدیل کو گفٹ دینے کا اصرار کیے جا رہی تھی۔
"مل گیا نا تمہارے عدیل بھائی کو اس کا اسپیشل گفٹ... اب مجھے مت کہنا۔" قدرے نیچی آواز میں بھرپور غصے کا عنصر نمایاں تھا۔ پنکی کچھ بھی نہ بول سکی۔ عدیل کے برابر بیٹھے نبیل نے عدیل کے ہاتھ بڑھانے سے پہلے خود ہاتھ بڑھا کر زویا کا گفٹ تھام کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے عام سے انداز میں کہا تھا۔
"خوشبو کے خاص ہونے کا کیا فائدہ مس زویا... ذرا دیر کے احساس کے بعد خوشبو نے بالآخر ہوا میں تحلیل ہو کر ختم ہو ہی جانا ہوتا ہے۔" اس کے لفظ لفظ میں ذومعنیت تھی۔ زویا کھسیا گئی... اس کی کھسیاہٹ محسوس کر کے پنکی اور سونی کے جلتے دلوں کو راحت نصیب ہوئی تھی۔ درمیان میں بیٹھا عدیل چپ ہی رہا۔ شائستہ بیگم ان کی طرف متوجہ ہوتی بولیں۔
"ٹائم گزرتا جا رہا ہے... اب ڈنر کے لیے اٹھ جاؤ... پھر زویا نے گھر بھی جانا ہے۔ اسے دیر ہو جائے گی۔" انہیں اس کی واپسی کی فکر ستائی تھی... ان کی بات سن کر زویا نے بڑی بے فکری سے کہا تھا۔
"دیر ہو بھی گئی تو... کوئی بات نہیں آنٹی... عدیل ہے نا، یہ مجھے گھر چھوڑ آئے گا۔" انجانے میں یا شاید جان بوجھ کر اس نے سونی کے دل کو راکھ کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔ دوسری طرف اس کی بات پر عدیل نے بوکھلا کر سونی کی طرف دیکھا جو پہلے ہی خونخوار نظروں سے اسے گھورے جا رہی تھی اور اب جو اسے اپنی طرف دیکھتے پایا تو جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی... تو خود وہ بھی بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا... انہیں اٹھتا دیکھ کر باقی سب بھی اٹھے اور خوشگوار موڈ میں ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔ سونی ہرگز بھی ڈنر کے لیے تیار نہ تھی۔ مگر پنکی کسی طرح کھینچ کھانچ کر اسے ٹیبل تک لے آئی... مگر شاید آج قسمت اس کا اور عدیل کا ٹاکرا کرا دینا چاہتی تھی۔ اس

لیے اسے بیٹھنے کو جگہ بھی عدیل کے عین سامنے والی چیئر پر ملی۔ بے دھیانی میں۔۔۔ وہ بیٹھ تو گئی۔۔۔ مگر جب نظر سامنے بیٹھے عدیل پر پڑی تو وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی اور کسی کے بھی کچھ بولنے سے پہلے وہاں سے نکل گئی۔

دیکھی ہے بے رخی کی آج ہم نے انتہا
ہم پر نظر پڑی تو وہ محفل سے اٹھ گئے

زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر نبیل کی طرف دیکھا تھا۔ جس نے فوراً" ہی اسے ٹوک کر کہا تھا۔

"یہاں بیٹھ کر ٹھنڈی آہیں مت بھرو۔۔۔ بلکہ قدرت کے فراہم کیے اس بہترین موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور جا کر اپنی ناراض بلبل کو مناؤ۔۔۔" اس کا مشورہ اسے اچھا لگا۔۔۔ سب کھانے میں مصروف تھے' کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ان کی مصروفیت کو غنیمت جان کر وہ تیزی سے پلٹتا باہر آیا تھا۔ اسے خبر تھی کہ سونی اس وقت کہاں ہوگی۔ اس لیے وقت ضائع کیے بنا وہ سیدھا لان میں آیا۔۔۔ جہاں سونی اس کی طرف سے پیٹھ کیے اپنی مخصوص جگہ پر کھڑی تھی۔ وہ دبے قدموں چلتا اس کے قریب آیا۔

"اس بے چارے گلاب کا کیا قصور ہے جو اسے اس طرح پتی پتی نوچ کر بکھیر رہی ہو؟" اس کی آواز پر ایک لمحے کے لیے اس کا حرکت کرتا ہاتھ رکا۔۔۔ مگر دوسرے ہی پل وہ ایک بار پھر اپنی نازک انگلیوں سے بے دردی سے پتیوں پر ظلم ڈھانا شروع ہو چکی تھی۔ عدیل نے ہاتھ بڑھا کر نرمی سے اس کے ہاتھ سے گلاب لے کر کیاری کی طرف اچھالا۔۔۔ اور اس کے ہاتھوں کو تھام کر نرمی سے بولا۔

"اتنی چھوٹی سی ناک پر اتنا بھاری غصہ۔۔۔" اس نے شرارت سے اس کی ناک کو چھوا تو اس نے ایک تیز نظر سے اس کو دیکھ کر اس کے ہاتھ کو جھٹکا۔ عدیل ہنس دیا۔

"جانتا ہوں تمہیں مجھ پر غصہ ہے۔۔۔ مگر اس طرح چپ رہو گی۔۔۔ دور دور رہو گی تو پھر کیسے بات بنے گی۔۔۔ تھوڑا قریب آؤ۔۔۔ پھر جیسے دل چاہے اپنا غصہ نکالو۔ اف بھی نہیں کروں گا۔" عدیل حد درجہ شرارتی موڈ میں اس کے قریب ہوا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے میرے قریب آنے کی۔" تیکھے چتونوں کے ساتھ گھور کر تنبیہی کی گئی تھی۔۔۔ مگر عدیل نے ذرا پروانہ کی۔

"کیوں۔۔۔ قریب کیوں نہ آؤں۔۔۔ بیوی ہو میری۔۔۔ قریب تو میں ضرور آؤں گا۔" اس بار اس کے انداز کے ساتھ ساتھ اس کے لفظوں میں بھی جذبوں کی آنچ بھڑکی تھی مگر وہ ذرا نہ پگھلی۔

"ہاں جانتی ہوں میں کس حد تک بیوی ہوں۔۔۔" اس کو پٹڑی سے اترتے دیکھ کر اسے مزید غصہ آنے لگا تو طنز کا تیر چلاتی واپسی کے لیے پلٹی۔۔۔ مگر اس بار عدیل نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور اس کی کمر میں بازو حائل کر کے اسے قریب کرتے ہوئے بہت پیار سے بولا۔

"حد کی بات مت کرو۔۔۔ ابھی تم نے حد دیکھی نہیں ہے۔۔۔ جب مکمل طور پر میرے پاس آجاؤ گی تب بتاؤں گا میرے پیار کی حد کہاں تک ہے۔" انتہائی لگاوٹ سے ذومعنی بات کہتے ہوئے اس کے چہرے پر جھک کر نرمی سے شرارت کی تھی۔ اس کے رخسار تمتا اٹھے۔

"یو۔۔۔" پوری قوت سے خود کو اس کی گرفت سے چھڑا کر اس نے اسے پیچھے کی طرف دھکیلا تھا۔

"بے ہودہ لوگوں کے ساتھ رہ رہ کر تم خود بھی حد درجہ لفنگے ہو گئے ہو۔" اس کی جرات پر دانت پیستے ہوئے اس نے غصے سے دیکھا تو عدیل ایک دم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اگر میں لفنگا ہوتا تو آج یوں منکوحہ بنی منہ زوری نہ دکھا رہی ہوتیں۔۔۔ بلکہ اس وقت بیوی بن کر شرم سے لجا رہی ہوتیں۔" وہ ہنوز شرارت پر مائل اسے مزید چھیڑنے کو بولا۔

"ممی سے کہتا ہوں۔۔۔ اب تمہیں میری بیوی بنا دیں۔" وہ اس کے غصے کو کسی گنتی میں لینے کی

بجائے اسے مسلسل غصہ بھی دلائے جا رہا تھا۔ اسی لیے اسے شوخ ہوتے دیکھ کر وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"مجھے نہیں بننا تمہاری بیوی۔۔۔ جس حسین ڈائن کے ساتھ ہوٹلنگ کرتے پھر رہے ہو اسی کو بیوی بھی بنالو۔" اس کے اندر کی جلن اس کے لفظوں میں اترنے لگی تھی۔ اس کے انداز پر عدیل نے بمشکل اپنے قہقہے کو دبایا۔۔۔ ورنہ اس کو ہنستے دیکھ کر اس نے مزید خفا ہو جانا تھا۔۔۔ مگر اب جو اس نے زویا کو لقب دیا تو وہ اپنی ہنسی پر کنٹرول نہ رکھ سکا۔

"حسین ڈائن۔۔۔" وہ کتنی ہی دیر اس کی بات کو انجوائے کر کے ہنستا رہا تھا۔ اسے یوں پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ کر وہ منہ بناتی جانے کو پلٹی۔۔۔ تو وہ فوراً" اپنی ہنسی کنٹرول کر کے اس کی طرف لپکا۔

"جا کہاں رہی ہو۔۔۔ اب رکو۔۔۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ سامنے آیا تھا۔

"مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" سائڈ کر کے وہ آگے بڑھنے کو تھی جب اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے بڑھنے سے روکا اور سنجیدہ ہو کر بولا۔

"سونی یار۔۔۔ کہاں سے سیکھ لیا ہے اتنا غصہ کرنا۔" اب کی بار وہ بے بس دکھائی دیا تھا۔ "ادھر جا کر لگ رہا ہے تمہارا غصہ۔۔۔" اس نے ہاتھ سے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے اپنی تکلیف کا احساس کرانا چاہا تھا' مگر وہ کچھ نہ بولی۔ بس اتنا ہوا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہر گئی۔

"کب سے منا رہا ہوں۔۔۔ نہ مان رہی ہو۔۔۔ نہ ہی میری بات سننے کو تیار ہو۔۔۔ ایسے کیسے غصہ ختم کروں میں تمہارا؟" بے بسی سے اس نے اس کی طرف دیکھا۔ اسی پل سونی نے اس کی نظروں میں دیکھا۔ کچھ تو تھا اس کی نظروں میں۔۔۔ اس نے اپنے دل میں کچھ گنجائش محسوس کی تھی۔ دل میں نرمی پیدا ہوئی تو اس کے چہرے کے تنے نقوش بھی ڈھیلے پڑے تھے۔ اس کی بدلتی کیفیت محسوس کر کے عدیل نے کہا۔

"تم خوامخواہ ہی بے چاری زویا کو اپنا رقیب بنائے ہوئے ہو' حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"بے چاری زویا۔۔۔ اونہہ۔۔۔ بڑا خیال ہے تمہیں اپنی زویا کا۔۔۔" شعلہ بار نگاہوں سے گھورا گیا تو اسے اپنی غلطی کا فوری احساس ہوا تھا۔ اس لیے فوراً" بوکھلا کر بولا۔

"میری زویا کیوں ہونے لگی۔۔۔ وہ تو علی۔۔۔" اس نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی۔ اس سے پہلے سونی نے ہاتھ اٹھا کر اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

"اب بس کرو عدیل۔۔۔ مجھے اب تمہاری کوئی بھی بات نہیں سننی ہے۔" قطعی انداز میں کہتے ہوئے وہ مزید بولی۔

"شروع دن سے علی بھائی کا نام لے کر تم کس طرح اپنا راستہ ہموار کرتے رہے ہو۔۔۔ اور اب جب راستہ صاف ہو گیا تو تم اپنی زویا کے ساتھ ملاقاتیں کرنے کے لیے اسے گھر تک لے کر آنے لگے ہو؟" سفاکی کے ساتھ الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اس نے ایک نظر تک اس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ جو حیرت و صدمے سے گنگ کھڑا اسے یوں زہر اگلتے سن رہا تھا۔ اتنے وار کرنے کے بعد بھی اس کا دل نہیں بھرا تو طنزیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر مزید بولی۔

"تم نے علی بھائی کا بھی خیال نہیں کیا۔۔۔ دوستی کے رشتے کی آڑ میں ان کی پیٹھ پر کس قدر گہرا وار کیا ہے۔ ان کو علم ہو گا تو ان پر کیا گزرے گی؟" اس بار وار خاصا کاری تھا' جس نے اس کے ضبط کی ساری حدیں ختم کی تو وہ چلا اٹھا۔

"سونیا۔۔۔"

"چلاؤ مت۔۔۔ تمہارے چلانے سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔" وہ بنا ڈرے اسی انداز میں بولی تو وہ غصے سے بھنا کر بولا۔

"کوئی حقیقت نہیں جانتی ہو تم۔۔۔ سمجھیں۔۔۔" کچھ کہنے کو اس نے ایک بار پھر لب کھولے تھے' مگر دوسرے ہی پل اس نے اپنی زبان کو دانتوں تلے دبالیا۔

وہ کیوں اسے کچھ بتائے۔۔۔ جب وہ کچھ سننے کو راضی ہی نہیں تھی' پھر سب کچھ تو اس نے خود فرض کر لیا تھا۔۔۔ اس کے کچھ بتانے کی گنجائش ہی کہاں

چھوڑی تھی اس نے۔۔۔ سختی سے لبوں کو بھینچ کر اس نے افسوس سے دائیں بائیں سر ہلایا۔ اب تو وہ کسی صورت بھی اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب اسے اس پر یقین ہی نہیں تھا تو پھر اپنی صفائی دے کر اپنے لفظوں کو بے اعتبار کیوں کرتا؟ اس نے جو سوچ لیا تھا۔۔۔ اس کے لیے وہی سچ تھا۔ سونی اسی طرح بدگمانی کی چادر میں لپٹی بولی تھی۔

"جو میں جانتی ہوں وہی کافی ہے۔۔۔ اس سے زیادہ نہ تو مجھے کچھ جاننے کی چاہ ہے۔۔۔ نہ ہی مجھے کچھ سننا ہے۔" نخوت سے کہہ کر وہ بے گانگی سے رخ موڑتی اس سے دور ہو کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔۔۔ جبکہ وہ تنہا کھڑا اس کے نقش پا کو افسوس بھری نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼
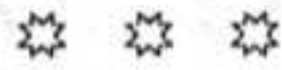
کتنے ہی روز سے وہ ہر چیز سے لاتعلق دکھائی دے رہا تھا۔۔۔ عین ممکن تھا کہ وہ کچھ روز مزید اس کیفیت میں رہتا تو خود سے بھی لاتعلق ہو جاتا۔۔۔ ایسے میں اسے زویا کا فرمائشی ٹیکسٹ موصول ہوا۔ "عادی! اتنے روز سے کہاں غائب ہو؟ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

جس وقت وہ ہوٹل میں داخل ہوا پانچ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ وہ ایک طرف پڑی خالی ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ ویٹر اس سے آرڈر لے کر جا چکا تھا۔ اب بس زویا کا انتظار تھا۔ توقع کے عین مطابق اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ پورے پانچ بجے زویا اس کے سامنے کھڑی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"آج تم مجھ سے پہلے آ گئے۔" اس کی حیرت پر وہ مسکرا کر بولا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے سوچا ہر بار تم انتظار کرتی ہو۔ آج میں تمہارا انتظار کر لوں۔"

"اوہ۔۔۔ ڈیٹس گریٹ۔" اس کی بات نے اسے حقیقی خوشی سے ہمکنار کیا تھا۔ اس لیے وہ دل سے کھل کر مسکرائی تھی۔ اسی پل ویٹر نے آرڈر سرو کیا۔ اپنا فیورٹ اسٹرابری شیک دیکھ کر زویا ایک بار پھر خوشگوار حیرت میں گھر کر بولی تھی۔

"واؤ۔۔۔ میرا فیورٹ شیک۔۔۔" پھر اس کی طرف دیکھ کر استفہامیہ بولی۔

"تمہیں میرا فیورٹ شیک یاد رہا؟" بچوں کی سی طرح خوش ہو کر وہ جگمگاتی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ بھی کوئی بھولنے والی بات تھی کیا؟" عدیل نے ہلکے سے تبسم سے الٹا اسی سے سوال کیا تو وہ نفی میں سر ہلاتی جھینپی۔

"ہرگز بھی نہیں۔" گلاس کو اپنے قریب کرتے نازک سی اسٹرا کو اپنے گلابی لبوں میں دبا کر بڑا گھونٹ بھرا تھا۔ البتہ عدیل خاموشی سے اس پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ کچھ پل خاموشی کی نظر کرنے کے بعد گہرا سانس بھرتے ہوئے اس نے بات کی ابتدا کی تھی۔

"ایک بار تم نے مجھ سے شادی کی بات کی تھی؟" اس کا انداز عام سا تھا مگر زویا کا دل بڑی رفتار سے دھڑکا۔۔۔ جگنو بھری نگاہوں سے اس نے اس کی طرف دیکھا تھا جس کی نظروں میں کسی بھی تاثر کا کوئی رنگ نمایاں نہ تھا۔ اس لیے وہ سمجھ نہ سکی کہ آج یوں وہ اس سے سالوں پرانی بات کیوں کر رہا تھا۔۔۔ مگر کچھ بھی پوچھنے کی بجائے اس نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"ہاں۔۔۔ یونیورسٹی چھوڑنے سے پہلے میں نے تم سے یہ بات کہی تھی۔" نظر اس پر ٹکائے اس نے حامی بھری تو وہ فوراً" بولا۔

"یہ جاننے کے باوجود بھی کہ میں سونی سے کمیٹڈ ہوں۔" ایک اور سوال اٹھا تو وہ مزید الجھ گئی۔

"ہاں۔۔۔ مجھے علم تھا۔۔۔ اس بات کا۔۔۔" کچھ سمجھنے کی ناکام کوشش میں اس نے ایک اور اعتراف کیا۔

"مگر تمہیں یہ علم نہیں تھا کہ سونی اور میرا نکاح ہو چکا ہے۔" اس کی زنبیل سے نکلے لفظوں نے جیسے اس کے اطراف دھماکا کیا تھا۔ وہ تو اس کی توجیہہ کو اپنی مرضی کے معنی دے کر خوش فہم ہوئے بیٹھی تھی مگر وہ یہ کیا کہہ رہا تھا؟ کئی لمحوں تک وہ دم سادھے بیٹھی رہی تھی۔ مگر پھر کچھ سوچ کر خود کو سنبھالے ان سب

باتوں سے خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے اس نے کہا۔
"اگر جانچ پڑتال میں پڑتی تو پھر محبت کب کرتی۔"
گلاس پر اپنی گرفت بڑھائے وہ مسکرا رہی تھی۔ عدیل نے بڑی غور سے اس کی بے جان مسکراہٹ کو دیکھا۔
کچھ دیر پہلے چمکنے والے جگنوؤں کی چمک پھیکی پڑنے لگی تھی... عدیل نے گہرا سانس بھرا... وہ اسے اس جھوٹے ابہام ہی سے تو نکلنا چاہتا تھا۔ اس لیے بڑے سنجیدہ سے لہجے میں اسٹیٹ فارورڈ پوچھا تھا۔
"تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" بہت توجہ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ سا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔
"ہاں... میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" اس نے اعتراف کیا تھا۔ مگر بغور اس کی طرف دیکھا۔ عدیل بے ساختہ ہنسا تو اس نے بڑی حیرانگی سے اس کے مسکراتے لبوں کو دیکھا۔
"محبت بڑی بے باک ہوتی ہے زویا... یہ نظروں میں نظریں ڈال کر اعتراف کرواتی ہے۔ نظر کو اس طرح تھوڑی جھکنے دیتی ہے۔" اس نے اس کی جھکی نظروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تو اس نے فوراً" تڑپ کر جھکی نظر اٹھائی' مگر اس کے چہرے پر سجی مسکراہٹ دیکھ کر وہ ایک دم چڑ کر بولی۔
"تم بہت جانتے ہو..." برا سا منہ بنا کر تیکھی نظر سے گھورا گیا تو وہ ہنوز مسکراتے لہجے میں بولا۔
"محبت کے م... ح... ب... ت... سے کھیل کر بڑا ہوا ہوں... مجھے کیسے نہ معلوم ہوگا۔ محبت سے بڑی پرانی آشنائی ہے میری۔" تصور کے پردے پر سونی کا سراپا لہرایا تو اس کے انداز الفاظ میں آپوں آپ ہی چاشنی سی اترنے لگی۔ میٹھے سے لہجے میں محبت کی تعریف کرتا وہ اسے مسلسل حیران کر رہا تھا۔
"محبت تتلی کے پر کی طرح خوب صورت اور نازک ہوتی ہے۔ اگر حفاظت کروگی تو تاعمر تمہارے پاس محفوظ رہے گی۔ اگر چھونے کی کوشش کروگی تو تمہارے ہاتھوں کو رنگین کر کے اپنے سارے رنگوں کو کھو دے گی۔" اس پر نظر جمائے اس نے بڑے سادہ لفظوں میں محبت کی تشریح کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
"اور تم کہتی ہو تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" متبسم لہجے میں اس بار اس نے سوال تو ہرگز نہیں کیا تھا۔ مگر زویا نے نجانے کیا سوچ لیا تھا۔ جو اس کی ساری فکر ہی ختم ہو گئی تھی۔ اس لیے اس نے بے فکری سے کہا تھا
"ہاں... میں نے تم سے محبت کی ہے اور تمہیں بھی خود سے محبت کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔" نظر ایک بار پھر جھکائے... اسٹرا کو لبوں میں دبا کر اس نے اپنی زبردستی کی محبت کا بتا کر اسے بری طرح چونکایا تھا۔
"میں تم سے محبت کرتا ہوں؟" انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے بڑی حیرت سے پوچھا تھا۔
"ہاں..." اس کی بے نیازی عروج پر تھی۔ عدیل ایک دم سیدھا ہوا۔
"میری تم سے محبت کے لیے کوئی دلیل ہے تمہارے پاس؟" موبائل کی بجتی رنگ ٹیون کو نظر انداز کیے اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"میرے ایک بلاوے پر تم یہاں میرے فیورٹ شیک کا آرڈر کیے میرے منتظر تھے۔ محبت کی دلیل کے لیے کیا اتنا کافی نہیں ہے؟" خالی گلاس کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے اپنے انداز میں کم ہوتے اعتماد کو صاف محسوس کیا تھا۔ عدیل اس کی بات پر بڑا بے ساختہ ہنسا تھا۔
"زویا ندیم... ابھی تم نے محبت کو جانا ہی نہیں... اگر جان لیتی تو اپنی محبت میں تڑپتے اس شخص کے نصیب میں چار سالوں کا انتظار نہ رقم ہونے دیتیں۔" اس کے الفاظ بڑی بے ساختگی میں ادا ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ گواہ تھا علی کی تڑپ کا... اس کی سچی لگن کا... جو آج تک زویا کے لوٹ آنے کا منتظر تھا... علی کے خیال نے' اس کے لفظوں میں اس کی تڑپ کو ابھارا تھا۔ زویا نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔
"ہو نا بے خبر تم؟ محبت تو دلوں میں دھڑکتی ہے...

اور تم بے خبر ہو..... کیوں؟ کیونکہ تم نہیں جانتی محبت کیا ہے۔ تم جان ہی نہیں سکتیں..... کہ کون کتنی چاہ سے خود کو تمہارے لیے رُل رہا ہے..... تمہارے لوٹ آنے کے انتظار میں دھیرے دھیرے سلگ کر فنا ہو رہا ہے..... اور تم.....؟ تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" اس نے ذرا دیر کو ساکت بیٹھی زویا کی طرف دیکھا..... پھر بولا۔

"یہ محبت نہیں تمہارا بھرم ہے..... ایسا بھرم جسے تم محبت کا نام دے کر اپنی ادھوری خواہشات کو تکمیل تک لانا چاہتی ہو۔" اس کا اشارہ جس طرف تھا وہ خوب سمجھ رہی تھی..... اپنی زندگی کے اس حوالے پر اس کی حیران آنکھوں سمیت اس کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا تھا۔ جبکہ عدیل اسی طرح کہے جا رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے اس شخص کی بے لوث محبت تمہیں سچی محبت سے روشناس کرائے گی۔ زویا بس تم اپنے حالات سے فرار کو چھوڑ کر بس ایک بار اس شخص کی آنکھوں میں دیکھ لینا جو تم سے محبت کرنے کے بعد پھر کچھ بھی نہیں کر سکا ہے..... جو بس تم سے شروع ہو کر تم تک ختم ہوتا۔ خود اپنے لیے بھی ناکارہ ہو کر رہ گیا ہے۔" وہ انکشاف کر رہا تھا اور زویا کا سانس اندر کہیں اٹک سا رہا تھا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ کوئی اس کے لیے جوگ لے گا۔ وہ تو کبھی سوچ ہی نہیں سکتی تھی کہ کوئی خود کو بھلا کر اس سے محبت کرے گا۔ اتنی چاہ سے اسے چاہے گا؟ تو پھر عدیل یہ کیا کہہ رہا تھا؟ بڑا بے یقین ہو کر سرسراتے لہجے میں اس کے منہ سے لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔ "کون ہے وہ شخص....."

"علی....." عدیل نے بتانے میں دیر ہی نہیں کی تھی۔ زبان کی نوک پر ٹکا یہ نام اس کے لبوں سے فوراً ادا ہوا تھا۔

"علی.....؟" زیر لب علی کا نام لے کر اس نے بڑی بڑی حیران آنکھوں سے عدیل کی طرف دیکھا..... تو اس نے اثبات میں سر ہلا کر جیسے اعتراف کیا تھا۔ اس کے اعتراف کے بعد زویا کتنی ہی دیر حیران سی اس کی سمت دیکھتی رہی تھی۔ اس نے اب جانا تھا کہ.....

"محبت کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے تو یہ چھپ جاتی ہے..... اور اگر اسے دھیان سے نکال کر بھولنے کی کوشش کی جائے تو یہ خود بخود سامنے آجاتی ہے۔"

وہ جو عدیل کو اپنی محبت سے انکاری پر بحث کرتے سن کر محبت کو بھولنے کا ارادہ کیے پلٹنے کو تھی..... تو محبت نے اس طرح سامنے آکر اسے گنگ کر دیا تھا۔ عدیل بول بول کر تھک چکا تھا۔ اس لیے وہ چپ ہو گیا تھا اور زویا کے پاس شاید لفظ نہیں تھے' وہ کچھ نہیں بول پا رہی تھی کچھ دیر یوں ہی بے مقصد بیٹھ کر میز کی چکنی سطح کو گھورنے کے بعد وہ اٹھی اور اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر بنا کچھ بولے..... اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر وہاں سے چلی گئی.....

وہ جا چکی تو عدیل نے خود کو ایک مسلسل مشقت کی گرفت سے آزاد محسوس کرتے ہوئے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ کر چیئر کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔ گھر جانے کا سوچ کر اٹھنے سے پہلے اس نے ایک میسج ٹائپ کیا اور اسے علی کے نمبر پر سینڈ کرنے کے بعد وہ مطمئن سا واپسی کے لیے اٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز گیارہ بجے پریشان سا علی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس سے اپنے اس طرح بلانے کی وجہ دریافت کرتا۔ وہاں سے گزرتی سونی اسے دیکھ کر حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات لیے اس کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

"ارے علی بھائی! آپ....." خوش گوار حیرت میں گھر کر وہ مزید بولی تھی۔

"آج اتنے سالوں بعد ہماری یاد کیونکر آگئی آپ کو۔" عدیل کو نظر انداز کیے اس کے سامنے کھڑی وہ استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ علی اس کے سوالوں کا جواب دیتا۔ عدیل کے موبائل کی بجتی رنگ ٹیون نے اس کی توجہ اس جانب مبذول کرائی..... عدیل نے ان کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے کال پر توجہ دیے بنا کال پک

کرنے کے بعد سیل فون کو کان سے لگالیا.... مگر دوسری طرف ڈاکٹر طارق کو بولتے سن کر وہ ایک دم گھبرایا ہوا ان کی طرف متوجہ ہوا۔ جو اسے زویا کو اچانک آجانے والے اٹیک کی وجہ سے اس کے آئی سی یو میں ہونے کا بتا کر جلد پہنچنے کی تلقین کرکے کال ڈراپ کرچکے تھے۔ اس خبر نے جیسے اس کے جسم سے جان نکال دی تھی۔ بے جان ہوتے حواسوں کے ساتھ اس نے گھبرا کر سامنے کھڑے اس شخص کی طرف دیکھا۔ جس کے انتظار کو ختم کرنے کے اس نے اسے اتنی دور بلایا تھا۔ مگر قدرت نے نہ جانے اب اس کے لیے کیا فیصلہ کیا تھا؟ وحشت بھری نگاہوں سے اسے مسلسل خود کو دیکھتے پاکر علی نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے پر ہلکا سا دباؤ ڈال کر اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"کیا ہوا عادی؟ اچانک سے اتنا پریشان کیوں ہوگئے ہو؟ کس کی کال تھی؟" اس کے متوجہ کرنے پر اس نے چونک کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ جو پریشان سا اس کے بولنے کا منتظر تھا۔ پھر نظر گھما کر اس نے متفکر دکھائی دیتی سونی کو دیکھا۔ تب اچانک نہ جانے اس کے من میں کیا سمائی.... آگے بڑھ کر اس نے سونی کا ہاتھ پکڑا اور علی کو اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ سونی اس صورت حال کے لیے قطعی تیار نہ تھی۔ اسی لیے بے جان مورت کی طرح اس کے ساتھ کھنچی چلی گئی.... مگر دو چار قدم چل کر جب اس کے حواسوں نے کام کرنا شروع کیا تو وہ فوراً مزاحمت کرتی بولی۔

"عادی! میرا ہاتھ چھوڑو...." مگر عدیل کی گرفت ہنوز برقرار رہی۔ اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔ وہ اسی طرح چلتا پورچ میں کھڑی گاڑی کے قریب پہنچا۔

"ابھی کچھ مت پوچھو پلیز...." کچھ بولنے کو وا ہوتے لب اس کی التجا پر ایک بار پھر آپس میں پیوست ہوئے تھے۔ اسی سمے اس نے اپنی دھڑکن کو رکتا محسوس کیا تھا مگر اس کے باوجود عادی کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس نے بڑے حوصلے سے کہا تھا۔

"چلو.... کہاں چلنا ہے۔" اس نے کہا تو وہ خود کو سنبھال کر گاڑی کی طرف بڑھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد تیزی سے گیئر موڑ کر اس نے گاڑی کو گیٹ سے باہر نکالا سونی نے دو تین بار اس سے سوال کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اسے اپنی طرف متوجہ نہ پاکر وہ چپ ہو کر بیٹھ گئی۔ مسلسل رش ڈرائیونگ کرنے کے بعد عدیل نے بڑے سے اسپتال کے باہر گاڑی روکی.... تو علی اور سونی نے بیک وقت گھبرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ مگر ان کی نظروں کو نظر انداز کیے وہ گاڑی سے باہر نکلا تو وہ دونوں بھی گاڑی سے نکل کر اس کے قریب آئے تھے۔

"تم ہمیں یہاں کیوں لائے ہو؟" لرزتے لبوں کے ساتھ خوف زدہ سونی نے ایک بار پھر سوال کیا تھا.... مگر پہلے کی طرح اس کے سوال کو نظر انداز کیے عادی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اس کے برابر چلتے علی کے قدموں کی رفتار ست پڑنے لگی تھی۔ اسے اپنے قدموں پر وزن محسوس ہونے لگا تھا۔ ایک پل کے لیے اس نے سوچا کہ وہ پلٹ جائے.... مگر اب یہاں تک پہنچ کر وہ واپس نہیں پلٹ سکتا تھا۔ آگے بڑھنے کے سوا اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا تھا۔ اس لیے اپنے من بھر کے قدموں کو گھسیٹ کر اندر کی طرف جاتے عادی کے پیچھے آیا تھا۔ جیسے ہی وہ آئی سی یو روم کے باہر پہنچے ڈاکٹر طارق آئی سی یو کے دروازے سے باہر آتے دکھائی دیے۔ وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

"ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں ڈاکٹر...." ان کے کچھ بھی بولنے سے پہلے اس نے فرمائش کی تھی۔

"مگر...." انہوں نے کچھ بولنا چاہا تو جیسے وہ منت پر اتر آیا۔

"پلیز ڈاکٹر...." کچھ بولنے کو وا ہوتے لبوں کو بند کرتے ایک نظر ان تینوں کی پریشان صورت کو دیکھا۔ دوسرے ہی پل لب بھینچ کر پلٹتے ہوئے دروازہ کھول کر انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا.... تو ان تینوں نے

بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا... تینوں کی نظروں میں سہما ہوا سا خوف ہلکورے لے رہا تھا... مگر اب اس خوف کا سامنا کرنے کے لیے انہیں آگے بڑھنا ہی تھا۔ اس لیے سر جھٹک کر سب سے پہلے عادی نے آئی سی یو کے اندر قدم رکھا تھا... اس کے بعد سونی اور آخر میں علی اندر داخل ہوا... لائن میں کھڑے تینوں نفوس کی حالت تقریباً" ایک سی تھی۔ عدیل اور سونی کی نظر سامنے کی طرف اٹھی تھی... جبکہ علی کی نگاہ ان دونوں کے چہروں پر جمی تھی۔

"عادی! یہ زویا..." بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سونی نے ہکلا کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"زویا..." علی کی سماعتوں سے یہ نام ٹکرایا... تو چونک کر بڑبڑاتے ہوئے اس کی نظر نے سامنے کی طرف پرواز کی... اور وہیں تھم سی گئی۔

سامنے بیڈ پر اس کی نظر کے سامنے مشینوں میں جکڑی وہ زویا ہی تھی۔ مضبوطی سے جے اس کے قدم لڑکھڑائے تو عدیل نے فوراً" آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا تھا۔

"آئی ایم سوری علی... میں تمہاری امانت کی حفاظت نہ کر سکا۔" نم لہجے میں بولتا وہ کافی شرمندہ دکھائی دیا تھا۔ علی نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ مزید بولا۔

"چند مہینے پہلے زویا نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ میں اسی وقت تمہیں اطلاع کرنا چاہتا تھا۔ مگر حالات کچھ اس تیزی سے بدلے کہ میں چاہا کر بھی تمہیں کچھ نہ بتا سکا۔" بڑے سبھاؤ کے ساتھ اس نے بات کی ابتدا کی تھی... جبکہ علی اس قدر شاک میں تھا کہ کوئی بھی سوال کیے بنا بس چپ چاپ اسے سنے جا رہا تھا۔ تب عدیل نے زویا کی خود سے محبت والی بات کو گول کرتے ہوئے مختصراً" اسے زویا کی زندگی کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ جسے سن کر جہاں علی کی تکلیف میں اضافہ ہوا تھا وہیں افسوس و شرمندگی کے شدید احساس نے سونی کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

"بدگمانی میں گھر کر اس نے جو کچھ سوچا تھا' ویسا تو کچھ بھی نہیں تھا۔" اپنے غلط ہونے کا احساس ہوا تو اسے خیال آنے لگا کہ کس طرح عدیل بار بار اس کے پاس آیا تھا... شاید وہ یہ سب اس سے شیئر کر کے وہ اس کی سپورٹ چاہتا تھا... مگر اس نے کیا کیا... اسے سنے بنا وہ یوں ہی خواہ مخواہ اس پر غصہ کرتی رہی... ہر بار برا بھلا کہہ کر اس کی انسلٹ کرتی رہی۔ اپنی کی ہوئی ہر غلطی اس سے یاد آکر اسے پچھتاوؤں کی طرف دھکیلنے لگی تو اس نے گھبرا کر عدیل کی طرف دیکھا۔ جو اس کے احساسات سے بے خبر علی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ پاگل محبت کی تلاش میں یہاں وہاں بھٹکتی رہی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ اس کے حصے کی ساری محبت تم یہاں سمائے بیٹھے ہو۔" مسکرانے کی چاہ میں زبردستی لبوں کو پھیلا کر اس نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر عین دل کی جگہ رکھا تھا۔ عدیل کے لفظوں میں چھپے زویا کی تھکن اتر آئی تھی۔ جسے محسوس کر کے سونی کا دل دکھ سے بھر گیا۔ اس نے اپنے دل میں زویا کے لیے ہمدردی کے جذبات ابھرتے محسوس کیے تو وہ نپے تلے قدموں سے چل کر بیڈ پر بے خبر پڑی زویا کے قریب آگئی۔ ہلکے ہلکے سانس لیتی زویا کو دیکھ کر اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"یہ اٹھ کیوں نہیں رہی ڈاکٹر..." اس نے اپنے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ڈاکٹر سے سوال کیا تھا۔

"یہی بات تو مجھے بھی پریشان کر رہی ہے کہ آپریٹ کامیاب ہونے کے باوجود یہ اٹھ کیوں نہیں رہی؟" ڈاکٹر طارق جو خود اس کے لیے کافی پریشان تھے' اس کے پوچھنے پر بولے تو عدیل نے فوراً" علی سے کہا تھا۔

"محبت کی بہت چاہ ہے اسے... تم پکارو گے تو یہ اٹھ جائے گی۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس نے اس کا حوصلہ بڑھایا... تو وہ قدم بڑھاتا اس بے خبر کے قریب آیا۔ "جب دعا مانگو تو اس ذات پر بھروسا بھی رکھو جو بہت قریب ہو کر سنتی ہے اور کبھی بھروسا ٹوٹنے نہیں دیتی۔" اپنی ہی کہی بات نے اس کی سماعتوں پر دستک دی تو اس نے اپنے دل میں سکون بھرے ٹھہراؤ کو اترتے محسوس کیا... تو محبت بھری تڑپ سے اس کو

پکارا۔

"زویا..." اس کے برابر کھڑی محبت نے اس سے جیسے خود اپنے آپ کو آزمائش کی دھار پر ڈالا تھا اور جب محبت خود کو آزمانے پر اتر آئے تو پھر قیامت کردیتی ہے۔ وہی قیامت اس کے لبوں سے تڑپ کی صورت ادا ہوئی تھی۔ جس نے زویا کے دل پر بڑی زور سے ضرب لگائی تھی۔ اسی لیے ایک لمبا سانس بھر کر زویا نے پٹ سے آنکھیں وا کی تھیں... محبت فخر سے مسکرادی۔

محبت ایسا معجزہ ہے، جو دیوانوں کی زندگی میں رونما ہوکر انہیں محبت کی معراج عطا کرتی ہے۔ اور جب محبت کے معجزے رونما ہوجائیں تو محبت پر یقین بھی مضبوط ہوجاتا ہے۔ محبت کا وہی یقین علی کی آنکھوں سے جذبوں کی صورت اس کے دل تک پہنچا تھا۔ جس نے آنکھ کھلنے پر اپنے سامنے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا۔ جس نے اسے چاہنے کی انتہا کردی تھی۔ اسی انتہا نے عدیل کی کہی بات کو سرگوشی کی صورت چپکے سے اس کے کانوں میں دہرایا۔

"محبت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لوگی تو پھر کبھی نظر جھکا نہ سکوگی۔" اس کی نظر بھی جھکنے سے انکار کیے علی کے چہرے کا طواف کرکے محبت کو الہام کی صورت اس کے دل میں اتار رہی تھی۔ وہ کب سے محبت کو تلاش رہی تھی اور اب جب محبت کو اپنے پاس محسوس کیا تو سکون سے مسکراتی ہوئی ایک بار پھر آنکھیں بند کرگئی۔ اسے یوں آنکھیں بند کرتے دیکھ کر وہ تینوں ایک دم گھبرا کر اس کی طرف بڑھے تو اس کے چیک اپ میں مصروف ڈاکٹر طارق نے سیدھے ہوتے ہوئے مسکرا کر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"اب گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ زویا بالکل ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا تو ان تینوں نے بیک وقت سکون بھرا سانس لیا تھا۔

"کہا تھا نا محبت سے پکاروگے تو پلٹ آئے گی۔" خوشی سے معمور لہجے میں کہتے ہوئے عدیل، علی کی طرف مڑا تو وہ نم آنکھوں سے تشکر بھری مسکراہٹ لیے اس کے گلے لگ کر اس کا شکریہ ادا کرنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ عدیل اس کے شکریہ پر کوئی احتجاج اٹھاتا... زویا کے ممی ڈیڈی تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"زویا..." دونوں نے بیک وقت اسے پکارا تھا... مگر ان کی پکار سے بے خبر زویا انجکشن کے زیر اثر اب سکون سے سو رہی تھی۔ اسے یوں بے خبر دیکھ کر وہ ڈاکٹر طارق کی طرف پلٹے تھے۔

"کیا ہوا ہے ہماری زویا کو...." ان کے لفظ ہماری کہنے پر فائل رکھ کر پلٹتے ڈاکٹر طارق نے بڑی غور سے ان کے چہروں کی طرف دیکھا تھا۔ جس پر پریشانی بڑی واضح دکھائی دے رہی تھی۔ شاید ایک معجزہ اس طرف بھی رونما ہوا تھا۔ ڈاکٹر طارق نے بہت سکون بھرا گہرا سانس لے کر زویا کی طرف دیکھا۔

"محبت کی بارش میں بھیگنے کے لیے تیار ہوجاؤ زویا ندیم کیونکہ محبت کے بادلوں نے تمہیں چاروں طرف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے" دل میں اس کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے ایک شفقت بھری مسکراہٹ اس کے حوالے کرکے ندیم صاحب سے کہا تھا۔

"تمہاری زویا کو کچھ نہیں ہوا ہے، یہ اب ٹھیک ہے۔" اب جب سب ٹھیک ہو ہی گیا تھا تو وہ کیوں ان پر برستے... اس لیے ہلکے سے انداز میں انہیں جواب سے نوازا... تو ندیم صاحب نے انہیں شکایتی نظروں سے دیکھتے ہوئے گلہ کیا تھا۔

"جب سب ٹھیک ہوگیا تب تم نے ہمیں بلایا؟"

"بلایا تو سب سے پہلے تمہیں ہی تھا... وہ الگ بات کہ تم پہنچے سب سے آخر میں ہو۔" نا چاہتے ہوئے بھی ان کے شکوہ کرنے پر ڈاکٹر طارق نے بڑا طنزیہ جواب دیا تھا۔ جس پر وہ ایک دم شرمندہ ہوتے بولے۔

"تمہارا میسج ملتے ہی میں آنا چاہتا تھا... مگر پھر تمہاری بھابھی کو ساتھ لے کر آنے میں اتنی دیر ہوگئی۔"

وہ دونوں شرمندہ دکھائی دے رہے تھے... فائکہ بیگم بیٹی کے سرہانے بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی

تھیں۔ ڈاکٹر طارق نے ایک بار پھر بڑے غور سے محبت کے اس مظاہرے کو دیکھا۔۔۔ پھر ندیم صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے۔

"دیر تو بہر حال ہوئی۔۔۔ مگر اچھی بات یہ ہوئی کہ بہت دیر ہونے سے پہلے تم آ گئے۔" ان سے بول کر وہ ان سب کی طرف پلٹتے ہوئے بولے۔

"ہم کب سے آئی سی یو کو اپنا ڈرائنگ روم بنائے ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے کہ یہ ڈرائنگ روم سے بیڈ روم میں تبدیل ہو ہمیں باہر چلنا چاہیے۔" انہوں نے پر مزاح انداز میں کہا تو ان سب نے مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ فاکیہ بیگم بیٹی کے پاس رہنا چاہتی تھیں۔ انہیں وہیں چھوڑ کر وہ سب باہر آ گئے۔ ندیم صاحب اور علی، زویا کی کنڈیشن کے متعلق ڈاکٹر طارق سے بات کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ ان کے ساتھ ان کے روم کی طرف چل دیے۔۔۔ جانا تو عدیل بھی ان کے ساتھ چاہتا تھا۔۔۔ مگر سونی کا خیال کرکے اس نے اپنے ارادے کو ترک کیا اور پھر سے آنے کا کہہ کر علی سمیت ان سب سے اجازت لے کر اسپتال سے باہر آ گیا۔

☆ ☆ ☆

سونی کے ہمراہ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا۔۔۔ سب کو لاؤنج میں اپنا منتظر پا کر خود کو ان کے متوقع سوالوں کے لیے تیار کرتا خود بھی وہیں چلا آیا۔۔۔ مگر حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ اسے سامنے پا کر بھی کسی کی طرف سے کوئی سوال نہیں اٹھا تھا۔ اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے وہ اپنی ممی کے برابر بیٹھی خالہ سے سر پر پیار لے کر دائیں طرف پڑے بڑے صوفے پر بیٹھے خالو کے برابر بیٹھتے ہوئے ان کی خیریت دریافت کرنے کے بعد انہیں چھیڑتے ہوئے بولا۔

"آج آپ کو اپنے ہوم سویٹ سے ہمارے گھر آنے کی فرصت کیسے مل گئی۔"

"بس بیٹا۔ جب بچے منہ سے کچھ کہے بنا ہونے والی بیوی کو لے کر ہوٹلنگ کرنے لگے تو پھر بڑوں کو مل بیٹھ کر سوچنے کے لیے فرصت نکالنی ہی پڑتی ہے۔"

خالو تو وہ اسی کے تھے۔۔۔ اسی کے سے انداز میں بڑی صفائی سے اس پر وار کیا تو وہ بے ساختہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

ان دونوں کے جانے کو لے کر وہ جو سمجھ رہے تھے اس نے جانا تو اسے ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔۔۔ عقل نے کام شروع کیا تو سب کی نظروں میں بجی شرارت بھی واضح دکھائی دینے لگی۔۔۔ تو وہ موڈ بنا کر سیدھا ہوتا مسکراہٹ دبائے بولا۔

"تو پھر کیا سوچا ہمارے بڑوں نے؟" اس کے سوال پر جہاں سب کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری۔۔۔ وہیں شفیق خالو اس کا کان پکڑ کر بولے۔

"ہمیں صبح سے رات تک انتظار میں بٹھا کر اب خود کیسے جانے کو تاؤ لے ہوئے جا رہے ہو۔" سب پر نظر ڈال کر خالو نے اس کے کان کو کھینچا تو وہ فوراً کراہا۔

"خالو کان تو چھوڑیں۔۔۔ مجھے درد ہو رہا ہے۔" اس کی دہائی پر اس کے کان چھوڑتے ہوئے خالو نے کہا۔

"پہلے اپنی بیوی کے ہاتھوں کی اچھی سی چائے پلواؤ۔۔۔ تاکہ دماغ کچھ فریش ہو تو تم بے لگاموں کو لگام ڈالنے کے لیے کوئی تاریخ طے کریں۔" ان کی فرمائش پر اس کی نظر بے ساختہ سونی کی طرف اٹھی۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں تو اس کے چہرے پر بجی مسکراہٹ پل میں معدوم ہوئی اور وہ نظروں کا زاویہ بدل گیا۔ سونی نے اسے اس طرح نظر پھیرتے دیکھا تو اسے اس کی ناراضی کا شدت سے احساس ہوا تو اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔ وہ عدیل کی ناراضی سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ جب سنجیدگی سے ناراض ہوتا تو بہت مشکل سے راضی ہوا کرتا تھا اور اس بار تو بات بالکل الگ تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس طرح اس کی ناراضی ختم کر پائے گی۔۔۔ مگر یہ تو طے تھا کہ جیسے بھی ہو اسی نے اس کی ناراضی کو دور کرنا تھا۔ اس لیے کچھ سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پنکی کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے لاؤنج سے باہر نکل آئی۔۔۔ پنکی فوراً اس کے پیچھے آئی

تھی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا' عدیل بھائی کو کوئی بھی سخت بات کہنے سے پہلے سوچ لینا۔۔۔ مگر تم تو اس وقت کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی۔" پنکی نے اس سے کہا۔

"پلیز پنکی۔۔۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔ مزید پریشان مت کرو۔۔۔" وہ واقعی کافی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے انداز سے جھلکتی پریشانی کو محسوس کرکے پنکی سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

"تم ایسا کرو۔۔۔ عادی بھائی کو ان کی فیورٹ کافی بنا کر دو۔۔۔ پھر دیکھو وہ کیا ری ایکٹ کرتے ہیں؟ ان کے اس ری ایکشن کے بعد جب ان کی ناراضی کے گراف کی نوعیت کا اندازہ ہوگا تو پھر اسی حساب سے ان کو منانے کی ترکیب سوچیں گے۔" پنکی ہمیشہ ہی اسے اچھے مشوروں سے نوازا کرتی تھی۔ اس بار بھی پنکی کا مشورہ اس کے دل کو لگا تو وہ فوراً" راضی ہوتی بولی۔

"چلو پھر تم سب کے لیے چائے بناؤ۔۔۔ میں عادی کے لیے کافی بناتی ہوں۔" وہ پلٹی تو پنکی احتجاج بلند کرتے ہوئے بولی۔

"پاپا! نے تمہارے ہاتھ کی بنی چائے کی فرمائش کی ہے' میرے نہیں۔" اس کا سراسر اسے چھیڑنے والا تھا۔ جسے محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک تیز نظر اس پر ڈال کر کہا۔

"شرافت کے ساتھ چائے بناتی ہو؟ یا میں نبیل کو بلانے کی زحمت کروں؟" دھمکی دیتے ہوئے وہ باقاعدہ ذرا سا دروازے کی طرف مڑی۔

جب چائے اور کافی تیار ہوچکی تو انہیں کپوں میں انڈیل کر ٹرے میں رکھنے کے بعد اس نے چند پلیٹوں میں نمکو اور بسکٹ رکھے اور پنکی کے ہمراہ ٹرے ہاتھوں میں لیے لاؤنج میں داخل ہوگئی۔۔۔ جب وہ سب کو چائے دے چکی تو سب سے آخر میں عدیل کے پاس آکر اس نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو شاید سب کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے بنا اس کی طرف نظر کیے کپ تھام کر اس نے فوراً" سامنے پڑی ٹیبل پر رکھا

اور اسے نظرانداز کرتے ہوئے نبیل کی طرف متوجہ ہوگیا۔۔۔ جبکہ اس کی بے رخی پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"تنہائی میں مل کر ذرا پیار سے منانا مان جائے گا۔" پنکی نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا تو اداس ہونے کے باوجود سونی بلش ہوکر اسے گھوری سے نواز کر جوابی کارروائی میں کچھ بولنا چاہتی تھی۔۔۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی تائی اماں کی بات نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

"نبیل کے لیے بھی میں نے لڑکی پسند کرلی ہے۔۔۔ عدیل کے ساتھ اس کی شادی بھی کردیں گے۔" نبیل کی تو جیسے من کی مراد بر آئی تھی۔۔۔ اس لیے خوشی کے مارے کانوں تک باچھیں چیر کر اس نے شرم سے لال ہوتی پنکی کی طرف دیکھا۔۔۔ جبکہ عدیل نے استفہامیہ نظروں سے شائستہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس باگڑ بلے کے لیے بڑی جلدی لڑکی پسند آگئی آپ کو؟"

"زویا بچی پیاری ہی اتنی ہے۔۔۔ میں نے تو پہلی نظر میں ہی اسے نبیل کے لیے پسند کرلیا تھا۔"

"زویا۔۔۔"

"یہ زویا نامی ہڈی پتا نہیں کب ملے گی۔" پہلو بدل کر عدیل کو ٹھوکا مارتے ہوئے نبیل بڑبڑایا۔

"کل ممی کو آئی اسپیشلسٹ کے پاس لے جاکر ان کے قریب کی نظر چیک کرواؤں گا' تاکہ انہیں پنکی دکھائی دے۔" اس کی بڑبڑاہٹ سن کر عدیل نے اپنے بے ساختہ امڈتے قہقہے کو بمشکل روک کر شائستہ بیگم سے کہا تھا۔

"ممی! زویا کی شادی علی سے طے ہے۔ آپ ہمارے نبیل کے لیے خالہ' خالو سے ابھی کے ابھی ان کی پنکی مانگ لیں۔۔۔" برادرانہ محبت بھرے جذبات لیے اس نے نبیل کے کندھے پر اپنا ہاتھ دراز کرتے ہوئے پریشان سی پنکی پر نظر ڈال کر شائستہ بیگم کو نظروں سے کچھ سمجھایا تو انہوں نے ایک جانچتی نظر نبیل اور پنکی کی طرف دیکھ کر سرہلاتے ہوئے مسکرا کر

اپنا رخ اپنے برابر بیٹھی بہن کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

زویا سے کہیں پیاری مجھے میری پنکی ہے۔ اس کا نام تو میں نے اس لیے نہ لیا کہ نہ جانے اس کے ماں باپ کو ٹھیک لگے نہ لگے۔ مگر اب جب یہ ذکر نکل ہی آیا ہے تو میں دل سے چاہوں گی کہ پنکی میری بہو بن جائے.... تم کیا کہتی ہو.... نازلی.... آخر میں انہوں نے سوال کیا تو خالہ نے مسکرا کر کہا۔

''ہمیں کیوں اعتراض ہوگا شائستہ.... ہمیں تو بلکہ خوشی ہوگی کہ ہماری پنکی ہمیشہ کے لیے اپنوں میں رہ جائے گی۔'' ان کا بڑھایا ہوا ہاتھ تھام کر انہوں نے جیسے رشتے کو قبولیت کی سند دی تھی۔ بچوں کے رشتے ان کے سامنے ہی طے ہو رہے تھے۔ نبیل کی باچھیں ایک بار پھر چرنے لگی۔ پنکی شرما کر وہاں سے جانے کے لیے اٹھی تو سونی بھی اس کے ساتھ ہولی۔ بڑوں کو آپس میں شادی کی گفتگو میں مصروف دیکھ کر باقی بیٹھی رہ جانے والی نوجوان پارٹی بھی اپنے پروگرام طے کرتی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

شادی کی تاریخ طے پا چکی تھی.... کل اسے مایوں بیٹھا دیا جانا تھا۔ جس کے بعد اس کے عدیل سے ملنے اور اس سے بات کرنے پر پابندی لگ جانی تھی۔ اس لیے مایوں بیٹھنے سے پہلے وہ اسے منالینا چاہتی تھی اور وہ تھا کہ کسی صورت اسے میسر نہیں آرہا تھا.... اور اس کے پاس بس آج کا دن بچا تھا۔ جسے وہ بے کار جانے دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے صبح سے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ عدیل بھی شاید اسے جی بھر کر انتظار کروانے کے موڈ میں تھا۔ اس لیے صبح سے دوپہر.... پھر شام سے رات تک اسے اپنے انتظار میں بٹھائے رکھا تھا۔ انتظار حد سے سوا ہونے لگا تھا تو نیند آنکھوں میں ڈولنے لگی۔ تب اس نے جھنجلا کر ایک بار پھر دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ جو گیارہ بجنے کا اشارہ کررہی تھی۔ یہ اس کے سونے کا ٹائم تھا مگر وہ نیند کی قربانی دیے عدیل کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ کچھ دیر مزید بیٹھا رہنے کے بعد وہ اٹھ کر یہاں وہاں ٹہلنے لگی۔ ابھی اسے ٹہلتے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ وہاں سے گزرتی منال بیگم اسے اس وقت تک جاگتے دیکھ کر حیران سی اس کے پاس آکر بولیں۔

''سونی تم اب تک جاگ رہی ہو؟ سب سو چکے ہیں، چلو تم بھی جا کر سو جاؤ۔'' وہ ان کو اپنے اب تک جاگنے کی وجہ نہیں بتا سکتی تھی۔ اس لیے چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف ہولی۔ منال بیگم بھی شاید فرصت سے اس طرف آئی تھیں۔ اس لیے جب تک سونی نے اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند نہ کرلیا۔ وہ وہیں کھڑی رہی تھیں۔ جبکہ سونی نے کمرے میں داخل ہو کر چھت کی طرف دیکھ کر جیسے خدا سے فریاد کی تھی۔ چند سیکنڈ چھت کو دیکھنے کے بعد جب ٹھنڈی آہ بھر کر نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے اس کی نظر ونڈو پر پڑی.... تو اسے عدیل اپنے کمرے کی طرف جاتا دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھا کر ونڈو کے قریب آئی۔ تب تک عدیل کمرے میں جا چکا تھا۔ وہ بری طرح جھنجلائی۔

''نواب صاحب اب آئے ہیں جب مجھے کمرے میں قید کردیا گیا ہے۔'' منہ بنا کر وہ مزید بڑبڑائی۔ ''نواب صاحب تھوڑی دیر پہلے نہیں آسکتے تھے۔ اور کیا ہو جاتا جو ممی نے مجھے تھوڑی دیر اور وہاں رکنے دیا ہوتا۔'' اس کی جھنجلاہٹ افسوس میں بدلنے لگی تو وہ منہ بناتی بیڈ پر آن بیٹھی۔

''اب کیا کروں؟'' خود سے سوال کرتے ہوئے وہ بیڈ پر پیچھے کو ہوتی پاؤں چڑھا کر بیٹھنے لگی تو اس کی نظر تکیے کے پاس پڑے موبائل پر پڑی.... کسی خیال کے آنے پر اس کی نظر چمکی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا اور میسج ٹائپ کرنے لگی۔

''آج میں نے سارا دن تمہارا انتظار کیا۔'' بہت سی لائنز لکھ کر کلیئر کرنے کے بعد بالآخر یہ لائن اس کو مناسب لگی تو اس نے ٹائپ کرکے عدیل کو میسج سینڈ کردیا۔ اب اسے اس کے ریلائے کا انتظار تھا، مگر

پندرہ منٹ گزر جانے کے باوجود عدیل کی طرف سے کوئی ریسپانس نہ ملا تو وہ روہانسی ہوتی سیدھی ہوئی۔

"یا اللہ جی! اب غلطی تو ہو گئی نا.... آپ ہی بتائیں میں اس اکڑو کو کیسے مناؤں۔" پریشانی کے عالم میں آنکھیں بند کیے موبائل کو ہولے ہولے پیشانی سے ٹکرا کر آگے پیچھے ہلتی ہوئی اس نے دل میں جیسے خدا سے مدد مانگی تھی۔ کچھ دیر اسی کیفیت میں گزارنے کے بعد کسی خیال کے آنے پر اس نے آنکھیں کھولتے ہوئے موبائل کو نظر کے سامنے کیا اور ان باکس میں سے اپنے جذبات کی ترجمانی کرتی ایک غزل سلیکٹ کرنے کے بعد عدیل کو سینڈ کر دی۔

بس ایک معافی ہماری توبہ کبھی جو اب ہم ستائیں تم کو

لو ہاتھ جوڑیں، لو کان پکڑیں، اب اور کیسے منائیں تم کو

جو سچ کہیں تو تمہیں تو غصے نے اور دلکش بنا دیا ہے

ہمارے من کو تو سوجھتا ہے اب اور غصہ دلائیں تم کو

تمہارے آتے ہی اس نگر میں ہمیں رقابت سی ہو گئی ہے

میں یہ شراکت بھی کیسے سہ لوں کہ چھو رہی ہیں ہوائیں تم کو

تو کیا تم اب تک ہماری نظروں کے سب تقاضوں سے بے خبر ہو؟

ہمیں محبت ہے تم سے پاگل۔ اب اور کیسے بتائیں تم کو۔؟

غزل کے خوب صورت لفظوں میں جیسے اس نے اپنے جذبات پرو کر عدیل تک بھیجے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی محبت سے بھرے عدیل کے ناراض دل کو اس کے جذبات بھرے یہ لفظ ضرور نرم کر دیں گے۔ اس لیے موبائل سامنے رکھے وہ اسکرین پر نظر جمائے منتظر سی بیٹھی تھی۔ مگر اس بار بھی کوئی ریسپانس نہیں ملا تھا۔ اس کا انتظار بڑھتا جا رہا تھا۔ اور پھر عدیل کی طرف سے اسے جواب موصول ہو ہی گیا تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے میسج اوپن کیا تو اس کی نظریں

لفظوں پر جم کر رہ گئی۔
ایسا نہ ہو کہ ہم تو نبھا جائیں عہد سب
ایسا نہ ہو تو تم ہی بھروسا نہ کر سکو
عدی کا مسیج پڑھ کر وہ سن سی ہو کر رہ گئی تھی
ناراضی۔ غصہ۔ ملامت۔ کیا کچھ نہیں تھا۔ ان لفظوں میں اس کے لیے۔ شرمندگی کے احساس تلے دب کر اس نے بے رحمی سے لبوں کو دانتوں تلے کچلا تھا۔ اپنی غلطی کا اسے احساس تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس نے عدیل کو ہرٹ کیا ہے مگر عدیل کے بھیجے لفظوں کو پڑھ کر اسے اس کے بھروسے کو لگنے والی چوٹ کا شدت سے احساس ہوا تو وہ بری طرح مچل اٹھی۔
"میں نے جو کچھ کیا غلط فہمی کی بدولت کیا عادی۔! ورنہ میں کبھی بھی جان بوجھ کر تمہیں ہرٹ نہیں کر سکتی۔" لرزتی انگلیوں سے میسج ٹائپ کر کے اسے بھیجنے سے پہلے نجانے اس کے من میں کیا سمائی کہ موبائل ایک طرف ڈال کر کے بیڈ سے اتر آئی۔
"عادی! نے ہمیشہ میرے پاس آکر مجھے منایا ہے۔ تو پھر میں کیوں موبائل کا سہارا لوں۔؟" خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے اس نے اس کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور دوپٹا درست کرتی کمرے سے نکل کر دبے پاؤں چلتی عدیل کے کمرے کے باہر پہنچ کر آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ مگر وہ اس کی آمد سے بے خبر دروازے کی طرف پیٹھ کیے بیٹھا تھا۔
"عادی۔؟"
اس کی پکار پر وہ چونک کر اس کی طرف پلٹا۔ اور اسے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ آج سے پہلے وہ کبھی اس کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ اور آج جب آئی بھی تو ایسے موقع پر۔؟ وہ لب بھینچ کر اس کی طرف سے رخ موڑ نادرشتی سے بولا۔
"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" اپنے سوال کا جواب سننے سے پہلے ہی اس نے بے رخی سے مزید کہا۔
"اپنے کمرے میں جاؤ۔"
"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اب اسے منانا بھی تو تھا۔ پھر وہ کیسے اس کی بات مان لیتی؟ اس لیے اس کی بے رخی کو سمجھتی آہستگی سے چل کر اس کے سامنے آئی۔ مگر وہ نظر جھکائے ہنوز اسی انداز میں بولا تھا۔
"مگر مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی ہے۔" اس طرف سے قطعی انکار ہوا تھا۔ مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔
"خود چل کر تمہارے کمرے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ اس کے باوجود بھی بات نہیں کرو گے مجھ سے۔؟" اس کے سامنے بیٹھ کر چاہ سے پوچھتے ہوئے جیسے اس نے اس کے ضبط کو آزمایا تھا۔
"عادی پلیز۔" اس بار لجاجت سے پکارا گیا۔ مگر وہ لب بھینچے ہنوز نظر جھکائے چپ بیٹھا رہا تو اس نے روہانسے لہجے میں اپنی صفائی میں بولتے ہوئے اس سے معذرت کرلی۔
"آئی ایم سوری عادی! میں نے جان بوجھ کر کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ تو بس تمہاری زوبیا کی طرف توجہ بڑھتے دیکھ کر میں غلط فہمی کا شکار ہو گئی۔ اس لیے غصے میں تمہیں برا بھلا کہہ دیا۔" وہ واقعی اپنے کیے پر نادم تھی۔
مگر وہ اس کی معذرت کرنے کے باوجود چپ رہا تو بے بسی کے شدید احساس تلے دب کر اس کی آنکھوں کی سطح گیلی ہونے لگی۔ عدیل کی مسلسل چپ اسے دکھ دے رہی تھی۔ ایسے میں اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر کس طرح عدیل کو منائے۔ آخر ایسے کون سے لفظ کہے جو اس کی ناراضی کو ختم کردے؟ اب جبکہ نہ تو وہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نہ ہی کچھ بول رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اس کے خفا چہرے کو دیکھا۔ اور بے بسی سے بولی۔
"عادل پلیز اتنا تنگ مت کرو کہ میں رو دوں۔ پھر کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ تمہاری وجہ سے میں روؤں۔؟"
اس کا ہر حربہ ناکام جارہا تھا۔ اس لیے اس کی بے بسی بھی بڑھتی جارہی تھی۔ مگر اس کو تو جیسے پروا ہی نہیں تھی۔ اور اس نے تو پروا کرنا ہی اب سیکھا تھا۔ اس لیے اس کی ناراضی ہر صورت ختم کرنا چاہتی تھی۔
"جن سے محبت ہوتی ہے ان کے لیے فیلنگز بھی تو اسپیشل ہوتی ہے عادی؟ اس لیے تمہارے لیے

پوزیسو ہو کر تمہاری توجہ کو بٹتے دیکھ کر میں برداشت نہ کر سکی۔" عدیل کے لیے اس نے کبھی کھل کر اپنی فیلنگ کا اس طرح اظہار نہیں کیا تھا۔ اور اب جب اس کے سامنے بیٹھ کر صاف لفظوں میں اپنی محبت کا اعتراف کر رہی تھی تو وہ بے پروا بنا بیٹھا تھا۔

"مگر اب کہہ جو رہی ہوں غلطی ہو گئی۔ تو پھر معاف کر بھی دو۔ اور کیا میری جان لے کر معاف کرو گے؟" اس کے لفظوں میں اگر تڑپ تھی تو نم لہجہ اس کے رونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ اس کے لہجے کی نمی کو محسوس کر کے عدیل کے دل کو کچھ ہوا تو اس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اور ساکن رہ گیا۔

ضبط کی کوشش میں سر جھکائے سرخ آنکھوں کے ساتھ لبوں کو کچلتی وہ رو دینے کو تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اونچا کیا۔ تو پلکوں پہ اٹکے آنسو لڑھک کہ اس کے رخسار پر اتر آئے۔ اور پھر بس۔ ناراضی کا سارا گلیشیر منٹوں میں پگھل کر اسے رام کر گیا۔

"اے رومت۔" نرمی سے آنسوؤں کے قطروں کو انگلی کی پوروں سے سمیٹ کر کہا گیا تو اس نے فوراً شاکی نظر اٹھا کر شکوہ کیا تھا۔

"رلاؤ گے تو پھر روؤں گی بھی۔" سرخ ہوتی ناک ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے کہا گیا تو عدیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے رلایا۔؟" اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ استفساریہ لہجے میں بولا۔

"ہاں۔" لبوں کے ساتھ ساتھ سر ہلا کر اقرار ہوا تو عدیل ایک دم جھنجلا کر سیدھا ہو تا بولا۔

"بس یہی تو برائی ہے تم میں۔ فٹ سے الزام عائد کر دیتی ہو۔" وہ ایک بار پھر روٹھنے لگا تھا۔

"کتنی بار پاس آیا میں۔؟ کتنا چاہا کہ کسی طرح میری بات سن لو۔ مگر ناں جی۔ تم نے کہاں میری کوئی بات سننا تھی۔ تمہیں اس وقت اپنا آپ جو درست لگ رہا تھا۔" خود اپنے ہی سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے شاکی نظروں سے دیکھتے ہوئے طنز کیا تو وہ شرمندہ سی چپکی بیٹھی رہ گئی۔ کیونکہ انجانے میں جو غلطی اس سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کی سزا کی طور پر اسے عدیل کے ہر طنز کو۔ ہر شکایت کو چپ رہ کر سننا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے ہر شکوے سمیت حق بجانب تھا۔ اپنی غلطی کے احساس نے ایک بار پھر اس کے سر کو جھکایا تھا۔ جبکہ عدیل کہہ رہا تھا۔

"محبت کی منزل تک پہنچنے کے لیے جب اعتبار کی سیڑھی پر قدم رکھا جاتا ہے تو اعتبار خود محبت کے پاؤں بن کر منزل کو قریب کر دیتا ہے۔ اور اگر اعتبار ہی نہ ہو تو محبت بے معنی ہو کر سوالیہ نشان بن جاتی ہے۔" مبہم لہجے میں بول کر سنجیدہ ہوتے ہوئے اس نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا۔

"اور تمہیں مجھ پر بالکل اعتبار نہیں ہے۔" خود پر ہنس کر اس نے اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی تکلیف سے دوچار کیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے عادی۔" اس کی بات کو شدت سے رد کرتی وہ صفائی دینے کے سے انداز میں بولی تھی۔ مگر وہ نفی میں سر ہلاتا اسی انداز میں ایک ایک

لفظ کو زور دے کر ادا کرتا بولا تھا۔
"ایسی ہی تو بات ہے سونیا۔ جب ہی تم نے مجھے کہا تھا کہ میں علی کی آڑ لے کر اپنے لیے راہ ہموار کر رہا ہوں۔" اس کی کہی بات سے پہنچی اذیت بھری تکلیف از سر نو تازہ ہوئی تو وہ لب بھینچ کر اس کے پاس سے اٹھ کر دور ہو تا رُک موڑ کر کھڑا ہوا۔ تو سونیا لپک کر اس کے سامنے آکر بولی۔
"وہ تو غصے میں کہا تھا۔" نین کٹورے لبالب بھرے بس جھلکنے کو تھے۔ عدیل نے اس کی طرف نظر کی۔ اور دوسرے ہی پل جارحانہ انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ کر موڑتے ہوئے اس کی پشت سے لگا کر اسے اپنے قریب کیے سختی سے بولا۔
"بہت غصہ آتا ہے تمہیں۔؟" وہ اس اچانک حملے کے لیے قطعی تیار نہ تھی اس لیے خود کو چھڑانے کی کوشش میں اس کے مزید قریب ہوتی کراہی۔
"آہ! مجھے درد ہو رہا ہے عادی۔"
"مجھے بھی یونہی درد دیا تھا تمہاری باتوں نے۔ تمہارے لفظوں کی دھار نے۔" اپنی تکلیف کا بتاتے ہوئے اس کے ہاتھ پر دباؤ بڑھا کر وہ اس پر جھکا۔
"آہ۔" درد کی شدت سے بالآخر آنکھیں جھلک پڑی تھیں۔
"عادی۔"
تکلیف دینے والے کو ہی تکلیف میں سسک کر پکارا گیا۔ تو اس جلاد کی روح میں سکون اترنے لگا تو اس کے احساسات کے ساتھ اس کی نظر بھی بدلنے لگی۔ آنسوؤں سے اٹی لرزتی پلکیں۔ سرخ پڑتی ستواں ناک۔ گلابی مچلتے بھیگے ہونٹ اور شہابی رنگت' سانچے میں ڈھلا سراپا۔ وہ سراپا گلاب بنی اس کے قریب تھی۔ اس احساس کے آتے ہی اس کا سارا غصہ' ساری ناراضی دور ہوئی اور وہ بہکنے لگا۔
"کیا کہہ رہی تھی۔ تمہیں چھوڑ کر اس حسین ڈائن سے شادی کرلوں۔؟" ہاتھ پر دباؤ بڑھاتا وہ اسے ساتھ لیے شیشے کے سامنے لا کر بولا۔
"وہاں دیکھو۔ کیا اس دنیا میں تم سے بڑھ کر کوئی حسین ہے؟" سراہا بھی گیا تو کس انداز میں۔؟ وہ درد سے مسلسل کراہ رہی تھی۔
"آج تم میری جان ہی لوگے عادی۔" پلکیں جھپک جھپک کر سامنے دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ کراہا کر بولی تو وہ ایک دم اس کے ہاتھ کو سیدھا کرتے ہوئے بولا۔
"تمہاری جان تو میں پہلے ہی سے لے چکا ہوں۔ آج تو بس یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم میری زیست کا حاصل ہو۔ میں تم سے بے وفائی نہیں کرسکتا۔" اس سے فاصلے پر ہوتے ہوئے اپنا سرخ بازو سہلا کر اس نے کہا۔
"تم بہت ظالم ہو عادی۔ کبھی درد دے کر رلاتے ہو۔ تو کبھی موم بن کر محبت کی برسات میں بھگونے لگتے ہو۔" اس کے پل پل بدلتے موڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے ناک چڑھا کر کہا تو وہ قہقہہ لگا کر اس کی طرف قدم بڑھاتا شوخی سے بولا۔
"یہ بات ذرا ادھر میرے پاس آکر کہو۔" اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ لپک کر دروازے کی طرف بھاگتی اسے منہ چڑا کر بولی۔ "اور تم بہت بے شرم بھی ہو۔ ہر وقت موقع سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں رہتے ہو۔"
"اور تم انتہائی نا سمجھ۔ ہمیشہ ایسے موقع ملنے پر قریب آنے کی بجائے مجھ سے دور بھاگ جاتی ہو۔" وہ بدو جواب دیتے ہوئے وہ اپنی جگہ رکتا مزید بولا تھا۔
"مگر کب تک ایسے بھاگو گی۔؟ ابھی بس چند دن بعد تمہیں یہیں میرے پاس ہی آنا ہے۔" ذو معنی انداز میں کہتے ہوئے اس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔ تو وہ شرم سے لال ہوتی فوراً اس کے کمرے سے نکل کر دروازہ بند کرتی تیز تیز قدم اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے نیلے آسمان کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا کہ جس نے اسے کسی بڑے نقصان سے بچا کر اس کی ساری غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے اس کی زندگی کو حقیقی خوشیوں سے بھر دیا تھا۔

☆ ☆

شبینہ گل
یہ زندگی ہے

"ایڈیٹر کہتی ہیں آج کل کے دور پریشاں میں ہر شخص ٹینشن اور ڈپریشن کا شکار ہے' ہر شخص نیند کی گولیوں کا محتاج ہے' ایسے میں آپ بھی تلخ حقائق کی پردہ کشائی کرتے افسانے لکھنے لگیں گی تو خواتین نے رسالے لینا ہی بند کر دینا ہے۔ لوگ پریشانیوں کو فراموش کرنے کے لیے ان رسالوں میں پناہ لیتے ہیں۔ ہلکے پھلکے رومانٹک موضوعات پہ لکھیں یا مزاح لکھیں۔ اور مزاح لکھنا تو بہت مشکل کام ہے۔ عفت سحر طاہر کی ازمیر سیریز یا فائزہ افتخار جیسے قہقہوں کے فوارے لکھنا میرے بس کا کام تو نہیں۔ رومانس کی کوئین تو فرحت اشتیاق ہیں انہی کے نقش پا پہ چلتے میں نے رومانس لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن وہ کیا ہے ناکہ .... اب جب کہ میرے فینز مجھے رومانس رائٹر کے طور پر جاننے لگے ہیں تو اب میرا دل کرتا ہے سب چھوڑ چھاڑ کے بھاگ جاؤں۔"

بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگائے' آنکھوں میں سوز لیے وہ اپنی عزیز سہیلی اور چھوٹی بہن ایمن سے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بسے اس سوز کی وجہ ایمن خوب سمجھتی تھی اس لیے چند لمحے سوچا' پھر آنکھوں میں شرارت لیے۔ معصوم بن کر بولی۔

"لیکن کیوں عائش؟"

"کیوں اس طرح میرے اپنے خوابیدہ جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں خوابوں کے جگنو ستارے بھرتے بھرتے میری آنکھیں بنجر ہوئی جا رہی ہیں۔" اس بار وہ اس سوال پہ بھڑکی نہیں بلکہ مزید سوگوار جواب آیا' جو ایمن کے دل پر بھی گھونسے کی مانند لگا۔ لیکن اسے تو اپنی پیاری سی رومانٹک سی بہنا کے چہرے پر گلاب کھلانے تھے۔ اس نے اپنی گول گول آنکھیں گھمائیں اور عائش کے سراپے کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ پھر ڈرامائی انداز میں بولی۔

"دیکھو بھئی' ہو تو تم پیاری۔ لیکن ادائیں قاتلانہ نہیں ہیں۔ ڈریسنگ بھی اچھی ہی ہوتی ہے لیکن تمہاری ہیروئنوں جیسی اسٹائلش نہیں۔ میک اپ تم ٹھیک کر لیتی ہو لیکن اپنی ہیروئن کی طرح آنکھوں میں صرف کاجل کی دھار سے بندہ نہیں مار سکتی۔" وہ ابھی مزید گل افشانیاں کرتی لیکن عائش نے گود میں رکھا تکیہ اس کے منہ پر پھینکا اور دھپ دھپ کرتی باہر نکل گئی۔

"مروتم" دروازہ بند کرتے کرتے کہنا نہ بھولی اور ایمن کے بھونڈے قہقہوں نے باہر لاؤنج تک اس کا پیچھا کیا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر صحن میں بنے چھوٹے سے لان میں جاتی عائش کے لبوں پر ہلکی سی مسکان نے کلیاں کھلائیں تو دل کچھ شانت سا ہو گیا۔

بہنوں کے بھونڈے مذاق بھی کسی ملٹی وٹامن سے کم نہیں ہوتے' غیر محسوس طور پر آپ کی رگوں میں توانائی دوڑا دیتے ہیں اور آپ پھر سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ زندگی میں رومانس کے بہت سے رنگ ہوتے ہیں۔ وہ رائٹر ہو کے بھی فی الحال ذاتی مسئلوں میں کچھ یوں الجھی تھی کہ سمجھ ہی نہ پا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ کوئی ٹین ایجر ہر گز نہ تھی' چھبیس سالہ باشعور لڑکی تھی اور زندگی کے تمام معاملات میں بے حد سمجھ داری کا ثبوت دیا کرتی تھی' لیکن بس ایک معاملے میں آکر اس کی ساری سمجھ داری دھری رہ جاتی تھی۔ اور وہ تھا اس کی شادی کا معاملہ۔ اس معاملے میں اس کا دل بچہ بن جاتا اور خواہش کرتا کہ اسے بھی افسانوی اتفاقات کے ذریعے ایک رومانٹک سا خوبرو سا شریک سفر مل جائے اور اس معاملے میں اس کی افسانوی خواہشات لامحدود تھیں۔ اپنی تمام خواہشات کے ارمان وہ اپنی کہانیوں کے کپلز پر پورے کرتی تھی او اسی لیے اب جذباتی طور پر شکستگی کا شکار ہونے لگی تھی۔ ہنوز دلی دور است کی مانند رشتوں کا بھی دور دور تک کوئی اتا پتا نہ تھا کجا کہ افسانوی اتفاقات۔

کبھی بک شاپ سے نکلتے ہوئے سوچتی کوئی ڈیشنگ سا بندہ ٹکرا جائے' کتابیں گر جائیں' وہ اٹھائے اور محبت ہو جائے اور ایک بار تو ایک بندہ ٹکرایا بھی لیکن اس کے ہاتھ میں صرف ایک ہی کتاب تھی

جواس کے ہاتھ میں ہی رہی۔ مایوس ہو کر اس نے پیچھے مڑ کر ٹکرانے والے کو دیکھنا چاہا تو.... اپنی خواہشات کو دانتوں تلے پیستی' وہ کلس کر مڑ گئی۔ وہ ایک بار لیش انکل تھے۔

"لعنت ہو تمہارے افسانوں پہ عائش۔" وہ بڑبڑائی۔

کالج کے زمانے میں وہ فنکشنز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی کہ کیا خبر کوئی ہیرو' چیف گیسٹ کی صورت آن وارد ہو۔ جیسے نعمان اعجاز بھی تو کنیئرڈ کالج کے فنکشن میں چیف گیسٹ کے طور پر 'بلایا گیا تھا نا جہاں اسے ڈرامیٹک سوسائٹی کی پریزیڈنٹ پسند آ گئی تھی اور آج وہ اس کی بیوی تھی۔ لیکن عجیب تھے اس کے کالج والے جو کسی ہیرو ٹائپ بندے کو بلاتے ہی نہ تھے۔ بلکہ وہ تو خواتین کو ہی بلاتے تھے۔ اچھا چلو لڑکے کی ماں ہی سہی۔ کوئی امیر کبیر خاندان کی ممی ٹائپ اونچی پوسٹ پر فائز آنٹی ہی آجائیں اور اپنے ہینڈسم بیٹے کے لیے اسے پسند کریں۔ لیکن اس کے یہ اتفاقات افسانوں میں ہی بنتے رہے۔ حقیقی زندگی میں تو وہ پڑھائی مکمل کر کے گھر بھی بیٹھ گئی پر ہیرو نہ آیا۔

وہ ایک عام لڑکی تھی بھئی کوئی افسانوں کی ہیروئن تھوڑا ہی تھی جو ہیرو آتا۔ بس تو پھر جب وہ ساڑھے چھبیس برس کی ہوئی تو اس کی سیدھی سادی زندگی کی مانند ہی سیدھے سادے طریقے سے ایک سادہ سا رشتہ آ گیا اور اس کے سادگی پسند والدین کو پسند بھی آ گیا۔ لڑکے کی ماں اور خالہ آئیں' نہ تو اس کی تعریفوں کے پل باندھے نہ ساتھ چمٹایا۔ بس سیدھے سادے طریقے سے مٹھائی کھلائی اور ایک سادہ سی انگوٹھی پہنا کر چلتی بنیں۔

"یہ کیا تھا؟" رشتہ آنے کے وقت جو اس کا منہ کھلا تو ان کے انگوٹھی پہنا کے چلے جانے تک کھلا ہی رہا۔ ایمن نے دونوں ہاتھوں سے اس کا منہ بند کرتے ہوئے نصیحت کی۔

"دو ہفتے سے منہ کھلا ہے مکڑی پلاٹ دیکھ کر جالا ہی نہ بنا جائے۔" اور وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

دن بھر سونے کی مانند چمکتا سنہرا گولہ اب دن کے اختتام پر تھک ہار کر نارنجی ہوا جا رہا تھا' تھکن سے جھک کر نیچے ہی نیچے کو جاتا زوال پذیر ہوتا جا رہا تھا' رنگ گہرا ہی ہوتا جا رہا تھا۔ کون جانے یہاں تھکن سے جھک کر زمین بوس ہوتا دکھائی دیتا یہ سورج' کسی اور سرزمین پر پوری آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو رہا ہو گا۔ جو یہاں اپنا نظارہ کرنے والوں کا دل اداس کیے دے رہا تھا وہ کسی اور خطے پر لوگوں کے چہروں پہ روشنیاں بکھیر رہا ہو گا۔ وہ چھت کی منڈیر پہ بازو ٹکائے کتنی دیر سے سورج کے آگے مراقبے میں ڈوبی تھی۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی کب اندھیرا بڑھا اور ٹھپ کی آواز کے ساتھ منڈیر پر کوئی چیز پٹخی گئی۔ وہ بری طرح چونک کر مڑی تو ایمن ساس نما تاثرات لیے کھڑی تھی۔

"یہ دیکھ لو۔" منڈیر پر اشارہ کیا۔ کوئی تصویر تھی۔ اس نے اٹھا کر دیکھی اور بس.... ایمن کے ہاتھ پر پٹخ دی۔

وہ ایسا بھی نہ تھا کہ فرصت سے دیکھا جاتا' بار بار دیکھا جاتا اور پھر سے دیکھنے کی خواہش مچلتی۔ وہ چپ چاپ نیچے آ کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ ایمن پیچھے پیچھے اندر آئی اور پھر سے تصویر اس کے آگے پٹخی۔

"اتنا برا بھی نہیں ہے' اب روشنی میں دیکھو۔ اندھیرے میں تو پرنس ولیم بھی اودبلا نظر آئے گا۔" کہتی باہر نکل گئی۔ اس نے پھر نظر ڈالی اور بلا ارادہ دیکھے گئی۔ نہ کوئی یونانی خدوخال' نہ آنکھوں میں مقناطیسیت اور نہ ہی اعلا ڈریس سینس۔ عام نارمل سی شکل صورت' روایتی سا ہیئر اسٹائل اور سادہ سی مسکراہٹ۔ وہ بد دل ہو گئی۔ اب نہ افسانے لکھے جاتے تھے نہ کسی سے بات کرنے کو دل کرتا تھا۔ دو ماہ بعد شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی۔ وہ منتظر تھی شاید "مزاجا" ہی رومانٹک نکلے لیکن اس نے تو نمبر تک نہ لیا' نہ کوئی گپ شپ نہ چھیڑ چھاڑ۔ رومانس لکھنے والی کا اپنا گولڈن پیریڈ ایسا پھیکا

گزرا کہ وہ بے زار ہو گئی۔ اسی بے زاریت میں دو ماہ گزر گئے اور وہ دلہن بنی سارے افسانے پیچھے چھوڑے سسرال پہنچ گئی۔ سسرال میں سب نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کا شوہر احمد اور دیور احد بس یہ دو بھائی تھے' بہن کوئی نہ تھی اور سادہ دل سے ساس سسر۔ اس کا استقبال اچھا ہوا لیکن جیسا وہ افسانوں میں لکھتی تھی ویسا نہیں تھا۔ احمد کمرے میں آیا تو آخری چند خواب بھی دم توڑ گئے۔

نہ اس کے سنگھار کی تعریف' نہ اس کے حسن کے قصیدے' نہ رومانٹک چھیڑ چھاڑ اور سوالات۔ بس ایک انگوٹھی پہنائی۔

"اچھی لگ رہی ہو" کہہ کر تعریف کی' ماں کے احترام میں چھوٹا سا لیکچر دیا اور......

عائش احمد کے افسانوں کا گھروندا کانچ کی مانند بکھرا اور حقیقت کی فولادی دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ اب اسے ان مضبوط دیواروں کے اندر حقیقت پسندی کا لبادہ اوڑھنا ہی تھا۔ سو اس نے افسانوی خواہشات کو عروسی لباس میں لپیٹ کر سوٹ کیس میں بند کیا اور حقائق کی شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر ازدواجی زندگی میں قدم رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

لڑکیاں جتنی مرضی خواہشات پال لیں' جتنی مرضی نازک بن جائیں' ان میں موم کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مڑجانا' پگھل جانا' ہر سانچے اور ہر رنگ میں ڈھل جانا اور سب سے بڑھ کر' خود جل کر دوسروں کو روشنی دینا۔

وہ بھی روٹین لائف میں آ گئی' گھر کے کام کاج' شوہر کے لیے سجنا سنورنا' گھومنا پھرنا' خاندانی رشتے نبھانا۔

احمد اس کے افسانوں کا ہیرو نہیں تھا' لیکن اس کی زندگی کا ہیرو تو وہی تھا۔ اس سے محبت کرتا تھا' اس کا خیال رکھتا تھا' معاملات میں اس کی رائے کو اہمیت دیتا تھا اور سب سے بڑھ کر..... اسے بیوی کی حیثیت سے عزت دیتا تھا اور بڑی بہو اور بھابھی کی حیثیت سے سب جگہ اس کی عزت احمد ہی کے دم سے تھی۔ کیا ہوا جو چاندنی راتوں میں اس کے لیے گجرے نہیں لاتا تھا' سالگرہ پر کیک نہیں لاتا تھا اور اینور سری پر کینڈل لائٹ ڈنر نہیں کراتا تھا۔ وہ بحیثیت ایک فرد اور ایک عورت کے اس کی عزت کرتا تھا اور محبت عزت کی گود سے جنم لیتی ہے۔ اور ایسی محبت ہزار محبتوں پہ بھاری ہوتی ہے۔ اب اسے اپنے افسانوں میں لکھی جانے والی محبت پہ ہنسی آتی تھی۔ وہ اور احمد اب ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے اور جب محبت ہو جائے' سچی محبت' تو اظہار کے سلیقے خود بخود آجاتے ہیں۔ اب وہ کبھی کبھی اس کے لیے کچھ لے آتا تھا جو امید نہ ہونے کے باعث اسے سرپرائز کی مانند مسرور کر دیتا تھا۔

حقیقت پسندی کے جھونپڑے میں قدم رکھنا انسان کو کٹھن تو بہت لگتا ہے' لیکن جب محبت ہم قدم ہو جائے تو آپ کے سر پر تاروں بھری چادر تن جاتی ہے۔ جس کے ٹھنڈے سائے تلے زندگی گزارنا فیری ٹیل جیسا لگنے لگتا ہے۔ آپ صرف ایک قدم حقیقت کی جانب اٹھائیں' پوری خوش دلی سے' زندگی خود آپ کی راہ میں پھول بکھرائے گی۔

☼ ☼ ☼

وہ معمول کے مطابق ساس سسر کو شام کی چائے دے کر اوپر ٹیرس میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ ہی دیر میں احمد آجاتا تو وہ دونوں ٹیرس پر ہی چائے پیتے تھے۔ لیکن آج اس نے فون کیا تھا کہ ایک ضروری کام کی وجہ سے وہ اب ڈنر کے وقت ہی پہنچ پائے گا۔ وہ اداسی سی محسوس کر رہی تھی۔ احمد کی عادت جو ہو گئی تھی' محبت بھی۔ اسے بیٹھے کچھ ہی دیر گزری تھی جب اچانک بنا بتائے ایمن چلی آئی۔ وہ خوش گوار حیرت میں رہ گئی۔ کتنی ہی دیر اسے گلے لگائے کھڑی رہی' دونوں کے دل پگھل رہے تھے۔ ایمن نے ہی ہمیشہ کی طرح ماحول بدلا اور اسے دھکا دے کر پیچھے کیا۔

"میں ایمن ہوں غور سے دیکھو کہیں تم مجھے احمد بھائی تو نہیں سمجھ رہیں؟" اس نے بری طرح بلش ہوتے ہوئے ایمن کو گھورا تو وہ ہنستی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اور دلچسپی سے اس کے گل رنگ چہرے کو دیکھنے لگی جو روز بہ روز نکھرتا جارہا تھا۔

"محبت اور حیا سے بڑھ کر بھی کوئی بیوٹی کریم ہو گی بھلا۔" ایمن نے بے اختیار سوچا تھا۔

"احمد بھائی نہیں آئے؟" اس نے سینڈل اتار کر دونوں پیر کرسی پر چڑھائے تو عائش محبت سے مسکرا دی۔

"نہیں آج وہ لیٹ آئیں گے۔"

"اب کیا حال ہے تمہاری افسانوی محبت کا؟" ایمن چہکی تو وہ پھر مسکرائی۔ اب اس کی آنکھوں میں اداسی کے بجائے محبتوں کے ستارے جگمگاتے تھے جن کی کرنوں سے اس کا چہرہ جھلملایا رہتا تھا۔

"یقین کرو ابھی میں یہی سوچ رہی تھی ایمن۔"

"کیا۔" ایمن چونکی۔ "پھر سے کوئی سیڈ سٹوری نہ بننے بیٹھ جانا۔"

"رومانس کیا ہوتا ہے ایمن؟" اس کے عجیب و غریب سوال پر ایمن کا منہ کھل گیا۔

"کیا مطلب' اور بہنا شادی ابھی صرف تمہاری ہوئی ہے' میری نہیں' اس لیے یہ اخلاق باختہ سوالات مجھ معصوم سے مت کرو۔" عائش نے بری طرح خفگی اور غصے سے اسے گھورا۔

"بکو مت۔"

"اچھا تو پھر تم بکو۔"

"لڑکے لڑکی کی محبت' ملنا ملانا' اتفاقات' تحفے تحائف' رومانٹک باتیں' خوب صورت چہرے اور وہ سب کچھ جو میں افسانوں میں لکھتی تھی وہ سب رومانس نہیں تھا ایمن۔" ایمن کا منہ پھر کھلا۔

"ہم روز یہاں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ ہماری ایک سیٹ روٹین ہے۔ صبح صبح تیار ہو کر جانا' میران کی ہیلپ کرانا' آفس بھیجنا' دن بھر ان کے گھر کو اپنا مان کر کام کاج نمٹاتے ہوئے ان کا انتظار کرنا اور پھر یہاں ٹیرس پر فرصت کے لمحات بتانا۔ رات کو ڈنر کے بعد سب گھر والوں کے ہمراہ بیٹھ کر گپ شپ کرنا' اہم معاملات پر فیصلے لینا' زندگی کا ایک پہیہ ہے جو گھوم رہا ہے' ذرا جو یہ پہیہ کہیں اٹکے یا رکے تو زندگی کی گاڑی ہچکولا کھاتی ہے۔ اس وقت زندگی میں رومانس کا کانچ ٹھوکر کھاتا ہے۔ ہم اسے سنبھال لیتے ہیں۔ یہ رومانس ہے ایمن۔

آج احمد لیٹ ہیں' یہاں گزارے جانے والے فرصت کے لمحات رومانس ہیں۔ جو آج مس ہو گئے۔ زندگی کے ساتھی کی اہمیت و محبت کو مزید بڑھانے کے لیے رومانس کا پہیہ رکنا رومانس کی کشش کو مزید بڑھاتا ہے۔ اور یہی اصل رومانس ہے ایمن یہی زندگی میں رومانس ہے۔ جو ہمارے وجود کو جینے کی طاقت دیتا ہے۔" وہ خاموش ہوئی تو اس کی باتوں سے بنا فسوں ٹوٹا۔ اس کے تخیل کو تصور میں دیکھتی ایمن چونک گئی۔ عائش کے چہرے سے نگاہ ہٹانا محال تھا اس وقت۔ اسے اپنی بہن پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اس کی سوچوں کی شفافیت پر رشک آیا۔

"ہاں یہی تو زندگی میں رومانس ہے۔ حقیقی رشتوں سے جڑی حقیقی اور غیر ارادی محبتیں۔" اس نے بے اختیار سوچا۔

"تو پھر دو سال کے وقفے کے بعد یہ تمہارے افسانے کا نیا نیا پلاٹ ہے ہاں؟" ایمن بولی تو وہ مسکرائی۔

"ہاں میرے نئے افسانے کا پلاٹ یہی ہے ایمن۔" زندگی میں اس رومانس نے اس کومل وجود کا احاطہ کرکے اسے کندن بنا دیا تھا۔ لڑکیوں کی پسندیدہ رومانس رائٹر اب رومانس کا ایک نیا رخ دکھانے میدان میں آ چکی تھی۔

☼ ☼

شفق افتخار

میرے حصے کی زمین میرا آسماں

شاپنگ مال سے نکلتے ہوئے اس نے اپنی گاڑی کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی۔

"جانے ڈرائیور نے گاڑی کہاں کھڑی کر دی تھی۔"

اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے سوچا تھا۔ ایک ہاتھ میں شولڈر بیگ اور دوسرے میں شاپنگ بیگز بہ مشکل سنبھالے ہوئے تھے۔ تب ہی اچانک ہی اس کے پاس سے گزرتے ہوئے کوئی اس سے ٹکرایا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے چکر میں اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے شاپنگ بیگز زمین بوس ہو گئے تھے۔

"او... آئی ایم سوری مس... ریئلی سوری۔" ٹکرانے والا یقیناً" جان بوجھ کر ٹکرانے کے بعد اب معذرت کر رہا تھا۔

"اٹس اوکے۔" باوجود بے انتہا غصے کے اس نے یوں بیچ سڑک پہ بات کو بڑھانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کہنے کے بعد وہ جھک کر اپنا سامان اٹھانے لگی ٹکرانے والا بھی ساتھ ہی جھکا تھا۔

"میں نے کہا نا اٹس اوکے۔" وہ قطعی انداز میں کہہ کے بیگ سے موبائل نکالنے لگی تھی تاکہ ڈرائیور کو کال کر سکے۔

"ٹھیک ہے تو پھر آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ آئیے پلیز۔" عجیب چیپکو آدمی تھا۔ اسے اب الجھن ہونے لگی تھی۔

"دیکھیں مسٹر جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب آپ فضول میں مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ میرے پاس گاڑی ہے۔ میں خود جا سکتی ہوں۔ آپ پلیز جائیے یہاں سے۔" وہ قطعی انداز میں کہہ کر اپنی گاڑی کا انتظار کرنے لگی تھی جو ڈرائیور پارکنگ سے نکال کر ادھر ہی لا رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ آئیں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔"

وہ بندہ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے بے حد پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل نظر انداز کیے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنا ہی چاہتی تھی کہ اس بندے نے اس کا بازو تھام کر اسے روکنا چاہا اور اب کی

بار اس کا غصہ فوراً" ہی بلند ہوا تھا اور اس نے ایک زناٹے کا تھپڑ اسے کھینچ مارا تھا۔

"دور ہٹو تم گھٹیا انسان تمہارے جیسے لوگوں کو میں اچھی طرح جانتی ہوں' پہلے جان بوجھ کر لڑکیوں سے ٹکراتے ہو۔ پھر معافی کے بہانے سے ان کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہو اور پھر ہر بات کا الزام لڑکی پہ آتا ہے۔ سب لڑکیوں کو تم نے اپنا جیسا سمجھ رکھا ہے۔ جو تمہارے ایک اشارے پہ پگھل جائیں گی اور تمہارے ساتھ چل پڑیں گی۔"

شور ہنگامہ سن کر وہاں کافی لوگ اور سیکورٹی جمع ہو چکی تھی اور بندہ گال پہ ہاتھ رکھے عجیب نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ تھپڑ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا یاد رکھنا۔" سیکورٹی کے آجانے سے وہ اسے دھمکا کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

"کیا ہوا میڈم؟" ڈرائیور نے اس کے پاس آکر کہا تھا۔

"کچھ نہیں چلو یہاں سے۔" وہ سر جھٹک کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"او مائی گاڈ یار۔ اسے اتنے قریب سے دیکھ کر کہیں میں بے ہوش نہ ہو جاؤں۔"

"کون کس کی بات کر رہی ہو۔" صبا کی بات پر صلہ نے موبائل اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"حمدان رضا کی۔ وہ دیکھو سامنے کھڑا ہے۔ بلیک جیکٹ میں۔" صبا نے نگاہوں سے ایک طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں ہے تو وہی۔ اتنا مشہور بندہ ہو کر یہاں اتنے عام سے فنکشن میں کیا کر رہا ہے۔"

"کمال ہے یار تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم حالانکہ تم ان کے پڑوس میں رہتی ہو۔ حمدان رضا' انکل مرتضٰی کا بیٹا ہے بھئی۔ اب وہ اپنے گھر کا فنکشن تو اٹینڈ کرے گا چاہے وہ عام ہو یا خاص۔"

"واقعی؟" صبا کے بتانے پر صلہ کو خاصی حیرانگی ہوئی تھی۔

اسے آج تک یہ بات معلوم نہیں تھی۔ حالانکہ مرتضٰی انکل کا گھر ان کے گھر کے بالکل سامنے ہی تو تھا۔ اور اس کے بابا اور مرتضٰی انکل میں آپس میں کوئی رشتے داری بھی تھی۔ لیکن اس کے بابا میل جول ذرا کم ہی پسند کرتے تھے۔ سو ان کے یہاں بھی کم ہی آنا ہوتا تھا۔ تقریباً" نہ آنے کے برابر اور صلہ تو آج یہاں پہلی بار ہی آئی تھی۔

"چلو آؤ نا صلہ اس سے چل کر ملتے ہیں میرا تو یہاں آنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ شاید اس سے ملاقات ہو جائے۔" صبا اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے بھی بازو سے پکڑ کر اٹھانے لگی تھی۔

"نہیں صبا تم جاؤ۔ اچھا نہیں لگتا یار اور پھر بابا نے دیکھ لیا تو انہیں برا لگے گا' تمہیں پتا ہے نا وہ اس طرح کی باتوں کو پسند نہیں کرتے۔" صبا کے اصرار پر صلہ نے اسے کہا تھا۔

صبا اٹھ کر چلی گئی تھی اور وہ وہیں بیٹھی ادھر ادھر دیکھتی رہی تھی۔ ساما اپنی فرینڈز میں بزی تھیں اور بابا اپنے سرکل میں' وہ گھر پہ بوریت سے بچنے کے لیے یہاں آئی تھیں اور یہاں آکر بھی بور ہی ہو رہی تھی۔

"او گاڈ صلہ کیا شاندار بندہ ہے وہ۔" چند لمحوں بعد صبا آگئی تھی اور بہت ایکسائٹڈ تھی شاید حمدان رضا نے اسے زیادہ ہی لفٹ دے دی تھی۔

"یہ دیکھو۔" صبا نے اپنی موبائل اسکرین صلہ کی نگاہوں کے سامنے کی تھی۔

"اس کا نمبر اور ای میل۔"

"مگر اس نے تمہیں کیسے دے دیا فیک آئی ڈی ہو گی۔ فضول میں تمہیں پاگل بنا رہا ہو گا۔ مشہور لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" صلہ نے کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

"لاؤ تمہارے فون میں بھی سیو کر دوں۔" صبا نے صلہ کے ہاتھ سے اس کا فون لے لیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو۔ مجھے نہیں چاہیے صبا۔" صلہ نے

اسے منع کرنا چاہا لیکن تب تک وہ حمدان رضا کا نمبر اور ای میل اس کے فون میں محفوظ کر چکی تھی۔

"بہت فضول ہو صبا تم بھی۔" صلہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا فون چھین لیا تھا۔ جواباً" صبا مسکرا دی تھی۔ جبکہ صلہ کو پورا یقین تھا کہ آئی ڈی اور نمبر دونوں ہی فیک (نقلی) ہیں اور اس نے صبا کو الو بنایا ہے۔ ایک دن جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ اس نے ایک گریٹنگ کارڈ اس آئی ڈی پہ سینڈ کر دیا تھا بنا اپنے نام کے اور اسے حیرت تب ہوئی جب کچھ دیر بعد اس کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور نیچے حمدان رضا کے سائن تھے۔ یعنی اس کا مطلب تھا کہ حمدان رضا نے صبا کو الو نہیں بنایا تھا۔

"ہوں ان مشہور لوگوں کا کام ہی لوگوں کو پاگل بنانا ہے۔" اس نے سوچتے ہوئے سر جھٹکا اور لیپ ٹاپ بند کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

پھر ای میل اور فیس بک پہ کمنٹ کرتے کرتے کب اس کی حمدان سے دوستی ہو گئی پتا ہی نہیں چلا تھا۔ حمدان بس اتنا جانتا تھا کہ اس کا نام کیا ہے اور وہ کس یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ نہیں جانتا تھا کچھ بھی اور نہ ہی اسے یہ پتا تھا کہ صلہ اس کے سامنے والے گھر میں رہتی ہے۔ کیونکہ صلہ کے بابا کی ناپسندیدگی کی وجہ سے ان کا ملنا ملانا ذرا کم ہی ہوتا تھا اور کچھ صلہ ہمیشہ سے اپنی پڑھائی وغیرہ میں اس قدر مصروف رہتی تھی کہ اسے اردگرد کسی سے ملنے کا خیال ہی نہیں آتا تھا اور کچھ بابا بھی اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اس کا فیملی اور فرینڈز میں ملنا ذرا کم ہی ہوتا تھا۔

لیکن اب حمدان اس کا دوست بن چکا تھا ایک بہت اچھا دوست جو ایک مشہور سنگر اور سیلیبرٹی ہونے کے باوجود صلہ کو اس میں وہ غرور اور گھمنڈ قطعی محسوس نہیں ہوا تھا۔ جس کا تذکرہ عموماً" اس کے بارے میں کیا جاتا تھا جہاں تک صلہ اسے سمجھ سکی

تھی اور جان پائی تھی وہ ایک اچھا اور سلجھا ہوا انسان تھا۔ عام لڑکوں کی طرح اس نے نہ تو صلہ کو دیکھنے کی خواہش کی تھی اور نہ ہی اس کی آواز سننے کی ضد وہ بس اس کا دوست تھا۔ ایک دوسرے سے بات کرنا، چھوٹے چھوٹے پرابلمز شیئر کرنا اور بس اور اس سے آگے مزید کچھ اور صلہ سوچنا اور سمجھنا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایسی کسی خواہش کی شاید اس کی زندگی میں گنجائش ہے اور نہ ہی اجازت۔ اس وقت وہ لاؤنج کے صوفے پہ دونوں پاؤں اوپر کیے، بہت ایزی ہو کر بیٹھی تھی اور گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ اس وقت وہ بس ایسے ہی اپنا اکاؤنٹ چیک کر رہی تھی۔ جب لاؤنج کا دروازہ کھول کر بابا اندر آئے تھے اور پیچھے ملازم ان کا بیگ لیے ہوئے تھا۔ وہ سیدھے وہیں چلے آئے تھے جہاں صلہ بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم بابا۔" وہ انہیں دیکھ کر لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ بیٹھی رہو بیٹا کھڑی کیوں ہو گئیں۔"

انہوں نے سلام کا جواب دے کر ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ بھی کیا تھا اور خود وہ سامنے رکھے ٹوسیٹر پہ بیٹھ گئے تھے۔ ملازم ان کا بیگ رکھ کر جا چکا تھا۔

"آپ چائے پئیں گے بابا یا پہلے چینج کریں گے۔" وہ واپس اپنی جگہ بیٹھ چکی تھی۔

"نہیں چینج بعد میں کرلوں گا۔ پہلے چائے پیتے ہیں۔" وہ ایزی ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ کچن میں چائے کا کہنے چلی آئی تھی۔ جہاں پہلے سے ماما' ملازمہ کے ساتھ چائے بنوا چکی تھیں اور اب بابا کو دیکھ کر ٹرالی لا رہی تھیں۔ صلہ واپس لاؤنج میں چلی آئی تھی۔

"تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے بیٹا۔" تبھی ادھر ادھر کی باتوں کے دوران بابا نے اس سے پوچھا تھا۔

"بہت اچھی جا رہی ہے بابا بس تین ماہ بعد فائنل سمسٹر ہیں کچھ دن میں ڈیٹ آجائے گی۔" وہ یونیورسٹی میں ایم بی اے کی اسٹوڈنٹ تھی۔

"اور پھر کیا کرنے کا ارادہ ہے آگے؟ اگر تم چاہو تو تم میرا آفس جوائن کر سکتی ہو۔ اس طرح مجھے بھی مدد مل جائے گی اور تمہیں بھی کہیں اور جاب کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ باقی آگے تمہاری مرضی جیسا تم چاہو بہتر سمجھو۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی بابا نے اس کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا اور ہمیشہ کی طرح بابا کے تمہاری مرضی والے الفاظ کے بعد جیسے اس کے پاس تمام لفظ ختم ہو گئے تھے۔ جیسے اس کی چوائس بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ کیا کرنا چاہتی ہے یا کیا کہنا چاہتی ہے۔ ان الفاظ کے بعد جیسے ہمیشہ کی طرح اس کی سب خواہشات دم توڑ گئی تھیں۔

"جی بابا میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" اس نے ہمیشہ کی طرح ان کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ اور وہ اس بات پر مطمئن بھی تھی۔ لازمی بات ہے کہیں اور جاب کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ بابا کا ہاتھ بٹائے وہ مطمئن سی ماما کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے یار؟" حمدان اپنے ٹیب پر سرچنگ کرنے میں مصروف تھا تبھی علی نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"کچھ نہیں یار بس ایسے ہی۔" حمدان نے بے زاری سے کہتے ہوئے ٹیب سائڈ میں رکھ دیا تھا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" علی نے اس کے چہرے پہ ایک نظر ڈالی اور پھر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں تو۔" اس کا انداز صاف ٹالنے والا تھا۔

"انکل نے کچھ کہا ہے۔" بالآخر علی نے کھوج ہی لیا تھا۔

"وہ کب کچھ نہیں کہتے۔ یار میں تنگ آگیا ہوں۔ ہر وقت کی ایک ہی بات سے۔۔۔ دوسروں کی مثالیں سن سن کر۔۔۔ اب اگر میرا دل بزنس میں نہیں لگتا تو میں کیا کروں۔ ماما کہتی ہیں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں' میرا بھلا چاہتے ہیں۔ اس لیے مجھے سمجھاتے ہیں۔ لیکن یار یہ کیسی محبت ہے۔ جس میں آپ صرف اپنی سنائیں اپنی کہے جائیں اور دوسرے کو اہمیت بھی نہ دیں۔ میں انہیں فارغ لگتا ہوں۔ میرا ہر کام' ہر شوق

انہیں فالتو اور بیکار لگتا ہے۔ میرے گٹار کی آواز سے انہیں ٹینشن ہو جاتی ہے ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے یہ کیسی محبت ہے یار۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ یہ سب کچھ ایسا ہی چلتا رہا تو میں یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کہیں چلا جاؤں گا پھر ڈھونڈتے رہیں گے سب۔"

"فضول بات مت کرو حمدان۔" علی جو خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کی آخری بات پر یکدم بول اٹھا تھا۔

"اچھا چھوڑو ساری باتیں یہ بتاؤ جس فیشن شو کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ اس کے لیے ایگری (راضی) ہو تم پے منٹ بھی اچھی کر رہے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے تم طے کر لو سارے معاملات میں ایگری ہوں۔" علی نے اس کا دھیان ہٹانا چاہا تھا اور اس میں وہ کامیاب بھی رہا تھا۔ ورنہ عموماً" وہ اس ٹاپک کو لے کر دنوں اپ سیٹ رہا کرتا تھا۔

"اور سنڈے کو تمہارا کنسرٹ ہے 'یاد ہے نا۔"

"یاد ہے یار کنسرٹ کیسے بھول سکتا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کنسرٹ کی ساری تیاریاں مکمل ہیں۔"

وہ ساری باتیں بھول کر اپنے کنسرٹ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ بلاشبہ میوزک اس کا پیشن (جنون) تھا اور بعض لوگ میوزک کو اس کی گرل فرینڈ بھی کہا کرتے تھے اور ایسی باتیں سن کر وہ ہمیشہ انجوائے کرتا تھا۔

"اور سناؤ تمہاری وہ نیٹ فرینڈ شپ کیسی جا رہی ہے۔" علی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اب اس کا رخ کچن کی طرف تھا۔

"بہت اچھی جا رہی ہے۔ اچھی لڑکی ہے صلہ' اوروں سے قدرے مختلف۔" اسے ایسے لوگ اچھے لگتے تھے جو اس کے پبلک امیج کو چھوڑ کر اس کے اصل امیج سے دوستی کریں۔

"کافی پیو گے؟" علی نے کچن سے آواز لگائی تھی۔

"ہاں ضرور اور ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لے آنا۔"

اس نے صلہ سے دھیان ہٹا کر علی کی آواز پہ دھیان دیا اور پھر ذہن سے ساری باتیں جھٹک کر گٹار اٹھا لیا تھا ادھر کچن میں کافی پھینٹتے ہوئے علی نے گٹار کی آواز سن کر اطمینان کا سانس لیا تھا کیونکہ وہ ایک بار پھر سے اس کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

علی اور حمدان یونیورسٹی فیلو تھے۔ علی 'حمدان کی آواز کا سب سے بڑا مداح تھا اور اس نے ہی حمدان کو پروفیشنلی اس فیلڈ میں آنے کا مشورہ دیا تھا اور حمدان کو خود بھی میوزک میں بے انتہا انٹرسٹ تھا۔ مگر اس کے گھر میں اسے اس بات پر کوئی بھی سپورٹ نہیں کرتا تھا اور نہ ہی کوئی انکریج (حوصلہ افزائی) کرتا تھا اور انسان کو چاہے ساری دنیا سراہے 'لیکن اگر اسے اپنے کسی شوق کو اس کے اپنے گھر میں ڈی گریڈ (ذلیل) کیا جائے تو اس کے آگے ساری دنیا کا سراہے جانا شاید کوئی معنی نہیں رکھتا مگر پھر بھی اپنے شوق کی خاطر حمدان نے محنت کرتے کرتے اس فیلڈ میں خاصا نام بنا لیا تھا اور اب وہ ایک جانا مانا سنگر اور فیشن آئی کون بن چکا تھا اور محفل میں اس کی موجودگی بھی کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی تھی۔ حمدان نے اس کے فلیٹ کو ہی اپنا اسٹوڈیو بنا رکھا تھا۔ کیونکہ وہاں اس کے اتنے بڑے گھر میں ہر چیز کے لیے جگہ تھی مگر اسٹوڈیو بنانے کے لیے جگہ نہیں تھی۔

اس کے ڈیڈ کو یہ ساری باتیں وقت اور پیسے کا ضیاع لگتی تھیں اور وہ چاہتے تھے کہ حمدان ان کا بزنس جوائن کرے۔ کیونکہ بڑے بیٹے کے ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے انہیں اتنا بڑا بزنس اکیلے ہی سنبھالنا پڑتا تھا اور اسی بات کو لے کر وہ اکثر حمدان سے ناراض رہتے تھے۔ مگر حمدان کبھی کبھار تو وہاں جا سکتا تھا لیکن روز قطعی نہیں اسے اپنی یہی زندگی پسند تھی اور یہاں 'علی کے گھر والے چونکہ دوسرے شہر میں رہتے تھے 'اس لیے علی کی خواہش پر اس نے اپنا اسٹوڈیو یہاں بنا رکھا تھا اور وہ اکثر یہیں پایا جاتا تھا۔ ماما کے بار بار فون کرنے پر اگر وہ گھر چلا بھی جاتا تھا تو وہاں ان دونوں کی مستقل ایک ہی تکرار سن سن کر واپس یہیں آجاتا تھا۔ اسے بار بار اپنے بڑے بھائی کی مثالیں دی

جاتی تھیں کہ کس طرح اس نے اپنا کیریئر بنا لیا ہے اور ایک وہ ہے کہ اب تک فضول کاموں میں اپنی زندگی برباد کر رہا ہے اور ان کی ایسی باتیں سن کر وہ ضد میں آجاتا تھا اور وہ باتیں بھی ماننے سے انکاری ہو جاتا تھا جو وہ ماننا چاہ رہا ہوتا تھا کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو سمجھ نہیں پا رہے تھے یا شاید سمجھنا نہیں چاہ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆
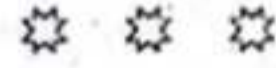
وہ اس وقت ناشتے کی ٹیبل پہ تنہا ہی بیٹھی تھی۔ ماما کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اس لیے وہ ابھی تک سو رہی تھیں اور بابا ابھی تک تیار ہو کر آئے نہیں تھے۔ توس ہاتھ میں تھامے وہ ان ہی دونوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب ہی بابا آگئے تھے۔

"السلام علیکم بابا۔" وہ توس ہاتھ سے رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام بیٹا۔ بیٹھو بیٹا کھڑی کیوں ہو گئیں۔" بابا نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے کو کہا اور خود بھی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئے اور اخبار کھول لیا تھا۔

"اب ماما کی طبیعت کیسی ہے بابا۔" اس نے توس پہ مکھن لگا کر ان کی پلیٹ میں رکھا تھا۔

"ہاں اب تو کافی بہتر ہے' بس رات کو تھوڑی سر درد کی شکایت کر رہی تھی اس لیے میں نے اسے اٹھنے سے منع کر دیا اچھا ہے تھوڑا سا آرام کر لے۔" انہوں نے اخبار سائیڈ میں رکھ کر توس اٹھا لیا تھا۔ مگر نظریں ہنوز اخبار پہ جمیں تھیں صلہ نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا۔

وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ماما کے اس سر درد کی وجہ کیا ہے۔ مگر کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ بلکہ اس میں ہمت ہی نہیں تھی کچھ بھی کہنے کی اس لیے خاموشی سے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی تھی۔

"بیٹا' یونیورسٹی جاتے ہوئے مجھے راستے میں آفس ڈراپ کر دینا میری گاڑی ورکشاپ میں ہے۔ ڈرائیور گیا ہے لینے۔" انہوں نے چائے کا مگ لبوں سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"جی بابا میں اپنا بیگ لے کر آتی ہوں پھر چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جب وہ اپنا بیگ اور بکس لے کر آئی تو بابا کسی سے فون پر بات کرنے میں بزی تھے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر چل کر گاڑی نکالنے کو کہا اور یہ بھی کہ وہ بات ختم کر کے آرہے ہیں وہ باہر چلی آئی تھی۔ گیٹ کے باہر ذرا فاصلے پر گاڑی روک کر بابا کا انتظار کرنے لگی تھی۔ تب ہی ایک بلیو اسپورٹس کار اس کے پاس سے گزر کر ان کے گھر کے سامنے والے گیٹ کے آگے جا کر رکی تھی اور اس سے اترنے والی شخصیت کو صلہ نے لمحہ بھر میں پہچان لیا تھا' وہ حمدان رضا تھا۔ لاشعوری طور پہ اس کی نظر بھی صلہ پر پڑی تھی مگر یقیناً" اس نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ اس لیے آنکھوں پہ گاگلز چڑھاتے ہوئے اس نے نگاہ پھیری تھی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ صلہ کے لبوں پہ پھیلی تھی۔ اگر جو وہ مجھے پہچان جاتا تو یقیناً" مجھ سے ملنے آتا۔

اسی پل بابا گیٹ سے باہر آئے تو صلہ فوراً" ہی ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ حمدان کی نگاہ صلہ کے بابا پر پڑی وہ رک گیا شاید وہ ان سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر بابا نے اس پہ کوئی خاطر خواہ توجہ نہ دی اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ صلہ نے ایک لمحے میں ان کے چہرے پہ پھیلی ناگواری نوٹ کر لی تھی۔ جو حمدان کو دیکھ کر ان کے چہرے پہ در آئی تھی۔ اس لیے وہ خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔

"سخت چڑ آتی ہے مجھے اس لڑکے سے۔" صلہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ ایک لمحے کو اسے قطعی اندازا نہیں ہوا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

"یہ حمدان تھا مرتضیٰ کا بیٹا سخت تنگ کر رکھا ہے اس نے اپنے باپ کو سارا دن بس گاڑی اور گٹار لیے گھومتا رہتا ہے۔ کوئی خیال نہیں ہے کہ باپ کس قدر محنت کر رہا ہے۔ بجائے اس کا ہاتھ بٹانے کے الٹا پیسہ برباد کر رہا ہے۔ ایسی اولاد بھلا کس کام کی جو بڑھاپے

میں والدین کے کام نہ آئے۔" وہ سخت ناگواری سے کہہ رہے تھے۔

"والدین کیا اولاد کو صرف بڑھاپے کے سہارے کے طور پہ پالتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ایک دوسرے پہ کوئی حق نہیں ہے۔" یہ صرف صلہ نے سوچا تھا۔ کہنے کی ہمت وہ آج بھی نہیں کرپائی تھی نہ ہی شاید کبھی کرسکتی تھی۔

بابا کو آفس ڈراپ کرنے کے بعد اس نے گاڑی یونیورسٹی کی طرف موڑی تھی۔ اس نے ذہن میں اٹھتے شور سے گھبرا کر ایف ایم آن کرلیا تھا۔ جہاں لوگوں کی بے انتہا ریکویسٹ (درخواست) پر حمدان رضا کے لیٹسٹ سونگ (تازہ ترین گانا) لگا ہوا تھا۔ جو چند دن پہلے ہی ریلیز ہوا تھا اور آج کل اس نے دھوم مچا رکھی تھی۔ ابھی اس کی آواز پوری طرح گاڑی میں گونجی بھی نہیں تھی کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایف ایم بند کردیا تھا۔ "کیا زندگی کی خوشیوں پہ کبھی میرا بھی کوئی حق ہوگا۔ کیا کبھی میں بھی اپنی زندگی اپنی مرضی اور پوری آسودگی سے جی پاؤں گی۔ شاید کبھی نہیں۔"

یونیورسٹی کی پارکنگ میں گاڑی پارک کرتے ہوئے جو آخری سوچ اس کے ذہن میں آئی وہ یہی تھی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر گاڑی لاک کرکے کلاس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

یونیورسٹی میں اینول فنکشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یونیورسٹی میں ہر سال کی طرح اس سال بھی ایک کنسرٹ کا اہتمام ہو رہا تھا اور اس بار اسٹوڈنٹس کی پرزور فرمائش پر مین سنگر کے طور پہ حمدان رضا کو بلایا جا رہا تھا۔

صلہ کا اس فنکشن میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور اس نے یہ بات حمدان کو بھی بتادی تھی۔ کیونکہ کنسرٹ کا ٹائم رات نو بجے تھا اور کب شروع ہو اور کتنے بجے ختم ہو کچھ پتا نہیں تھا اور صلہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بابا اسے اتنی رات گئے تک باہر رہنے کی کبھی بھی اجازت نہیں دیں گے۔ چاہے وہ یونیورسٹی کا فنکشن ہی کیوں نہ ہو۔

"ٹھیک ہے صلہ تمہاری مرضی ہے۔ جیسے تم ٹھیک سمجھو میں تمہیں فورس نہیں کروں گا۔ مگر میں نے سوچا تھا کہ تمہاری یونیورسٹی کا فنکشن ہے تو تم سے ملاقات ہو جائے گی۔ مگر نیور مائنڈ نیکسٹ ٹائم سہی۔"

بغیر برا مانے حمدان کی طرف سے جو جواب صلہ کی لیپ ٹاپ اسکرین پہ آیا تھا صلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆ ☆ ☆

حمدان رضا کے دو بہن بھائی اور بھی تھے۔ بڑے بھائی حنین جو اولیول کے بعد ملک سے باہر پڑھنے چلے گئے تھے اور پھر وہیں سیٹل ہو گئے تھے اور وہیں پہ موجود ڈیڈ کے بزنس کو سنبھالتے تھے۔ پھر بہن تھی حمنہ جو شادی کے بعد لاہور میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھی اور آج کل وہ اپنے بچوں کے ساتھ یہاں اپنے پیرنٹس کے پاس آئی ہوئی تھی اور چونکہ بھانجے اور بھانجی کو حمدان ماما کے ساتھ وقت گزارنا تھا سو ڈیڈ کا آرڈر تھا کہ حمدان زیادہ سے زیادہ وقت گھر پہ گزارے اور بہن اور اس کے بچوں کا خیال رکھے اور حمدان کو ان ساری باتوں سے چڑ آتی تھی۔ اس کے پاس بہت سے ضروری کام تھے کرنے کو جو کہ اسے جلد از جلد نمٹانے تھے کیونکہ اگلے ہفتے اسے دبئی میں شو کرنے جانا تھا اور اسے ان شوز کی ابھی بہت ساری تیاری اور ریہرسل وغیرہ کرنی تھی اور ڈیڈ اور ماما کے اس حکم کو سن کر اسے سخت کوفت ہوئی تھی اور اب اس بات کو لے کر اس کی ماما سے بحث ہو رہی تھی۔ اور وہ خراب موڈ کے ساتھ گھر سے نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆

صلہ' یونیورسٹی سے آئی تو ماما اسے وہیں لاؤنج میں ہی بیٹھی مل گئی تھیں۔

"السلام علیکم ماما۔" وہ ہیں ان کے پاس ہی چلی آئی

تھی۔ بیگ اور بکس وہیں ٹیبل پہ رکھ کر وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ آج جلدی آگئیں بیٹا۔" ماما نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی البم سائیڈ میں رکھتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"جی ماما شکر ہے کہ آج ٹریفک تھوڑا کم تھا راستے میں سو جلدی گھر پہنچ گئی۔" صلہ نے پاؤں پسار کر صوفے پہ رکھے تھے۔ یونیورسٹی میں خاصا ٹف (مشکل) دن تھا آج سو خاصی تھکن ہو گئی تھی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" صلہ نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈال کر پوچھا تھا۔ جو اس وقت بھی خرابی طبیعت کے باعث ستا ستا سا لگ رہا تھا۔

"اب تو ٹھیک ہوں بیٹا۔" وہ مسکرا کر بولی تھیں۔

لیکن ان کی مسکراہٹ میں بھی ایک اداسی سی تھی۔ انسان کی دونوں آنکھوں میں سے اگر ایک چھن جائے تو اسے اس وقت جتنی تکلیف ہوتی ہے ٹھیک اتنی ہی تکلیف ایک ماں کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کی اولاد میں سے ایک نگاہوں کے سامنے رہے اور دوسرے نگاہوں سے اوجھل اور اس سے ملنے کی کوئی سبیل نہ ہو۔ انسانی اصولوں سے مجبور ایک ماں کی جو حالت ہو سکتی ہے۔ وہ ماں ہی بہتر جانتی ہے۔ مگر پھر بھی مسکراتی ہے کہ کہیں نگاہ کے سامنے والی اولاد دکھی نہ ہو جائے اور صلہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ماں پچھلے چھ سالوں سے اس تکلیف سے گزر رہی ہے اور یہی تکلیف جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو کسی نہ کسی بیماری کی صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے اور صلہ ہمیشہ سے ہی ان کی تکلیف کو کم کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن کبھی وہ اس کوشش میں کامیاب رہتی تھی اور کبھی بری طرح ناکام۔

"آپ کیا دیکھ رہی تھیں ماما؟" صلہ نے لاڈ سے ان کے کندھے پہ سر رکھ دیا تھا۔

"کچھ نہیں بس کچھ پرانی البمز تھیں تمہارے بچپن کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔" ان کے ہونٹوں پہ اس وقت بہت خوب صورت مسکراہٹ تھی۔ جیسے کوئی خوب صورت یاد ان کی آنکھوں کے سامنے آگئی ہو۔

"آپ کی زویا سے بات ہوئی تھی؟" صلہ نے دھیمے سے پوچھا تھا۔ زویا صلہ کی چار سال بڑی بہن تھی۔ جو اپنے شوہر اور دو جڑاں بیٹیوں کے ساتھ لندن میں سیٹل تھی۔ انہوں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اور سائیڈ پہ رکھی البم اٹھا کر دوبارہ کھول لی تھی۔

"اس لیے آپ اداس ہو گئی تھیں اور اپنی طبیعت خراب کر لی تھی۔"

صلہ بھی ان کے ساتھ البم دیکھنے لگی تھی۔ جس میں اس کی زویا اور حماد بھائی کی کتنی بہت سی یادیں سمٹی ہوئی تھیں۔ ماما اسے ایک ایک تصویر کے بارے میں بتا رہی تھیں کہ یہ کب اور کہاں کھینچی تھی اور صلہ آج بھی اتنی ہی دلچسپی سے سن رہی تھی۔ جیسے کہ پہلی بار سن رہی ہو۔ حالانکہ یہی سب کچھ وہ نہ جانے کتنی بار سن چکی تھی۔ مگر وہ انہیں ٹوک کر ان کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔

"ماما" آپ جا کر زویا سے مل آئیں نا۔ پاپا آپ کو منع تو نہیں کریں گے۔" اچانک ہی صلہ کے منہ سے نکلا تھا۔

"ضرور مل آتی' اگر چھ سال سے ایک وعدے کی بیڑی میرے پاؤں میں نہ پڑی ہوتی تو' ضرور مل آتی۔" انہوں نے دھیرے سے کہہ کر البم بند کر دی تھی۔

"مگر...." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی کہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر پاپا اندر داخل ہوئے تھے۔ صلہ کی بات اس کے لبوں میں ہی رہ گئی تھی۔ ماما انہیں دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ البم صلہ کے کتابوں کے اوپر رکھ دی تھی۔

"تم یہ چیزیں لے جا کر اندر رکھو۔ میں ملازم سے کہہ کر لنچ لگواتی ہوں۔" وہ یکدم ہی کچن کی طرف چلی گئیں۔

تو وہ بھی پاپا کو سلام کر کے بیگ اور کتابیں وغیرہ اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اتفاق ہی تھا کہ وہ جب بھی ماما سے اس موضوع پہ بات کرنے لگتی تھی۔ ہر بار

ہی گفتگو درمیان میں رہ جاتی تھی اور مکمل بات ہی نہیں ہو پاتی تھی۔

"تمہیں کیا بتاؤں، میری پیاری بیٹی کہ اس وعدے نے میرے وجود کو جکڑ لیا ہے' لہولہان کر دیا ہے۔ مگر میں اس قدر مجبور ہوں کہ اس وعدے سے خود کو آزاد نہیں کر سکتی۔ اگر میں ماں ہوں تو ایک بیوی بھی ہوں اور شوہر کا حکم ماننا میرا فرض ہے۔ میں تو تمہیں بھی کھل کر جی بھر کر پیار نہیں کر سکتی کہ کہیں تم بھی میرے پیار سے بگڑ نہ جاؤ اور مجھ پر تمہاری بھی غلط تربیت کا الزام نہ لگ جائے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ کوئی ماں اپنی اولاد کی غلط تربیت نہیں کرتی۔"

خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے وہ یہی سب سوچ رہی تھیں اور ایک ایک نوالہ جیسے ان کے حلق میں اٹکتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
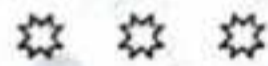
حمدان کو دبئی سے واپس آئے تقریباً" ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ مگر وہ ابھی تک گھر نہیں گیا تھا اور مام کے کتنے ہی فون آ چکے تھے۔ وہ ماما کے لیے جانا چاہ رہا تھا لیکن ڈیڈ سے سامنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈیڈ کے سامنے ہونے کی صورت میں پھر سے وہی باتیں ہوں گی۔ یہی سب سوچتے ہوئے اس نے گاڑی گھر کی طرف موڑی تھی۔ لیکن اس وقت وہ گھر جانے کی بجائے گھر کے قریبی پارک میں آ بیٹھا تھا۔

اگلے چند دن تک وہ کچھ فری تھا اور چاہتا تھا کہ وہ یہ ٹائم گھر پہ مام کے ساتھ گزارے' کیونکہ وہ ان ساری باتوں اور اپنے کام کو لے کر اس قدر مصروف ہو گیا تھا کہ گھر اور مام سے خاصا دور ہو گیا تھا اور وہ گھر سے اور مام سے دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ تو ڈیڈ سے بھی دور نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی بس ان کی باتوں سے تھوڑا ٹینس ہو جاتا تھا اور اس وقت یہاں بیٹھا وہ یہی باتیں سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت پارک کے ایک نسبتاً" الگ تھلگ سے کونے میں بینچ پہ بیٹھا تھا۔ شام ڈھلنے کو تھی اور سورج بھی تقریباً" مدھم ہو چکا تھا۔

مگر پھر بھی اس نے آنکھوں پہ گاگلز اور سر پہ پی کیپ لگا رکھی تھی۔ تاکہ کوئی پہچان نہ لے۔

تب ہی اس کی بینچ کے عین پیچھے کی بینچ پہ کوئی آ کے بیٹھا تھا۔ دونوں بینچ اس طرح لگے تھے کہ وہ پشت کی طرف سے آپس میں ملے ہوئے تھے۔ جیسا کہ عموماً" پارکس میں لگے ہوتے ہیں۔ آنے والی کوئی لڑکی تھی اور وہ لڑکی کچھ اس طرح سے ترچھی ہو کے بیٹھی تھی کہ حمدان کی طرف مکمل طور پر اس کی پیٹھ تھی۔ حمدان نے کوئی دھیان نہیں دیا اس کی طرف' وہ لڑکی دھیمی آواز میں اپنے سیل پہ بزی تھی۔ وہ اسی طرح خاموشی سے بیٹھا رہا۔ چند لمحوں بعد اسے اپنے گال اور گردن پہ ہلکی سی ملائم سی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ وہ ڈسٹرب ہوا مگر مکمل نظر انداز کیے بیٹھا رہا۔ مگر مسلسل ہوتی سرسراہٹ نے اسے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔ اونچی پونی ٹیل میں مقید وہ اس لڑکی کے سلکی بال تھے۔ جو چلتی ہوا کے سبب اڑ اڑ کر اس کی گردن سے ٹکرا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے بے زار ہو کر اٹھ جاتا یا کوئی اور جگہ تلاش کرتا بیٹھنے کے لیے۔ کسی چیز نے اسے وہاں رکنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ اس لڑکی کی باتیں تھیں جو وہ سیل پہ دوسری طرف موجود اپنی فرینڈ سے کر رہی تھی اور اس میں کچھ ایسا تھا کہ جس نے حمدان کو وہیں بیٹھے رہنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ تھوڑا سیدھا ہو کر بیٹھی تو وہ سرسراہٹ حمدان کو اور قریب محسوس ہوئی تھی۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے۔ میں سرو قاص کو میسج کر دوں گی اور نیچے اپنا نام بھی لکھ دوں گی۔ بڑبڑا کر کے صلہ احمد تاکہ وہ سمجھ جائیں اچھی طرح سے کہ نوٹس مجھے چاہئیں۔ ویسے صبا میں نے تمہیں اس وقت کتنا کہا تھا کہ یہ نوٹس سرو قاص سے لے لو' امپورٹنٹ ہیں۔ ایگزام میں کام آئیں گے۔ لیکن تم نے میری نہیں سنی اور اب تم پریشان ہو رہی ہو اور ساتھ ساتھ مجھے بھی کر رہی ہو۔"

دوسری طرف یقیناً" صبا تھی۔ صلہ کی یونیورسٹی فیلو اور کلاس میٹ اور حمدان یہ بات اچھی طرح جانتا تھا۔

کیونکہ وہ صبا کو بھی جانتا تھا اور سر وقاص کو بھی سر وقاص صلہ کے ڈپارٹمنٹ ہیڈ تھے اور ساتھ ساتھ تمام اسٹوڈنٹس کے فیورٹ ٹیچر بھی کیونکہ وہ بہت تعاون کرنے والے ٹیچر تھے۔

حمدان کو پورا یقین ہو گیا تھا کہ دوسری طرف بیٹھی لڑکی یقیناً" صلہ احمد ہی ہے۔ اس کی نیٹ فرینڈ اور حمدان نے آج سوچ لیا تھا کہ وہ اس سے ضرور ملے گا۔ شاید وہ اب جانے کے لیے اٹھ رہی تھی۔ کیونکہ وہ اب فون پر صبا سے الوداعی کلمات کہہ رہی تھی اور حمدان اس اتفاقیہ ملاقات کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"تو بالآخر صلہ احمد، میں نے آپ کو ڈھونڈ ہی لیا۔" وہ جو ابھی تک فون پہ بزی تھی۔ نہایت قریب سے ابھرتی آواز پہ سرعت سے مڑی تھی۔ قریب سے ابھرتی آواز اور اپنے نام پہ چونکنا لازمی تھا۔

"مجھے حمدان رضا کہتے ہیں' آئی ہوپ آپ نے پہچان لیا ہو گا۔" اس کی طرف چہرہ پھیرتے ہوئے اس کا انداز خود بخود ہی خوشگوار ہو گیا تھا۔ حالانکہ چند لمحے پہلے وہ شدید ڈپریشن اور یاسیت بھرے موڈ میں تھا اور پھر جب صلہ پہ نگاہ پڑی تو اب کے چونکنے کی باری حمدان کی تھی۔ وہ قطعی ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا کہ سامنے بیٹھی صلہ احمد اس کی فرینڈ ہونے کے ساتھ ساتھ احمد انکل کی بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ احمد انکل جو ڈیڈ کے کزن تھے اور اس سے خاصا چڑا کرتے تھے۔ مگر یہ سب شاید یونہی ہونا تھا اور صلہ کا انداز عجیب ہی تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ حمدان کو دیکھ کر کیا ری ایکٹ کرے۔ وہ اس طرح سے اس سے ملنے کی قطعی امید نہیں کر رہی تھی۔ سو وہ دونوں ہی چند لمحوں کو بالکل خاموش ہو گئے تھے۔

"تم یہاں....." خاموشی جب طویل ہونے لگی تو بیک وقت دونوں کے منہ سے یہی نکلا تھا۔ وہ دونوں ابھی بھی اسی طرح الگ الگ بینچ پہ ایک دوسرے کی طرف چہرہ موڑے بیٹھے تھے۔

"دیکھو ذرا ہم لوگ اتفاقاً" کتنی بار ملے مگر حیرت ہے ایک دوسرے کو پہچان نہیں پائے۔" بالآخر پہل حمدان نے ہی کی تھی۔

"ہاں واقعی۔" صلہ نے کہا۔

"اور میں تو تم سے اب بھی نہ ملتی۔ اگر تم یوں اچانک نہ مل جاتے۔" اور یہ صلہ نے سوچا تھا۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا مجھ سے مل کے۔" جانے کیسے حمدان نے اس کی سوچ کو پڑھا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ لمحہ بھر کو گڑبڑائی اور پھر جلد ہی سنبھل گئی تھی۔ وہ اس سے قطعی ملنا نہیں چاہتی تھی۔ جانے اسے کس بات کا ڈر تھا۔ اس کے اور بھی کئی دوست تھے جن سے وہ ملتی تھی بات کرتی تھی تو پھر حمدان کیوں؟ شاید اس لیے کہ وہ بابا کے کزن کا بیٹا ہے اور بابا کے خیالات اس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ جانے کیوں اور کس کمزور لمحے کی زد میں آ کر وہ اس سے دوستی کر بیٹھی تھی۔ مگر اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ بابا کو اس کے حوالے سے کچھ بھی پتا چلے اور انہیں برا لگے۔ خود پہ قائم ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ سب باتیں وہ حمدان سے نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ اس وقت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ صلہ سے مل کر خوش ہے۔

"کیا ہوا صلہ؟ مانا کہ ہم لوگ اس طرح اچانک ایک دوسرے سے ملنے کی امید نہیں کر رہے تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے مل کر ذرا بھی خوشی نہ ہو۔"

حمدان نے کتنی ہی دیر سے سوچوں میں گم صلہ کو مخاطب کیا تھا۔

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔ دراصل میں حیران ہوں۔ تمہیں یوں اس طرح اچانک دیکھ کر۔"

"ہاں' حیران تو میں بھی ہوں۔ لیکن میں 200٪ شیور ہوں کہ تمہیں مجھ سے مل کر بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ آئی ایم رائٹ۔"

"اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس سے سچ اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نہیں تم غلط سوچ رہے ہو۔ مجھے بھی اچھا لگ رہا

ہے اس طرح تم سے ملنا۔ پر یہ تو بتاؤ تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟ بڑی فرصت سے بیٹھے ہو۔"

بلاشبہ صلہ نے دل ہی دل میں یہ مان لیا تھا کہ وہ بھی اس سے ملنے کی خواہش مند تھی اور اسے بھی حمدان سے مل کر اچھا لگ رہا تھا۔ اب وہ اسے بتا رہا تھا کہ یہاں وہ اتنی فرصت سے کیوں بیٹھا تھا اور صلہ بڑی دلچسپی سے اسے سن رہی تھی۔ اتنی دلچسپی سے کہ جتنی چیٹنگ کے دوران وہ کیا کرتی تھی۔ اس وقت وہ دونوں اچھے دوستوں کی طرح باتیں کر رہے تھے اور بہت خوش تھے۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی میں صلہ کا فائنل سمسٹر تھا اور وہ پڑھائی میں بری طرح مصروف تھی۔ اب وہ کبھی کبھار بابا کے ساتھ ان کے آفس بھی چلی جاتی تھی۔ زندگی بہت مصروف ہو گئی تھی۔ بس یونیورسٹی اور آفس کے گرد ہی گھومنے لگی تھی۔ حمدان سے اس دن کے بعد ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں بھی کبھار بات ضرور ہو جاتی تھی۔ حمدان کی خواہش تھی کہ اس کے کسی فیشن شو یا کنسرٹ میں صلہ بھی شرکت کرے۔ مگر تاحال یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی تھی۔ کیونکہ صلہ ہمیشہ ہی منع کر دیتی تھی اور وجہ بہت واضح تھی کہ بابا سے کبھی بھی اتنی رات تک باہر رہنے کی اجازت نہیں ملے گی اور وہ بھی کسی ایسی ایکٹیوٹی کے لیے۔

حمدان کافی حد تک اس کے بابا کے مزاج کو سمجھتا تھا۔ مگر پھر بھی یہ خواہش ابھی بھی اس کے دل میں تھی یا شاید اس کے پیچھے اس کے دل میں صلہ سے ملنے کی خواہش بھی کہیں چھپی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اس کے باقی فرینڈز اور لوگوں کی طرح اس کے شوز میں آئے اور اسے سراہے یا وہ صرف اس سے ملنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔ جو بھی تھا بہر حال اسے موقع مل ہی گیا تھا۔ ایک فیشن شو ارینج ہو رہا تھا جس میں اسے بطور سنگر پرفارم کرنا تھا۔ سو اس نے صلہ کو بھی انوائٹ کیا تھا اور حسب معمول اس نے سنتے ہی انکار کر دیا تھا۔

"کوشش تو کرو یار۔ بابا سے بات کر کے تو دیکھو۔ ایک دم ہی انکار کر دیتی ہو۔"

وہ ہر بار کی طرح اس بار بھی فوراً" ہی اس کا انکار سن کر ذرا تپ گیا تھا۔

"جب مجھے پتا ہے کہ ان کا جواب کیا ہو گا تو پوچھنے کا فائدہ۔" وہ ذرا سا مسکرا کر بولی تھی۔

"پلیز میری خاطر نا کوئی بہانہ کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آؤ' میرے سارے فرینڈز ہوں گے۔ بس ایک تم ہی نہیں ہو گی۔" حمدان نے ایزی ہو کر بیٹھتے ہوئے فون ایک کان سے دوسرے پہ منتقل کیا تھا۔

وہ اس وقت علی کے فلیٹ پہ موجود تھا۔ کل اس کا شو تھا مگر وہ اس کی ریہرسل کرنے کے بجائے اس وقت صلہ کو منانے میں لگا ہوا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ضرور آئے۔

"یعنی کہ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان سے جھوٹ بولوں۔ نہیں بھئی سوری میں یہ نہیں کر سکتی اور پھر ضروری تو نہیں ہے نا حمدان کہ میں بھی ضرور آؤں۔ ویسے بھی میرے ایگزام ہونے والے ہیں۔ میں بہت بزی ہوں پڑھائی میں' نہیں آسکوں گی سو رہنے دیتے ہیں پھر کبھی سہی۔" وہ ہر ممکن طریقے سے اسے منع کرنا چاہ رہی تھی۔ کیونکہ اسے پتا تھا کہ بابا کبھی نہیں مانیں گے اور نہ ہی وہ پسند کریں گے۔ وہ تو کبھی بھی یونیورسٹی اور کالج کے علاوہ کہیں بھی زیادہ دیر کو نہیں جاتی تھی کہ وہ ناراض نہ ہوں تو پھر اب کیسے.....

"اس کا مطلب ہے کہ تم آنا ہی نہیں چاہتی ہو۔" وہ شاید خفا ہوا تھا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے حمدان۔" صلہ نے پھر سے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"تو پھر ٹھیک ہے ڈن ہوا کل تم آ رہی ہو۔ کہو تو میں پک کر لوں یا علی کر لے گا۔" اس نے بنا کچھ بھی سنے خود ہی سب کچھ پلان کر لیا تھا۔ وہ بوکھلا گئی تھی۔

"نہیں' نہیں کیا کرتے ہو۔ میں خود ہی آجاؤں گی۔" وہ گھبرا کر بولی تھی کہ کہیں وہ سچ مچ آ ہی نہ

جائے۔ اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا اور پھر سامنے ہی تو اس کا گھر تھا۔

☆ ☆ ☆

بابا سے بات کرنے کے لیے بلاشبہ بہت زیادہ ہمت درکار تھی۔ لیکن آج صبح سے ہی حمدان کے بے شمار میسج اور کالز دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی کہ آج اسے یہ ہمت کر ہی لینی چاہیے۔ سو وہ ڈرتے ڈرتے بابا کے پاس چلی آئی تھی' ماما بھی وہیں موجود تھیں وہ کچھ دیر قبل ہی آفس سے آئے تھے اور اس وقت چائے پینے کے ساتھ ساتھ ٹی وی پہ نیوز دیکھنے میں مصروف تھے ماما بھی وہیں ان کے ساتھ ہی بیٹھی تھیں۔ صلہ نے ایک نگاہ ان پہ ڈالی اور وہیں ان کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ بابا سے کہاں جانے کے لیے کہے تاکہ وہ آسانی سے مان جائیں اور انہیں برا بھی نہ لگے۔

"کیا بات ہے صلہ' کچھ کہنا ہے۔" بابا نے فوراً" ہی اس کی غائب دماغی کو محسوس کرلیا تھا۔

"جی بابا.... وہ دراصل....

بابا وہ.... مجھے اپنی ایک فرینڈ کی طرف جانا ہے۔" بس لمحہ بھر کو اس نے اپنے دل کی سنی اور ذرا سی ہمت کرکے بابا سے کہہ دیا۔

"ہاں تو چلی جاؤ نا بیٹا اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ ویسے بھی تم کہاں کہیں آتی جاتی ہوں۔" ماما نے بروقت اس کا ساتھ دیا تھا۔ صلہ نے سوالیہ نگاہوں سے بابا کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں تمہاری ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں بے شک چلی جاؤ۔ مگر زیادہ دیر مت کرنا۔" ماما کے کہہ دینے کے بعد مجبوراً" بابا کو بھی اسے اجازت دینی ہی پڑی تھی یا انہوں نے واقعی دل سے کہا تھا صلہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

"ٹھیک ہے تھینک یو بابا۔" وہ فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"صلہ' ڈرائیور کو ساتھ لے جاؤ اور واپسی پہ بھی اسے کال کرلینا۔" وہ جانے کو مڑی تو پیچھے سے بابا نے یاد دہانی کرائی تھی۔

"جی ٹھیک ہے بابا۔" وہ جاتے جاتے رکی تھی۔ وہ اسے کہنے کے بعد دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ وہ چند لمحوں کو وہیں رکی رہی کہ شاید وہ مزید کچھ کہیں گے۔ مگر اب وہ اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھے۔

"دھیان سے جانا صلہ اور اپنا خیال رکھنا بیٹا۔"

"جی ماما۔" وہ مڑی تھی اور جھک کر ماما کے گلے میں بازو ڈال کر انہیں پیار کیا تھا۔ بابا کی نگاہیں پل بھر کو ان کی طرف اٹھی تھیں مگر پھر جلد ہی ان کی نگاہوں نے اپنا محور بدل لیا تھا۔ ان میں اور ان کی اولاد میں دن بدن فاصلہ بڑھتا جارہا تھا اور وہ یہ بات بہ خوبی جانتے تھے لیکن پھر بھی وہ اس فاصلے کو کم کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

"آخر کیوں؟"

"وہ ہمیشہ سے ایسے تو نہیں تھے۔ پھر اب کیوں...."

اپنے اندر سے اٹھتے سوالوں سے گھبرا کر انہوں نے ٹی وی کا والیوم بڑھا دیا تھا اور ان کے اس عمل پہ ماما نے نہایت گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا۔ مگر کہا کچھ نہیں کیونکہ فائدہ کوئی نہیں تھا اور جانتی تھیں کہ دیوار سے سر ٹکرانے سے نقصان اپنا ہی ہوتا ہے اور وہ اب مزید اپنا کوئی نقصان برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

کیونکہ تم ہی ہو.... تم ہی ہو
زندگی اب تم ہی ہو....
چین بھی.... میرا درد بھی....
میری ہر خوشی اب تم ہی ہو....

فیشن شو بہت اعلا طرز پر ڈیزائن کیا گیا تھا۔ ریمپ پہ چلتے خوب صورت اور اسٹائلش لباس میں ملبوس مشہور ماڈلز اور بیک گراؤنڈ میں چلتا خوب صورت میوزک بہت دلکش سماں تھا۔ ڈرائیور نے اسے ہوٹل کی پارکنگ میں چھوڑا تھا وہ کسی قدر کنفیوز سی گاڑی سے اتری تو سامنے ہی مین انٹرنس کے سامنے ہی علی

اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ہال کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں میں حمدان کو جا کے بتاتا ہوں۔ وہ بیک اسٹیج ہے۔ اس کی پرفارمنس آنے والی ہے وہ فری ہو کر آپ سے ملے گا۔" علی نے اسے اس کے لیے مخصوص نشست پہ بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ پہلی بار ایسے کسی فنکشن میں آئی تھی۔ اس لیے تھوڑا کنفیوز تھی۔ مگر پھر جلد ہی ریمپ پہ چلتے ماڈلز، دلکش ملبوسات اور شو کی چکا چوند نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی تھی۔ اب اسکرین پہ ایک مشہور ڈائزنو کا نام ڈسپلے ہو رہا تھا۔ مطلب کہ اب اس کی کولیکشن پیش ہونی تھی اور اس نام کے ڈسپلے ہونے کے چند لمحوں بعد حمدان رضا کی اسٹیج پہ انٹری ہوئی تھی اس نے بلیک جینز کے ساتھ بلیک ہی بہت خوب صورت امبرائڈری سے مزین کرتا پہن رکھا تھا۔ جو یقیناً" اسی ڈائزنو کا ڈیزائن کردہ تھا جس کا فیشن شو تھا اور اس پہ بہت جچ رہا تھا۔ اس کے اسٹیج پہ آتے ہی ہال تالیوں اور سیٹیوں سے گونج اٹھا تھا۔ ویسے بھی ہال میں زیادہ تعداد نوجوان لڑکے لڑکیوں کی تھی اور نوجوانوں میں تو وہ مقبول تھا ہی اور وہ اب اسٹیج کے بالکل سینٹر میں کھڑا تھا اور اس کے اردگرد ماڈلز کیٹ واک کر رہے تھے۔ جن میں میل، فی میل دونوں ماڈلز شامل تھے۔ وہ اس وقت مشہور سونگز کا میڈلے پیش کر رہا تھا۔ جس میں اس کے اپنے سونگز بھی تھے اور کچھ دوسرے مشہور سونگز بھی شامل تھے۔ اس کی خوب صورت آواز نے ایک سماں باندھ دیا تھا۔

میں نے تجھے دیکھا صبح کے اجالوں میں، ندیا میں، نالوں میں
لمحوں میں، سالوں میں، پیار کرتے والوں میں
جنوں میں، جیالوں میں، عشق کے ملالوں میں، زندہ مثالوں میں
جتنی تو ملتی جائے، اتنی لگے تھوڑی تھوڑی کہ دل جھوم چلے جھوم چلے

وہ گاتے گاتے ذرا سا پیچھے ہوا تھا اور بے ساختہ ہی کسی احساس کے تحت اس کی نگاہ دائیں طرف اٹھی تھی۔ مسکراہٹ نے بے ساختہ ہی اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ وہ وہیں تو موجود تھی اور اسے ہی دیکھ رہی تھی مسکراتے ہوئے اسے ہی سراہ رہی تھی۔

"وہ یہاں آئی۔ میرے لیے، میری خاطر، میرے کہنے پر....."

یہ سوچ ہی اسے مسرور کر گئی تھی اور پھر بار بار اس کی نگاہ اس طرف اٹھ رہی تھی کچھ تو الگ تھا اس چہرے میں، جو اس کا دل بے ساختہ ہی اس کی طرف کھنچتا تھا۔ جیسا اس وقت ہو رہا تھا۔ صلہ بار بار اس کا اپنی طرف متوجہ ہونا بہ خوبی نوٹ کر رہی تھی۔ اس لیے اس کی پرفارمنس ختم ہوتے ہی وہ وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

وہ ایک سیلبریٹی تھا اور اس کی کسی طرف اٹھی معمولی نگاہ بھی میڈیا کی گرفت میں آسکتی تھی اور صلہ کسی صورت بھی مرکز نگاہ بننا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے فوراً" ہی سیل نکال کر ڈرائیور کا نمبر ڈائل کر دیا تھا۔ تبھی اسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اور وہ مڑے بغیر ہی بتا سکتی تھی کہ پیچھے کون ہے وہ اسے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"تھینکس فار دی کمنگ صلہ۔"

جگر جگر کرتی اس کی چمک دار آنکھوں سے اس پل نگاہیں ملانا بہت مشکل تھا۔ وہ فقط مسکرا ہی سکی تھی۔

"ہوں..... بہت اچھی پرفارمنس تھی تمہاری۔" اب کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"تھینک یو۔" وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں اب چلتی ہوں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔" صلہ نے فوراً" ہی کہا تھا۔ وہ اس وقت جہاں کھڑے تھے۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر پھر بھی صلہ یہاں رکنا نہیں چاہتی تھی۔

"میں ڈراپ کر دوں۔" دل کی خواہش لبوں تک آ ہی گئی تھی۔

"نہیں، میں نے ڈرائیور کو کال کر دی ہے۔ وہ آتا ہی ہو گا۔" صلہ نے اسے بتایا تھا۔

"تو منع کردو اسے، آجاؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

وہی انداز... جس کے سامنے صلہ ہمیشہ ہار جاتی تھی۔ خاموش ہو جاتی تھی اور اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ باہر آگئی تھی۔ ڈرائیور کو اس نے میسج کر کے آنے سے منع کر دیا تھا۔

حمدان نے اپنی بلیو اسپورٹس کار وہیں چھوڑی اور اسے لے کر علی کی گاڑی کی طرف آگیا تھا۔ کیونکہ بلیو اسپورٹس کار اس شہر میں حمدان رضا کی پہچان تھی اور اس وقت کچھ دیر کو وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے پہچانے اور اس رات اس نے صلہ کو گھر سے کچھ دور ڈراپ کیا تھا اور جب تک وہ گھر کے اندر نہیں چلی گئی وہ وہیں گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا اور اس رات بیس منٹ کے اس سفر میں بارہا صلہ کو محسوس ہوا تھا کہ جیسے حمدان اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک بھرپور نیند لینے کے بعد صبح کے آٹھ بجے تھے جس وقت اس کی آنکھ کھلی تھی چند لمحے یونہی تکیے میں منہ چھپائے کسلمندی سے پڑے رہنے کے بعد اس نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ منہ ہاتھ دھو کر نائٹ سوٹ تبدیل کیے وہ کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ حالانکہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ڈیڈ سے سامنا ہوا تو ڈانٹ بھی پڑ سکتی ہے۔ مگر آج خیر تھی کیونکہ آج حمدان کا موڈ بہت اچھا تھا اور وہ بہت خوش تھا کل کی وہ خوب صورت شام اور وہ بیس منٹ پہ محیط سفر ابھی تک حواسوں پہ سوار تھا۔ وہ ڈائننگ ہال میں چلا آیا تھا۔ جہاں ڈیڈ پہلے ہی سے ناشتے کی ٹیبل پہ موجود تھے۔

"السلام علیکم ڈیڈ۔" وہ کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

"وعلیکم السلام۔ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا نا۔ آج حمدان رضا صاحب اس وقت گھر پہ کیسے۔"

وہ اخبار ایک طرف رکھ کر مسکرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"جی ڈیڈ... آج تھوڑا فری تھا تو سوچا گھر پہ گزار لوں۔" وہ جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولا تھا۔

"ارے حمدان... اتنی جلدی اٹھ گئے بیٹا۔" اسی پل ماما کچن سے نکل کر آئی تھیں۔

"جی ماما۔" اس نے جوس کا گلاس لبوں سے لگالیا تھا۔

"ناشتا تو کرو گے نا۔ کچھ اسپیشل بنواؤں۔" وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھیں۔ وہ عموماً گھر پہ کم ہی ٹکتا تھا اور اگر کبھی موجود ہوتا تھا تو ماما اسی طرح اس کا خیال رکھتی تھیں جس سے وہ اکثر چڑ جاتا تھا کہ میں کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہوں۔ مگر آج وہ خاصے فریش موڈ میں تھا۔

"نہیں ٹھیک ہے ماما... اتنا کچھ تو ہے۔" ڈیڈ کو چھوڑ کر انہیں اپنی طرف متوجہ پا کر وہ مسکرا دیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ وہ اس کی پلیٹ کو ٹیبل پہ موجود لوازمات سے بھرنے لگی تھیں۔

"ہوں تو آپ فری ہیں۔" ڈیڈ نے اسے ناشتے میں مگن دیکھ کر پوچھا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

"پتا نہیں اب ڈیڈ کیا کہنے والے ہیں۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"تو میں یہ کہہ رہا تھا بیٹا جی کہ اگر آپ آج فری ہیں تو تھوڑا سا ٹائم نکال کر آفس کا چکر ہی لگالیں یا آفس کے نام سے آپ کو پھر کوئی ضروری کام یاد آجائے گا۔" بھگو بھگو کر مارنا تو ڈیڈ سے کوئی سیکھے۔ ماہر تھے اس کام میں... ماما پریشانی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں کہ اب پھر سے صبح صبح دونوں میں بحث شروع ہونے والی تھی۔

"جی ڈیڈ، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آج میں فری ہوں۔ تو کیوں نہ آفس کا ایک چکر لگا ہی لوں اور میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ آج کے بعد سے آفس کا کبھی کبھار چکر لگا لیا کروں۔ اس طرح سے آپ کی ڈانٹ سے بھی بچ جاؤں گا اور آپ کی پریشانی بھی کم ہو جائے گی۔" یہ حمدان کہہ رہا تھا۔

وہ دونوں بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جو لاپروائی سے کہنے کے بعد اب پھر سے ناشتے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"واقعی' یہ تم کہہ رہے ہو۔" ماما اب بھی بے یقین تھیں۔

"کیوں کیا ہوا ہے ماما' اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ لوگ خود ہی تو فورس کرتے رہتے ہیں مجھے۔ اب میں کہہ رہا ہوں تو آپ کو حیرت ہو رہی ہے۔"

"حیرت تو ہو رہی ہے بیٹا۔ مگر ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی ہے۔ کہ دیر سے ہی سہی مگر تم نے ہماری بات تو مانی میں تو تمہیں ہمیشہ یہی بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ جب اپنا اتنا بڑا بزنس ہے تو کیا ضرورت ہے دوسرے فضول کاموں میں اپنا وقت برباد کرنے کی' بزنس پہ توجہ دو تاکہ کل کو فائدہ بھی ہو۔"

خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ انہوں نے پھر سے وہی باتیں دہرانا شروع کر دیں تھیں۔ جن سے حمدان چڑ جایا کرتا تھا۔ وہ انہیں آج بھی نہیں سمجھا سکتا تھا کہ میوزک اس کا جنون ہے عشق ہے نہ کہ ویسٹ آف ٹائم' بنا کسی نفع اور نقصان کے۔ مگر وہ کہہ نہیں پایا تھا۔ کیونکہ وہ پیچھے سے وہ کچھ بھی کہہ دے' کتنا بھی غصہ کرے' چلائے مگر ان کے سامنے ان کو کبھی بھی کچھ بھی نہیں کہہ پایا تھا۔ شاید یہ ان کا احترام تھا' عزت' ڈر یا خوف تھا یا پھر وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس لیے وہ انہیں ہرٹ کرنے سے ڈرتا تھا۔ ہاں یہی بات تھی۔

"ڈیڈ اگر میں آفس جا رہا ہوں آپ کے ساتھ تو اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ آپ میرے شوق کو فضول اور جانے کیا کیا کہہ دیں اس طرح میں آفس جانے سے انکار بھی کر سکتا ہوں۔" وہ احتجاجاً بولا تھا۔ چہرے پہ خفگی بھی نمایاں تھی۔

"اچھا بھئی اچھا نہیں کہتے کچھ تم تیار ہو جاؤ تو پھر ساتھ ہی چلتے ہیں۔" اب کے وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"اب آپ کی طرح یہ سوٹ اور ٹائی تو نہیں لگا سکتا۔ ہاں اس سے بہتر کچھ پہن لوں گا۔" وہ اپنے نائٹ سوٹ کی طرف اشارہ کر کے ہنس کر بولا تھا۔

"ہاں میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کیونکہ تمہارا کیا بھروسا کہیں ایسے ہی نہ چل پڑو۔"

اس پل کی دلکشی کو ماما نے پوری جزیات سے محسوس کیا تھا۔ اتنے عرصے بعد وہ دل سے مسکرائی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اب وہ ہفتے میں ایک آدھا چکر آفس کا لگا ہی لیا کرتا تھا۔ اس طرح سے ڈیڈ بھی خوش ہو جاتے تھے اور ماما بھی مطمئن ہو جاتی تھیں اور سب سے بڑی بات کہ وہ ڈانٹ ڈپٹ سے بچ جاتا تھا اور بنا کسی رکاوٹ کے اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ آج اس کا آفس جانے کا کوئی موڈ نہیں تھا لیکن ڈیڈ اسے کچھ لوگوں سے ملوانا چاہتے تھے۔ سو اسے جانا پڑا مگر وہ لنچ سے بھی پہلے اٹھ آیا کیونکہ اسے کچھ ضروری کام نمٹانے تھے۔ ابھی اس کا ارادہ گھر جانے کا تھا اور پھر اسے علی کی طرف جانا تھا۔ کیونکہ اس ویک اینڈ پہ اس کا کنسرٹ تھا اور اسی سلسلے میں اسے کچھ لوگوں سے ملنے جانا تھا۔ سو اگلے دو دن تک وہ بے حد مصروف رہنے والا تھا۔

گھر کا موڑ مڑتے ہوئے اس کے آگے ایک اور گاڑی تھی۔ سو اسے اپنی گاڑی کی اسپیڈ کم کرنی پڑی۔ آگے جا کے وہ گاڑی احمد انکل کے گھر کے آگے رک گئی تھی۔ اور گاڑی سے آنٹی اور صلہ کو اترتے دیکھ کر اس نے اپنی گاڑی وہیں ذرا فاصلے پر روک دی تھی۔ جب وہ دونوں اندر چلی گئیں تو ڈرائیور نے گاڑی واپس موڑ لی تھی۔ وہ وہیں گاڑی میں بیٹھا چند لمحے تک سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے پاکٹ سے اپنا سیل فون نکال لیا تھا۔

ماما کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر وہ کچن کی طرف آ گئی تھی۔ تاکہ لنچ کا معلوم کر سکے کیونکہ اسے بہت سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے جب کھانا تیار ہو جائے تو مجھے بلا لینا۔ میں ماما کے کمرے میں ہوں۔" ملازم کو ہدایت دیتی

اپنے اور ماما کے لیے۔ جوس لیے وہ ابھی کچن سے باہر آئی ہی تھی کہ اس کا سیل گنگنا اٹھا تھا اور اسکرین پہ آئے نمبر کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی تھی۔

"خیریت ہے صلہ، آنٹی کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" دوسری طرف سے حمدان نے چھوٹتے ہی فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ کیوں کیا ہوا ہے۔" صلہ نے ہاتھ میں تھامی ٹرے سائڈ میں پڑی ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"نہیں وہ دراصل... ابھی تمہیں اور آنٹی کو دیکھا تو سوچا پوچھ لوں۔" وہ یہ نہیں کہہ پایا تھا کہ اصل مقصد تو تم سے بات کرنا ہے۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ ماما کو ریگولر چیک اپ کے لیے جانا تھا۔ بابا تھوڑا بزی تھے۔ نہیں آپائے تو میں لے گئی تھی ورنہ عموماً بابا ہی لے جاتے ہیں۔ مگر تم نے کہاں دیکھا؟" اس نے بتانے کے ساتھ ساتھ پوچھا بھی تھا۔

"کہیں تم نے میرا پیچھا کرنا تو نہیں شروع کر دیا۔" وہ ہنس کر بولی تھی۔

"ارے نہیں۔ اب ایسی بھی بات نہیں ہے اور نہ ہی میں اتنا فارغ ہوں۔ بس اتفاق ہی تھا کہ میں آفس سے واپس آرہا تھا تو گھر کے سامنے تم پہ نظر پڑ گئی تو پوچھ لیا۔" اس نے لمحوں میں خود کو اس کی ہنسی کے ٹرانس سے باہر نکال لیا تھا۔

"ہاں بھئی... میں تو بھول ہی گئی کہ میں ملک کی ایک مصروف شخصیت سے بات کر رہی ہوں۔ جو لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے وہ بھلا اتنا فارغ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک معمولی لڑکی کا پیچھا کرے۔"

حالانکہ یہ مشہور شخص آج کل صرف ایک ہی دل کی دھڑکن بننا چاہتا ہے اور دن رات بس ایک ہی لڑکی کو آٹوگراف دینا چاہتا ہے اور بس اس کا ہی پیچھا کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب حمدان نے سوچا تھا پر کہہ نہیں پایا وہ یہ سب کہنا چاہتا تھا مگر صحیح وقت پر، کسی خاص موقع پر...

"کیا ہوا؟" اس کی خاموشی کو صلہ نے فوراً ہی محسوس کیا تھا۔

"کچھ نہیں... اچھا سنو۔ کیا میں آنٹی سے ملنے آ سکتا ہوں؟" جانے کیوں اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ صلہ کے ساتھ تھوڑا وقت گزارے۔

"کیوں؟" اس کے یوں اچانک کہنے پر وہ لمحہ بھر کو گڑبڑائی تھی۔

"کیوں... کیا مطلب؟ ایسے ہی ان سے ملنا چاہتا ہوں ان کی خیریت پوچھنے کے لیے... احمد انکل گھر پہ ہیں کیا؟" اس نے کہنے کے ساتھ ساتھ پوچھا بھی تھا کہ وہ کہیں اسی لیے گھبرا رہی ہے۔

"نہیں وہ تو نہیں ہیں۔ مگر تم..."

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم لنچ اکٹھے کرتے ہیں۔" وہی فیصلہ کن انداز میں۔ جس کے سامنے صلہ کبھی کچھ کہہ ہی نہیں پائی تھی اور نتیجتاً چند منٹوں بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ وہ اس وقت قطعی طور پر بھول چکا تھا کہ اسے کیا کرنا تھا اور کہاں جانا تھا، کس سے ملنا تھا۔ سب کچھ بھلائے وہ یہاں چلا آیا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں آنٹی سے کہہ دوں گا کہ مجھے ماما سے ان کی طبیعت کا پتا چلا تو ملنے چلا آیا۔"

اس وقت وہ تھوڑی گھبرائی گھبرائی سی کھڑی اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ ریڈ کلر کسی پہ اتنا بھی جچ سکتا ہے۔ یہ اس نے آج محسوس کیا تھا۔ اسے خود یہ بالکل یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ کسی سے کبھی اتنی محبت بھی کر سکتا ہے۔ وہ یقیناً "پہلی نظر کی محبت" کا شکار ہوا تھا اور اس حادثے پہ بہت خوش بھی تھا۔ البتہ صلہ کے دل کی ابھی اس کو خبر نہیں تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ناپسند وہ بھی اسے نہیں کرتی ہے اور جب ناپسند نہیں کرتی۔ دوست مانتی ہے تو یقیناً "محبت بھی ایک دن کر ہی لے گی۔

☆ ☆ ☆

ماما اس سے مل کر بہت خوش ہوئیں انہیں بہت اچھا لگا کہ وہ ان سے ملنے آیا ہے۔ اسے دیکھ کر ماما کو

اپنے بیٹے حماد کی یاد آگئی تھی۔ جو اس وقت اپنی فیملی کے ساتھ نیویارک میں سیٹل تھا اور کئی سالوں سے وہ اس سے مل نہیں پائی تھیں۔

"میری مام 'اکثر آپ کا ذکر کرتی ہیں۔ وہ آپ کی طرف سے کافی فکر مند بھی رہتی ہیں کہ آپ کی طبیعت خراب رہنے لگی ہے۔ بس آج میں نے آپ کو دیکھا تو میرا دل چاہا کہ میں آپ سے آکے ملوں اور میں آگیا۔ آپ کو برا تو نہیں لگا نا آنٹی میرا اس طرح سے آنا۔" وہ ان کے قریب بیٹھا دھیرے دھیرے ان سے کہہ رہا تھا اور وہ محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"برا کیوں لگے گا۔ تم بھی تو میرے بیٹے ہو۔ کوئی غیر تو نہیں ہو۔ تمہارے انکل کا گھر ہے یہ 'تمہارا جب دل چاہے تم آسکتے ہو بیٹا تمہیں دیکھ کر تو مجھے حماد کی یاد آگئی۔ بلکہ اپنے تمام پرانے دن یاد آگئے۔ تمہاری ماما سے میری بہت دوستی ہوا کرتی تھی۔ گھر آمنے سامنے تھے اور پھر رشتے داری بھی تھی تو کافی آنا جانا لگا رہتا تھا۔ مگر پھر وقت اور حالات ایسے ہو گئے کہ سب چھوٹ گیا۔ ہاں فون پہ اب بھی اکثر بات ہو جاتی ہے۔"

وہ کسی پرانی یاد میں کھو کر آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

"جی کھانا لگا دیا ہے۔" اس سے پہلے کہ حمدان ان سے کچھ کہہ پاتا ملازم کی اطلاع پر وہ دونوں ہی چونکے تھے۔ جب وہ آنٹی کے ساتھ ڈائننگ روم کی طرف آیا تو صلہ وہیں ڈائننگ ہال میں انتظار کر رہی تھی۔

"صلہ بیٹے 'حمدان بھی آج ہمارے ساتھ ہی لنچ کرے گا۔" ماما کے اس طرح بتانے پر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بڑی تیزی سے پھیلی تھی وہ لنچ کرنے ہی آیا تھا مگر وہ یہ بات ماما کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"جی ماما..." وہ سر جھکائے اپنی پلیٹ پہ جھک گئی۔ حمدان نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"حمدان بیٹے تمہاری آواز بہت پیاری ہے۔" آنٹی اصرار سے اسے کھلانے کے ساتھ ساتھ اس کی تعریف بھی کر رہی تھیں۔

"اچھا آنٹی تھینک یو۔ آپ سنتی ہیں مجھے۔" وہ اب دلچسپی سے ان سے پوچھ رہا تھا۔

صلہ محسوس کر رہی تھی کہ ماما کو اس کا آنا اچھا لگا ہے۔ وہ خوش لگ رہی تھیں اور وہ بھی بڑی بے تکلفی سے ان سے پیش آرہا تھا۔ ان سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر صلہ کو بارہا اس کی نگاہیں خود پہ محسوس ہو رہی تھیں۔ جس سے وہ تھوڑی کنفیوز ہو رہی تھی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی لیکن ان دونوں کی وجہ سے وہاں بیٹھی تھی کہ وہ دونوں کھا کم رہے تھے اور باتیں زیادہ کر رہے تھے۔

اسی پل لاؤنج کا دروازہ کھلا تھا اور اندر داخل ہوتے بابا کو دیکھ کر وہ تینوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے قدرے حیرت اور ناگواری سے سامنے نظر آتے ڈائننگ ہال پہ نظر ڈالی تھی۔ ان کے چہرے سے ہی لگ رہا تھا کہ انہیں حمدان کی یہاں موجودگی بہت ناگوار گزری ہے۔ وہ سیدھے وہیں آگئے تھے۔

"السلام علیکم انکل۔" حمدان انہیں دیکھ کر فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تینوں ہی اس وقت ان کی آمد کی قطعی امید نہیں کر رہے تھے۔ کیونکہ وہ کہہ چکے تھے کہ وہ آج لنچ پہ نہیں آئیں گے۔

"وعلیکم السلام برخوردار... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ اپنی ناگواری چھپا نہیں پائے تھے۔ کیونکہ شاید وہ چھپانا نہیں چاہتے تھے۔

"مجھ سے ملنے آیا ہے۔ اس کی ماں نے بھیجا ہے خیریت معلوم کرنے۔" ماما نے بروقت بات کو سنبھالا تھا۔ ورنہ حمدان اور صلہ کے چہرے پر وہ ہوائیں اڑتی دیکھ چکی تھیں۔

"ہوں 'وہ خود بھی تو آسکتی تھیں بہرحال...." انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور اس ادھوری بات نے حمدان کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

"میں چلتا ہوں آنٹی۔" وہ فوراً ہی جانے کو تیار ہوا تھا۔

"کھانا تو کھا لو بیٹا۔" وہ فکرمندی سے بولی تھیں۔

"ہاں کھانا ادھورا چھوڑ کر اٹھنا بدتہذیبی ہوتی ہے۔ کسی نے بتایا تو ہو گا یا فضول کاموں میں لگ کر کام کی

کوئی بات سیکھی ہی نہیں۔"
"شکریہ انکل میں کھا چکا ہوں۔" ناگواری کی لہر حمدان کے پورے وجود میں پھیلی تھی۔ مگر وہ ضبط کر گیا اور تیزی سے اٹھ کر باہر آگیا تھا۔ ایسے ماحول میں ہمیشہ اس کا دم گھٹتا تھا۔ جہاں طنز کے تیر ہوں، بے اعتباری ہو، صلہ وہیں بیٹھی اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ صرف اس کی خاطر یہاں آیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کہیں باہر کبھی بھی اس کے ساتھ لنچ کے لیے نہیں جائے گی۔ سو اس نے ماما کا بہانہ بنایا اور آگیا...

"یہ لڑکا آئندہ میرے گھر میں نظر نہ آئے اور خاص کر میری غیر موجودگی میں....."
یہ کمان کا آخری تیر تھا جو وہ برسا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ماما ان کے پیچھے ہی گئی تھیں اور ماما کے جاتے ہی وہ تیزی سے اٹھی اور لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ وہ لان کراس کر کے گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ صلہ کے پکارنے پہ اس کے قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے تھے۔ وہ تیزی سے اس تک آئی۔

"آئی ایم ریئلی سوری حمدان، بابا کے رویے کی میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔ تم آج پہلی بار ہمارے گھر آئے اور انہوں نے....." اس کی آنکھیں اسے بھیگی بھیگی سی محسوس ہو رہی تھیں اور حمدان کا دل اس لمحے ان میں ڈوب رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی، وہ نہیں سن رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں مجھے عادت ہے۔ میرے ڈیڈ نہ سہی، تمہارے بابا سہی۔ ڈانٹ تو مجھ پر لازم ہے، تم پریشان مت ہو۔" خود پر قابو پا کے وہ مسکرایا تھا پر وہ جانتی تھی کہ اسے برا لگا ہے۔ وہ ہرٹ ہوا تھا اور ہرٹ تو صلہ بھی بہت ہوئی تھی۔ بابا کی بے اعتباری اکثر اسے اسی طرح ہرٹ کر دیتی تھی، کچل دیتی تھی مگر ہر بار وہ برداشت کر جاتی تھی پر آج بات الگ تھی۔ اس لیے کہ شاید آج سامنے حمدان تھا۔ جسے وہ اپنا دوست مانتی تھی تو کیا دوستوں کے لیے انسان ایسا ہی محسوس کرتا

ہے۔ اس سے آگے وہ سوچ نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼ ☼

"صالحہ، صالحہ، بھئی کہاں ہو تم؟" آج بڑے دونوں بعد انہوں نے شوہر کی ایسی خوش گوار پکار سنی تھی۔ سو حیرت لازمی تھی۔ وہ جو ملازم کو رات کے کھانے کے لیے ہدایت دے رہی تھیں۔ فوراً" ہی کچن سے باہر نکل آئی تھیں۔
"جی کیا ہوا؟ خیریت ہے۔" وہ ان کے پاس چلی آئی تھیں۔
"ہاں، ہاں خیریت ہے۔ بالکل اچھی خبر ہے۔" وہ بہت خوش لگ رہے تھے۔ وہ ابھی تک حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔
"آج آفس میں بھائی صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ پاکستان میں ہیں اور آج شام کو وہ اور بھابھی ہماری طرف آ رہے ہیں۔ ہے نا خوشی کی بات۔"
"بھائی صاحب....." وہ چند لمحوں کو سمجھ ہی نہیں پائی تھیں کہ وہ کس کی بات کر رہے ہیں کیونکہ عرصہ ہوا انہوں نے رشتہ داروں سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔
"کیا ہو گیا ہے بھئی..... میں عباس بھائی کی بات کر رہا ہوں۔" اب کہ احمد صاحب تھوڑا سا جھلا کر بولے تھے۔
"او اچھا..... مگر وہ یوں اس طرح..... اچانک....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ مبادا" انہیں برا لگ جائے۔
"ہاں اتنا تو مجھے علم تھا کہ وہ پچھلے چھ ماہ سے پاکستان شفٹ ہو چکے ہیں۔ مگر میں ان سے ملنے کی ہمت نہ کر سکا۔ سچ پوچھو تو صالحہ جو کچھ ماضی میں ہوا آج بھی میں خود کو قصوروار سمجھتا ہوں مگر دیکھو عباس بھائی کتنے اعلا ظرف ہیں۔ انہوں نے خود مجھ سے رابطہ کر لیا اور آج وہ آ رہے ہیں۔"
وہ وہیں قریب رکھے صوفے پہ بیٹھ گئے تھے۔ بہت سارے منظر اور تصویریں گویا کسی فلم کی مانند ان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے انہوں نے فوراً" ہی

ذہن کو جھٹکا گویا ماضی کو جھٹکا تھا۔ پتا نہیں قصور کس کا تھا اور سزا کس کو ملی وہ صرف سوچ ہی پائیں ورگرنہ کہنے کی ہمت بھلا کہاں تھیں۔

"تو تم رات کے کھانے میں ذرا اہتمام کرلینا۔ اب وہ اتنے عرصے بعد آرہے ہیں۔ تو میں انہیں کھانا کھائے بغیر تو نہیں جانے دوں گا اور ہاں صلہ کہاں ہے۔" انہوں نے ہدایت دیتے دیتے صلہ کا پوچھا تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ آج اس کا آخری پیپر تھا نا۔ بہت تھک گئی تھی۔ تو میں نے جگایا نہیں۔"

"ہوں اچھا کیا جب مہمان آئیں تو جگا دینا۔ وہ بھی ان سے مل کے خوش ہو جائے گی۔ بہت پیار کرتے ہیں عباس بھائی صلہ سے' آج بھی بار بار اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" اور صلہ کے ذکر پر جانے کیوں کسی انہونی کے احساس سے ان کا دل دھڑکا تھا۔ بھائی سے ملنے کی خوشی ان کے لہجے سے عیاں ہو رہی تھی۔ ورنہ اب تو عرصہ ہوا انہوں نے بولنا اور بے تکان باتیں کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"اور سنو صالحہ.... کوئی پرانی بات مت چھیڑنا پلیز۔ انہیں تکلیف ہو گی۔ جب وہ خود سب کچھ بھلا کر آ رہے ہیں۔ تو ہمیں بھی خوش دلی سے ان کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔"

وہ جاتے جاتے بھی ہدایت دینا نہیں بھولے تھے۔ وہ کتنے ہی لمحے خاموشی سے وہیں بیٹھی رہی تھیں۔ انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

"کہیں وقت پھر سے خود کو دہرا تو نہیں رہا۔" یہ سوچ ذہن میں آتے ہی ان کا دل جیسے ڈوب کر ابھرا تھا اور پورے وجود میں بے قراری اور بے چینی سی بھر گئی تھی۔ تب ہی ملازم کے پکارنے پہ انہیں اٹھنا پڑا وہ تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتی کچن میں چلی آئیں جہاں انہیں اب ایک پر اہتمام ڈنر کا انتظام کروانا تھا۔

☼ ☼ ☼
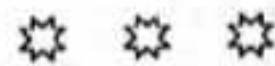
صلہ کا ایم بی اے مکمل ہو گیا تھا بس اب رزلٹ کا انتظار تھا۔ سو اس نے کافی باقاعدگی سے بابا کے ساتھ آفس بھی جانا شروع کر دیا تھا۔ اسے بزنس میں قطعی انٹرسٹ نہیں تھا۔ مگر اب آہستہ آہستہ اس کا انٹرسٹ ڈیولپ ہو رہا تھا کیونکہ بابا چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ کام کرے اور وہ کبھی بھی بابا کے خلاف نہیں جا سکتی تھی۔ ویسے بھی آج کل بابا' تایا جان سے ملنے کے بعد کافی خوش رہنے لگے تھے۔ وہ اب اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان شفٹ ہو چکے تھے اور دونوں گھرانوں کا آپس میں آنا جانا پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ تایا کا بیٹا ایزد اب بابا کے پاس آفس بھی آجایا کرتا تھا۔ کیونکہ بابا اور تایا مل کے کوئی پروجیکٹ پلان کر رہے تھے اور اسی سلسلے میں ایزد اکثر ہی آفس آجاتا اور صلہ سے بھی اس کی ایک آدھ بار سرسری سی ملاقات ہوئی تھی اور ہر بار ایزد کو دیکھ کر اسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اسے یہاں آنے سے پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہے مگر کہاں.... اس نے زیادہ یاد کرنے کی کوشش بھی نہیں کی کیونکہ وہ اپنے کام سے کام رکھنا زیادہ پسند کرتی تھی' حمدان سے اس کی کافی دنوں سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ پچھلے دو ماہ سے لندن کے ٹور پہ تھا۔ وہ اس قدر مصروف تھا کہ اس سے فون پر بھی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اسکائپ پہ ایک دو بار بات ہوئی تھی۔ لیکن وہ بھی بے حد مختصر سی۔

صلہ کو ان گزرتے دنوں میں بارہا یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ اسے مس کر رہی ہے۔ اور جتنی بار اس نے یہ محسوس کیا اتنی ہی بار اس نے اپنے ذہن کو جھٹکا تھا۔ مگر بعض باتیں اتنی آسانی سے ذہن سے کہاں نکلتی ہیں' ذہن سے اگر نکل بھی جائیں تو دل میں کنڈلی مار کر بیٹھ جاتی ہیں اور دل تو ایسی باتوں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ اسے تو بس موقع چاہیے ہوتا ہے ایسی کسی بات کو اپنے اندر چھپانے کا اور وہ بڑی خوبی سے اسے اپنے اندر کہیں بہت اندر چھپا لیتا ہے۔ اور پھر انسان لاکھ کوشش کرے وہ اسے باہر نہیں آنے دیتا۔ کیونکہ دل تو دل ہے نا.... دل کی کیا کہیے جاناں....

☼ ☼ ☼

اس رات وہ بہت گہری نیند میں تھا۔ جب دروازہ پیٹنے کی آواز پہ وہ ہڑبڑا کر جاگا۔ چند لمحوں کو تو وہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ ہوا کیا ہے اور یہ کیسی آواز ہے۔ مگر اگلے ہی پل اس کے حواس ذرا قابو میں آئے تو اسے ماما کی پریشان آواز واضح سنائی دی وہ اسے پکار رہی تھیں۔

"حمدان... دروازہ کھولو بیٹا۔" وہ کمبل دور پھینک کر ایک ہی جست میں دروازے تک پہنچا تھا۔ دروازہ کھولتے ہی اسے ماما کی پریشان صورت دکھائی دی تھی۔

"کیا ہوا ماما... خیریت؟"

"حمدان' جلدی آؤ بیٹا۔ تمہارے ڈیڈ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تیزی سے واپس اپنے روم کی طرف پلٹ گئیں وہ بھی ان کے پیچھے بھاگا تھا۔

"ڈیڈ... کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ تیزی سے ان کے پاس آیا تھا۔ جو اپنے سینے کو مسلتے ہوئے بمشکل سانس لے رہے تھے۔

"میں گاڑی نکالتا ہوں!" اگلے ہی پل وہ کمرے سے باہر تھا۔

پھر جتنی تیز وہ گاڑی دوڑا سکتا تھا اس نے دوڑائی تھی۔ رات کے اس پہر سڑکیں قدرے سنسان تھیں' وہ جلد ہی ہسپتال پہنچ گئے تھے اور پہنچتے ہی ڈیڈ کو ایمرجنسی میں لے جایا گیا تھا۔ اس لمحے حمدان کا دل ڈوب رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی دھیرے دھیرے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ رہا ہو۔ کچھ ہی منٹوں میں ڈاکٹر نے آکر ان کی خیریت کی اطلاع دی تھی۔ تو اس نے سکون کی سانس لی تھی۔

"ڈاکٹر کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا۔" ماما نے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

"نہیں... نہیں بالکل نہیں... وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ بس ذرا سی ٹینشن اور گھبراہٹ کی شکایت تھی۔ ہم نے ٹریٹمنٹ دے دی ہے۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

ڈاکٹر کے مطمئن انداز پہ انہیں تسلی ہوئی تھی۔ ماما وضو کر کے سجدہ شکر ادا کرنے گئیں تو وہ ڈاکٹر سے پوچھ کر ان سے ملنے چلا آیا۔ اس کی آہٹ پا کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں تھیں وہ قریب رکھے اسٹول پہ ان کے بیڈ کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا ڈیڈ۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر جیسے ان سے پوچھ کر تسلی چاہ رہا تھا۔ انہوں نے دھیمے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میں بہت ڈر گیا تھا ڈیڈ... بہت زیادہ۔" اس نے دھیمے سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ زیادہ مضبوطی سے تھام لیا۔ جیسے انہیں کھونے سے ڈرتا ہو۔

"میں ٹھیک ہوں میری جان۔ تم پریشان مت ہو۔" وہ ہولے سے مسکرا کر بولے تھے۔

"آئی لو یو ڈیڈ... آئی ریئلی لو یو اینڈ آئی ایم سوری ریئلی ویری سوری فار ایوری تھنگ۔" اپنے ڈر کا' محبت کا اظہار کرتا حمدان اس سمے انہیں بہت پیارا لگا تھا۔

"آئی لو یو ٹو بیٹا۔" انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو حمدان کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یکدم ہی وہ کڑی دھوپ سے سائے میں آگیا ہو۔

"اچھا سنو۔ آج تم پھر سے نائٹ سوٹ بدلنا بھول گئے ہو۔ تم کب سدھرو گے لڑکے۔" سرخ آنکھوں' بکھرے بال اور نائٹ سوٹ میں ملبوس حمدان کو اب وہ مسکرا کر چھیڑ رہے تھے۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" وہ نروٹھے پن سے کہہ کر مسکرایا تھا اور اندر آتی ماما نے یہ منظر بہت آسودگی سے دیکھا تھا۔ اس منظر کو وہ کب سے مس کر رہی تھیں اور آج بالآخر اللہ نے ان کی سن لی تھی۔ وہ مطمئن سی اندر آگئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

حمدان سے اس کے ڈیڈ کی خرابی طبیعت کا پتا چلا تو صلہ ماما کو بتا کر ان سے ملنے چلی آئی کیونکہ کافی دنوں سے اس کی حمدان سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تو اس نے سوچا کہ چلو اسی بہانے اگر وہ گھر پہ ہوا تو اس

سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ بابا آج کل اپنا زیادہ ٹائم تایا کے ساتھ گزار رہے تھے۔ سو گھر پہ ذرا کم ہی ٹائم دے پاتے تھے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ چلی آئی تھی۔ انکل اور آنٹی اسے باہر ہی مل گئے تھے۔ انکل کا ڈاکٹر سے اپائنمنٹ تھا اپنے ریگولر چیک اپ کے لیے اور آنٹی بھی ان کے ساتھ ہی جا رہی تھیں۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ میری بیٹی پہلی دفعہ میرے گھر آئی ہے اور مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ آئی ایم سوری بیٹا۔ ڈاکٹر سے اپائنمنٹ نہ ہوتی تو کبھی نہ جاتے۔" انکل بہت محبت اور خلوص سے کہہ رہے تھے اور ان کی اتنی محبت اور خلوص دیکھ کر صلہ کو شرمندگی ہو رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں انکل۔ آپ کا جانا ضروری ہے۔ آپ جائیں میں پھر آجاؤں گی۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"ارے نہیں ایسے کیسے تم بیٹھو ہم ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ لو حمدان آگیا۔" اسی پل حمدان کندھے پہ گٹار ٹکائے کہیں جانے کو تیار اندر سے باہر آیا تھا اور صلہ کو وہاں موجود دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی تھی۔

"حمدان تم کہیں جا رہے ہو؟" ماما نے فوراً ہی اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں تو ماما بولیں۔" اس نے فوراً ہی کہیں بھی جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم کچھ دیر کو صلہ کو کمپنی دو۔ ہم بس ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔" ڈیڈ نے اسے جو ذمہ داری دی تھی وہ اسے نبھانے کو دل و جان سے تیار تھا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈ آپ لوگ جائیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔ جب سے وہ لندن سے لوٹا تھا اس سے ملاقات کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر اس سے ملاقات ہو ہی نہیں پا رہی تھی۔

"تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے حمدان۔" وہ اس کے ساتھ اندر آتے ہوئے بولی۔

"ہاں یہ ساری ڈیڈ کی محنت ہے۔ انہوں نے ہی خود کھڑے ہو کر یہ گھر بنوایا تھا۔" حمدان نے محبت سے بتایا۔

وہ چلتے ہوئے کوریڈور میں آگئے تھے۔

"آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔" وہ اسے گھر کی پچھلی طرف بنے پول سائڈ پہ لے آیا تھا۔

گھر کا وہ حصہ بہت خوب صورت تھا اور صلہ آج پہلی بار دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ستائش تھی۔ وہ دونوں ایک طرف رکھی چیئرز پہ بیٹھ گئے ملازم ان کے سامنے ڈھیر سارے لوازمات رکھ کر جا چکا تھا۔

"میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔ کیونکہ میں لنچ کر چکی ہوں۔" وہ جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"مگر میں نے لنچ نہیں کیا۔ سو اب ان پر ہی گزارا کرنا پڑے گا۔" حمدان نے مسکرا کر ایک سینڈوچ اٹھایا۔

"شام کے چار بج رہے ہیں اور تم نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ حد ہوتی ہے لاپروائی کی۔" ہوا سے بکھرتے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ فکر مندی سے بولی تھی۔ وہ محض مسکرا کر رہ گیا تھا۔

"صلہ ایک بات تو بتاؤ۔" اس نے سینڈوچ ختم کر کے اب جوس کا گلاس اٹھایا تھا۔

"ہاں پوچھو۔" اس کا مکمل دھیان پول کے نیلے پانی کی طرف تھا۔ سامنے نیلا شفاف پانی اور ہولے ہولے چلتی ہوا اس سے بہت بھلی لگ رہی تھی۔

"شاید تمہیں برا لگے۔ مگر میں احمد انکل کے اس رویے کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔ میں اس دن سے مسلسل یہی بات سوچ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے کسی کا آنا برا لگ سکتا ہے۔ مگر اس قدر شدید ری ایکشن ان کی آنکھوں میں ایک ناگواری دیکھی میں نے کیا میں غلط ہوں۔"

"بس ان کی عادت ہے وہ ایسے ہو گئے ہیں۔ میں نے تم سے ایکسکیوز کر لیا تھا۔" وہ سنبھل کر بیٹھی تھی۔ وہ حمدان سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ کیونکہ وہ قدرے لاپروا اور اس قدر بزی رہنے

والا انسان تھا کہ صلہ کا خیال تھا کہ اب تک وہ بھول چکا ہو گا۔ مگر اسے یاد تھا۔

"وہی تو! وہی تو میں پوچھ رہا ہوں صلہ، وہ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔ کوئی تو وجہ ہو گی۔ میرا آنا انہیں برا لگا بات سمجھ میں آتی ہے۔ مگر تمہارے اور آنٹی کے ساتھ ان کا رویہ..." وہ الجھ کر خاموش ہوا تھا۔

"زویا... زویا کی وجہ سے وہ ایسے ہو گئے ہیں۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے گویا اس نے حمدان کو سب بتانے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ دل سے چاہتی تھی کہ کسی سے یہ سب شیئر کرے اور اب حمدان سے بہتر بھلا کون ہو سکتا تھا۔

"زویا... زویا کون؟" اس نے حیرانی سے پوچھا اور صلہ جانتی تھی کہ وہ ضرور حیران ہو گا۔

"زویا میری بڑی بہن ہے۔"

"شاید تم بھی اور سب کی طرح یہی سمجھے ہو گے کہ میں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں مگر ایسا نہیں ہے۔ میرے دو بہن بھائی اور بھی ہیں۔ بڑی زویا پھر حماد بھائی اور پھر میں... یعنی سب سے چھوٹی۔" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

"ہاں... واقعی میں یہی سمجھا تھا کہ تم اکلوتی ہی ہو۔ اس لیے تو میں انکل کا تم سے بی ہیو بڑ دیکھ کر اپ سیٹ تھا۔ مگر وہ دونوں کہاں ہیں۔ کبھی انہیں دیکھا ہی نہیں۔" وہ اب بھی حیران تھا۔ یہ بات اسے آج پتا چل رہی تھی۔

"تم نے کیا... ہم نے بھی انہیں ایک عرصے سے نہیں دیکھا وہ دونوں ہی اپنی فیملیز کے ساتھ ملک سے باہر سیٹل ہیں اور ہم ان سے نہیں ملتے۔" وہ ان دونوں کے ذکر پہ افسردہ سی ہو گئی تھی۔

"لیکن... کیوں؟ یہی تو پوچھ رہا ہوں میں۔" اس کی الجھن بڑھ رہی تھی۔ اسے اب بے چینی نے آلیا تھا۔ آخر ایسا کیا تھا کہ انکل اور آنٹی اپنی سگی اولاد سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔

"کیونکہ بابا نہیں چاہتے کہ ہم ان سے ملیں یا وہ یہاں آئیں۔" وہ لحہ بھر کو رکی تھی۔ جیسے سوچ رہی ہو کہ کہاں سے بتانا شروع کرے اور حمدان بس خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"دراصل زویا نے اپنی پسند سے شادی کر لی تھی اور تب سے بابا اس سے ناراض ہیں۔ زویا نے بہت بار ان سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن بابا اس کی بات ہی نہیں سنتے۔ شروع شروع میں ماما بھی اس سے بات نہیں کرتی تھیں لیکن جب ماما کو اس کی طبیعت کی خرابی کا پتا چلا تو وہ بہت پریشان ہوئیں۔ عمر بھائی نے انہیں خود فون کر کے کہا تھا کہ زویا کی طبیعت بہت خراب ہے اور وہ آپ سب کو بہت یاد کرتی ہے اور روتی رہتی ہے۔ جس سے اس کی حالت اور بگڑ جاتی ہے۔ ماما اس کے پاس جانا چاہتی تھیں۔ وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔ مگر بابا نے انہیں کہا کہ اگر وہ زویا سے ملنے گئیں تو دوبارہ انہیں اس گھر میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر وہ وہیں رہیں۔ یہ سب سن کر وہ نہیں جا پائیں۔ پھر حماد بھائی کو جب پتا چلا تو وہ ان دنوں انگلینڈ میں تھے اور وہاں جاب کر رہے تھے۔ وہ وہیں سے زویا کے پاس چلے گئے۔ پھر انہوں نے وہاں زویا کو جس طرح بے چین اور دکھی دیکھا تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ اس کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ پھر اس کے ٹوئنز بے بیز ہوئے اور کافی عرصہ بیمار رہنے کے بعد بالآخر وہ سنبھل گئی۔ مگر حماد بھائی کو بابا پہ بہت غصہ تھا۔ کہ انہوں نے ماما کو اس طرح روکا اور ان کا بالکل بھی احساس نہیں کیا۔ انہوں نے بابا سے اس سلسلے میں بات بھی کی اور بہت بحث کی مگر بابا ٹس سے مس نہ ہوئے الٹا حماد بھائی سے بھی خفا ہو گئے اور انہیں بھی کہہ دیا کہ اگر انہیں زویا کا اتنا دکھ ہے تو وہ اسی سے تعلق رکھیں اور ہم لوگوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حماد بھائی بھی بابا کی طرح غصے کے بہت تیز اور ضدی ہیں۔ اس دن کے بعد سے وہ پھر ادھر نہیں آئے۔ ہاں ماما سے باقاعدگی سے بات کرتے ہیں۔ ان کی فیملی ہے ایک بیٹا ہے۔ وہ بھی اکثر ماما سے بات چیت کرتے رہتے ہیں اور زویا بھی اکثر ماما سے بات کرتی رہتی ہے۔ لیکن بابا ان دونوں سے بات نہیں کرتے

ہیں۔ میں جانتی ہوں جب وہ دونوں اور ان کے بچے ماما سے اور مجھ سے بات کرتے ہیں تو بابا انہیں دیکھتے ہیں۔ یقیناً" ان کا دل بھی چاہتا ہو گا کہ وہ بھی ان سے بات کریں مگر بس وہ اپنی انا اور غصے کے قلعے میں آج بھی قید ہیں یا شاید وہ یہ چاہتے ہوں کہ وہ دونوں ان سے خود سے بات کریں۔"

"لیکن یار کیا پسند کی شادی کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کا اتنا شدید ری ایکشن کہ آپ کی سگی اولاد زندگی اور موت کی کیفیت میں ہو اور آپ اس کی ماں کو اس سے ملنے نہ دو یہ غلط ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی تو حمدان کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔ اسے حقیقتاً" احمد انکل کے خیالات پہ غصہ آیا تھا اور اس سے زیادہ دکھ اس کی حالت پہ ہوا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ پسند کی شادی کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی اپنی مرضی پسند ناپسند سے گزارنے کا حق ہے۔ مگر زویا کا طریقہ کار غلط تھا۔ اس نے غلط طریقہ اپنایا۔ اس نے سب کا اعتبار توڑا سب کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا' بابا کا بھی اس میں اتنا قصور نہیں ہے حمدان آپ جن کو دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور وہ یوں آپ کو سب کے سامنے ذلت سے دوچار کردے تو دکھ ہوتا ہے نا اور اس نے تو ایک انسان کی جان کے بدلے میں تمام خوشیاں حاصل کیں اور پھر اس وقت کے حالات اور سچویشن کو دیکھ کر سب کا غصہ ٹھیک لگتا تھا۔ مگر اب جب سے حماد بھائی نے بھی آنا چھوڑ دیا تو مجھے ماما کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔"

"کس کی جان... کیا مطلب؟" وہ اپنے ہی خیالات سے چونکا تھا۔

"اسفند بھائی' زویا کے منگیتر... اسفند بھائی میرے تایا کے بڑے بیٹے تھے بے انتہا پرخلوص اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ یہ سب اس وقت ہوا جب میں میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی زویا بڑی تھی اور بڑی اولاد ہونے کے ناتے بابا اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ بے انتہا محبت کرتے تھے' اتنی محبت تو وہ حماد بھائی سے بھی نہیں کرتے تھے جتنی زویا سے کرتے تھے۔ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا گویا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے بہت سارے خواب دیکھ رکھے تھے وہ اسے اپنی بیٹی نہیں بیٹا کہا کرتے تھے اور اسی بات کو لے کر حماد بھائی اکثر چڑ جایا کرتے تھے۔ اس وقت ہم یہاں نہیں کہیں اور رہا کرتے تھے۔ ہماری دادی بھی ہمارے ساتھ رہا کرتی تھیں اور اوپر کے پورشن میں تایا اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے۔ اسفند بھائی ان کے بڑے بیٹے تھے پھر ایزد تھا اسفند بھائی' زویا اور حماد بھائی کی آپس میں بہت دوستی تھی۔ خاص کر وہ زویا کا بہت خیال رکھتے تھے اور زویا کا بھی ہر کام ان کے بغیر ادھورا رہتا تھا۔ اسے کہیں آنا جانا ہو یا کوئی بھی اور کام وہ دونوں ہر وقت ساتھ ہی ہوا کرتے تھے۔ وہ مجھ سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی کوئی بہن نہیں تھی۔ وہ بس دو بھائی ہی تھے تو وہ مجھے بالکل چھوٹی بہن کی طرح پیار کرتے تھے۔ وہ جب بھی کہیں جاتے تھے تو میرے لیے ہمیشہ ڈولز اور ٹیڈی بیئرز لاتے تھے' تو سب ان پہ ہنستے تھے کہ اب یہ بڑی ہو گئی ہے اور تم اس کے لیے کھلونے لاتے ہو تو وہ کہتے تھے کہ جہاں بھی میں ڈولز دیکھتا ہوں تو مجھے صلہ یاد آتی ہے اور میں اس لیے خرید لیتا ہوں۔ میرے لیے تو یہ چھوٹی سی ڈول ہی ہے۔ وہ ساری ڈولز اور ٹیڈی بیئرز آج بھی میرے محفوظ ہیں۔"

اسفند بھائی کے ذکر پہ اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"میں ان کی ڈول تھی اور زویا ان کا سب کچھ... پھر ان دونوں کی اس قدر پسندیدگی کو دیکھتے ہوئے ان کی منگنی ہو گئی۔ اسفند بھائی بہت خوش تھے اور اب میں سوچتی ہوں تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے زویا اتنا خوش نہیں تھی جتنا وہ تھے۔ شاید وہ بڑوں کے آگے خاموش ہو گئی تھی۔ ان دنوں اسفند بھائی اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اور زویا یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی تیاریوں میں تھی۔ پھر اس کا ایڈمیشن یونیورسٹی میں ہوا اور جیسے سب بدل گیا۔ وہ بہت بدل گئی تھی۔ سوچوں میں گم رہتی تھی۔ پہلے کی طرح شوخ و چنچل نہیں رہی تھی

اور اسفند بھائی اسی طرح اس کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ سب اس کی خاموشی کو یونیورسٹی کی تھکن اور پڑھائی کا بوجھ سمجھتے تھے۔ لیکن در اصل بات کچھ اور تھی اور وہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکا اور نہ ہی وہ کسی سے کچھ کہہ سکی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے کسی سے کچھ بھی کہا تو گھر میں ایک طوفان آجائے گا اور کوئی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔

پھر وہ ہوا جو نہیں ہونا چاہیے تھا اور جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ مگر شاید وہ سب ایسے ہی ہونا تھا اس کی شادی میں بس ایک ہی ہفتہ باقی رہ گیا تھا۔ اسفند بھائی بہت خوش تھے۔ بے انتہا' ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ گھر میں مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ پھر سب کچھ ویسے ہی رہا بس زویا گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ کسی کو بھی کچھ بھی کہے بنا' بتائے بنا' بہت ڈھونڈا ہر جگہ تلاش کیا۔۔۔ مگر اس کا کچھ پتا نہیں چلا جو ذلت اور رسوائی ہوئی وہ ایک الگ کہانی ہے۔ سب انتہائی غمزدہ اور پریشان تھے اسفند بھائی کو تو جیسے ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ پورے گھر میں صرف دادی تھیں جو بول بول کر دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھیں۔

پھر ایک دن اچانک وہ عمر بھائی کے ساتھ آگئی۔ سجی سنوری' بے تحاشا خوش زویا۔۔۔ تب ہمیں پتا چلا کہ عمر بھائی اس کے یونیورسٹی میں ڈپارٹمنٹ میں ینگ انٹرن پروفیسر تھے اور دونوں پہلے ہی دن ایک دوسرے کو دیکھ کر دل ہار بیٹھے تھے پھر جب دونوں گھرانوں کے ماننے کی کوئی صورت نہ نکلی تو ان دونوں نے یہ راہ اپنائی اور سب کو ذلت و رسوائی میں دھکیل کر اپنی نئی دنیا بسالی۔

لازمی بات ہے کسی نے اس سے بات نہ کی اور بہت زیادہ برا بھلا کہنے کے بعد ان دونوں کو گھر سے نکال دیا گیا اور آئندہ کبھی نہ ملنے کو بھی کہا گیا۔ اسفند بھائی نے سب کچھ بہت خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ کتنے ہی دنوں سے ایک لفظ بھی نہیں بولے تھے۔ ان کی آنکھیں' ان کا دل جیسے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ مگر ان کے دماغ میں کیا چل رہا تھا یہ کوئی نہیں جانتا تھا اور پھر ٹھیک دو دن بعد انہوں نے خودکشی کرلی۔ ان کی موت ہم سب کے لیے' بہت بڑا سانحہ تھی۔ زویا کے اس طرح چلے جانے سے بھی زیادہ ہم سب انہیں بہت بہادر سمجھتے تھے۔ بہت مضبوط سمجھتے تھے۔ لیکن محبت میں وہ اس بری طرح ہارے کہ جان سے ہی گزر گئے تھے۔

اس وقت واقعی زویا قصوروار تھی اور اسفند بھائی کا دکھ سب کو دل سے محسوس ہوتا تھا۔ پھر کچھ عرصے بعد تایا اپنی فیملی کے ساتھ باہر شفٹ کر گئے اور ہم لوگ وہاں سے اس گھر میں شفٹ ہوئے تو دادی ہمارے ساتھ ہی تھیں۔ وہ میرے اور ماما کے ساتھ ایسے ہی ہو کرتی تھیں جیسے زویا کے گھر سے جانے اور اسفند بھائی کی موت کی ذمہ دار ہم دونوں ہوں۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بابا کے اندر بے اعتباری بھر دی۔ پھر اس طرح ہمارا ملنا جلنا سب سے بہت کم ہو گیا' ماما کی صحت دن بدن خراب رہنے لگی۔ مگر بابا بہت بدل گئے تھے۔ انہوں نے اپنا دل سخت کر لیا تھا۔ انہوں نے مجھے سب کچھ دیا۔ اچھے سے اچھی تعلیم' آزادی' ہر وہ چیز جس کی ہر انسان خواہش کرتا ہے۔ مگر میں آج تک ان کی محبت اور اعتبار سے محروم رہی ہوں۔ جو ان کی شخصیت کا حصہ تھی۔ کچھ عرصہ پہلے دادی کا انتقال ہو گیا۔ مگر ان کی باتیں آج بھی بابا کے دل میں زندہ ہیں اور شاید ہمیشہ رہیں گی۔

تمہیں پتا ہے حمدان۔۔۔ میرا اکاؤنٹ ہر مہینے پیسوں سے بھر جاتا ہے۔ پر آج بھی میرا دل چاہتا ہے کہ وہ خود مجھے اپنے ہاتھوں سے پاکٹ منی دیں جیسے بچپن میں دیتے تھے۔ میری ہر برتھ ڈے پہ وہ ہر سال مجھے ایک بلینک چیک دے کر جیسے جان چھڑا لیتے ہیں پر آج بھی میرا دل چاہتا ہے۔ وہ بچپن کی طرح میرے لیے کیک لے کر آئیں اور میرے ساتھ مل کر کاٹیں مگر ایسا ہوتا نہیں ہے اور سارے بلینک چیک میری دراز میں ایسے ہی پڑے رہتے ہیں میں نے کبھی ان میں اماؤنٹ بھرا ہی نہیں۔۔۔ کاش بھر سکتی تو ان کی محبت اور اعتبار اس میں بھرتی کیونکہ مجھے ان کے اعتبار اور محبت کی زیادہ ضرورت ہے اور یہ میں زویا کی وجہ سے کھو چکی ہوں۔ اور پتا نہیں کبھی پا بھی سکوں گی کہ نہیں' کیونکہ

مجھے لگتا ہے کہ ان کے دل میں آج بھی کہیں یہ بات ہے کہ کہیں میں زویا کی طرح ان کے اعتبار اور محبت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤں۔

لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے کہ میں اگر چاہوں بھی تو کبھی زویا جیسی نہیں بن سکتی کیونکہ میں اتنی خود غرض کبھی نہیں ہو سکتی کبھی بھی نہیں۔۔۔ اور مجھے اپنی اتنی فکر بھی نہیں ہے۔ جتنی ماما کی پریشانی ہے۔ وہ کبھی شکایت کا ایک حرف نہیں کہتیں لیکن ان کی نم آنکھیں ہر وقت شکوے کرتی رہتیں ہیں۔ خاص کر جب سے حماد بھائی ناراض ہوئے ہیں۔ وہ خود کو بہت اکیلا اور تنہا محسوس کر لیتی ہیں اور اب تایا لوگ پھر سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ ان سے ملنے جلنے سے بابا کا موڈ بھی اچھا رہنے لگا ہے۔ مگر ابزد کو دیکھ کر مجھے عجیب سی فیلنگ ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت دیکھی ہے میں نے۔۔۔ غصہ، نفرت، ناگواری میں کیا کہوں۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی ہاں بس اتنا ہوا ہے کہ ان کے آنے سے بابا بہت خوش رہنے لگے ہیں اور ماما کا بھی بہت خیال رکھنے لگے ہیں اور میرے لیے یہی بہت ہے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوئی تھی۔ اس کی کیفیت اس سے ایسی تھی جیسے کوئی بھاری بوجھ تھا جو اس نے اتار دیا ہو۔

"حالانکہ مجھے یقین ہے کہ اگر زویا اپنی پسند ہم سب کو بتاتی یا صرف اسفند بھائی سے شیئر کر لیتی تو وہ یقیناً" اس کا ساتھ دیتے۔ کیونکہ وہ ایسے ہی تھے۔ وہ کبھی اس کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔ مگر شاید یہ سب یونہی ہونا تھا۔"

حمدان بالکل خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ وہ خاموش ہوئی تو وہ جیسے چونک کر جاگا تھا۔ اسے تو ہمیشہ ایسا ہی لگتا تھا کہ ایک وہی ہے۔ جس کے ساتھ برا ہوتا آیا ہے۔ لیکن اسے کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ دنیا میں ایک وہی نہیں ہے جسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ بلکہ دنیا تو مسائل سے بھری پڑی ہے اور ہر انسان ہی خود کو دنیا کا مظلوم ترین انسان سمجھتا ہے۔ جیسے دنیا کے تمام ظلم و ستم صرف اسی کے ساتھ روا ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اگر ارد گرد نگاہ دوڑائی جائے تو ہمارے آس پاس کتنے ہی ایسے لوگ ملیں گے جو مسائل کے انبار تلے دبے ہیں اور جن کا کوئی حل بھی نظر نہیں آتا اور نہ ہی ان کا کوئی پرسان حال ہے۔ پھر بھی وہ جی رہے ہیں۔

"تم وہ شخص ہو جسے میں نے یہ ساری باتیں بتائی ہیں۔ وگرنہ مجھے اپنی پرابلمز کسی سے شیئر کرنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ یا شاید کبھی کوئی ایسا ملا ہی نہیں کہ جس پہ اعتبار کر سکوں۔" اسے خاموش دیکھ کر وہ ذرا سا مسکرا کر بولی تھی۔

"ہوں۔۔۔ اعتبار کرنے کا شکریہ۔ مگر یہ سب سن کر مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کہوں، کیونکہ میں نے بالکل نہیں سوچا تھا کہ احمد انکل کے سخت رویے کے پیچھے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ آئی ایم سوری میں نے تمہیں دکھی کر دیا۔ بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ ذرا سا اس کی سمت جھک کر بولا تھا۔ جواب میں وہ صرف اثبات میں سر ہلا کر مسکرائی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

"تمہیں پتا ہے صلہ کہ ڈیڈ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی میں کوئی ایسا دوست ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے آپ اپنے دل کی ہر بات شیئر کر سکیں بنا کسی ڈر کسی خوف کے۔۔۔ اس سے آپ کا دل ہلکا ہوتا ہے۔ آپ کو انرجی ملتی ہے۔ پرانے غم بھلا کر پھر سے آگے بڑھنے کی، کیا خیال ہے تمہارا؟" اس نے ڈیڈ کی کہی ہوئی بات اس کے ساتھ شیئر کرنے کے بعد اس کی رائے جاننا چاہی تھی۔

"ہاں وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ جس طرح اس وقت میں خود کو بہت ریلیکس فیل کر رہی ہوں۔ حالانکہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں یہ سب کسی سے کہہ پاؤں گی پر آج تم سے کہہ دیا تو لگا کہ دل کا بوجھ کچھ کم ہوا۔۔۔

اچھا ایک بات بتاؤ۔۔۔ تمہارے ڈیڈ تو اتنے اچھے ہیں۔ تم ان سے اتنے خفا کیوں رہتے ہو کیا وجہ ہے؟ اگر تم بتانا چاہو تو۔۔۔" صلہ کے اس طرح پوچھنے پر اس کا

مسکراتا چہرہ چند لمحوں کو بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔
"تمہیں برا لگا تو آئی ایم سوری.... میں تو بس...."
اسے لگا کہ جیسے حمدان کو بہت برا لگا ہے تو وہ ایک دم ہی بولی تھی۔
"نہیں ایسی بات نہیں ہے صلہ...." وہ چند پل خاموش رہنے کے بعد بولا تھا۔ وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"دراصل ڈیڈ میرے سگے والد نہیں ہیں۔" وہ دھیمے سے بولا تھا اور اب کے حیران ہونے کی باری صلہ کی تھی۔ وہ نہایت حیرانگی سے اسے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی بات پہ یقین نہ آیا ہو۔
"ہوں.... یہی سچ ہے۔ وہ میرے پاپا کے بڑے بھائی ہیں۔ یعنی میرے سگے تایا.... میں جب دس سال کا تھا تو میرے پاپا کا انتقال ہو گیا بالکل اچانک...." وہ پھر سے رکا تھا۔
صلہ خاموشی سے اس کی نم آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ خود پہ ضبط کر رہا تھا۔ صلہ کو افسوس ہوا کہ اس نے یہ بات کیوں پوچھی۔ اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔
"میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ یہ جو میرے اندر میوزک کا شوق ہے نا ان ہی کا پیدا کردہ ہے۔ کیونکہ وہ میوزک کے بے حد شوقین تھے۔ پیانو بہت اچھا بجاتے تھے۔ پیانو بجانا مجھے انہوں نے ہی سکھایا تھا۔
پھر وہ چلے گئے اور میں جیسے پاگل ہو گیا۔ میں ماما سے زیادہ ان کے قریب تھا۔ میں روتا تھا' چلاتا تھا کہ مجھے پاپا کے پاس جانا ہے اور ماما مجھے سنبھال سنبھال کر تھک جاتی تھیں پھر آہستہ آہستہ میں سنبھل گیا۔" آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کی آواز میں بھی نمی گھل گئی تھی۔ وہ کتنے لمحے خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا تھا۔
"ہم سب ساتھ ہی رہتے تھے' دادا' ڈیڈ' حنین اور حمنہ' ڈیڈ کی اپنی وائف سے علیحدگی ہو گئی تھی پتا نہیں کیوں؟ وہ حنین اور حمنہ کو یہیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ ڈیڈ ہی ان دونوں کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ماما اور دادا بھی' پھر پاپا کے بعد ڈیڈ ہم تینوں کا بہت خیال رکھتے تھے وہ مجھے زیادہ وقت دیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں پاپا سے کس قدر اٹیچڈ تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد دادا کا انتقال ہو گیا اور ماما کو وہاں رہنا شاید مشکل لگنے لگا۔ کیونکہ نانا اور نانی کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا اور ماما کی بس ایک ہی بہن تھیں وہ دوسرے شہر میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتی تھیں اور لازمی بات ہے کہ اب ماما ان پہ تو بوجھ نہیں بن سکتی تھیں۔ پھر کچھ رشتے داروں اور بزرگوں کے مشورے سے ماما اور ڈیڈ کا نکاح کر دیا گیا اور مجھے یہ بات بہت بری لگی کیونکہ میرے دل اپنے پاپا کی محبت اور ان کے نقوش اتنے گہرے تھے کہ میں کسی کو بھی ان کی جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ پھر چاہے وہ ڈیڈ ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر ماما نے ڈیڈ نے مجھے بہت سمجھایا۔ مگر میرے دل میں ڈیڈ کے لیے یوں سمجھو ایک نفرت سی آگئی۔ حالانکہ وہ میرا پہلے سے بھی زیادہ خیال رکھنے لگے تھے۔ حنین اور حمنہ سے بھی زیادہ کیونکہ وہ دونوں تو پہلے ہی سے ماما سے بہت مانوس تھے۔ سو انہیں کوئی پرابلم نہیں تھی اور پھر حنین جلد ہی پڑھائی کے لیے باہر چلا گیا تو ان کی تمام تر توجہ کا مرکز میں ہی رہا۔ وہ اپنا ٹائم اور پوری توجہ مجھے ہی دیتے تھے۔ مگر مجھ میں ایک ضد سی آگئی تھی۔ پھر میں ان کی ہر بات میں نفی کرتا گیا اور وہ بس خاموشی سے مجھ سے محبت کرتے رہے۔ میں نے آج تک اپنے نام کے ساتھ کبھی ان کا نام نہیں لگایا میں آج بھی حمدان رضا ہوں حمدان مرتضیٰ نہیں۔ مگر انہوں نے کبھی مجھے نہیں ٹوکا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حمدان کی پہچان رضا سے ہے وہ ہمیشہ اس کے نام سے پہچانا جائے گا۔
وہ مجھے میوزک سے منع کرتے تھے۔ میں نے میوزک کو اپنا پروفیشن بنا لیا وہ خاموش رہے۔ ان کے لاکھ کہنے پہ بھی میں نے بزنس جوائن نہیں کیا۔ ہاں اب بھی کبھی احسان جتا کر چلا جاتا ہوں وہ اس پہ بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ وہ مجھے کبھی بھی کسی بھی چیز سے منع کیا کرتے تھے نا صلہ تو میں سوچا کرتا تھا کہ آج اگر میرے پاپا ہوتے تو وہ مجھے کبھی نہ روکتے اور میں ان سے

مزید دو قدم اور پیچھے ہو جاتا تھا اور مجھے پاپا پہ بھی غصہ آتا تھا جب وہ ان کی طرف داری کیا کرتی تھیں اور حمنہ اور حنین کی مثالیں دیا کرتی تھیں اور تب میں کہتا تھا کہ میں جیسا ہوں ویسا ہی ٹھیک ہوں۔ میں چڑ جاتا تھا۔ میں کئی کئی دن گھر نہیں آتا۔ وہ دونوں میرا انتظار کرتے ہیں اور ڈیڈ روز علی سے فون کر کے میری خیریت پوچھتے ہیں اور پہلے میں چڑ جایا کرتا تھا کہ وہ مجھ پہ نظر رکھتے ہیں اب میں شرمندہ ہوتا ہوں۔" اس کے لہجے میں شرمندگی اتر آئی تھی۔

"اس رات صلہ.... اس رات جب ڈیڈ کی طبیعت خراب ہوئی تو وہ لمحہ جیسے مجھے برسوں پیچھے دھکیل گیا۔ مجھے لگا میں پاپا کی طرح انہیں بھی کھو دوں گا۔ وہ آدھے گھنٹے کا راستہ جیسے صدیوں پہ مشتمل ہو گیا تھا میرے لیے ایک ایک لمحہ جیسے مشکل ہو رہا تھا۔ مجھے لگا کہ جیسے میں ایک دم ہی کڑی دھوپ میں آ کھڑا ہوں، ننگے سر ننگے پاؤں کسی انہونی کا سوچ کر جیسے میرا وجود جلنے لگا تھا اور جب ان کی خیریت کی اطلاع ملی تو یوں لگا کہ جیسے مجھے نئی زندگی مل گئی۔ تب میں نے سوچا میں کتنا غلط تھا۔ میری سوچ کتنی غلط تھی۔ میں جو اپنے میوزک سے لوگوں میں انسانیت اور اچھائی کی سوچ اجاگر کرتا ہوں۔ خود میرے اندر کتنی نیگیویٹی (منفیت) ہے مجھے خود سے شرم آنے لگی۔"

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ دیواروں سے دھوپ اترنے لگی تھی۔ اور پول کا پانی اب سیاہی مائل لگنے لگا تھا۔ سامنے رکھی چائے کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ان دونوں کو پتا ہی نہیں چلا تھا۔

"آج میں سوچتا ہوں۔ اگر اس وقت پاپا کے بعد وہ ہمیں نہ سنبھالتے تو آج میں اور ماما کہاں ہوتے۔ آج میں جو کچھ ہوں بس ان ہی کے دم سے ہوں۔ میں بھی کتنا پاگل ہوں نا کہ ان سے بدگمان رہا انہوں نے تو اپنے بچوں سے بڑھ کر مجھے چاہا۔ آج جو پوری دنیا مجھے جانتی ہے۔ لوگ میرے پیچھے دیوانے ہیں۔ میری ایک پہچان ہے 'ایک نام ہے۔ وہ یقیناً" ان ہی کی محبت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ شاید آج حمدان رضا وہ نہ ہوتا جو وہ ہے۔ پتا ہے پہلی بار میں نے جس میوزک کمپنی کے لیے کام کیا وہ ڈیڈ کے جاننے والے تھے اور انہوں نے مجھے ڈیڈ کی وجہ سے بہت سپورٹ کیا۔ کچھ میری آواز بھی اچھی تھی۔ سو مجھے بریک تھرو مل گیا اور میں سمجھتا رہا کہ یہ ساری میری اپنی محنت تھی۔ حالانکہ وہاں بھی وہی میرے پیچھے تھے۔ پہلے جن باتوں سے میں چڑ جاتا تھا اب وہی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ کیونکہ اب مجھے ان کی محبت نظر آتی ہے۔ وہ دکھائی دیتا ہے جو سچ ہے صحیح ہے۔ کیونکہ اب میں بدگمان نہیں رہا۔ وہ میری ماما کو بھی خوش رکھتے ہیں اور یہ احساس مجھے خوشی دیتا ہے۔ اب میں کوشش کرتا ہوں کہ انہیں تنگ نہ کروں.... ورنہ دنیا میں ایسے کتنے بچے ہوں گے جو ماں باپ کے انتقال کے بعد زمانے کی ٹھوکروں میں آ جاتے ہیں۔ میں تو اللہ کا جتنا شکر ادا کروں وہ کم ہے کہ اس نے مجھے خوش نصیبوں میں رکھا اور زمانے کی ٹھوکروں سے بچا لیا ہمیں رشتوں کی قدر کا احساس انہیں کھونے کے بعد ہوتا ہے صلہ.... اور میں انہیں کھونا نہیں چاہتا صلہ.... کیونکہ میں ڈیڈ سے سچ میں بہت محبت کرنے لگا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی اتر آئی تھی اور وہ مطمئن سا مسکرا دیا تھا۔

"ہوں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں واقعی رشتوں کو کھونے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لیے کتنی قیمتی تھے اور ہم نے کیا کھو دیا ہے۔ مگر پھر بھی ہم ہر بار اپنی انا اور ضد میں الجھ کر وہی غلطی دہراتے ہیں اور پھر بعض دفعہ صرف پچھتاوے رہ جاتے ہیں۔"

صلہ نے ٹشو سے آنکھوں کے کنارے کو صاف کیا تھا۔

"باتوں میں وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب مجھے چلنا چاہیے۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔" شام کافی گہری ہو گئی تھی۔ وہ فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کچھ دیر تو بیٹھو نا.... ابھی تک ہم دونوں ایک دوسرے کو شاید بور ہی کر رہے تھے۔ اب کچھ اپنی

باتیں کرتے ہیں۔"

اسے یک دم ہی احساس ہوا کہ وہ جا رہی ہے اور آج اسے سب کچھ کہہ دینا چاہیے کہ وہ اس کے بارے میں کیا سوچنے لگا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ شاید یہ صحیح موقع ہے۔ اسے صلہ کو روک لینا چاہیے۔

"نہیں حمدان... آج کے لیے اتنی بوریت کافی ہے۔ پھر کبھی سہی۔ ابھی میں چلتی ہوں۔" وہ مسکرا کر جانے کو تیار ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر پھر کب ملو گی۔" وہ جانے سے پہلے پوچھ لینا چاہتا تھا۔

ملازم نے آکر ایک بوکے اور شاپنگ بیگ حمدان کو پکڑایا تھا جسے حمدان نے ملازم کے جانے کے بعد صلہ کو تھمایا تھا۔

"یہ کیا ہے..." وہ حیرانی سے تھامتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"پہلی بار... میرے گھر آئی ہو... خالی ہاتھ کیسے جانے دیتا۔" وہی دلکش مسکراہٹ زیر کر دینے والی۔

"تھینک یو سو مچ..." صلہ کو اچھا لگا حمدان کا یہ انداز۔ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب اس نے ملازم سے یہ سب کچھ منگوایا تھا۔

"چلو شروعات تو ہوئی... اظہار محبت نہ سہی... تحفہ ہی سہی پھول بھی تو محبت کی نشانی ہوا کرتے ہیں۔"

وہ اسے جاتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔ اس نے صلہ کو گیٹ تک چھوڑا تھا۔ وہ جب اپنے گیٹ کے اندر چلی گئی اور پلٹ کر اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا تو وہ مطمئن سا ہو کر واپس اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔ اور جوتوں سمیت ہی بیڈ پہ لیٹ گیا۔

"کہیں کبھی ایسا ہو کہ تم یہیں رہو ہمیشہ اور کبھی اس گھر سے نہ جاؤ۔" یہ خواہش شدت سے اس کے دل میں زور پکڑتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"صلہ... کیا کر رہی ہو بیٹا۔" آج سنڈے تھا اور وہ ناشتے کے بعد وہیں لاؤنج میں بیٹھی ایک میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ تبھی ماما اس کے پاس چلی آئی تھیں۔

"کچھ نہیں ماما... کوئی کام ہے تو بتایئے۔" وہ میگزین رکھ کر ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"بیٹا ذرا یہ لسٹ تو بنا دو۔ دراصل تمہارے بابا نے آج عباس بھائی اور ان کی فیملی کو ڈنر پہ انوائٹ کیا ہے۔ تو ڈنر کی تیاری کرنی ہے۔ تم یہ لسٹ بنا دو ذرا تو ملازم جا کے لے آئے گا۔"

ماما نے پین اور ڈائری اسے پکڑائی تھی اور بتانے لگیں کہ کیا کیا لکھنا ہے۔ جانے کیوں ان کی آمد کا سن کر اسے اچھا نہیں لگا تھا' بابا آئے روز ہی انہیں بلا لیتے تھے۔ بہرحال وہ بنا کچھ بھی کہے وہ کرتی گئی جو ماما نے کہا تھا۔

اس رات تایا اور تائی کے ساتھ ایزد بھی پہلی بار ان کے گھر آیا تھا اور جانے کیوں ہر بار کی طرح آج بھی صلہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی مل چکی ہے مگر کہاں' یہ اسے سوچنے پہ بھی یاد نہیں آیا تھا۔ پھر ڈنر کے بعد جب وہ لان میں ٹہل رہی تھی تبھی ایزد بھی وہیں چلا آیا تھا اس کا رویہ آج ہمیشہ سے یکسر مختلف تھا اور وہ سب سے اچھے سے ملا تھا۔ اس دن اس سے کچھ دیر بات کر کے صلہ کو لگا کہ وہ ویسا نہیں ہے جیسا نظر آتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی اس کی آنکھوں کی وہ کیفیت جسے صلہ کبھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ بھی غائب تھی۔ آج اس کی آنکھیں بھی صاف ستھری اور روشن لگ رہی تھیں نجانے کیوں۔ صلہ کو اسے دیکھ کر اسفند بھائی کی یاد آئی تھی کیونکہ دونوں بھائیوں میں خاصی مماثلت تھی اب پتا نہیں ایزد بھی ویسا ہی تھا جیسے اسفند بھائی تھے یا نہیں یہ صلہ نہیں جانتی تھی اور اس رات کی اگلی صبح بابا نے اسے اور مما کو بتایا تھا کہ انہوں نے اور تایا نے صلہ کا اور ایزد کا رشتہ طے کر دیا ہے۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں میرے فیصلے پہ کوئی اعتراض تو نہیں ہے

صلہ 'اگر ہے تو ابھی بتا دو سوچ لو اچھی طرح" بابا کے پوچھنے کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اگر تمہیں بھی کوئی اور پسند ہے تو ابھی بتا دو یا تم بھی بہن والا طریقہ اپناؤ گی۔ صلہ کا وجود جیسے پل میں کرچی کرچی ہوا تھا۔ آنکھیں تیزی سے نم ہوئی تھیں۔

"بابا آپ ابھی تک مجھے سمجھ نہیں سکے کہ میں صلہ ہوں 'زویا نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی زویا بن سکتی ہوں۔ کیونکہ مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے یا مجھ میں آپ کو دکھ دینے کا حوصلہ ہی نہیں ہے۔ ہاں اپنا آپ میں خوشی سے قربان کر سکتی ہوں اور میں یہی کروں گی۔"

وہ خاموش تھی 'اس کے لب ساکت تھے۔ مگر اس کا دل رو رہا تھا کہہ رہا تھا 'شکوہ کر رہا تھا 'مگر بابا نہیں سن سکتے تھے کیونکہ انہوں نے کبھی اس کے دل کی آواز نہیں سنی تھی۔ ان کی رسائی صرف زویا کے دل تک تھی صلہ کے نہیں۔ ماما بھی وہیں موجود تھیں۔ یہ خبر ان کے لیے بھی شاکنگ تھیں۔ مگر وہ بھی شکایت نہیں کر سکتی تھیں اس لیے وہ بھی چپ تھیں اور صلہ کے کچھ کہنے کی منتظر تھیں۔

"نہیں بابا.... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ یقیناً" جو بھی فیصلہ کریں گے.... وہ میرے لیے بہترین ہو گا۔"

وہ وہی بولی تھی جو بابا سننا چاہتے تھے اور جیسے انہیں یقین تھا کہ صلہ کبھی ان کے فیصلے سے انکار نہیں کرے گی۔ اس لیے تو بنا اس سے پوچھے خود ہی سب کچھ طے کر ڈالا تھا۔ صرف ماضی میں ہوئی زیادتی کا ازالہ کرنے کے لیے اور بھائی سے قریب رہنے کے لیے وہ اب پھر سے اپنے بھائی کو کھونا نہیں چاہتے تھے اور ان ہی کی خواہش پہ انہوں نے ایزد کے لیے ہاں کہہ دی تھی اور اب صلہ کا جواب سن کر جیسے مطمئن سے ہو کر اٹھ کر چلے گئے تھے۔

"صلہ میری جان ایسا مت کرو اپنے ساتھ 'پتا نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے کہ تم وہاں خوش نہیں رہ پاؤ گی۔ ابھی بھی وقت ہے سوچ لو اچھی طرح سے سوچ لو پھر کوئی فیصلہ کرنا۔"

ماما نے اسے قریب کر لیا تھا خود سے۔ اس کی نم آنکھیں ماما سے چھپی نہیں رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں نجانے کیوں ان کا دل کسی انہونی کے احساس سے ابھی سے دھڑک رہا تھا۔ خبردار کر رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ماما 'بابا خوش ہیں میرے لیے یہی کافی ہے۔ جہاں زندگی میں سارے کام ان کی مرضی سے کیے ہیں تو میں اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ان کی مرضی کے خلاف کیسے کر سکتی ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میں رہ لوں گی خوش آپ فکر نہ کریں۔" اس نے آنسوؤں کو بہنے سے بمشکل روک رکھا تھا۔ وہ جو خود کو بہت بہادر سمجھتی تھی۔ آج خود کو سمیٹ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے بہت پہلے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی بھی زویا نہیں بنے گی۔ وہ خود غرضی نہیں دکھائے گی۔ اسے ڈر لگتا تھا دوریوں سے جدائیوں سے 'وہ یہ عہد نبھائے گی ہر حال میں اسے اپنے وجود کی نفی کرنا آتا تھا اور اب بھی اسے ایسا ہی کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج وہ کتنے دنوں بعد ڈیڈ کے ساتھ جوگنگ کے لیے نکلا تھا۔ وہ بھی ڈیڈ کے شکوہ کرنے پر 'ورنہ تو عموماً" وہ اس وقت سو رہا ہوتا تھا یا گھر پہ ہوتا ہی نہیں تھا۔ کل رات وہ خاصا بے چین رہا تھا اور یہ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا پھر جب وہ اور ڈیڈ واپس آ رہے تھے تو وہیں گھر کے پاس انہیں احمد انکل اور صلہ ملے تھے۔ شاید وہ لوگ بھی صبح کی واک کو نکلے تھے اور اب واپس آ رہے تھے۔ صلہ بھی اسے کچھ ڈسٹرب سی لگی تھی۔ اس کی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھیں عیاں کر رہی تھیں کہ یا تو وہ کل رات ٹھیک سے سوئی نہیں ہے یا پھر پوری رات روتی رہی ہے۔

"مگر.... کیوں کیا وجہ ہے۔" وہ انجان تھا۔ صلہ زیادہ دیر وہاں رکی بھی نہیں تھی۔ ان دونوں سے بات کر کے ڈیڈ سے ان کی اور ماما کی خیریت وغیرہ دریافت کرنے کے بعد وہ گھر کے اندر چلی گئی تھی اور وہ خاموشی سے اسے

دیکھتا رہا تھا۔ بے کلی سی جیسے پورے وجود پہ چھا گئی تھی۔

"اور بھئی حمدان بیٹا... تم آج کل کیا کر رہے ہو۔ ٹی وی پر تو اکثر ہی تمہیں دیکھتے رہتے ہیں۔ وہی کر رہے ہو یا اس کے علاوہ بھی کچھ کر رہے ہو۔" وہ بڑے خوشگوار انداز میں اس سے پوچھ رہے تھے۔ حمدان کو ان کی طرف متوجہ ہونا ہی پڑا تھا۔

"ارے نہیں بھئی میوزک کے ساتھ ساتھ اب حمدان روز میرے ساتھ آفس بھی جاتا ہے اور بزنس کو بھی مکمل وقت دیتا ہے۔" اس کی بجائے ڈیڈ نے انہیں بتایا تھا۔

"چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ ویسے بھی ان فضول کاموں میں کیا رکھا ہے۔"

"انکل وہ میرا شوق ہے اور مجھے وہ کرنا اچھا لگتا ہے۔" شاید وہ کچھ اور بھی کہنا چاہ رہے تھے۔ لیکن حمدان نے ان کی بات کاٹ دی تھی۔ تھی تو یہ بدتمیزی مگر وہ خود کو روک نہیں پایا تھا۔

"ایسے شوق کا کیا فائدہ بیٹا جس میں وقت اور پیسے دونوں کا زیاں ہو۔ اس سے بہتر ہے انسان کسی فائدہ مند کام میں پیسہ اور وقت صرف کرے۔ تاکہ کل کو کوئی فائدہ تو ہو۔" ان کی بات سن کر حمدان کے چہرے کے تاثرات بہت تیزی سے بگڑے تھے اور ڈیڈ نے فوراً" ہی اس بات کو محسوس کر لیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے احمد بھائی' انسان کو ہر چیز میں فائدہ نقصان نہیں دیکھنا چاہیے۔ ہم تم بھی تو اپنی جوانی میں ایسے ہی تھے' اپنے آپ میں مگن' بنا کسی کی بھی پروا کیے تو کیا ہمیں اپنے بچوں کو اتنی اسپیس نہیں دینی چاہیے کہ اپنا تھوڑا سا وقت وہ اپنے شوق کو دے سکیں تاکہ وہ ہمیں بھی اتنی ہی اسپیس دیں اور ہم سے بدگمان نہ ہوں۔ کم از کم میں تو اس بات کا قائل ہوں۔ میں نے حمدان کو کبھی میوزک کرنے سے روکا نہیں ہے۔ ہاں سمجھایا ضرور ہے کہ وہ تھوڑا سا وقت اپنے بزنس کو بھی دے۔ حنین کا تو تمہیں پتا ہے۔ باہر کا ہی ہو کر رہ گیا ہے۔ اب آخر کل کو سب کچھ حمدان نے ہی سنبھالنا ہے تو اسے تھوڑی سمجھ بوجھ تو ہونی چاہیے ناباقی آگے وہ خود سمجھ دار ہے۔"

ڈیڈ نے بات سنبھالی تھی اور کیا خوب سنبھالی تھی کہ احمد انکل چند پل کو بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ جیسے شاید کبھی وہ بھی ان ہی خیالات کے مالک تھے۔ لیکن وقت اور حالات نے انہیں بہت بدل دیا تھا۔ ان کے دل میں فوراً" ہی صلہ کا خیال آیا تھا۔

"کہیں وہ اس کے ساتھ زیادتی تو نہیں کر رہے۔" وہ جانتے تھے کہ وہ کبھی بھی انہیں کسی بھی بات کے لیے منع نہیں کرے گی۔ ان کی بات کو کبھی نہیں ٹالے گی۔ مگر بس وہ ڈرتے تھے کہ کہیں وقت خود کو نہ دہرائے۔ پھر انہوں نے جلد ہی تمام خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا تھا اور پھر ان دونوں سے خوشگوار انداز میں کچھ اور باتیں کرنے کے بعد اندر چلے آئے تھے۔

"کیا بات ہے آج احمد انکل کا موڈ بہت اچھا تھا۔" حمدان کا پورا دھیان ابھی بھی صلہ کی طرف تھا۔ مگر پھر بھی اس نے ڈیڈ سے احمد انکل کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ہاں بھئی بیٹی کی شادی کر رہا ہے۔ خوش تو ہو گا۔" ڈیڈ نے اندر داخل ہوتے ہوئے بتایا تھا اور وہ تو جیسے وہیں رک گیا تھا۔

"بیٹی..." اس کے منہ سے فقط اتنا ہی نکلا تھا۔

"ہاں صلہ کی بات طے کر دی نا اس نے ایزد سے اور جلد ہی شادی بھی ہے۔ تمہیں نہیں پتا۔" انہوں نے رک کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ الفاظ تو جیسے کھو گئے تھے۔

"ابھی پچھلے ہفتے ہی تو اس کی منگنی ہوئی اس کے تایا زاد ایزد سے' تم لاسٹ ویک خاصے بزی تھے۔ اس لیے شاید تمہیں بتانے کا موقع نہیں ملا۔" ڈیڈ اسے بتا کر اندر چلے گئے تھے اور وہ جہاں تھا۔ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"حمدان تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے... جلدی کرو

یار ..... دیر ہو جائے گی۔" وہ اس وقت علی کے اپارٹمنٹ میں موجود تھا اور کتنی ہی دیر سے یونہی خاموش بیٹھا تھا۔ بنا ایک بھی لفظ بولے بالکل چپ چاپ 'ہارا ہوا جیسے' بالکل خاموش۔

"حمدان ..... کیا ہوا ہے؟ کب سے دیکھ رہا ہوں۔ اس طرح کیوں بیٹھے ہو۔" وہ اب بھی بنا جواب دیے ویسے ہی بیٹھا رہا تھا۔ جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔

"حمدان ....." علی نے پاس آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا آج حمدان کے وڈیو کی شوٹ تھی اور وہ لوگ آل ریڈی لیٹ ہو چکے تھے اور علی کو بھی یہی فکر کھائے جا رہی تھی کیونکہ جس ڈائریکٹر کے ساتھ وہ لوگ کام کر رہے تھے۔ وہ خاصا کھڑوس مشہور تھا' ذرا سے دیر ہونے پہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلا جاتا تھا اور علی نہیں چاہتا تھا کہ انہیں اس کھڑوس کی منتیں کرنا پڑیں کیونکہ بلاشبہ وہ اپنے کام میں ماہر تھا۔

"اٹھو نا' چینج کرو..... شوٹ پہ جانا ہے اور....."

"فار گاڈ سیک علی..... تم کچھ دیر کو خاموش نہیں رہ سکتے۔ نہیں جانا مجھے کہیں بھی ..... کینسل کر دو سب کچھ ..... پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ ایک دم ہی اپنا ٹمپر لوز کر گیا تھا اور اب بالوں میں ہاتھ پھنسائے بالکل نڈھال سا بیٹھا تھا۔ اس کا ذہن بس بھٹک بھٹک کر صلہ کی طرف جا رہا تھا۔ اسی لیے وہ اتنی خاموش اور اداس تھی۔ خوش نہیں تھی۔

"کیا بات ہے؟ کچھ تو بتاؤ؟" اب علی حقیقتاً" پریشان ہوا تھا۔ کیونکہ حمدان کو وہ اس طرح پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ وہ اس طرح سے اپنا ٹمپر کبھی لوز نہیں کرتا تھا۔ علی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔ جیسے یقین ہو کہ ابھی وہ سب کچھ بتا دے گا۔

"علی..... صلہ؟"

"کیوں کیا ہوا ہے صلہ کو۔" اتنا کہہ کر جب وہ خاموش ہو گیا تو سچ مچ علی کو تشویش ہونے لگی تھی۔

"شی از گیٹنگ میرڈ ود ہر کزن"

وہ بمشکل بولا تھا۔ دل ٹوٹ رہا تھا اور اس کے ٹکڑے جیسے یہیں آس پاس گر رہے تھے اور وہ چپ چاپ بس دیکھ رہا تھا۔ مکمل بے بسی سے بالکل بے بس لاچار..... زندگی میں ہم بہت کچھ کھو دیتے ہیں۔ مگر محبت کھونا سب سے مشکل ہے۔ اس کا دل مر رہا تھا لمحہ بہ لمحہ اور وہ دیکھ رہا تھا۔

"واٹ ..... کیا کہہ رہے ہو۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بھی شاکڈ ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ صلہ سے حمدان کی محبت سے پہلے دن سے واقف تھا۔ وہ اچھی طرح سے جانتا تھا کہ حمدان اس کے لیے کس حد تک سیریس ہے اور اب یہ سب.....

"ہاں ایسا ہو رہا ہے اور یہ سب میرا قصور ہے۔ میں اس سے کچھ کہہ ہی نہیں پایا کتنے ہی موقعے کھو دیے میں نے..... اسے سب بتانے کے..... سب کہنے کے..... کاش' کاش میں..... میں اسے سب کچھ کہہ دیتا۔ سب بتا دیتا تو شاید یہ سب ایسے نہیں ہو رہا ہوتا۔" وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا بے قراری سے ادھر ادھر چکراتا وہ کہیں سے بھی وہ کول مائنڈڈ حمدان رضا نہیں لگ رہا تھا۔ جو ہر وقت گنگناتا مسکراتا رہتا تھا۔ اس وقت اس کی چمکتی آنکھوں میں نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا علی..... ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں کیسے رہوں گا اس کے بغیر..... میں نہیں رہ سکتا..... میری زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی ہے۔ جس سے میں نے اس قدر ٹوٹ کر محبت کی ہے اور میں اسے ایسے کھونے دوں..... نہیں کبھی نہیں۔"

"کول ڈاؤن حمدان سنبھالو خود کو..... ایسے مت کرو پلیز..... تم ایک بار اس سے بات کر کے تو دیکھو ہو سکتا ہے کہ کوئی حل نکل آئے۔ وہ انجان ہے تمہاری فیلنگز سے جان کر ہو سکتا ہے کہ تمہارا ساتھ دے۔" علی اس طرح سے اسے بے چین اور مضطرب نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سو اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"نہیں اتنا تو میں جانتا ہوں کہ وہ وہی کرے گی جو اس کے بابا کہیں گے۔ میرے بات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

اس کے لہجے میں مایوسی در آئی تھی۔ کیونکہ جانتا

تھا صلہ کو کہ وہ خود کو قربان کرنا اور اپنی زندگی اور خواہشات کو داؤ پہ لگانا اچھی طرح جانتی ہے پھر بھی وہ ایک بار اس سے بات ضرور کرے گا کہ اس نے اتنی بڑی بات اس سے چھپائی کیوں۔۔۔ وہ بات ضرور کرے گا اس نے فیصلہ کرلیا تھا۔

☆ ☆ ☆
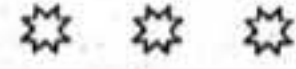
گھر میں بس آج کل ایک ہی ذکر چل رہا تھا اور وہ تھا صلہ اور ایزد کی شادی، بابا بہت خوش تھے برسوں پرانی ان کی خواہش جو پوری ہونے جا رہی تھی۔ ماما بھی انہیں خوش دیکھ کر مطمئن تھیں۔ مگر وہ دل میں تھوڑی سی ڈری ہوئی بھی تھیں۔ ان کے دل کو جانے کیوں ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ کسی انہونی کا خوف اور صلہ بس خاموش تماشائی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی وہ کچھ محسوس نہیں کرپا رہی تھی نہ دکھ اور نہ خوشی بس وہ خاموش تھی بالکل چپ اور جو ہو رہا تھا اسے ہوتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

پچھلے کئی دنوں سے حمدان نے اسے کتنے ہی فون کر ڈالے تھے۔ کتنے ٹیکسٹ کیے تھے۔ مگر اس نے نہ تو کوئی کال ریسیو کی تھی اور نہ ہی کسی ٹیکسٹ کا جواب دیا تھا۔ وہ اپنی ہی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ آج کل ہر چیز سے بے زار اور لاتعلق سی ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ حمدان کو یقیناً "اس کی اور ایزد کی منگنی کا پتا چل گیا ہے اور وہ کیا کہنا چاہتا ہو گا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی سمجھ سکتی تھی۔ اس نے بارہا اس کی چمکتی آنکھوں میں اپنے لیے پسندیدگی بلکہ پسندیدگی سے بھی بڑھ کر بہت کچھ دیکھا تھا اور وہ اس وقت اس سے بات کر کے ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ بہت ساری باتیں تھیں جنہوں نے مل کر اس کے ذہن و دل پہ بوجھ کو بڑھا دیا تھا جانے کب تک وہ اپنی اسی سوچ میں مگن رہتی۔ اگر اس کا سیل فون اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرالیتا۔ وہاں خلاف توقع اجنبی نمبر تھا وہ چند لمحے اسی طرح خاموشی سے بیٹھی اسکرین کو جلتا بجھتا دیکھتی رہی۔ جب مسلسل بجتا رہا تو اس نے مجبوراً "کال

پک کرلی دوسری طرف علی تھا۔ وہ اس کی کال سے حیران تھی اور کسی قدر پریشان بھی کیونکہ آج سے پہلے علی نے اسے کبھی فون نہیں کیا تھا تو پھر آج ایسا کیا تھا؟ وہ سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

"میں اس طرح آپ کو کال کرنے پہ شرمندہ ہوں۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

"جی کہیے کیا بات ہے۔"

جانے کیوں صلہ کے دل کی دھڑکن اس پل ایک دم ہی تیز ہو گئی تھی۔

"صلہ کیا آپ حمدان سے مل سکتی ہیں۔" علی نے ریکویسٹ کی تھی۔

"کیوں کیا ہوا ہے۔" اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

"وہ دراصل۔۔۔" وہ چند لمحوں کو رکا تھا۔ جیسے سوچ رہا ہو کہ بات کیسے شروع کرے۔

"وہ پچھلے کئی دنوں سے تھوڑا اپ سیٹ ہے۔ مطلب وہ بہت اپ سیٹ ہے۔ وہ کتنے ہی دنوں سے گھر نہیں گیا۔ انکل آنٹی بھی اس کے لیے بہت پریشان ہیں۔ اس نے اپنا بہت برا حال بنا رکھا ہے اپنا۔۔۔ اس نے اپنے سارے کانسرٹس ساری شوٹس کینسل کردی ہیں۔ کچھ سننے سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔ میڈیا میں اس کے بارے میں عجیب عجیب سی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ میں وضاحت کر کر کے تھک گیا ہوں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

"ہاں میں سمجھ رہی ہوں۔۔۔ مگر سوری علی۔۔۔ میں نہیں آسکتی میں بہت بزی ہوں آج کل۔"

وہ سب کچھ اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کے باوجود اس سے ملنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو آگے بڑھایا تھا۔ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے خود کو پیچھے نہیں دھکیل سکتی تھی۔

"پلیز صلہ۔۔۔ صرف ایک بار چند لمحوں کو۔۔۔ شاید آپ اسے کچھ سمجھا سکیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ صرف آپ کی ہی بات کو سمجھے گا پلیز۔۔۔"

وہ جانتی تھی علی جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ اس نے

یقیناً" بہت مجبور ہو کر صلہ کو کال کی ہو گی۔ کیونکہ وہ حمدان سے۔ بہت محبت کرتا تھا۔ صلہ کی دھڑکنوں میں اتھل پتھل ہو رہی تھی۔ دل اسے مجبور کر رہا تھا۔ بہکا رہا تھا اور دماغ مختلف تاویلوں اور دلیلوں سے اسے روک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے علی میں آجاؤں گی۔ آپ اپنا ایڈریس مجھے ٹیکسٹ کر دیں۔" بس لمحے بھر کی بات تھی اور فیصلہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ ماما کو بتا کر گاڑی لے کر علی کے بتائے ہوئے ایڈریس پہ پہنچ گئی وہ بس ایک آخری بار اس سے مل کر اس سے بات کرنا چاہتی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ اس کی بات کو سمجھے گا' مان جائے گا دروازہ علی نے ہی کھولا تھا۔ حمدان اندر اپنے میوزک روم میں تھا۔ علی اسے روم کے سامنے چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اس نے دروازہ ناک کیا تھا۔ مگر اندر سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے دروازہ ذرا سا کھولا تھا اندر گھپ اندھیرا تھا۔ حمدان اسے کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ لاؤنج سے ہلکی سی روشنی اندر تک جا رہی تھی اور اسی روشنی میں اس نے دیکھا تھا کہ اندر چاروں طرف میوزک انسٹرومنٹ ہی تھے اور حمدان.... تبھی وہاں ایک سائڈ میں اوپر تلے رکھے کاؤچ پہ اسے ایک سائے کا گمان ہوا تھا۔ وہ اندازے سے آگے بڑھی تھی۔ وہ اس طرح رخ موڑے بیٹھا تھا۔ جیسے سارے زمانے سے خفا' چھپ کر یہاں بیٹھا ہو۔

"حمدان...." صلہ نے دھیمے سے پکارتے ہوئے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تھا وہ ویسے ہی بیٹھا رہا تھا۔

"حمدان...." پکار پھر قریب سے ہی آئی تھی۔

"کیا میرے خواب اس قدر طاقت ور ہو گئے ہیں کہ مجسم میرے سامنے آکھڑے ہوئے ہیں۔" وہ ذرا سا رخ پھیرے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟ اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھے ہو۔" وہ وہم نہیں حقیقت تھی۔ وہ حقیقت بنی اس کے سامنے کھڑی تھی اور وہ اسے اپنا وہم سمجھ رہا تھا۔

"صلہ...." اب کے اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ جلا دی تھی۔ پر دل میں ڈر بھی تھا کہ کہیں روشنی میں حقیقت خواب بن کے غائب نہ ہو جائے۔ پر وہ واقعی وہاں تھی۔

"کیسے ہو تم.... اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کیا ہوا ہے۔" وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔ بکھرے بال اور بڑھی ہوئی شیو مسلے ہوئے ملگجے سے کپڑے وہ کہیں سے بھی حمدان نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔" اس نے پھر پوچھا تھا۔

"تم جانتی تو ہو سب کچھ.... پھر کیوں انجان بن رہی ہو۔" وہ اس کے انجان بننے پہ چڑ کر بولا تھا۔ وہ چند لمحوں کو بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ واقعی وہی تو ذمہ دار تھی اس کی اس حالت کی پھر اب کیوں انجان بن رہی تھی۔ پر آج اسے ہر حال میں انجان ہی رہنا تھا۔ یہی بہتر تھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا۔"

"کیوں کر رہی ہو تم ایسا تم ایسی تو نہیں ہو صلہ.... اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپائی۔ اگر ڈیڈ مجھے نہ بتاتے تو مجھے تو ابھی تک پتا بھی نہ چلتا تم ایسا کیسے کر سکتی ہو صلہ۔"

"تم پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے واقعی سمجھ نہیں آرہا ہے۔" وہ کچھ الجھ کر بے زاری سے بولی تھی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ میں تمہاری اور ایزد کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔"

"ہاں تو یہ خوشی کی بات ہے نا۔ میری نئی زندگی کی شروعات ہو رہی ہے۔ دوست ہونے کے ناتے تمہیں تو خوش ہونا چاہیے نا کہ تم نے ایسی صورت بنا رکھی ہے۔ اگر نہ بتانے سے ناراض ہو تو کوئی بات نہیں ابھی بتا دیتی ہوں کہ میری...."

"بس کرو صلہ... فار گاڈ سیک بس کرو..."
وہ قدرے بلند آواز میں بولا تھا۔ خوش دلی سے بولتی صلہ ایک دم خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں خوش کیوں نہیں ہوں۔ میں خوش اس لیے نہیں ہوں بی کاز آئی لو یو ڈیم اٹ اور میں کتنے ہی عرصے سے تم سے یہ بات کہنے کی تمہیں بتانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مگر تم سے کہہ نہیں پایا اور آج تم مجھے بتا رہی ہو کہ تم شادی کر رہی ہو۔ کیسے کر سکتی ہو تم ایسا..." وہ درمیان کا فاصلہ مٹا کر اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو حمدان ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بمشکل بولی تھی۔ وہ حمدان سے یہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

"ایسا ہی ہے صلہ۔ تم مانو یا نہ مانو مگر میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ آج سے نہیں بلکہ ہماری پہلی ملاقات سے میں تمہیں بتا نہیں سکتا لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ صلہ تم انکار کر دو۔ اس شادی سے انکار کر دو پلیز میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ہم ایک ساتھ بہت خوش رہیں گے پلیز صلہ... میری خاطر پلیز۔"

وہ اس کے ہاتھ تھامے التجائیہ انداز میں بول رہا تھا۔ اس کی محبت کی شدت اس کی آنکھوں سے اس کی زبان سے اس کے ہر ہر انداز سے عیاں ہو رہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" وہ اس کی باتوں کی شدت میں کھونے ہی لگی تھی کہ اس کی آخری بات پہ جیسے کرنٹ کھا کر اس سے دور ہٹی تھی۔

"تم جو سوچ رہے ہو۔ ویسا نہیں ہو سکتا میں ایک تمہاری محبت کی خاطر خود سے وابستہ تمام لوگوں کو اذیت میں مبتلا نہیں کر سکتی۔ انہیں دکھ نہیں دے سکتی۔ سن لو حمدان رضا میں اس شادی سے انکار نہیں کروں گی۔ کیونکہ میں نے اپنے دل کی مکمل خوشی سے یہ فیصلہ کیا ہے اور میں بہت خوش بھی ہوں۔" وہ اٹل انداز میں بولی تھی ہاں آنکھوں میں ہلکی سی نمکین چمک ضرور آگئی تھی۔ مگر صلہ واقعی خود کو قربان کرنا جانتی تھی۔ اسے سچ میں اپنی ذات کی نفی کرنا آتا تھا۔

"صلہ..." وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں یہی سچ ہے حمدان اور تم اس حقیقت کو مان لو۔"

"تو کیا تم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔ ایک لمحے ایک پل کو بھی نہیں۔" محبت پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ایک لمحے ایک پل ایک سیکنڈ کو بھی نہیں، تمہیں میں نے صرف اپنا ایک اچھا دوست مانا ہے۔ تم ہی تو کہتے تھے کہ انسان کی زندگی میں ایک ایسا دوست ضرور ہونا چاہیے، جس سے وہ اپنے سارے دکھ درد کہہ سکے بنا کسی ڈر خوف کے تم تو میرے ایسے ہی دوست ہو۔ جس پہ میں اعتبار کر سکتی ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں... اور اس سے زیادہ تم بھی کبھی مت سوچنا... یہی ہم دونوں کے لیے بہتر ہے۔" وہ جانے کو پلٹی تھی۔

"مگر میں بہت آگے جا چکا ہوں صلہ... بہت خواب دیکھے ہیں میں نے... بہت سی خواہشیں ہیں میری ..." وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

"تو اور آگے بڑھ جاؤ حمدان مگر پیچھے مڑ کر مت دیکھنا کیونکہ زندگی آگے بڑھنے کا نام ہے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے والے پیچھے ہی رہ جاتے ہیں۔" وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

"تم بہت خود غرض ہو صلہ۔" وہ کمرے کے دروازے میں ہی رکا تھا۔

"میں خود غرض ہی تو نہیں بننا چاہتی۔ تم بھی مت بننا تم سے بہت سے لوگوں کی خوشیاں وابستہ ہیں تم ان کی خوشی بن جانا اور میں ان کی خوشی بن جاتی ہوں۔ جن کی خوشیاں مجھ سے وابستہ ہیں۔ کبھی نہ کبھی ہم بھی اپنی خوشی پا ہی لیں گے۔"

وہ جا رہی تھی اور وہ اسے روک نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی لیکن پھر بھی وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ جا چکی تھی اور سیڑھیوں پہ اس کے سیاہ ڈوپٹے کی جھلک ہی باقی رہ گئی تھی۔ وہ وہیں دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے دھند سی چھا رہی تھی۔ تبھی علی اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ اس

نے خاموش کھڑے حمدان کو دیکھا اور دروازہ بند کر دیا تھا۔ گاڑی تک پہنچتے پہنچتے ہلکی ہلکی ہوتی بارش نے اسے اچھا بھگو دیا تھا اور آنکھوں سے جاری برسات نے بھی آگے کے راستے کو دھندلا دیا تھا ہوا ابھی بھی بہت تیز تھی۔ سب کچھ اڑا لے جانے والی اور شاید واقعی اس کا سب کچھ کھو چکا تھا کیونکہ زندگی میں ہم بہت کچھ کھوتے ہیں اور دکھ بھی محسوس کرتے ہیں اور متبادل چیز ملنے پہ خوش بھی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہی انسانی فطرت ہے مگر محبت کھو جائے تو اس کا کوئی متبادل نہیں اور اسے کھونے کی چبھن تمام زندگی محسوس ہوتی ہے۔

"مجھے سب یاد ہے حمدان وہ ایک ایک لمحہ وہ ایک ایک پل جو میں نے تمہارے ساتھ گزارا تم میرے لیے دوست سے بڑھ کر ہو میں جانتی ہوں یہ بات مگر ماننا نہیں چاہتی تھی۔" ہر قدم پہ ایک سوچ تھی جو سامنے آ رہی تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے بے دردی سے آنسو صاف کیے تھے اور آنکھوں کو مزید بہنے سے روکا تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے گھر کے راستے پہ ڈال دی تھی۔ مگر کیا یہ اس کی منزل تھی وہ نہیں جانتی تھی قطعی انجان تھی بس وہ بڑھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بہت سی الجھنوں اور سوچوں کو ذہن میں لیے بالآخر اس کی مایوں کا دن آن پہنچا تھا اور کل بارات تھی۔ وہ جس دن سے حمدان سے مل کے آئی تھی۔ وہ یونہی اداس تھا اس کا دل... ٹوٹ جو گیا تھا... درد تو ہو گا نا اسے... دل ٹوٹے اور اس میں درد نہ ہو تو تکلیف تو انسان کو ہی ہوتی ہے نا۔ بس یہی حال صلہ کا بھی تھا۔ درد کا سمندر دل میں چھپائے... تکلیف کا جہاں وجود میں آباد کیے اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ وہ خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنا موبائل اس نے اس دن کے بعد سے آف کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا وہ کبھی بھی اب وہ مخصوص ٹیون نہیں سنے گی اس نے سوچ لیا تھا۔ اس وقت بھی بالوں کے پیلے جوڑے میں پھولوں کا زیور پہنے وہ خاصی دلکش نظر آ رہی تھی۔ باہر مہمانوں کا ہجوم تھا اور بے تحاشہ شور اور ہنگامہ وہ اس سارے ہنگامے سے دور اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ان ہی سوچوں میں گم تھی۔ تب ہی ماما کب اس کے پاس آ کے بیٹھیں اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔ اس نے پلک پہ اٹک جانے والے آنسو کو سرعت سے صاف کر لیا تھا اور مسکرا دی تھی۔

"ماشاء اللہ میری بیٹی تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔"

ماما نے آنکھ سے کاجل نکال کر اس کے کان کے پیچھے لگا دیا تھا تاکہ کسی کی نظر نہ لگے۔ ماما اس وقت خوش نظر آ رہی تھیں اور صلہ انہیں اس طرح خوش دیکھ کر مسرور تھی۔

"میری بیٹی خوش تو ہے نا۔"

جانے کتنی بار وہ اب تک یہ سوال پوچھ چکی تھیں اور اب پھر پوچھ رہی تھیں۔ مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔

"میں خوش ہوں ماما... آپ میری فکر نہ کریں۔ بس آپ اور بابا خوش رہیں میرے لیے یہی کافی ہے۔" اس نے ماما کے ہاتھوں کی پشت پہ بوسہ دے کر انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"ہم دونوں تو تمہیں خوش دیکھ کر خوش ہیں میری جان۔" ماما نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور محبت سے اس کی پیشانی کو چوما تھا۔

"پتا ہے ماما۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ میں کبھی تو کچھ ایسا کروں کہ میرے بابا مجھ سے خوش ہوں۔ مجھ پہ فخر کریں۔ بچپن سے لے کر آج تک میں نے جتنی بھی کامیابیاں حاصل کیں۔ جتنی بھی پوزیشنز لیں، میڈل جیتے، ٹرافیاں حاصل کیں ان سب کے پیچھے ایک ہی سوچ ہوتی تھی کہ شاید آج بابا مجھ سے خوش ہو کر مجھے یہ کہہ دیں کہ صلہ مجھے تم پہ فخر ہے۔ مگر انہوں نے آج تک زویا کی طرح کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا... اسے ہر چھوٹی سے چھوٹی کامیابی پہ بھی کہا کرتے تھے مگر میری بڑی سے بڑی کامیابی بھی انہیں کبھی خوش نہیں کر

سکی۔ پتا ہے ماما آپ کو مجھے ڈاکٹر بننے کا کریز تھا مگر بابا نے کہا کہ میں ایم بی اے کروں میں نے بنا کسی تردد کے ان کی بات مان لی۔ پھر میں نے سوچا کہ میں فیشن ڈیزائننگ میں کچھ کروں مگر انہوں نے کہا کہ مجھے بزنس جوائن کرنا چاہیے میں نے کر لیا یہ سب میں نے اس لیے نہیں کیا کہ میں ان کی سپورٹ بن جاؤں یا کسی ڈر اور خوف میں بلکہ صرف اس لیے کیا کہ وہ میرے لیے جو فیصلہ کریں گے وہ بہترین ہو گا مگر پھر بھی وہ مجھ سے کبھی محبت نہ کر سکے کبھی لمحہ بھر کو انہیں مجھ پہ فخر نہیں ہوا۔

وہ جب بھی میری برتھ ڈے پہ مجھے بلینک چیک دیتے ہیں۔ مجھے برا لگتا ہے۔ میں ان کی بیٹی ہوں ماما..... کوئی آفس ایمپلائی نہیں کہ جس کی کارکردگی سے خوش ہو کر ہر سال اسے ایک بلینک چیک پکڑا دیں کہ جاؤ اور عیش کرو میرا ابھی تک ہمیشہ دل کرتا ہے کہ وہ میرے لیے کیک لائیں اور کوئی چھوٹا سا تحفہ اور محبت سے مجھے دیں مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں ہر مہینے ان سے لڑ جھگڑ کر لاڈ سے پاکٹ منی لوں اور وہ مسکرا کر تھوڑا سا ڈانٹ کر مجھے پاکٹ منی دیں۔ مگر انہوں نے اس کی کبھی مہلت ہی نہیں دی بلکہ وہ ہر مہینے ایک فارمیلٹی پوری کرتے ہیں ایک بوجھ کی طرح اور میرے اکاؤنٹ کو پیسوں سے بھر دیتے ہیں۔ مگر میرا دل ان پیسوں کو خرچ کرنے کو چاہتا ہی نہیں۔ یہ دیکھیں ماما میں نے وہ سارے چیک ابھی تک ایسے ہی رکھے ہیں۔"

اس نے بیڈ کی سائڈ ٹیبل کی دراز سے وہ سارے چیکس نکال کر ماما کو دکھائے تھے۔ جو اس نے ایک چھوٹے سے پاؤچ میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ بھی صرف اس لیے کہ اس پہ بابا کے سائن تھے۔ ورنہ تو کب کے پھاڑ کر پھینک چکی ہوتی ماما کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ وہ تو اپنے ہی غم میں الجھی رہیں انہیں تو اندازہ ہی نہیں ہوا کبھی کہ صلہ کیا سوچتی ہے۔ کیا چاہتی ہے۔ آج ان کا دل پھٹ رہا تھا۔ آج وہ ایسے موقع پہ یہ سب کہہ رہی تھی جب وہ کل اس گھر سے دور جا رہی تھی۔

"ماما، جس طرح دنیا کے تمام انسان ایک جیسے ایک ہی شکل و صورت اور عادات کے مالک نہیں ہوتے نا اور جس طرح ہاتھ کی پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اسی طرح بالکل اسی طرح اولاد بھی ایک جیسی نہیں ہوتی ماما! خود غرض اور ناقابل اعتبار..... پھر ماں باپ سب کو ایک جیسا کیوں سمجھتے ہیں ٹھیک ہے بچوں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ مگر والدین کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے ناکہ کیا اگر ایک بچہ کوئی غلطی کرے گا تو آپ

اس کی سزا تمام بچوں کو دیں گے چاہے وہ قصوروار نہ ہوں پھر بھی.....

ماما پلیز آپ روئیں مت۔ میں آپ کو ہرٹ کرنا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی میرا مقصد کوئی غلط تھا یہ سب کہنے کا بس آج میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں یہ سب باتیں آپ سے شیئر کروں۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے ماما کے آنسو صاف کیے تھے اور ان کے قریب ہو کر ان سے لپٹ گئی تھی۔

"میری جان، میری بیٹی ہمیں معاف کردو۔ ہم سے غلطی ہو گئی ہم انجانے میں تمہیں دکھ دیتے رہے اور کبھی تمہیں سمجھ نہ سکے۔" ماما نے اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔

"نہیں ماما آپ ایسا نہ کہیں۔ بس مجھے غلط نہ سمجھیں میں آپ دونوں سے بہت محبت کرتی ہوں۔ آپ سے بھی اور بابا سے بھی بے حد، مجھے بس آپ دونوں کی محبت اور اعتبار چاہیے اور شاید کل کے بعد بابا سمجھ لیں کہ میں زویا جیسی نہیں ہوں نہ ہی کبھی ہو سکتی ہوں۔ کیونکہ میں صلہ ہوں اور زویا جیسی کبھی نہیں بن سکتی۔ کیونکہ جو کچھ میں برداشت کر چکی ہوں نا زویا ہوتی تو کبھی نہ کرتی اور نہ اس نے کیا۔

میں آپ کو کیسے سمجھاؤں ماما کہ میں نے کیا کھویا ہے..... یہ بات یہ دکھ میں کبھی کسی سے نہیں کہہ پاؤں گی کبھی بھی نہیں....."

اس کے آنسو ماما کے سینے میں جذب ہو رہے تھے اور باہر کھڑے بابا کی آنکھوں کی نمی بھی تیزی سے ان کے چہرے پہ پھیلی تھی۔ وہ ماما کو ڈھونڈنے یہاں آئے تھے اور ان دونوں کی باتیں سن کر وہیں رک گئے تھے اور پھر انہوں نے جو کچھ سنا وہ ناقابل یقین تھا۔

"میں تم سے خوش ہوں میری بیٹی بہت خوش ہوں میں اپنی سب اولاد سے زیادہ تم پہ فخر کرتا ہوں۔ بس یہ بات کہنے اور سمجھنے میں میں نے بہت دیر کر دی میں بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا زویا اور حماد سے کرتا تھا یا جتنا تم مجھ سے کرتی ہوں یا شاید اس سے بھی زیادہ بس میں ٹوٹ گیا تھا، ڈھے گیا تھا زویا نے جو دکھ اور ذلت مجھے دی اس نے مجھے ایسا بنا دیا تھا اور انجانے میں، میں تم سے زیادتی کرتا رہا۔ وہ بے شک اپنی پسند سے شادی کرتی بس ایک بار تو مجھ سے کہتی میں سب سے لڑ لیتا سب کو منا لیتا ایک بار اپنے باپ پہ اعتبار تو کرتی مگر اس نے جو طریقہ اپنایا جس طرح مجھے زمانے بھر میں خاندان میں رسوا کیا اور پھر اسفند کی موت نے مجھے ایک مختلف انسان میں بدل دیا تھا۔

مجھے دنیا کا ہر انسان ناقابل اعتبار لگنے لگا۔ حالانکہ میں تم پہ شروع ہی سے خود سے بھی زیادہ اعتبار کرتا ہوں، بھروسا کرتا ہوں۔ کبھی اس کا اظہار نہیں کر سکا۔ تم سے قریب نہ ہو سکا کہ کہیں ان دونوں کی طرح تمہیں بھی کھو نہ دوں اس بات سے ڈرتا تھا۔ مگر میرا قصور بھی اتنا بڑا نہیں تھا۔ زویا نے کبھی آکر مجھ سے معافی نہیں مانگی۔ وہ اپنی ماں سے بات کرتی ہے۔ کبھی اس نے مجھ سے یعنی اپنے باپ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا تھا۔ بلکہ کرتا ہوں اور پھر حماد کی خود ساختہ ناراضی نے جیسے مجھے توڑ ہی دیا تھا۔ پھر میں نے بھی کسی کی پروا کرنا چھوڑ دی پر میں تم سب سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی پہلے کرتا تھا۔ ہاں میں نے تم سے کبھی اظہار نہیں کیا۔ پر میں مانتا ہوں کہ میں تم پہ فخر کرتا ہوں اور تم سے اب میں ان دونوں سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں کیونکہ میری بیٹی تم محبت کے قابل ہو تم اعتبار اور فخر کے لائق ہو۔ یہ ساری باتیں میں تمہیں بہت جلد کہوں گا اور پھر تمہارا اپنے بابا سے ہر شکوہ دور ہو جائے گا ان شاء اللہ بس اب تو ایک ہی دعا ہے کہ تم ایزد کے ساتھ ہمیشہ خوش رہو اور میرا یہ فیصلہ بھی تمہارے لیے بہترین ثابت ہو آمین۔"

وہ بہتی آنکھوں سے مسکرائے تھے۔ وہ جلد ہی صلہ سے یہ سب کہیں گے۔ اس بات کا فیصلہ کر کے وہ مطمئن سے آگے بڑھ گئے تھے۔

(باقی آئندہ)

☆ ☆

اس نے لپ اسٹک کے کوٹ کو فائنل ٹچ دیا۔ دوباریک سی لٹیں نکال کر من ہی من میں مسکرائی اس کا موہنا سا روپ سج گیا تھا۔ بائیک کی آواز پہ ڈریسنگ کے آگے سے ہٹی۔ ایک نظر سوتے الیان پر ڈال کر گیٹ کھولنے چل دی۔

آج اس کی ویڈنگ اینیورسری تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی زرش اس کی اتنی تعریفیں کر کے گئی تھی اور کیوں نہ کرتی کہ میرون اور ریڈ کنٹراسٹ کے سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ نازک سے گول بالے، کھلے بالوں کے ساتھ الگ ہی سج دھج دکھا رہے تھے۔ گیٹ کھولتے ہوئے اسے سبحان کے پیچھے خضر صاحب اپنی نئی گاڑی میں بیٹھے نظر آئے۔ لیکن یہ فرنٹ سیٹ پر رفعت آپا تو نہیں تھیں.... لیکن چہرہ شناسا لگ رہا تھا۔

یہی سوال ایبھا نے اندر بائیک لاتے سبحان سے کیا۔

"ارے چھوڑو یار دوسروں کے قصے.... تم اندر آؤ.... کھانا نکال لو پلیز، یار آج کام کی زیادتی کی وجہ سے دن میں کھانا کھانے کی فرصت نہیں ملی بڑی زوروں کی بھوک لگی ہے۔ میں منہ ہاتھ دھولوں۔" اسے دیکھے بنا سبحان باتھ روم کی جانب چلے گئے۔

اپنی ناقدری پر اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

دسترخوان بچھا کر کھانا لگایا۔

"واہ.... آج تو سب کچھ میری پسند کا ہے.... کوئی خاص دن ہے کیا؟" وہ تولیہ صوفے کی بیک پر ڈالتا دسترخوان پر بیٹھ گیا۔

"پتا نہیں...." وہ آنسو پیتی کھانا پلیٹوں میں نکالنے لگی۔ سبحان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"رہنے دو میری دلہن.... کھانا میں نکالتا ہوں آج۔"

"چھوڑیں میں نکال رہی ہوں...." وہ روٹھے روٹھے انداز میں بولی۔

"ارے یار یاد تھا مجھے وہ بس گیٹ سے داخل ہوتے تمہاری بات میں ذہن الجھ گیا تھا۔ خیر چھوڑو کھانا بہت لذیذ بنا ہے۔" وہ بڑے بڑے

کائنات غزل

نوالے جلدی جلدی منہ میں ڈالنے لگا۔

"تم سناؤ دن کیسا گزرا الیان کا پیٹ کا درد ٹھیک ہوا؟"

"بس سو سو گزرا.... درد الحمدللہ ٹھیک ہے۔ دوا پلا کر سلایا ہے۔" اسے جلدی جلدی کھاتے دیکھ کر ایبھا کو افسوس ہونے لگا۔ ناحق میں بدگمان ہو رہی ہوں بے چارے صبح کے بھوکے ہیں۔

اب وہ بھی مسکرا مسکرا کر اسے ڈشز پیش کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"آجاؤں..."

"اوہ دروازہ کھلا ہوا تھا...؟ آؤ زرشہ... اندر آجاؤ میں ابھی آئی۔" سبحان کے آفس جانے کے بعد میں سستی میں لیٹی رہی۔ چائے کی طلب پر کچن کی جانب جا رہی تھی کہ زرشہ کی آواز پر چونکی۔

جلدی سے نائٹ سوٹ چینج کیا۔ عجیب شرمندگی اٹھانی پڑی اس کے سامنے سبحان نے کہا بھی تھا کہ گیٹ لاک کر لو۔ خود کو ملامت کرتی باہر آئی... زرشہ کی نظریں اس پر ٹکی تھیں۔ کیا نہیں تھا ان نظروں میں حسرت، تشنگی۔ مجھے ایک دم سے بے چینی سی محسوس ہوئی۔ "چائے پیوگی زرشہ۔" میری آواز پہ وہ چونکی۔

"نہیں پی لی تھی صبح..." عجیب تھکن تھی اس کے لہجے میں۔

"کوئی بات نہیں اب دوبارہ پی لو میرے ساتھ۔" وہ میرے پیچھے ہی کچن میں آئی۔ بھائی بھابھی کے ساتھ یہ کچھ عرصہ پہلے ہی پڑوس میں شفٹ ہوئی تھی۔

"تم نے شادی کیوں نہ کی اب تک زرشہ...؟" بات کے دوران نہ جانے مجھے کیا ہوا اچانک اس سے یہ سوال کر بیٹھی۔ سوال کر کے خود بھی حیران تھی۔

"شادی..." وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"میرا مطلب ہے تم اتنی خوب صورت ہو تو اتنا وقت... رشتے تو آتے ہوں گے؟" وہ مسکرائی... اس کی مسکراہٹ میں ایک کرب تھا۔

"ہوں... بہت رشتے آئے لیکن میرے بھائیوں کو 'چاند پری' بہن کے لیے کوئی مناسب نہ لگا۔ اعلا سے اعلا اسٹیٹس کے چکر میں ہر رشتے کو ٹھکراتے گئے۔ اور دونوں بھائیوں کی شادیاں ہو گئیں۔ انہیں آج تک میرے مطابق کوئی بہتر نہ لگا۔ ہر طرح کی سہولت میسر ہے۔ مجھے بھائیوں کی محبت، بھتیجے بھتیجیوں کی محبت، نہیں ملی تو ایک شوہر کی قربت... میرے آگے کے بچے میرے قد کے برابر ہو گئے۔ پتا ہے ایسا انسان کو جھولی میں پڑا پھل اچھا نہیں لگتا۔

وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔ آگے سے آگے بڑھنے اور تلاش کے سفر میں خود کو بھی کھو دیتا ہے اور اس پھل کو بھی، جو جھولی میں آکر گرا تھا۔ آخر میں تہی دست... تہی داماں رہ جاتا ہے... بالکل میری طرح۔"

وہ اپنے خالی ہاتھ میرے آگے کرتے ہوئے بولی۔

میں نے نظریں اٹھا کے دیکھا اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ دونوں کی چائے سلیپ پر پڑی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ پلٹی اور میرے گھر سے نکلتی چلی گئی۔ زرشہ کے اس طرح چلے جانے سے میری اپنی کیفیت عجیب سی ہونے لگی۔ "لڑکیوں کے صحیح وقت پر رشتے کر دیے جائیں..." اماں اکثر کہا کرتی تھیں۔

ایبھا کے لیے جب سبحان کا رشتہ آیا۔ وہ اس وقت ناننتھ میں تھی۔ ان دنوں اس کی امی کی خالہ اسلام آباد سے آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ان سے رشتہ کا سرسری ساذکر کیا۔

"دیکھ لو بیٹا پہلا رشتہ بنا دیکھے پرکھے ریجیکٹ (مسترد) نہیں کرتے... اگر مناسب لگے تو استخارہ کر لو۔ اگر جوڑ کا ہو گا تو ہاں کر دینا۔"

اس وقت اسے خالہ شہناز کی منطق عجیب ہی لگی تھی اور اب تک ہی لگتی تھی۔ کیونکہ وہ شادی کے بعد وہ سبحان سے لاکھ محبت کے باوجود اس سے خائف رہتی تھی۔ اسے تعریف نہیں کرنی آتی تھی، غصے میں تھوڑا جلدی آتے تھے مگر منا بھی لیتے تھے۔

زرشہ کی باتیں سن کر بے کلی سی ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد ہی بڑی آپا کا فون آگیا۔

ادھر، ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے جو خبر سنائی وہ کسی دھماکے سے کم نہ تھی۔ اس نے اپنی بے خبری کا بتایا تو وہ اور اسی پر گرجنے لگیں۔

"لو بھئی دنیا سے انجان رہنا تم۔ پڑوس میں رہتے ہیں خضر صاحب، کم از کم اتنا تو پتا ہونا چاہیے تھا تمہیں۔ مرد ذات کا کیا بھروسا سبحان پر بھی نظر رکھا کرو۔"

"الیان اٹھ گیا ہے آپا میں پھر بات کروں گی۔" اس نے آپا کو ٹالا اور جلدی سے فون بند کر دیا۔

خضر صاحب نے اپنے گھر میں کام کرنے والی ماسی سے شادی کرلی تھی۔ "اف" وہ دونوں ہاتھوں سر گرا کر بیٹھ گئی۔ دونوں واقعات نے اسے اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔
سبحان ایسے نہیں تھے اسے بھرپور یقین تھا ان پر لیکن بس... اسی لیکن پر آکر وہ ٹھہر جاتی۔
سارا دن ان ہی سوچوں میں گزر گیا۔ اسی لیے کل سبحان، خضر صاحب کے ذکر پر غصہ ہو رہے تھے۔

☼ ☼ ☼
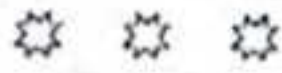
رات کو کھانے پر سبحان نے اسے دیکھ کر بس اتنا ہی پوچھا۔
"خیریت تمہارے چہرے پہ ہوائیاں کیوں اتری ہیں...؟"
"کچھ نہیں درد ہے سر میں ٹیبلٹ کھاؤں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ بےزاری سے کہتی دسترخوان سے کھڑی ہو گئی۔ اور دل میں سوچنے لگی۔
"کیا تھا اگر کہہ دیتے میں سر دبا دیتا ہوں۔" دل میں شکوہ کرتی چائے بنانے لگی۔ بستر پہ لیٹ کر بھی ان سوچوں سے چھٹکارا نہ ملا۔ سبحان بےخبر ہو چکے تھے۔ دل میں آیا کہ جھنجوڑ کر اٹھا دے۔ ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے شوہر... مگر پھر کروٹ بدل کر موبائل کا لاک کھولا واٹس اپ پہ سحر آن لائن تھی۔
"اوہ سحر..." اسے خوشی ہوئی۔
چند دن پہلے مارکیٹ میں اسے ملی تھی ون کلاس سے میٹرک تک سحر اس کی کلاس فیلو تھی۔ اک دوسرے سے نمبر کا تبادلہ ہوا مگر زندگی کی جھنجھٹوں میں بات کرنے کا وقت نہ ملا۔ کافی دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا۔
"تم اتنی رات گئے تک جاگتی ہو... صبح آفس کیسے جاتی ہو...؟" اس نے اپنی زندگی اپنے گھر والوں پر لٹا دی تھی۔ اب سب کی شادیاں کر دی تھیں خود تنہا تھی۔ جاب کرتی تھی۔ ابھی ساری تفصیل معلوم ہوئی تھیں۔ مجھے جب ابا سیاں آنے لگیں تو اس سے سوال کر ڈالا۔
"مجھے چھوڑو میں تو تنہا ہوں تم کیوں نہیں سوئیں شوہر والی ہو کے؟" فوراً" ہی اس کا رپلائی آگیا۔ شوہر والی پر اس نے خاص طور سے کومے لگائے۔ میں لاجواب ہو گئی۔ کیا کہتی۔
"چلو جانے دو میرے لیے کوئی اچھا سا... آں اچھا سا نہ بھی ہو تو دیکھ لینا یہ میری پروفائل پکچر اگر کسی کو دکھانا چاہو تو اجازت ہے۔ اگر کسی نے دوسری شادی کرنی ہو تو..." آگے اس نے آنکھ ماری ہوئی تھی۔
"ویسے تمہارے شوہر کیا کرتے ہیں؟ کیسے ہیں؟ کچھ ان کے بارے میں بھی بتاؤ۔"
اس کی فضول باتوں پر میں کانپ گئی۔ جس پروفائل پکچر کی وہ بات کر رہی تھی انتہائی بےہودہ انداز میں اس نے بنا دوپٹے کے سیلفی لی ہوئی تھی میں نے فوراً" ہی اسے بلاک کیا۔
اور پلٹ کر اپنے سوتے شوہر پر نگاہ ڈالی۔ اس وقت وہ مجھے دنیا کے معصوم ترین انسان لگے۔ اف لڑکیوں کی صحیح عمر میں شادی نہ ہونا کتنا وبال بن جاتی ہے۔ میری آنکھوں کے آگے کبھی زرشہ کبھی سحر اور پھر خضر صاحب آگئے۔
"اف! میرا شوہر میرا اپنا تو ہے نا... میں ہی ان کی قدر نہیں کرتی کیا ہوا جو میری تعریفوں کے پل نہیں باندھتے۔ میری ضروریات کا تو بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ میں ہی ناقدری ہوں..." اپنے آپ کو ملامت کرتی رہی تھی۔ یکدم ہی سبحان کی آنکھ کھل گئی۔
"سوئی نہیں ہو...؟" وہ نیند میں ڈوبی آواز میں بولے۔
"سو ہی تو رہی تھی اب آنکھ کھلی ہے۔" میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا انہوں نے کچھ نہ سمجھی کی کیفیت میں گردن ہلائی اور بازو پھیلا دیا۔ میں مطمئن ہو کر ان کے بازو پر سر رکھ دیا۔ اور پرسکون ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼

تنزیلہ ریاض
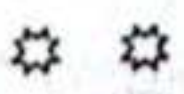
مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کے محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کرکے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہو جاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوا دی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کرکے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہو جاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا

گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ ــــــ کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلا لیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتی ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کر دیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کر رہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کر دیتا ہے۔ حبیبہ غصے میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین' اماں رضیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کر دیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

سلیم کی بہن نوشین باجی کا انتقال ہو جاتا ہے۔ نینا کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی مہر کو اپنے ساتھ گھر لے آئے' لیکن اس کی دادی ان لوگوں کو مہر سے ملنے سے منع کر دیتی ہیں۔

کاشف کے تعلقات رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں جو ایک ناکام اداکارہ ہے۔ وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کر لیتی ہے اور اس چکر میں کاشف سے بہت سا پیسا وصول کر لیتی ہے۔ رخشی کے مزید رقم مانگنے پر کاشف کا رخشی سے بھی جھگڑا ہو جاتا ہے رخشی اخبار میں بیان دیتی ہے اور اس کی فوری گرفتاری کی اپیل کرتی ہے۔ اس خبر کو پڑھ کر صوفیہ کا بلڈ پریشر شوٹ کر جاتا ہے اور وہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔

شہرین کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کی بیماری سے بہت پریشان ہے۔

اب آگے پڑھیے۔

دسویں قسط

"ایف آئی آر... یہ کیا بلا ہوتی ہے۔" بی بی جان نے ہکا بکا ہو کر بہو کی شکل دیکھی تھی۔ وہ بہت مشکل وقت سے گزر رہی تھی۔ اللہ نے بیٹا دیا تھا مگر مردہ۔ اور اب شوہر کی طرف سے بے پناہ پریشانی جان کو لاحق تھی۔ نقاہت ہمہ وقت اس کے وجود کا حصہ بنی رہتی تھی۔ بی بی جان کو اس کی سستی اور بے زاری بھی بخوبی محسوس ہوتی تھی' لیکن ان کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ بہو کی پریشانی یا بیماری کی وجہ دراصل ان کا بیٹا ہے' کیونکہ صوفیہ اور کاشف دونوں نے یہ بات ابھی تک ان سے چھپا کر رکھی تھی۔

کاشف کا خیال تھا وہ بات سنبھال لے گا۔ اس نے بہت اچھے وکیل کو ہائر کیا تھا جس نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ بھی رخشی پر غبن کا مقدمہ کر دے۔ رخشی اینڈ کمپنی اتنے ہوشیار تھے کہ اس سے بھی پہلے نا صرف حدود بلکہ بعد میں ہتک عزت کا دعوا بھی دائر کر دیا گیا تھا۔ کاشف اتنی بری طرح اس مصیبت میں دھنس گیا تھا کہ اس نے کچھ مہینوں کے لیے دبئی جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ صوفیہ بی بی جان کو اعتماد میں لینا چاہ رہی تھی۔

"بی بی جان آپ کا اندازہ بالکل درست تھا۔ رخشی اچھی عورت نہیں ہے... اس نے کاشف پر الزام لگایا ہے..." صوفیہ بات کرتی کرتی رکی۔ ساس کے سامنے شوہر کے متعلق اس طرح کی بات کیسے کرتی۔ دوسری جانب بی بی جان نے بھی نظریں چرا کر سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا واقعی الزام لگایا ہے...؟" انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں سوال کیا تھا۔ سوال میں طنز بھی تھا' غصہ بھی اور افسوس بھی... لیکن پہلی بار صوفیہ کو ان کی آنکھوں میں بے حد لاچاری نظر آئی۔ اسے دکھ بھی ہوا اور وجود پر چھائی بے زاری بڑھنے لگی۔ اسے اس بات سے جھنجلاہٹ بھی ہوئی کہ بی بی جان کو اپنے بیٹے پر یقین نہیں تھا۔

"وہ بہت بری عورت ہے... اس نے کاشف کے لیے بہت پریشانی پیدا کر دی ہے۔" صوفیہ نے انہیں چیدہ چیدہ باتیں بتاتے ہوئے صورت حال واضح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

"مجھے اپنے بیٹے سے یہی امید تھی۔" انہوں نے ساری بات سن لینے کے بعد بالکل جامد تاثرات کے ساتھ کہا تھا۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں بی بی جان۔" اس نے ان کے چہرے کی جانب دیکھے بنا پوچھا تھا۔

"کاشف نے اچھا نہیں کیا... اس نے نا صرف میرے سارے خاندان کی عزت خاک میں ملا دی... بلکہ ایک شریف ماں باپ کی بیٹی کو بھی اذیت پہنچائی ہے..." ان کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ صوفیہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"بی بی کاشف میرے شوہر ہونے سے بھی پہلے آپ کے بیٹے ہیں... جب مجھے ان پر' ان کی شرافت پر مکمل بھروسا ہے تو آپ کیوں نہیں کرتیں... ان پر اعتماد کیجیے... وہ بہت مشکل دور سے گزر رہے ہیں... انہیں حوصلے کی ضرورت ہے اور آپ نے یہاں اپنا ہی مذہبی فلسفہ شروع کر دیا ہے... رخشی نے الزام لگایا ہے... الزام... کاشف کچھ غلط کر ہی نہیں سکتے... مجھے ان پر یقین ہے" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بی بی جان ہی نہیں' اس کے بھائی اور والدین بھی اس واقعے کے بعد کاشف سے سخت متنفر تھے۔ صوفیہ کے سب سے بڑے بھائی بالخصوص اس سارے واقعے کے بعد کاشف کی غیر موجودگی میں صوفیہ سے ملنے آئے تھے۔ انہوں نے کاشف کے خلاف سخت زبان استعمال کی تھی جس وجہ سے صوفیہ ان سے بھی بہت ناراض تھی۔ سارا خاندان اس کے فرشتہ صفت شوہر پر شک کر کے اسے تکلیف دے رہا تھا۔ ایسی صورت حال میں بی بی جان کا یہ انداز اسے بالکل سلگا گیا تھا۔

بی بی جان نے اس کے انداز پر برہم ہوئے بنا تاسف سے اسے دیکھا تھا۔ یہ اس کا نہیں اس کے خاندان کا وطیرہ تھا۔ ان کے یہاں شوہر کو سات خون بھی معاف تھے۔ اس کے خاندان میں بیٹیوں کی تربیت ہی ایسی کی جاتی تھی

کہ شوہر کو ہر حال میں فرشتہ ہی سمجھتا ہے۔ اس پر شک نہیں کرتا۔۔۔ اور یہ شوہر کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرتا ہے۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھیں کہ صوفیہ کو ان کے بیٹے سے بہت محبت تھی اور یہ محبت اس کے حواسوں کو مفلوج کر چکی تھی۔ اس کے نزدیک اس کا محبوب شوہر ہر غلطی اور گناہ سے مبرا تھا۔

یہی تو وہ خصوصیات تھیں جن کی بنا پر انہوں نے اپنا سارا خاندان چھوڑ کر صوفیہ کو اپنے آوارہ بیٹے کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ بھی کتنی بھولی تھیں۔ انہوں نے بیٹے کی آوارگی کا علاج صوفیہ نام کی دوا سے کرنے کی کوشش کی تھی اور اس میں بری طرح ناکام ہو گئی تھیں۔ انہیں صوفیہ پر ترس آیا تھا۔ اپنے بیٹے سے اگر کوئی سکھ انہیں زندگی میں ملا تھا تو وہ صوفیہ ہی تھی۔ نیک ماں باپ کی بچی جوان کے سامنے ان ہی کے بیٹے کا دفاع کر رہی تھی۔

"صوفیہ بیٹی میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی لیکن ایک بات یاد رکھنا۔۔۔ آنکھیں اور کان بند کر کے زندگی گزارنے کا حکم تو ہمارا مذہب بھی نہیں دیتا۔۔۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔۔۔ اللہ تمہیں ذہنی سکون دے۔۔۔ دونوں جہانوں کی خوشیاں دے۔۔۔ میرے بیٹے سے جو دکھ تمہیں پہنچا ہے نا۔۔۔ میں اس پر تم سے معافی مانگتی ہوں۔۔۔ میری اولاد کا بدقماش نکلنا میری غلطی ہے۔۔۔ اور بدبختی بھی۔۔۔ میں نے اپنی اس غلطی کو تمہارے دم سے دور کرنا چاہا تھا لیکن میں ناکام رہی۔۔۔ مجھے معاف کر دو بیٹی۔"

وہ اتنی دکھی تو پہلے کبھی صوفیہ کو نظر نہیں آئی تھیں۔ اسے افسوس بھی ہوا۔ وہ اس کی بزرگ تو تھیں لیکن ساتھ ہی ان کے لیے ناراضی بھی برقرار رہی' نا صرف ان سے بلکہ ہر اس شخص سے' جو کاشف کو غلط قرار دے کر اس سے ہمدردی جتانے کی کوشش کرتا تھا۔

حالات چند دن بعد مزید خراب ہونے لگے جب یہ پتا چلا کہ رخشی نے ایگزٹ کنٹرول لسٹ میں بھی کاشف کا نام شامل کروا دیا تھا۔ انہی دنوں بی بی جان نے صوفیہ کو کچھ کاغذات دیے تھے۔

"یہ ہمارے آبائی گھر کے کاغذات ہیں۔ یہ میرے نام ہے۔۔۔ یہ مجھے میرے والد کی طرف سے ترکے میں ملا تھا۔ لیکن میں اسے تمہارے نام کر رہی ہوں۔۔۔ زندگی میں کبھی میرے بیٹے کی وجہ سے کوئی ایسا موقع آیا کہ سر پر چھت چھن جانے کی نوبت آ پہنچی تو تمہارے پاس کچھ ایسا ضرور ہونا چاہیے جو صرف تمہارا ہو۔۔۔ میں چاہتی تو یہ گھر کاشف کے نام بھی کر سکتی تھی لیکن میں اسے تمہارے نام کر رہی ہوں۔۔۔ میرا دل کہتا ہے کاشف کی کرنی تمہیں بے گھر کر کے چھوڑے گی۔" بی بی جان نے بے حد تسلی دینے والے انداز میں کہا تھا۔ صوفیہ نے کاغذات لے لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

"ایمن کہاں ہے۔۔۔؟" شہرین نے رانی سے پوچھا تھا۔ وہ اماں رضیہ کے کہنے پر رانی سے تیل لگوا رہی تھی۔ رانی بھی بڑی محنت سے اپنی لمبی لمبی انگلیوں سے اس کے سر میں مساج کرنے میں مگن تھی۔ اس کے سوال پر لحہ بھر رکی۔

"اسے اماں رضیہ نے اپنے پاس بٹھایا ہوا ہے۔۔۔ وہ جو آپ قاعدہ لائی تھیں نا۔۔۔ اے ایپل اور بی بال والا۔۔۔ اماں وہ پڑھا رہی ہیں اسے" رانی مزا لے کر بولی تھی۔ اماں رضیہ ایمن کو پڑھانے کے لیے آج کل بڑی تگ و دو کر رہی تھیں۔ آنکھوں پر چشمہ ٹکائے جب وہ چھوٹی سی بچی کی استانی بن کر دکھاتی تھیں تو رانی کو بڑی مزاحیہ لگتی تھیں جبکہ شہرین کو بڑا اطمینان ہوا۔

اماں رضیہ اس کے لیے کیا تھیں یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ وہ کون سا کام تھا جو وہ نا کر سکتی تھیں۔ ٹی وی سے دیکھ دیکھ کر ان کے مہمانوں کے لیے نئی ڈشز بناتی تھیں۔ اس کے گھر کے انٹیریئر کا دھیان رکھتی تھیں۔ ان کی

وجہ سے اس کی بچی ہمیشہ صاف ستھری اپ ٹوڈیٹ نظر آتی تھی اور اب اس کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی انہوں نے خود بخود اپنے سر لے لی تھی۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے شہرین باجی؟" رانی نے اسے خاموش دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں... ایسے کیوں پوچھ رہی ہو؟" اس کا انداز مشکوک سا تھا اس لیے شہرین کو حیرانی ہوئی تھی۔

"وہ جی... اماں رضیہ ہر وقت کہتی رہتی ہیں ناکہ شہرین بٹی کا خیال رکھو... ان کو پھل کاٹ دو... جوس بنا دو... اب بھی مجھے صفائی کرنے نہیں دی کچن کی... کہتی ہیں پہلے آپ کے بالوں میں تیل ڈال دوں پھر باقی کام کروں۔" رانی کو شاید اچھا نہیں لگ رہا تھا شہرین کا مساج کرنا، شہرین مسکرائی۔

"اماں رضیہ بہت پیار کرتی ہیں مجھ سے... اس لیے فکر مند رہتی ہیں میرے لیے" وہ مساج کو بہت انجوائے کر رہی تھی اس لیے مزے سے بولی تھی۔ رانی نے ناگواری سے منہ بنایا۔ شہرین اسے دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

"پتا نہیں باجی پیار ویار کرتی ہیں یا نہیں... ہم غریبوں کو نہیں سمجھ میں آتی یہ پیار محبت کی باتیں... میری اماں تو کہتی ہیں جو زیادہ پیار کرے... اس سے بچ کر رہنا چاہیے... وہی وقت آنے پر ڈنک ضرور مارتا ہے۔" رانی نے اپنا فلسفہ جھاڑا تھا۔ شہرین نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنے عمر سے بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگتی تھی۔

"ایک تم فلاسفر... دوسری تمہاری اماں... چلو جاؤ کام کرو اپنا... بہت باتیں کرنے لگی ہو" اب کی بار شہرین اپنی ناگواری چھپا نہیں پائی تھی۔ رانی کو بھی احساس ہوا کہ اس نے مالکن کو غصہ دلا دیا ہے۔ اس لیے فوراً بات سنبھالتے ہوئے بولی۔

"باجی آپ بہت معصوم ہیں... سچی میں آپ کو لوگوں کی سمجھ بوجھ نہیں ہے... لوگ بہت منافق ہو گئے ہیں آج کل کے... میں تو بس اس لیے آپ کو کہہ رہی تھی کہ آپ ذرا دھیان رکھا کریں... یہ اماں رضیہ اتنے جوس پھل کیوں دیتی رہتی ہیں آپ کو... کبھی کہتی ہیں سیب کاٹ دو... کبھی کہیں گی... انار کا جوس دے دو... ہر آدھے گھنٹے بعد کہیں گی... جاؤ شہرین سے پوچھ کر آؤ کہ کچھ کھانے کا دل تو نہیں چاہ رہا... آپ ماشاءاللہ سے صحت مند ٹھاک ٹھاک ہیں... لیکن وہ آپ کو ایسی بات کر کر کے بیمار کر دیں گی... اور مجھے تو ایک اور بھی شک ہے" رانی منہ ٹیڑھا کر کے بولی تھی۔

"بک بک کرتی جاتی ہو رانی... ہماری بزرگ ہیں وہ... یہ ان کا خلوص ہے" وہ چڑ کر بولی تھی۔ اپنی نرم دل فطرت سے مجبور تھی اسے ڈانٹ بھی نہیں سکتی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے باجی... لیکن محتاط رہا کریں... کہیں آپ کو جوس پھل کے چکر میں تعویذ نا پلاتی رہتی ہوں اماں رضیہ... دیکھیں نا اپنا اتنا خیال رکھ کر بھی آپ بیمار کیوں رہتی ہیں... مجھے تو یقین ہے کہ آپ پر کسی نے کیا ہوا ہے کچھ... کالا علم وغیرہ۔" رانی پہلے سے بھی زیادہ گہرا فلسفیانہ انداز اپنا کر بولی تھی۔ شہرین نے اسے گھور کر دیکھا۔

"جاؤ یہاں سے... کام کرو جا کر... ایک تو الٹی سیدھی فلمیں ڈرامے دیکھ دیکھ کر تم نے دماغ خراب کیا ہوا ہے اپنا... چلو نکلو یہاں سے..." وہ چڑ کر بولی تھی۔

رانی نے تیل والی بوتل اٹھائی اور سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ شہرین نے سائیڈ پر پڑا تازہ موسمی کے جوس والا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا تھا۔ اماں رضیہ کچھ دیر پہلے ہی اسے جوس دے کر گئی تھیں۔ اس نے پہلا سپ ہی بھرا تھا ایک دم ہی پتا نہیں کیا ہوا کہ اسے زور کا چکر سا آ گیا تھا۔ اس نے بمشکل گلاس دوبارہ سے اس کی جگہ پر رکھ کر سر پکڑ لیا تھا۔ چند لمحے وہ آنکھوں کو پٹپٹا کر اپنا توازن بحال کرنے میں لگی رہی۔ یہ چکر، سر درد بہت بے چین رکھنے لگے تھے اسے... کچھ دیر لگی تھی پھر اس کے حواس نارمل ہونے لگے۔ آنکھوں نے بھی کام ٹھیک سے کرنا شروع

کر دیا تھا۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ گلاس اٹھایا تھا پھر یکدم اسے کچھ خیال آیا۔
"مجھے تو یقین ہے آپ پر کسی نے کیا ہوا ہے کچھ..." رانی کا جملہ اس کے دماغ میں گونجا تھا۔ اس نے جوس کے گلاس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے کچھ سوچا، سوچتی رہی... پھر اس نے سر جھٹکتے ہوئے سپ لینے شروع کر دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

"میں صلح کرنے کو تیار ہوں" کاشف نے تھکے ہوئے انداز میں حبیب رضوی کو کہا تھا جو اس کے اور رخشی کے درمیان ثالث کا کردار ادا کر رہا تھا۔
"رخشی سخت ناراض ہے... تم نے اس کو نا صرف ذہنی تکلیف پہنچائی ہے بلکہ تمہاری اس حرکت سے اس کی شہرت کو بھی بڑا دھچکا لگا ہے۔" حبیب رضوی نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔ کاشف کچھ نہیں بولا حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک موٹی سی گالی اس عورت کو اس کے اس ہمدرد کے سامنے دے مگر وہ نہیں دے سکتا تھا۔ رخشی نے اس کی کوئی ویڈیو بنالی تھی اور اس کے پاس کاشف کی کچھ تصویریں بھی تھیں جن کی بنا پر وہ اسے بلیک میل کر رہی تھی کہ اگر وہ معافی مانگے بنا دبئی چلا گیا تو وہ تصاویر پبلک کر دے گی۔ اسی وجہ سے کاشف کو اپنی دبئی روانگی منسوخ کرنی پڑی تھی۔ اب اس کے پاس اس سارے مسئلے کا یہی حل تھا کہ وہ رخشی اینڈ کمپنی سے صلح کر لے۔ ان سب میں حبیب رضوی ہی اسے ذرا شریف انسان لگا تھا جو ثالث بننے کو تیار تھا۔
"اب اگر وہ کوئی ڈیمانڈ کرتی ہے۔ کوئی پانچ سات لاکھ مانگتی ہے تو میرا مشورہ یہ ہے کاشف باؤ کہ اس کی بات مان لینا... وہ بڑی خطرناک عورت ہے۔ دور دور تک اس کے تعلقات ہیں... کہیں آپ کی کوئی تصویر شصویر اخبار میں لگ گئی تو بڑی بدنامی ہو جانی ہے۔" حبیب رضوی بظاہر اس کا دوست بنا بیٹھا تھا۔ کاشف کچھ نہیں بولا تھا۔
اٹھارہ سال کی عمر سے وہ شباب و شراب کا عادی تھا لیکن ایسی صورت حال میں کبھی گرفتار نہیں ہوا تھا۔ رخشی نے اسے بہت بڑی مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا وہ اس عورت کو قتل کروا دے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ رخشی اس سے کہیں زیادہ تعلقات والی پہنچی ہوئی ہستی ثابت ہو رہی تھی سو وہ صلح کرنے کو تیار ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ اس وقت حبیب رضوی کے آفس میں بیٹھا تھا۔ رخشی سید اسحاق گل کے ہمراہ وہاں آئی تھی۔ اسحاق گل کے چہرے تاثرات نے کاشف کو مزید غصہ دلایا تھا لیکن وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔
"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا اس آدمی کو کسی کی عزت کا پاس نہیں ہے رخشی... تم اس کی حمایت میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی تھیں... بھگت رہی ہو نا اب..." اسحاق گل نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ رخشی نے سر ہلایا۔
"بس جی غلطی ہو گئی... رخشی نے جب جب آپ کے مشورے سے ہٹ کر چلنے کی غلطی کی ہے... پچھتائی ہے..." رخشی کا انداز اس سے بھی زیادہ طنزیہ تھا۔ کاشف پیچ و تاب کھا رہا تھا لیکن صورت حال کا تقاضا تھا کہ وہ صبر کے ساتھ چپ چاپ بیٹھا رہے۔ سو وہ بیٹھا ہوا تھا۔
"پرانی باتیں چھوڑو رخشی... جو ہوا سو ہوا... کاشف نے اس دن زیادہ پی لی تھی... تمہیں تو اندازہ ہے کہ شریف آدمی کو کبھی کبھی شراب لڑ جاتی ہے... چلو خیر ہو گیا جو ہونا تھا چھوڑو سب کچھ میرے کہے کی لاج رکھو اور اب مفاہمت کر لو کاشف سے... یہ تھانے کچہری کے چکر تم برداشت کر سکتی ہو نا کاشف... شریف لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے یہ مقدمے عدالتیں... اور ویسے بھی کاشف بے حد شرمندہ ہے اپنی اس حرکت پر۔" حبیب رضوی تقریر کرنے والے انداز میں بولا تھا۔
"اتنا ہی شرمندہ ہے تو اس سے کہو کہ ایک بار مجھے سوری بولے اور کہے کہ اس نے دست درازی کی کوشش

نشے میں کی تھی... رخشی بہت بڑے دل والی عورت ہے۔ تم سے بہتر کون جانتا ہے رضوی کہ میں جھگڑوں لڑائیوں سے کتنا بچ کر چلتی ہوں۔" وہ ناک پھلا کر بولی تھی۔ حبیب رضوی نے سر ہلایا تھا اور ساتھ ہی کاشف کا چہرہ دیکھا جہاں پر سپاٹ تاثرات کا ڈیرہ تھا۔ حبیب رضوی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا تھا۔

"میں نے دست درازی نہیں کی تھی۔ اس جیسی بدصورت عورت کی جانب تو میں نظر بھر کر نہیں دیکھتا کجا کہ..." وہ بھی ناک چڑھا کر بولا تھا اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ رخشی بجائے برا منانے کے قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

"وہ کیا محاورہ ہے بھلا سا... رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے... لیکن پھر بھی تم پر یہ بل جچتے ہیں۔ جلیبی سیدھی کس کو اچھی لگتی ہوگی۔" وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ کاشف نے دیکھا حبیب رضوی اور اسحاق گل کے چہروں پر بھی طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اس کا ایک بار پھر دل چاہا کہ اٹھ کر بھاگ جائے مگر حالات اس موڑ پر آ چکے تھے کہ اس کے لیے منہ چھپانے کو بھی فی الوقت جگہ میسر نہیں تھی۔

"رخشی احسان فراموش نہیں ہے... اچھا وقت گزرا ہے تمہارے ساتھ... اسی لیے معاف کرتی ہوں تمہیں... کیا یاد کرو گے تم بھی... لیکن ایک چھوٹی سی شرط ہے۔" وہ جانچتی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ کاشف نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ اب کچھ نہیں بولے گا۔ اس کے باوجود رخشی کے انداز دیکھ کر اسے بولنا پڑا تھا۔

"کیا شرط...؟" اس نے تنک کر سوال کیا تھا۔

"میرا بچپن کا خواب تھا کہ ماڈل ٹاؤن میں میرا ایک گھر ہو... زیادہ کی خواہش تو کبھی نہیں کی میں نے... بس پرانی طرز کا کینال ڈیڑھ کینال پر بنا ہوا گھر کافی ہے... تم تو ویسے بھی بیوی بچوں سمیت اب دبئی جانے والے ہو نا..." خباثت اس کے چہرے پر پھیلی تھی۔ کاشف بھنا کر اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"ذلیل عورت... تجھے تو میں اب ایک پائی نا دوں اور تو میرے گھر کی بات کرتی ہے... جا کر لے جو کرنا ہے... بس اب کوئی بات نہیں ہوگی تجھ سے۔" اسے بے پناہ غصہ آ رہا تھا۔ رخشی کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ کاشف کمرہ چھوڑ کر نکل جانا چاہتا تھا حالانکہ حبیب رضوی اس کو روک رہا تھا لیکن اس نے ایک نہیں سنی تھی اور ابھی وہ دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ حبیب رضوی کے کمرے کا ٹیلی فون بج اٹھا تھا۔ حبیب نے ریسیور پر دو تین رسمی جملے بولے تھے اور پھر اسے رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے فون کی جانب اشارہ کیا تھا۔ کاشف نے جلتے بھنتے ہوئے فون پکڑ لیا تھا۔

"سیٹھ صاحب... ابھی ابھی کوریئر سے ڈاک موصول ہوئی ہے میرے نام کی... سیٹھ صاحب اس میں آپ کی تصویریں ہیں... اچھی نہیں ہیں سیٹھ صاحب... لڑکیاں ہیں ساتھ... آپ سمجھ رہے ہیں نا..." یہ اس کے شوروم کے مینیجر کی آواز تھی جو بے حد رازداری والے انداز میں اسے بتا رہا تھا۔ کاشف کا سارا غصہ اور بھناہٹ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ چند لمحوں بعد اس کا پچاس لاکھ کا گھر صرف ایک دستخط کے بعد اس کا نا رہا تھا۔

سیٹھ کاشف نثار کی محبت کی دوسری کہانی کا اختتام بے حد دردناک ہوا تھا... ایسا انجام جو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ پہلے اس نے ایک عورت کا روپیہ چھینا تھا۔ اور اب ایک دوسری عورت اس کا روپیہ چھین چکی تھی۔

☼ ☼ ☼
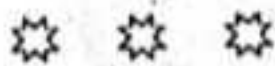
"آج کا دن کیسا گزرا؟" سمیع نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ کافی فریش لگ رہی تھی۔

فیروزی رنگ کا کھلتا ہوا رنگ پہن رکھا تھا اور میک اپ بھی کیا ہوا تھا۔ سمیع دن بہ دن مرجھا رہا تھا اور اس کی وجہ سے مرجھا رہا تھا وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ نکھری سی لگنے لگی تھی۔

"تمہیں یاد کرتے کرتے گزارا۔" وہ مزے سے بولی تھی۔

"ہاں اسی لیے تمہاری تین سو فون کالز اور میسجز موصول ہوئے سارا دن مجھے.... میرا دن انہی کو چیک کرتے گزر گیا۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا۔ شہرین نے اسے ایک بھی کال یا میسج نہیں کیا تھا۔ شہرین قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم چاہتے تھے کہ میں تمہیں کال کروں؟"

"انسان ایک کال تو کر ہی لیتا ہے نا شوہر کو.... اور کچھ نا سہی یہی پوچھ لیتی تم کہ میں نے لنچ میں کچھ کھایا ہے یا نہیں....؟" وہ بات برائے بات کر رہا تھا۔ اسے آج کل باتیں کرنے کے لیے بھی بہت محنت کرنا پڑتی تھی۔ شہرین کے سامنے خود کو ایکٹو رکھنے کے لیے وہ بہت تردد کرتا تھا' ورنہ دل تو چاہتا تھا کہ بس اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑا رہے اور کسی سے بات بھی نا کرے یا پھر لمبی تان کر سو جائے.... جب آنکھ کھلے تو پتا چلے کہ یہ سب خواب تھا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں کال کرلوں.... پھر اماں رضیہ نے کہا کہ رانی سے مساج کروالوں.... مساج کروایا تو جوس پینے لگ گئی.... پھر مجھے اتنے زور کا چکر آگیا...." وہ اتنا ہی بولی تھی کہ سمیع نے اپنا رخ بالکل اس کی جانب کر لیا۔

"چکر آتے رہے آج.... تم نے دوا کھائی تھی.... جوس پیا تھا نا....؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"سمیع ساری باتیں چھوڑو.... یہ بتاؤ جادو ٹونا واقعی حقیقت ہے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔ سمیع نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہا۔ اس کا کبھی کبھی دل چاہتا تھا وہ بس اسے دیکھتا ہی رہے۔ اسے کھو دینے کا خدشہ ہر وقت اس کے وجود پر چھایا رہتا تھا جبکہ اس کے سامنے خود کو حاضر دماغ اور زندہ دل رکھنے کے لیے بھی اسے بہت محنت کرنا پڑتی تھی۔

"یہ سوال تمہیں مجھ سے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ جادو ٹونا بالکل حقیقت ہے.... میری امی کو تو لگتا ہے کہ تم نے مجھ پر یعنی ان کے بیٹے پر کوئی جادو کیا ہوا ہے.... تب ہی تو اسے تمہارے سوا کچھ سوجھتا نہیں ہے۔" وہ نیم مزاحیہ انداز میں بولا تھا۔ شہرین نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اچھا تو کیا تمہیں بھی یہی لگتا ہے کہ میں نے تم پر جادو کیا ہوا ہے؟"

"مجھے لگتا ہی نہیں ہے.... مجھے تو سو فیصد یقین ہے کہ تم مجھ پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی ہو.... ورنہ میری ایسی سدھ بدھ کیوں کھوئی رہتی.... یہ جادو ہی تو ہے کہ میں سوتے جاگتے بس شہرین شہرین کرتا رہتا ہوں۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"یہی بات میری امی بھی تمہارے بارے میں کہتی ہیں کہ اس بھورے رنگ والے پنجابی نے میری ہیرے جیسی بیٹی پر کوئی دم کردیا ہوا ہے.... ورنہ اتنی جھلی بھی کب ہوا کرتی تھی شہرین خان۔" وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔ سمیع مسکرایا۔

"اچھا تو پھر تم نے کیا کہا اپنی امی کو....؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"میں نے کہا کہ ادے آپ کو نہیں پتا.... کبھی کبھی جھلے ہوئے رہنے میں بھی مزا آتا ہے.... میں بہت مزے میں ہوں.... اس بھورے پنجابی کا نشہ قائم رہنے دیں میرے حواسوں پر...." وہ اتنے سادہ انداز میں اتنا بڑا اعتراف کر رہی تھی۔ سمیع نے قہقہہ لگایا تھا۔ اتنے دل سے وہ شاید بہت دن کے بعد ہنسا تھا۔ شہرین کو اچھا لگا۔

"میری بات پر تو بہت ہنسی آرہی ہے.... یہ نہیں بتایا تم نے کہ تم نے اپنی امی کو کیا جواب دیا" وہ چاہتی تھی کہ سمیع بھی اعتراف کرے۔ اس کی محبت میں کوئی ایک آدھ جملہ بولے۔

"میں نے اپنی امی کو کچھ نہیں کہا بھئی..... تمہیں پتا ہی ہے میری امی غصے کی بہت تیز ہیں..... جلدی جلدی خفا ہو جاتی ہیں..... میں اگر ان سے ایسی کوئی بات کہہ دیتا جیسی تم نے اپنی ادے سے کہی تھی تو انہوں نے مجھے اچھے خاصے طعنے دینے تھے..... وہ مجھے پہلے ہی زن مرید اور پتا نہیں کیا کیا کہتی ہیں۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"ہاں..... اچھا کیا کہ تم نے کچھ نہیں کہا ان سے..... وہ تو پہلے ہی خفا رہتی ہیں مجھ سے..... ان کے دل سے میرے لیے خفگی جانے کب ختم ہوگی۔" وہ حسرت بھرے لہجے میں بولی تھی۔ سمیع بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کی بات پر اس کی جانب رخ موڑ کر بولا۔

"شہرین مت سوچا کرو کسی کے بھی بارے میں..... اپنے بارے میں سوچا کرو..... زندگی میں سکون بس اسی لمحے میں ہوتا ہے، جو ہم جی رہے ہوتے ہیں۔ ان لمحوں سے خوشی کشید کیا کرو۔ اپنے آپ کو خوش رکھا کرو..... ساری دنیا کے بارے میں سوچ سوچ کر پہلے ہی تم نے اپنے آپ کا حشر کر لیا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ اتنی معصومیت سے بولی تھی کہ سمیع کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہہ تو رہا ہوں کہ جادو کیا ہے تم نے....." شہرین نے مصنوعی ناراضی سے اسے دیکھا۔ وہ سمیع کو رانی کے متعلق بتانے والی تھی لیکن بات کا رخ کہیں اور مڑ گیا تھا اور اس کے ذہن سے یہ خیال محو ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں دبئی جانے کے کچھ عرصہ بعد تم لوگوں کو بھی بلوا لوں گا۔" کاشف نے صوفیہ کو تسلی دی تھی۔ صوفیہ کچھ نہیں بولی تھی۔

گزشتہ کچھ عرصے میں اس کی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں۔ بی بی جان، بہت مضبوط اعصاب کی عورت تھیں، لیکن اس بار کاشف کی حرکتوں نے انہیں بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ انہیں نیند میں سوتے ہوئے فالج کے حملے نے آلیا تھا اور پھر ہاسپٹل پہنچتے تک ہارٹ فیل ہو گیا تھا۔ وہ جانبر نہ ہو سکی تھیں۔ صوفیہ اور کاشف کو اس گھر میں منتقل ہونا پڑا تھا جو بی بی جان نے اس کے نام کیا تھا۔ کاشف اسی لیے پاکستان سے چلے جانا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سوچا تھا کہ تھوڑے کی بجائے سب کچھ دبئی انویسٹ کر دینا بہتر ہوگا۔ صوفیہ کو کچھ اعتراضات تھے بھی تو اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ صرف کاشف کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی۔

"یہاں اب وہ پہلے والے حالات نہیں رہے..... دبئی میں لوگوں کی قوت خرید بھی زیادہ ہے..... وہ لوگ مشینری وغیرہ خراب ہو جانے پر، ہم پاکستانیوں کی طرح مکینکوں کے پاس نہیں بھاگتے..... بلکہ خراب چیز کو کچرا دان میں ڈال کر اگلے ہی دن نئی لے لیتے ہیں..... دبئی میں بزنس اسکوپ، بہت بڑھ چکا ہوا ہے۔" کاشف کہہ رہا تھا۔

"آپ جیسے مناسب سمجھیں کاشف..... میری تو دعا ہے کہ اللہ آپ کی ہمت میں اضافہ کرے۔" وہ پرخلوص لہجے میں بولی تھی۔

اسے ویسے بھی یہ احساس ستانے لگا تھا کہ کاروبار کے ٹھپ ہونے سے کاشف نفسیاتی طور پر متاثر ہو رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ کاشف اس ٹراما سے باہر نکلے۔ اسے اپنی فکر تھی نا زرمین کی..... اسے بس یہ پروا تھی کہ کاشف کے اعصاب ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہوں۔ وہ مضبوط رہے۔ عجیب بات یہ تھی کہ کاشف نثار اسے کبھی غلط نہیں لگا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ فرشتہ لگتا تھا۔

صوفیہ کو کاشف کی زندگی میں آنے والی ہر عورت حرافہ لگتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ شادی شدہ مردوں کو بہکانے والی عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ کاشف یہاں سے جائے گا تو اس پر مثبت اثر ہوگا۔ سو کاشف دبئی چلا گیا تھا۔

٭٭٭

"یہ شیمپو اور لوشن وغیرہ ہیں.... سب امپورٹڈ ہیں.... اور یہ بچی کے فراکس ہیں" اس شخص نے ایک بڑا سا بنڈل اس کے حوالے کیا تھا۔ کاشف کو گئے تین مہینے ہوئے تھے جب اس نے کسی آنے والے شخص کے ہمراہ کچھ سامان بھجوایا تھا۔ صوفیہ نے بے چینی سے سارا بنڈل یہ سوچ کر کھنگالا تھا کہ شاید اس کے نام کا کوئی خط ہو گا، جس میں کاشف نے اس کے لیے کچھ محبت بھری باتیں لکھی ہوں گی۔ اسے بتایا ہو گا کہ وہ اسے یاد کرتا ہے۔ زرمین کے متعلق پوچھا ہو گا۔ انہیں اپنے پاس بلوانے کے متعلق کچھ کہا ہو گا لیکن سارا بنڈل چھان کر بھی اسے ایسا کوئی محبت نامہ نہیں ملا تھا۔

اسے دلی افسوس ہوا اس کے پاس کاشف کو بتانے کے لیے کئی باتیں تھیں۔ وہ اسے یاد کرتی تھی اور اس کی واپسی کے لیے دل و جان سے منتظر تھی حالانکہ وہ اسے فون کرتا تھا لیکن فون پر اسے پرائیویسی میسر نہیں تھی۔

وہ آج کل اپنے میکے میں رہ رہی تھی لیکن وہاں اس کا بالکل دل نہیں لگتا تھا۔ ایک امیر گھرانے میں شادی نے اس کے طور طریقوں کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ اسے اپنی بھابیوں کے پکائے کھانے پسند آتے تھے نا ان کے پیش کرنے کے طریقے۔ وہ زرمین کو کرسی میز پر بٹھا کر کھلانے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس کے بھتیجے بھتیجیاں جب چٹائی پر بیٹھ کر کھاتے تو اسے چڑ ہوتی اور وہ انہیں ٹوک بھی دیتی تھی۔ یہ سوچے سمجھے بنا کہ ان سب کو بھی اس کی حرکتوں پر اکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

وہ ہر وقت جھنجلائی ہوئی رہتی تھی۔ اس کا انداز گفتگو چڑچڑا ہو رہا تھا۔ وہ بات بے بات بچوں کو ٹوک دیتی تھی جبکہ زرمین کو ذرا سا بھی کوئی ٹوک دیتا تو اسے غصہ آنے لگتا تھا۔ اسی لیے کاشف کا پہلا پارسل جب بنا خط کے موصول ہوا تو اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ اسے جذباتی سہارے کی سخت ضرورت تھی۔

"آپ کو ایک چھوٹا سا خط تو مجھے لکھنا چاہیے تھا...." جب کاشف کا فون آیا تو اس نے شکوہ کیا تھا، کاشف ہنسا۔

"فون کر تو لیتا ہوں...."

"نہیں.... آپ مجھے خط بھی لکھیں.... مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں.... جب آپ مجھے خط لکھیں گے تو میں آپ کو تفصیل سے جواب دوں گی۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔

"یار.... میں نہیں لکھ سکتا.... مجھے لکھنا نہیں آتا.... کیا لکھوں گا میں خط میں.... تم سے جو بات کرنی ہوتی ہے فون پر کر تو لیتا ہوں۔" بے چارگی سے بولا۔ صوفیہ چند لمحے کے لیے چپ سی ہو گئی۔ کاشف کے پاس اپنی بیوی سے کرنے کے لیے باتیں ہی نہیں تھیں۔

"اچھا.... پھر تصویریں ہی بھیج دیں.... ایسا لگتا ہے آپ کو دیکھے عرصہ ہو چلا ہے.... یہ تو کر سکتے ہیں نا آپ" اس نے دوسری خواہشات کا اظہار کیا تھا۔ کاشف ہنسا۔

"ہاں تصویریں بھیج دوں گا.... یہ تو واقعی کر سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا تھا۔ چند دن بعد صوفیہ کو بذریعہ ڈاک تصویریں موصول ہو گئی تھیں۔ سارے گھر نے تصویریں دیکھیں اور کاشف کی صحت کو پہلے سے بہتر قرار دیتے ہوئے خوب سراہا۔ وہ جب یہاں سے گیا تھا تو بہت مرجھایا ہوا لگتا تھا لیکن تین مہینے میں ہی اس کا سارا وجود پہلے کی طرح نکھرا نکھرا لگنے لگا تھا۔

"تم نے ایک بات نوٹ کی.... ہر تصویر میں کاشف بھائی کے آس پاس ایک لیڈیز بیگ پڑا ہے.... گاڑی والی تصویر میں بھی ہے.... ریسٹورنٹ والی تصویر میں بھی بیگ نظر آ رہا ہے۔" اس کی چھوٹی بھابھی نے مزاحیہ انداز میں

اس کی توجہ اس طرف دلائی تھی۔ سارا زور "لیڈیز" پر تھا۔ اس نے بھی بغور دیکھا بیگ تو موجود تھا۔ اس نے بھابھی کا چہرہ دیکھا۔ وہاں ایک مشکوک سی مسکراہٹ چمک رہی تھی جو اس سے برداشت نا ہوئی۔ بات اتنی بڑی تو نہیں تھی۔ اس کا چھوٹی بھابھی کے ساتھ اچھا دوستانہ تھا۔ وہ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق میں بہت سی باتیں کر لیا کرتی تھیں لیکن صوفیہ کو ان کے چہرے پر بکھری طنزیہ اور مشکوک مسکراہٹ اس لمحہ زہر لگی تھی۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں...؟" وہ چلا کر بولی تھی۔ اس کی بھابھی اس کے انداز پر حیران ہوئیں۔

"میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا صوفیہ... کہ تم بیخ پا ہو جاؤ... ایک سرسری سی بات کی ہے" وہ تحمل سے بولی تھیں۔ صوفیہ کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"سرسری باتیں ایسے نہیں کی جاتیں... میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ کیا جتانا چاہ رہی تھیں... یہ جو لیڈیز بیگ کی طرف اشارہ کیا ہے نا آپ نے... اس کا کیا مطلب ہے۔ مجھے بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔" وہ اسی طرح طنزیہ انداز میں بولی تھی۔ اس کا لہجہ اونچا تھا سو بڑی بھابھی بھی آموجود ہوئی تھیں۔

"سمجھ میں آتا ہے تو بہت اچھی بات ہے... میں جو بھی کہہ رہی ہوں تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں... مخلص ہوں تمہاری... شوہر کے متعلق پوچھ گچھ رکھا کرو... جس طرح کا کردار ہے تمہارے شوہر کا... کون واقف نہیں ہے اس سے... پوچھو اس سے کہ کس کا بیگ ہے... کیوں سینے سے لگا کر تصویریں کھچوا رہا ہے۔" وہ بھی غصے میں آگئی تھیں۔ صوفیہ نے گھور کر انہیں دیکھا۔

"مجھے اپنے شوہر پر مکمل بھروسا ہے... میں شکی عورتوں کی طرح ذرا ذرا سی بات پر فساد کرنے والوں میں سے نہیں ہوں... آپ اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں۔" وہ چلا کر بولی تھی۔

ارے بی بی... انہی باتوں کی وجہ سے تو وہ تمہارے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے... اس کی خیر خبر رکھا کرو... تمہیں چکنی چپڑی سنا سنا کر تمہارے پیچھے پہلے بھی بہت کچھ کرتا رہا ہے وہ... بدفطرت آدمی کی بیوی کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے... ایسے ہی لاتعلق رہو گی تو پچھتاؤ گی بعد میں۔" اس کی بھابھی نے سفاکی سے سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔ صوفیہ کو اتنا برا لگا کہ وہ مزید چلا چلا کر بولنے لگی تھی۔

"وہ بدفطرت آدمی نہیں ہے... یہ تم لوگوں کی حاسد نظریں اور بددعائیں جنہوں نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے... سب کی سب جلتی ہیں مجھ سے... میرا شوہر ہیرا ہے ہیرا... لیکن تم سب لوگوں کی بددعائیں کھا رہی ہیں اسے... سارے خاندان کو آگ لگ گئی تھی یہ دیکھ کر کہ اوہو صوفیہ کو تو اتنا اچھا بر مل گیا... ایسا فلمی ہیرو جیسا شوہر... دولت الگ شخصیت الگ... تم سب لوگوں نے نظر لگا دی میری خوشیوں کو... کالی زبان والیاں... ڈائنیں نا ہوں تو... تم لوگ تو جس کو نظر اٹھا کر دیکھ لو... وہ اپنے قدموں پر کھڑا کھڑا نیچے گر جائے... ایسے حسد بھرے دل ہیں تمہارے... اچھا اللہ سوہنا تو دیکھ رہا ہے نا... وہی تم جیسوں سے بچائے گا ہمیں... اور بچا تا رہا ہے۔ ان شاء اللہ" وہ حقارت سے بولی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بھی رواں تھے۔

بڑی بھابھی چھوٹی والی کو سمجھا بجھا کر وہاں سے لے گئی تھیں۔ رات کو بھائیوں کے آنے پر یہ معاملہ پھر اٹھا تھا۔ وہ چونکہ ان کی بہن تھی۔ وہ اسے گھر سے نہیں نکال سکتے تھے لیکن انہوں نے دونوں کو تحمل سے رہنے کی تلقین کی تھی مگر صوفیہ کچھ اور سوچ چکی ہوئی تھی۔ اسے مزید یہاں رہنا ہی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہی تھی" نہنا ایک دم سے اس کے سامنے آتے ہوئے بولی تھی۔ اسکول کے گیٹ کے باہر بچوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ چھٹی ہو چکی تھی اور بچے شور مچاتے باہر کی طرف آ رہے تھے۔ وہ مہر کے اسکول میں مہر

سے ملنے کے لیے آئی تھی۔ مگر اندر نہیں گئی تھی کیونکہ ایک تو اس کی اجازت ہی نہیں تھی دوسرا مہر کی پھپھو بھی اسکول میں ٹیچر تھی۔ اس لیے وہ مہر کے چاچو کو چھٹی کے وقت ڈھونڈتی ہوئی آپہنچی تھی اس نے نگاہیں اٹھا کر پہلے حیرانی اور پھر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں آپ... میں آپ کی گمشدہ انگوٹھی نہیں ہوں۔" وہ ہمیشہ طنزیہ انداز میں ہی بات کرتا تھا۔ دھوپ کی شدت سے اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا اور یقیناً" گرمی اس کی جھنجلاہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

"دیکھیں پپو صاحب... معاملہ ذرا سنجیدہ ہے۔" اس نے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا جو کہ وہ عام طور سے کرتی نہیں تھی۔

"میرا نام خاور ہے... پپو مجھے صرف میری ماں کہتی ہے۔" وہ ناک چڑھا کر بولا تھا۔ نینا نے سر ہلایا۔

"اچھا تو خاور صاحب... مجھے آپ کی مدد درکار ہے... آپ جانتے ہیں کہ میں..." ایک لمحے کے لیے رکی پھر بولی۔

"ہم سب مہر کے لیے بہت پریشان ہوں... ہم سب اسے بہت یاد کرتے ہیں... آپ اپنی والدہ کو سمجھائیں کہ اتنا ظلم نا کمائیں... انہوں نے صرف شوگر کے ڈاکٹر سے ہی نہیں ملتے رہنا... ایک نا ایک دن اللہ سے بھی ملنا ہے۔" وہ لہجے کو سخت کیے بنا انتہائی طنزیہ انداز میں بولی تھی۔ خاور عرف پپو نے گھور کر اسے دیکھا۔

"آپ میری والدہ کے بارے میں اس انداز میں بات کیسے کر سکتی ہیں... ٹھیک ہے' اب آپ کی ان سے رشتے داری نہیں رہی لیکن بزرگوں کا احترام کرنے کے لیے رشتہ دار ہونا ضروری نہیں ہوتا۔" وہ واقعی برا مان گیا تھا اور اچھا تو اسے بھی نہیں لگا تھا۔

"خاور صاحب... جس تن لاگے وہی تن جانے... ہم بھی کوئی ایسے ویسے لوگ نہیں ہیں کہ جو بزرگوں کی عزت کرنا نا جانتے ہوں... یہ ساری کتابیں پڑھ کر ہی یہاں تک پہنچے ہیں... کچھ لوگوں کو عزت نہیں کروانا آتی... آپ کی امی جی بہت زیادتی کر رہی ہیں ہمارے ساتھ... ایک چھوٹی سی بچی کو اس کے پیاروں سے دور رکھ کر نجانے کون سی نیکی کر رہی ہیں وہ... کم از کم آپ تو سمجھا سکتے ہیں انہیں... کہ یہ ظلم مت کریں۔" وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی۔ خاور نے سابقہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھا۔

"کون سا ظلم بی بی... پتا نہیں آپ کیا سمجھتی ہیں... میری اماں کوئی جلاد تو نہیں ہیں جو اپنی ہی پوتی کا خیال نا رکھ پاتی ہوں گی... ہاں میں مانتا ہوں اللہ جنت نصیب کرے نوشی باجی کے ساتھ ان کا رویہ اچھا نہیں تھا... زیادتی کر جاتی تھیں امی ان کے ساتھ... لیکن مہر کے ساتھ بہت محبت کرتی ہیں وہ اس کا خیال رکھتی ہیں۔" وہ اسے سمجھانا چاہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں چھلکتی بے چینی دیکھ کر سمجھ تو رہا تھا کہ مہر سے بہت محبت کی وجہ سے' وہ اس کے لیے پریشان ہے۔ نینا نے ساری بات سن کر تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"خیال کیسے رکھتے ہیں... آپ کو پتا ہی نہیں ہے... ماں نہیں رہی اس کی... کیسے سوتی ہو گی چھوٹی سی بچی... چھت کو تکتے تکتے تھک جاتی ہو گی تو نیند آجاتی ہو گی... کھانا کیسے جاتا ہو گا اندر... یقین کریں خاور صاحب... چھوٹی سی بچی ہے نا... اس لیے اپنی کیفیت بیان نہیں کر سکتی... لیکن وہ بہت کچھ محسوس کرتی ہو گی... ماں کی یاد قدم قدم پر ستاتی ہو گی اسے۔" نینا کا لہجہ نجانے کیوں روہانسا سا ہو گیا تھا۔ خاور اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے چہرے پر غور کر رہا تھا جہاں بے چینی اور اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"اللہ ہی جانتا تھا کہ یہ سخت مزاج دکھنے والی لڑکی مہر کے معاملے اس قدر بے چین کیوں تھی؟ وہ اس کو زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن نوشین باجی کے بعد اس نے جب بھی اسے دیکھا تھا وہ مہر کے لیے بے حد پریشان نظر آتی تھی۔

خاور نے اپنی رسٹ واچ کی جانب دیکھا پھر اسے دیکھ کر بولا۔
"دیکھیں بی بی۔۔۔ ابھی تو میں لیٹ ہو رہا ہوں۔۔۔ ابھی میری بہن آجائے گی۔۔۔ آپ کو میرے ساتھ دیکھ کر وہ خواہ مخواہ مشکوک ہو گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم یہاں اسکول گیٹ پر کھڑے ہونے کی بجائے کہیں بیٹھ کر بات کر لیں۔۔۔ آپ مناسب سمجھیں تو۔" اس نے ایک تجویز دی تھی اور نینا تو جیسے منتظر ہی تھی۔
"جی ٹھیک ہے آپ جہاں بھی کہیں میں آپ سے وہاں بیٹھ کر بات کرنے کو تیار ہوں۔" وہ بہ عجلت بولی تھی۔
"آپ میرا سیل نمبر لے لیں۔۔۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ کہاں بیٹھ کر بات ہو سکتی ہے" اس نے کہنے کے ساتھ اپنا فون بھی جینز کی پاکٹ سے برآمد کیا تھا۔ نینا کا فون تو اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ اس نے عجلت بھرے انداز میں اپنا نمبر اسے دے دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آہا۔۔۔ چاول۔۔۔ چنوں والے چاول۔" وہ پلیٹ دیکھ کر خوشی سے بولی تھی۔ امی نے بغور اس کا انداز دیکھا۔ وہ کتنے دن کے بعد ایسے خوش نظر آئی تھی۔ اس کی بد مزاجی اور خود سری کے سامنے کبھی کبھی وہ خود کو بے حد لاچار محسوس کرتی تھیں۔
"ہاں۔۔۔ حمزہ دے کر گیا تھا تمہارے لیے۔۔۔ کہہ رہا تھا امی نے خاص طور پر نینا باجی کے لیے بھیجے ہیں۔" بہت دن کے بعد ان کے درمیان ضرورت کے علاوہ کوئی بات ہو رہی تھی۔ انہوں نے دوسری ٹرے بھی اس کے سامنے رکھتے ہوئے یہ جملہ بولا تھا۔ انہوں نے چکن کا سالن بنایا تھا۔ زری نے سلاد اور دہی بھلے بنا لیے تھے۔ یہ نینا کا پسندیدہ کھانا تھا۔
"اللہ خوش رکھے حمزہ کی امی کو۔۔۔ اچھی عورت ہیں۔" نینا کھانے کو دیکھ کر واقعی خوش تھی اور بہت رغبت سے کھا رہی تھی۔ ایسا موقع کافی کافی دن کے بعد آتا تھا جب نینا سکون سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا کرتی تھی۔ امی بھی اطمینان سے اس کے پاس بیٹھ گئیں۔ زری اور وہ پہلے ہی کھا چکی تھیں اور زری تو کھانا کھا کر لیٹ گئی تھی جبکہ وہ نینا کے انتظار میں وہیں لاؤنج میں بیٹھی رہی تھیں۔
"تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟" انہوں نے پوچھا تھا۔ نینا نے سر ہلایا۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ بس اب فائنل ٹرم ہو گا۔۔۔ تھیسز ہو گا۔۔۔ پھر انٹرن شپ۔۔۔ پھر جاب ڈھونڈوں گی۔" امی نے لفظ "جاب" پر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
"اچھی بات ہے۔۔۔ کسی اچھے سے اسکول میں اپلائی کر دینا۔۔۔ اتنا پڑھ لکھ کر گھر بیٹھے رہنے سے فائدہ۔۔۔ جاب سے مصروف بھی رہو گی اور تجربہ بھی بڑھے گا۔"
"اسکول میں۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی تھی۔
"آپ سے کس نے کہا میں ٹیچنگ کرنے والی ہوں۔۔۔ ایم بی اے کر کے میں ٹیچنگ نہیں کر سکتی۔۔۔ چخ ۔۔۔ ہر وقت بچوں کی چوں چوں میڈم یہ میڈم وہ' نرا سر درد میں نہیں کر سکتی یہ سب۔" اس نے نخوت سے سر نفی میں ہلایا تھا۔
"اچھا تو پھر کیا کرو گی۔۔۔" امی کے نزدیک لڑکیوں کے لیے ٹیچنگ سے بہتر کوئی پروفیشن تھا ہی نہیں۔
"کر ہی لوں گی کچھ نا کچھ۔۔۔ ابھی تو تھیسز۔۔۔ وائیوا۔۔۔ جیسی بلائیں ٹلنے کی دعا کریں۔ پھر دیکھتی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ مہر کے چاچو سے مل کر اسے بڑا سکون ہو گیا تھا کہ مہر کے لیے وہ کچھ نہ کچھ کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

"جو بھی کرنا ہوا اپنے ابا سے مشورہ کرنے کے بعد کرنا' وہ روک ٹوک تو کرنے والے ہیں نہیں لیکن تم پوچھ لوگی تو انہیں اچھا لگے گا۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں حالانکہ جانتی تھیں وہ سمجھنے والی چیز ہے نہیں۔ اس نے ان کے اس مشورے پر نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

"ابا نے تو آج تک ہم سے پوچھ کر کچھ کیا نہیں ہے۔۔۔ بس ہم ہی پوچھتے رہیں۔" امی نے اس کے طعنے کو بمشکل ہضم کیا تھا۔ وہ اسے ٹوکنا نہیں چاہتی تھیں۔

"یہ اولاد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ماں باپ سے مشورہ کرکے زندگی کے اہم فیصلے کرے۔۔۔ ماں باپ۔ بالخصوص باپ کب مشورہ کرتے ہیں اولاد سے۔۔۔ تم لوگ تو خوش قسمت ہو کہ تمہیں اتنا اچھا' محبت کرنے والا باپ ملا ہے۔" انہوں نے اپنی جانب سے ایک اور کوشش کی تھی۔ نینا نے ایک لمحے کے لیے رک کر ان کا چہرہ دیکھا۔۔۔ کچھ کہنا چاہا پھر چپ چاپ چمچہ پلیٹ میں ہلاتے ہوئے چاول کھانے میں مصروف ہو گئی۔ امی ابا سے زیادہ قابل توجہ فی الوقت اس کی پلیٹ میں موجود رزق تھا۔

"اچھا بات سنو۔۔۔ میں نے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" امی نے بھی اس کی عدم توجہ دیکھ کر موضوع پلٹ دیا تھا۔

"آپ نے پھر کسی بچے کی اماں سے ہامی تو نہیں بھرلی کہ نینا ٹیوشن پڑھا دے گی۔۔۔ جیسے نینا مفت کی ٹیوشن ٹیچر سارے محلے کے نکمے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا آفاقی معاہدہ کرکے آئی ہے۔" وہ جلد بازی سے بولی تھی۔ ایسا چونکہ پہلے بھی کئی بار ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کا دھیان اس جانب گیا تھا' لیکن امی نے ناگواری سے نفی میں سر ہلایا۔

سن تو لو۔۔۔ زری کا بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔ آپا زینب کے جاننے والوں میں سے ہیں۔۔۔ لڑکا قطر میں ہوتا ہے۔۔۔ بہت اچھی جاب ہے۔۔۔ دو لاکھ سیلری ہے۔۔۔ گاڑی گھر سب ملا ہوا ہے۔۔۔ ذات برادری بھی اپنی ہے۔ عمر بھی ستائیس اٹھائیس ہے۔۔۔ اس کی بہن نے زری کو کہیں آپا زینب کی بیٹی کی شادی کی مووی میں دیکھا تھا۔ امی پر جوش لہجے میں بولی تھیں۔ نینا چمچہ بھر کر منہ تک لے جا رہی تھی' ان کی بات سن کر اسے بلاشبہ خوشی ہوئی تھی۔

زری نے جب سے پڑھائی چھوڑی تھی تب سے امی اسی جتن میں لگی نظر آتی تھیں کہ زری کا رشتہ ہو جائے۔ زری جس قدر خوب صورت اور سلیقہ مند تھی اس حساب سے اس کے لیے پرپوزلز کی لائن لگی ہوئی ہونی چاہیے تھی لیکن ایسا نہیں تھا۔ ادھر ادھر سے بس عام عام سے رشتے آجاتے تھے۔ یہ والا رشتہ کافی اچھا لگ رہا تھا' اس لیے امی کو خوش دیکھ کر نینا کو اچھا لگا' مگر ساتھ ہی دل میں ایک احساس جاگا تھا۔ کسی کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آیا تھا' مگر اس نے اپنے ہی خیال کو جھٹک دیا تھا۔

"واقعی۔۔۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" وہ واقعی خوش ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"ہاں۔۔۔ میں بھی بہت خوش ہوں۔۔۔ اللہ تم دونوں کے نصیب جلد از جلد کھولے۔۔۔ آمین' لڑکا چھٹی پر آج کل پاکستان آیا ہوا ہے۔۔۔ وہ لوگ منگنی کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ میں نے بلوایا ہے کل چائے پر۔۔۔ کوئی بات مزید آگے بڑھی تو کھانے پر بھی مدعو کروں گی۔" امی کافی پر جوش تھیں۔

"یہ تو کافی اچھی بات ہے۔" نینا نے اتنا ہی کہا تھا۔

"اب تم سے ایک ریکویسٹ ہے کہ کل ذرا جلدی آجانا اور گھر کے کاموں میں تھوڑی مدد کر دینا۔۔۔ زری تو ان کے سامنے کام کرتی اچھی نہ لگے گی۔ تم اس کی اکلوتی بہن ہو۔۔۔ تمہیں ہی کرنا ہے یہ سب۔۔۔ سمجھ رہی ہو نا۔" امی کے انداز میں التجا تھی۔ نینا نے سر ہلایا۔

"جی۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ آپ بتا دینا۔۔۔ مجھے کیا کیا کرنا ہو گا۔" وہ بہت فرمانبرداری سے کہہ رہی تھی۔ امی کو بڑا

اطمینان ہوا۔

☆ ☆ ☆

”تم فیشل ہی کرلو“ وہ اپنی کوئی کتاب بستر پر رکھ کر بیٹھی ہوئی تھی جب اچانک ہی اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے زری کی جانب دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا تھا۔ زری کانوں میں ہیڈ فون لگائے ایف ایم سن رہی تھی۔ اس کے ملتے ہاتھ دیکھ کر اس نے ہیڈ فون اتارا تھا۔

”مجھ سے کہہ رہی ہو کچھ....؟“ وہ کچھ حیران تھی کیونکہ نیناں کا مزاج کافی اچھا لگ رہا تھا۔ وہ شاید کئی سالوں بعد اپنے ہاتھوں سے زری اور اپنے لیے چائے بھی بنا کر لائی تھی۔

”ہاں بہن تم سے ہی کہہ رہی ہوں۔ فیشل کرلو کوئی پیڈی کیور مینی کیور.... سنا ہے اب تو پروٹین ٹریٹمنٹ بھی کوئی چیز ہوتی ہے.... میرے جیسی خوب صورت لڑکیوں کی تو نہیں، لیکن تم جیسی واجبی سی شکل و صورت والیوں کی خوب چاندی ہو گئی ہے.... اپنے کالے پیلے چہرے پر ذرا سی محنت کرلو تو بس میرے جیسی خوب صورت لگنے لگو گی۔“ وہ بہن کو چڑا رہی تھی۔ زری نے سر ہلایا۔

”ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو.... بس اب میں کیا کروں اللہ نے مجھے ایسا ہی بنایا ہے۔ مجھے واقعی محنت کرنی پڑتی ہے تاکہ تم جیسی حسین و جمیل خوب صورت طرح دار....“ اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ نیناں نے اسے ٹوک کر مزید لفظوں کا اضافہ کیا۔

”پڑھی لکھی سمجھ دار.... سلیقہ مند اور نوجوان بھی۔“

”ہاں ہاں.... نوجوان بھی لگ سکوں.... بس قسمت کی بات ہے۔ سب نصیب کے کھیل ہیں۔“ وہ بھی ہنستے ہوئے بولی تھی۔

”قسمت کی بات تو مت کرو بہن.... یہاں ہم مار کھا گئے تم اس معاملے میں ذرا دو قدم آگے ہی ہو ہم سے.... اسی لیے پردیس سے کوئی رشتہ آیا ہے تمہارے لیے.... ہم قسمت کے دھنی ہوتے تو ہمارے لیے آتا نا۔“ وہ بھی مزاحیہ اور رازدانہ انداز میں بولی تھی۔ زری جواب تک مذاق کھیلتے ہوئے ہنس رہی تھی یکدم چپ سی ہوئی۔

”کس کا رشتہ آیا ہے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”اب اتنا بھی مت بنو.... سارا دن گھر میں ہوتی ہو.... امی کے ہر فون کال کی جاسوسی کرتی ہو.... تمہیں سب پتا تو ہے۔“ نیناں نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

”قسم سے مجھے نہیں پتا کسی بھی رشتے وشتے کے متعلق.... بتاؤ نا کس کا رشتہ آیا ہے.... میرا؟“ وہ آخر میں استفہامیہ انداز اپنا کر بولی تھی۔

”ہاں بنو رانی.... قطر میں ہوتا ہے لڑکا.... خالہ زینب کا پتا ہے نا.... ان کے کوئی جاننے والے ہیں۔ لڑکا اچھا ہے ویل سیٹلڈ.... ایجوکیٹڈ.... اسمارٹ ہینڈسم۔“ نیناں جانتی تھی زری سب تفصیلات جاننا چاہتی ہوگی۔ اسے جتنا معلوم تھا وہ سب بتانے لگی۔ زری نے ذرا بھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ نیناں کو اپنے دھیان میں محسوس بھی نہیں ہوا، کہ زری کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ نیناں کی باتوں میں کوئی دلچسپی لیے بنا وہ سرہانہ سیدھا کر کے سیل فون، ہیڈ فون سمیت لحاف میں گھس گئی تھی۔

”کل آ رہے ہیں وہ لوگ.... کیا پتا وہ بے چارہ قسمت کا مارا بھی ساتھ ہو.... اسی لیے کہہ رہی تھی کوئی مرمت درمت کرلو اپنی.... آئی بروز بنالو....“ نیناں نے اتنی لمبی تمہید جس بات کے لیے باندھی بالا آخر اس نے وہ اگل ہی دیا تھا، زری کی کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی لیکن لحاف کے نیچے سے اس کے سیل فون کی چمکتی اسکرین واضح ہو

رہی تھی، جو بتا رہی تھی کہ یقیناً" واٹس ایپ" مسلسل چل رہا تھا۔ اس کو لحاف میں گھسا دیکھ کر نینا بھی کتابوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں چاہتی ہوں آپ اپنی امی کو آمادہ کریں کہ وہ مہر کو مجھے دے دیں۔ میں اس کا بہت خیال رکھوں گی... اس کی مری ہوئی ماں نے مجھے بچپن میں بہت محبت سے پالا پوسا تھا... وہ شاید بارہ سال کی تھیں جب میں ان کے گھر آئی تھی... لیکن وہ میرا ایسا خیال رکھتی تھیں جیسے میری سگی ماں بھی نہ رکھتی ہو گی... میرا کھانا پینا اوڑھنا برتنا سونا جاگنا ہر چیز کی ذمہ داری انہوں نے بنا کسی کی تاکید کے خود سنبھالی ہوئی تھی۔ مہر آپ لوگوں کے پاس ہے، وہ کیا کھاتی ہو گی... کیسے رہتی ہو گی... یہ سوچ سوچ کر مجھے رات رات بھر نیند نہیں آتی خاور صاحب۔"

نینا بے حد لاچاری بھرے لہجے میں بولی تھی۔ چار بجے کا وقت تھا۔ گرمی کافی کم ہو چکی تھی اگرچہ ابھی ابھی سردیوں کے آثار تو نہیں شروع ہوئے تھے لیکن پھر بھی موسم شام کو کچھ بہتر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ دونوں یونیورسٹی کے قریب ایک کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے۔

"ایک بات بتائیں مجھے نینا صاحبہ آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ ہم مہر کا خیال نہیں رکھتے ہوں گے یا ہمارے گھر وہ بھوکی مرتی ہو گی... ہم اس کے آرام کا خیال نہیں رکھتے ہوں گے اور وہ سارا دن جھاڑو پونچھا لے کر گھر کی صفائی میں لگی رہتی ہو گی... اور میری امی پھولن دیوی کی طرح گھوڑے پر بیٹھی اس کو ہنٹر مارتی رہتی ہوں گی... فلمیں وغیرہ کافی شوق سے دیکھتی ہیں آپ۔" وہ انتہائی طنزیہ انداز میں بولا تھا اور اس سے پہلے کہ نینا کوئی جواب دیتی وہ مزید بولا۔

"ہمارے گھر میں مہر کا اسٹیٹس کسی شہزادی سے کم کا نہیں ہے... میری امی، میرے ابو اور میری بہنیں اس پر جان چھڑکتی ہیں... اس کے منہ سے نکلی خواہش پوری کرنا ہم سب اپنا فرض سمجھتے ہیں۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رکا تو نینا نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر اس نے ہاتھ ہوا میں بلند کر کے اسے روک دیا تھا۔

"ہاں میں مانتا ہوں... نوشین بھابھی کے ساتھ میرے گھر والوں کا سلوک متنازعہ تھا، وہ ان کی قدر نہیں کر پائے لیکن اس میں زیادہ قصور ان کے شوہر یعنی میرے بھائی کا تھا... اگر مرد اپنی عورت کی عزت کرتا نہیں تو پھر کوئی اس عورت کی عزت نہیں کرتا... آصف بھائی اس مردوں میں سے تھے جو رشتوں میں توازن رکھنا جانتے ہی نا تھے... بہر حال وہ یہاں موجود نہیں ہیں... ان کی غیر موجودگی میں ان کا ذکر غیبت میں شمار ہو گا... میں یہاں صرف اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ آپ مہر کے لیے اتنی فکر مند نا رہا کریں۔ وہ بہت خوش ہے ہم سب کے ساتھ... میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنی امی کو آمادہ کر سکوں کہ وہ ہفتہ دس دن بعد مہر کو آپ سے ملنے کے لیے بھیج دیا کریں۔" اس نے جیسے ایک سانس میں اپنا سارا موقف بیان کر ڈالا تھا۔ نینا نے اس کی بات سن کر گہری سانس بھری۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ لوگوں کے یہاں اس کا خیال نا رکھا جاتا ہو گا... لیکن آپ سمجھنے کی کوشش کریں... اسے ماں کی ضرورت ہے... وہ بہت چھوٹی ہے... ایک چھوٹی بچی کو ماں کا لمس درکار ہوتا ہے اسے سوتے ہوئے ہر کروٹ پر ایک بازو درکار ہوتا ہے جو اس کا احاطہ کر کے اسے تحفظ کا احساس دلا سکے... اور جب اسے یہ تحفظ نہیں ملتا تو وہ ذہنی طور پر بہت ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے... بچپن میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ بڑی قاتل ہوتی ہے خاور صاحب... یہ ساری زندگی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی... ایسا ٹوٹا پھوٹا انسان پھر نارمل نظر آنے کے لیے ہر ابنارمل حد تک جانے لگتا ہے... میں مہر کو صرف اس توڑ پھوڑ سے بچانا چاہتی ہوں۔" اب کی بار وہ جیسے

کسی ٹرانس کی کیفیت میں بول رہی تھی۔ اس کی نگاہوں کا مرکز میز پر پڑا ہوا گلدان تھا۔ اسے احساس نہیں ہوا تھا کہ اس کی بات سنتے ہوئے خاور عرف پپو کے چہرے پر کیسی مسکراہٹ چمکنے لگی تھی۔

"میں تو بس مہر کو اس کی ماں کی ممتا کا احساس دلانا چاہتی ہوں.... اس لیے چاہتی ہوں کہ مہر میرے ساتھ رہے۔" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا۔

"اچھا.... اب سمجھا ہوں میں آپ کی بات.... لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ مہر آپ کے ساتھ رہے.... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ مہر کے ساتھ رہ لیں؟" وہ جیسے کوئی تجویز دینا چاہ رہا تھا۔ نینا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یہ اسی صورت میں ممکن ہے نینا صاحبہ کہ میں آپ سے شادی کر لیتا ہوں.... اس صورت میں آپ ہمارے گھر کا فرد بن جائیں گی اور پھر مہر کا خیال رکھنا آپ کے لیے بے حد آسان ہو جائے گا۔" وہ انتہائی اطمینان سے بولا تھا۔

نینا کو جھٹکا سا لگا۔ اسے امید نہیں تھی کہ یہ عام سا لگنے والا شخص اتنی جرات رکھتا ہو گا کہ اس سے یہ بات کرے وہ نینا تھی۔ اپنی تلوار جیسی زبان سے سب کو سیدھا کرنے کا حوصلہ رکھتی تھی لیکن نجانے کیوں اس لمحے اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ چند سیکنڈز بس اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور بنا اس کی جانب دیکھے لمبے قدم بھرتی باہر نکل گئی تھی۔ خاور وہیں بیٹھا مسکراتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر پہنچی تو مہمان آ چکے ہوئے تھے۔ اس نے یونیورسٹی سے آف کیا تھا، لیکن چونکہ مہر کے چاچو سے ملنا ضروری تھا اس لیے امی کی مدد کر کے گھنٹہ بھر کی اجازت لے کر نکلی تھی۔ اب جب وہ واپس آئی تھی تو ذہن و دل کی کیفیت میں عجب کھلبلی مچی تھی۔ مہر کے لیے اس کی توجہ اور پریشانی کو اس کے چاچو نے کس طرح کیش کروانا چاہا تھا یہ سوچ سوچ کر ایک جانب اسے اس شخص پر بھی غصہ آ رہا تھا دوسری جانب وہ خود سے بھی نالاں تھی کہ اسے اتنا جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی کہ مہر کی محبت میں اس کے چاچو سے ملنے چل دی۔

گھر میں آتے ہی مہمان اور امی کا مزاج برہم دیکھ کر وہ بھول بھال کر ان کے ساتھ مصروف ہو گئی تھی۔ شائستہ مزاج اور دھیمی سی مسکراہٹ والی ایک آنٹی تھیں، انکل ذرا خاموش طبع تھے، لیکن ابا کے ساتھ سیاست اور پاکستان کے حالات پر باتیں کرتے رہے۔ لڑکے کی ایک بہن بھی ساتھ تھیں جو زیادہ تر اپنے پانچ سالہ بیٹے اور دو سالہ بیٹی کی شرارتیں سناتی رہیں۔ نینا کو ان سب سے مل کر اچھا لگا اسی لیے وہ محسوس نہیں کر پائی کہ زری بہت چپ چپ تھی۔ وہ اس طرح سے تیار بھی نہیں تھی، جس طرح عام طور سے گھر میں رہا کرتی تھی۔ سادہ سا چہرہ.... نا کاجل مسکارا نا لپ گلوز.... کپڑے بھی عام سے ہی پہن رکھے تھے جو عام طور سے گھر میں پہن کر رکھا کرتی تھی۔

"مجھے تو یہ لوگ بے حد پسند آئے.... پرسوں میں، تمہارے ابا اور خالہ جائیں گے ان کے یہاں.... تم چلو گی....؟" امی نے خوش ہوتے ہوئے کہا تھا اور ساتھ ہی اس سے پوچھا تھا۔ ان کے چہرے پر اطمینان کی گہری لکیریں تھیں۔ وہ برتن دھو رہی تھی اور امی بسکٹ کباب وغیرہ کے باقیات سمیٹنے میں مگن تھیں۔ نینا نے سر ہلایا۔

"کیا مجھے جانا چاہیے؟" امی شیشے کے جار میں بسکٹ رکھ رہی تھیں۔ اس کے سوال پر حیرت سے رک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"مجھے لے جانے سے پہلے سوچ لیں.... زری کی نسبت میں زیادہ خوب صورت ہوں.... یہ نا ہو کہ اس کے سسرال والوں کو میں بھا جاؤں.... پھر آپ کو اعتراض ہو۔" یہ اس کا مذاق تھا۔ امی کو سمجھنے میں ذرا سا لمحہ لگا، لیکن جب سمجھ گئیں تو مسکرا ئی تھیں۔

"تکو نہیں۔۔۔ زری کو پسند کر گئے ہیں تب ہی تو بلوایا ہے' ہمیں اپنے یہاں۔۔۔ اور تم ضرور ساتھ چلو۔۔۔ لڑکے کو دیکھنا۔ اس کے ساتھ ذرا بات وات کرنا۔۔۔ تم تو پڑھی لکھی ہو۔۔۔ ذرا اپنے حساب سے جانچنا کہ ہماری زری کو خوش بھی رکھے گا یا نہیں۔" امی اسے سمجھانے کے ساتھ ساتھ جار کا ڈھکن لگاتے ہوئے اسے کیبنٹ میں رکھنے لگی تھیں۔ وہ آج ضرورت سے زیادہ متحرک اور چاق چوبند نظر آرہی تھیں۔

"واہ بھئی۔۔۔ زری کے سسرال والوں کی وجہ سے ہماری بھی عزت ہونے لگی ہمارے گھر میں۔۔۔ ورنہ ہمیں کون اتنی عزت دیتا تھا کہ ہم سے مشورہ کرے' ہماری رائے مانگے۔" وہ طنزیہ انداز میں مذاق کر رہی تھی۔

"تمہارے مشورے کی اہمیت نا ہوتی تو تمہیں ساتھ چلنے کو نا کہتی۔۔۔ پگلی۔۔۔ تم زری کی بہن ہو۔۔۔ اس کی پسند ناپسند کو سمجھتی ہو۔۔۔ مجھ سے تو وہ شرماتی رہے گی۔۔۔ لیکن تم سے تو ہر بات کرے گی نا۔۔۔ لڑکے کی تصویر لائیں گے۔۔۔ پھر تم زری کو دکھا کر اس کی رائے لینا۔۔۔ اسے ان کے گھر بار کے متعلق بتانا۔" امی پر جوش لہجے میں مشورہ دے رہی تھیں۔ نیہا نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے' لیکن آپ نے غور کیا۔۔۔ زری کچھ چپ چپ سی ہے نا۔۔۔" اسے یک دم ہی یاد آیا تھا کہ زری کا رویہ بھی کچھ لیا دیا سا تھا آج اور وہ ابھی تک کمرے سے بھی نہیں نکلی تھی۔

"ظاہر ہے اب وہ گانے گانے سے تو رہی۔۔۔ لڑکیاں ان موقعوں پر چپ ہی رہتی ہیں۔ شرما ورما رہی ہوگی۔" امی شرارتی انداز میں بولی تھیں۔ نیہا نے برا سا منہ بنایا۔

"اتنی شرمیلی بھی نہیں ہے اب زری۔۔۔" امی پھر مسکرائیں۔

"کہہ تو ٹھیک رہی ہو۔۔۔ لیکن بچی ہے نا۔۔۔ یہ بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔۔۔ حالانکہ وہ باقاعدہ رشتہ لائے تھے۔ عام لوگوں کی طرح لڑکی دیکھنے اور اس کا امتحان لینے نہیں آئے تھے' لیکن پھر بھی عجیب تو لگتا ہے نا۔۔۔ جب تمہارا وقت آئے گا نا تب تمہاری بھی پٹر پٹر کرتی زبان کو بریک لگ جائے گی۔" امی پھر شرارت بھرے لہجے میں بولی تھیں۔ ان کی اس بات پر یک دم نیہا کو بھی پپو کا بچہ یاد آگیا۔

"یہ اسی صورت ممکن ہے کہ میں آپ سے شادی کر لیتا ہوں۔" اس نے دل میں اس کا ڈائیلاگ دہرایا تھا اور ساتھ ہی غصہ بھی آیا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر اس نے امی کی جانب دیکھا تھا۔

"امی ایک پلیٹ بنا دیں چاٹ اور کباب کی۔۔۔ وہ جو آئس کیک وہ لوگ لائے تھے وہ بھی ڈال دیں۔۔۔ میں سلیم کو دے آتی ہوں۔" اتنی اہم بات اس نے ابھی تک سلیم کو نہیں بتائی تھی۔ اس نے جلدی جلدی ہاتھ چلانے شروع کیے۔ برتن دھو کر وہ سلیم کے پاس جانا چاہتی تھی۔ امی پلیٹ بنانے لگی تھیں۔

☆ ☆ ☆
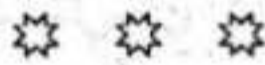
"بیٹا پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔۔۔ لاہور جاؤ گے کیا؟" اماں رضیہ نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے بے دلی سے سوال کیا تھا۔ سمیع کا اترا ہوا چہرہ دیکھ دیکھ کر ان کا بی پی لو ہونے لگا تھا۔ ان کا دل چاہتا تھا کہ اس کے تمام مسائل کو چٹکیوں میں حل کر دیں' لیکن وہ خود بے حد مجبور تھیں۔ قدرت سے تو لڑ نہیں سکتی تھیں لیکن خواہش تھی کہ کسی روز شہرین کی اماں کو فون کر کے اس کو خوب باتیں سنائیں۔

"جی اماں۔۔۔ کیونکہ یہاں تو میں بہت ہی کم لوگوں کو جانتا ہوں۔۔۔ پنجاب میں اپنا پورا خاندان ہے۔۔۔ وہاں لوگوں کے تعلقات ہیں۔۔۔ آپ کو پتا ہی ہے ہمارے یہاں سفارش' واسطے ہر کام کے لیے ضروری ہیں۔۔۔" وہ تھکن سا بولا تھا۔

"بیٹا۔۔۔ ڈاکٹر کہتا کیا ہے۔۔۔ اب کیا کریں گے وہ۔۔۔ علاج کب شروع ہوگا۔" اماں نے دوسرا سوال کیا تھا۔ بہت

دن ہوئے تھے شہرین گھر میں ہی تھی۔ سمیع اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا ہی نہیں رہا تھا۔ اماں رضیہ کو لگ رہا تھا کہ کہیں تاخیر تو نہیں ہو رہی۔

"اماں ریڈی ایشن کا کہا ہے... وہاں لاہور ہی میں کروائیں گے... باقی کی صورت حال تو لاہور جا کر ہی واضح ہو گی۔"

"ریڈی ایشن... یہ کیا آپریشن وا پریشن ہوتا ہے؟" ان کی معلومات ناقص تھیں۔ سمیع نے ان کی جانب دیکھا۔ وہ فکر مند نظر آتی تھیں۔ ان کے دل میں شہرین کے لیے بہت جگہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سمیع نے اپنی امی کے رویے سے مایوس ہو کر ان سے بات کی تھی۔ اسے کسی ایسے ہمدرد کی بے حد ضرورت تھی جو اس کی ہمت مسلسل بندھاتا رہتا۔

"شعاعوں سے علاج کریں گے اماں... زیادہ تو مجھے بھی نہیں پتا... وہیں لاہور جا کر تفصیلات پتا چلیں گی، لیکن ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ شعاعوں سے ٹیومر یعنی رسولی کو جلانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد سائز چیک کریں گے... ڈاکٹر تو بہت پرامید ہیں کہ ریڈی ایشن بہت پر اثر ثابت ہوں گی۔ اللہ کرے اسی سے آرام آجائے..." وہ بے چارگی کی انتہا پر تھا۔

"ان شاء اللہ بیٹا... میں تو خصوصی دعائیں کر رہی ہوں آج کل... شہرین مجھے بہت عزیز ہے... اللہ رحم کرے بچی پر۔" دعائیں دینے کا یہ ان کا مخصوص انداز تھا۔ سمیع کچھ نہیں بولا۔ وہ اپنے اکاؤنٹس وغیرہ چیک کر رہا تھا۔ اس کا روبار بہت وسیع پیمانے پر تو نہیں پھیلا ہوا تھا، لیکن پھر بھی کافی برکت تھی۔

اس نے گزشتہ پانچ سالوں میں سخت محنت کی تھی۔ پہلا سال جاب سے تجربہ حاصل کر کے اس کے بعد اپنی فرم اسٹیبلش کرلی تھی۔ چھ سات دس لوگوں کا اسٹاف بھی تھا۔ کراچی جیسے شہر میں ایک پوش علاقے میں رہائش بھی تھی۔ اب تک تو سب کچھ بہت اچھے طریقے سے چل رہا تھا، لیکن شہرین کو جس موذی مرض نے آلیا تھا اس میں پیسہ پانی کی طرح خرچ ہونا تھا۔

شادی کے بعد پہلی مرتبہ جہاں سمیع کو یہ احساس ہوا تھا کہ وہ بہت اکیلا تھا وہاں یہ احساس بھی بہت حاوی تھا کہ اس نے بھی کیوں پیسہ بچا کر نہیں رکھا تھا۔ وہ لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا۔ شوکت خانم سے ریڈی ایشن کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ وہ لندن یا دبئی کے کسی بڑے اسپتال میں شہرین کی رپورٹس بھیج کر دوسری رائے ضرور لے گا' مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کے اکاؤنٹ میں خطیر رقم ہوتی۔

اماں رضیہ اس کو مصروف دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ سمیع سے مشورہ کرنا چاہتی تھیں کہ وہ شہرین کی بہن یا امی کو فون کر کے شہرین کی بیماری کے متعلق بات کریں۔ ان کا خیال تھا کہ اس صورت حال میں سمیع اور شہرین کو بہت سے ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو واقعی ان کے ہمدرد ہوتے جو ماں باپ ہی ہو سکتے تھے۔ ماں باپ کی دعائیں ہر مشکل ٹال سکتی تھیں، لیکن سمیع لاہور روانگی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

اماں رضیہ نے سوچا تھا کہ وہ سمیع سے دوبارہ اس بارے میں بات کریں گی، لیکن انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کے اپنے ہی گھر میں جاسوس پیدا ہو چکے تھے جو ان کے لیے صورت حال کو مزید گمبھیر بنا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"بیٹی... کچھ کھاؤ گی؟" اماں رضیہ نے شہرین کو کاؤچ پر بیٹھے دیکھ کر پوچھا تھا۔ اس نے ہلکے پرپل رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ مناسب جیولری، گہری لپ اسٹک... بھورے بال جو نفاست سے کندھے پر آگے کی جانب ڈال رکھے تھے۔ وہ آج کل سجنے سنورنے پر بہت دھیان دینے لگی تھی۔ اللہ نے حسن تو دے ہی رکھا تھا۔ سج سنور کر

رہتی تھی تو بے حد خوب صورت لگنے لگتی تھی۔

"سمیع کا انتظار کر رہی ہوں۔۔۔ وہ آئیں تو چائے پیتے ہیں۔۔۔ کباب وغیرہ ہیں فریج میں۔۔۔؟" اس نے ان ہی سے پوچھا تھا۔ گھر کی مالکن وہ تھی، لیکن سب ذمہ داری اماں رضیہ کے ہی سر تھی۔ اس نے تشکر بھرے انداز میں انہیں دیکھا تھا ساتھ ہی رانی کی بات یاد کر کے غصہ بھی آیا۔ نجانے کیا اول فول بکتی رہتی تھی۔

"نہیں بیٹی۔۔۔ معاف کرنا۔ بس آج کل جی کچھ اچھا نہیں رہتا۔۔۔ کچھ بنا نہیں پاتی۔۔۔ دل چاہ رہا ہے تو بولو ابھی بنا لیتی ہوں۔" انہوں نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ اماں۔۔۔ ابھی تو ڈنر کا کام ختم کر کے آپ نکلی ہیں کچن سے۔۔۔ میں کچھ آرڈر کر دیتی ہوں۔۔۔ رانی ذرا میرا سیل فون لاؤ۔" اس نے پاس بیٹھی رانی کو کہا تھا جو ایمن کے کھلونے بکھرائے اس کے ساتھ مگن بیٹھی تھی، لیکن دھیان سارا شہرین اور اماں رضیہ کی جانب تھا۔ کھانے پینے کی باتیں ویسے بھی اسے فوراً "سن جایا کرتی تھیں۔ وہ فوراً" اٹھی تھی۔

"ارے بیٹی یہ آرڈر وارڈر مت کیا کرو۔۔۔ ہمیں کیا خبر کیا کیا گند بلا ڈال کر بناتے ہیں یہ باہر کی چیزیں۔۔۔ جو بھی کھانا ہو مجھے بتایا کرو۔۔۔ میں خود بنا دیا کروں گی۔۔۔ باہر کا کھانا مت کھایا کرو۔۔۔ میں نے ٹی وی پر دیکھا تھا کہ بہت سے کیمیکل ڈالتے ہیں۔۔۔ وہ موا کیا بولتے ہیں۔۔۔ اجی نو موتو۔۔۔ وہ تو دماغ کی بیماریاں لگا دیتا ہے۔۔۔ مت کھایا کرو۔" وہ ناصحانہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔ اسی اثنا میں رانی سیل فون اٹھا لائی تھی۔

"اماں آپ تو جانے کہاں کہاں سے ڈھونڈ کر دیکھتی ہیں ٹی وی پر ایسی چیزیں۔۔۔ میں نے تو جب بھی کوئی کھانے پکانے والا پروگرام دیکھا ہے۔۔۔ وہ سب یہی چیزیں ڈال کر بناتے ہیں۔۔۔ سویا ساس۔۔۔ چلی ساس۔۔۔ ہاٹ ساس۔۔۔ اور بھی پتا نہیں کون کون سی ساس۔۔۔ اتنے مزے کا لگتا ہے سب۔۔۔" رانی نے ٹوک کر سارا امپو ہی خراب کر دیا تھا۔ اماں نے اسے گھور کر دیکھا۔ وہ دن بہ دن مزید چٹوری ہوتی جا رہی تھی۔ شہرین کے کچھ جواب دینے سے پہلے ہی اس کے فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ شہرین نے کال ریسیو کرنے کے لیے بہت احتیاط سے اسکرین کو چھوا تھا۔ یہ اس کی ساس کی کال تھی اور وہ اسے بہت ہی کم فون کرتی تھیں۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔۔۔ آپ کیسی ہیں۔" اس نے اپنے دل کو قابو میں رکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ وہ جب بھی فون کرتی تھیں، کچھ جلی کٹی ضرور سناتی تھیں۔

"سمیع کا ہی انتظار کر رہی تھی۔۔۔ ابھی تک آئے نہیں ہیں آفس سے۔۔۔ بس آنے والے ہوں گے۔۔۔ کافی مصروف ہو گئے ہیں آج کل۔۔۔" وہ بہت احتیاط سے بات کر رہی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ نکلے منہ سے جو ان کے مزاج کو بگاڑ دے۔ اماں رضیہ اسی کے چہرے کو تکنے میں مگن تھیں۔

"جی سمیع نے بتایا تھا کہ آپ آئی تھیں یہاں۔۔۔ معاف کیجئے گا میں ہاسپٹلائزڈ تھی ان دنوں۔۔۔ آپ سے ملاقات ہی نہ ہو سکی۔۔۔ آپ آئیں نا دوبارہ۔ ایمن آپ کو مس کرتی ہے۔" وہ کہہ رہی تھی حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ ایمن کی دادی کا ایمن سے کوئی تعارف تھا ہی نہیں۔ وہ ایمن کو کبھی پیار نہیں کرتی تھیں اور نہ ہی ایمن کو ان سے کوئی انسیت تھی۔

"جی بس۔۔۔ دو دن رہی تھی اسپتال میں۔۔۔" وہ کہہ رہی تھی۔ اماں رضیہ کا رواں رواں اس کے منہ سے ادا ہونے والے جملوں کی جانب متوجہ تھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں پریشانی کی بات نہیں تھی۔۔۔ بس ذرا سا سر درد تھا۔۔۔ آپ کو پتا ہے آج کل کے ڈاکٹرز پیسے بنانے کے چکر میں لمبا بل بنانے کے چکر میں ذرا ذرا سی بات پر ایڈمٹ کر لیتے ہیں۔" وہ تفصیل سے جواب دے رہی تھی۔

"کیا۔۔۔ ٹیومر۔۔۔ کیسے۔۔۔؟" اب کی بار شہرین کی آواز میں حیرانی تھی۔ اماں رضیہ نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ یہ کیا کہنے والی تھیں سمیع کی والدہ اپنی بہو سے۔

"مجھے۔۔۔؟ آپ کو کس نے بتایا۔۔۔ سمیع نے۔۔۔" وہ ابھی بھی حیران تھی پھر وہ مسکرائی۔

"ارے نہیں آنٹی۔۔۔ کسی نے غلط بتایا ہے آپ کو۔۔۔ تھوڑا ڈپریشن تھا مجھے۔۔۔ اور پھر کراچی کا موسم۔۔۔ ہیومی ڈیٹی۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں اردو میں۔۔۔ ہاں۔۔۔ رطوبت بہت ہوتی ہے ادھر۔۔۔ تو اس لیے تھکاوٹ ہو جاتی مجھے۔۔۔ اور تو کوئی بات نہیں۔" وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔ اماں رضیہ نے سر بالکل ہی جھکا لیا تھا۔ خدا ہی جانتا تھا کہ یہ اطلاع ان تک کیسے پہنچی تھی۔

"سمیع نے کس کو بتایا؟" اس سے پھر کوئی سوال کیا گیا تھا۔

"کون سے اسپتال میں۔۔۔ شوکت خانم میں۔۔۔؟ کس نے بھیجی ہیں۔۔۔؟ سمیع نے۔۔۔ میری رپورٹس۔۔۔؟" وہ ایک کے بعد ایک سوال دہرا رہی تھی۔

"نہیں آنٹی۔۔۔ چھپاؤں گی کیوں۔۔۔ سچ کہہ رہی ہوں مجھے خود نہیں پتا۔۔۔ سمیع نے بتایا ہی نہیں۔۔۔ بس انہوں نے سوچا ہو گا کہ شاید میں پریشان ہو جاؤں گی۔" آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ اور چہرہ بالکل پھیکا اور مرجھایا ہوا لگنے لگا تھا۔ دوسری جانب اس کی ساس جانے کیا کہہ رہی تھیں، لیکن اماں رضیہ کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے تھے۔ کوئی کچھ بھی کہتا۔ کینسر کا لفظ ہی حواسوں پر بجلی گرا دینے کے لیے کافی تھا۔ اماں کو اس کی آواز آنا ہی بند ہو گئی تھی کہ وہ فون پر کیا باتیں کر رہی ہے۔

"اماں رضیہ۔۔۔ سمیع نے آپ سے کوئی بات کی تھی؟ کچھ کہا انہوں نے کہ میری رپورٹس میں کیا ہے۔" فون بند کرتے ہی وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔ اماں سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"کہاں پڑی ہیں میری سب رپورٹس۔۔۔ اسٹڈی میں۔۔۔؟" وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔ وہ اب کی بار بھی کچھ نہیں بولی تھیں۔ شہرین اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور سیڑھیوں کی جانب چل دی تھی۔ اس کا اگلا پڑاؤ یقیناً "اسٹڈی روم" تھا، کیونکہ سمیع زیادہ تر کاغذات وغیرہ وہیں رکھتا تھا۔ اس کا سیل فون وہیں پڑا رہ گیا تھا۔ اماں رضیہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ نہیں پائی تھیں۔ صورت حال یک دم بالکل فلمی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ لو۔۔۔ کیا یاد کرو گے تم بھی۔۔۔ اتنی ناراضی کے باوجود تمہارا خیال رہتا ہے مجھے۔۔۔ امی نے اتنی مزے کی چیزیں بنائی تھیں۔۔۔ اکیلے نہیں کھائی گئیں مجھ سے۔۔۔" اپنے مخصوص احسان جتلاتے انداز میں پلیٹ سلیم کے سامنے رکھی گئی تھی۔ سلیم کے ہاتھ تیزی سے کوئی نیا افسانہ مکمل کرنے میں مگن تھے۔ اس آواز پر اس نے سر اٹھایا، پھر اس کو دیکھتے ہی سخت مصنوعی ناراضی کے اظہار کے طور پر اس نے ہاتھوں سے گھسیٹ کر وہیل چیئر کا رخ تبدیل کر لیا تھا۔

"یہ تم نئی نویلی دلہن کی طرح کیوں پیش آ رہے ہو میرے ساتھ۔۔۔" وہ پلیٹ وہیں کاؤنٹر پر چھوڑ کر چھوٹے دروازے کو اپنے وجود سے دھکیل کر کھولتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی اور سلیم کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا فولڈر اپنے بازو سے ڈھک لیا، تاکہ نینا کچھ دیکھ نا سکے کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔ نینا نے اس کی اس حرکت پر ناک چڑھائی۔

"مجھے تمہاری گھٹیا سستی عشقیہ شاعری اور نچلے درجے کے تھکے ہوئے افسانے پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ اس لیے انہیں اپنی مریل بازو کا برقع پہنا کر اپنا اور میرا وقت ضائع مت کرو سلیم میاں۔" وہ اسی انداز میں

بولی تھی، جس میں بولا کرتی تھی۔
"نینا تمہیں نہیں لگتا، تم بہت زیادہ بولتی ہو.... اور بہت فضول بولتی ہو.... ہر شاعری گھٹیا سستی اور عشقیہ بھی نہیں ہوتی۔ میں تھکے ہوئے افسانے لکھوں یا ترو تازہ نہائے دھوئے فریش.... تمہیں میری انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔" سلیم چڑ کر بولا تھا۔
"اوہو ہو.... یعنی اب تم مجھے سکھاؤ گے کہ کیسے بولنا ہے.... کس طرح بات کرنی ہے۔" نینا کو دل ہی دل میں شرمندگی تو ہوئی، لیکن سلیم کے سامنے اعتراف کرنا اس کی شان کے سخت خلاف تھا، سو ڈھٹائی سے اپنے موقف پر جمے رہنے کے لیے اس نے اپنا انداز تبدیل نہیں کیا تھا۔
"میرے سکھانے سے تم نے کچھ سیکھنا ہوتا تو اب تک سیکھ چکی ہوتیں۔" وہ اسی روکھے سے انداز میں بولا تھا۔ نینا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ اسے اندازہ تو تھا کہ وہ اس سے خفا بھی ہے اور پھر ایک اور وجہ بھی تھی جو صرف اسے اور نینا کو ہی معلوم تھی، لیکن وہ اس کے سامنے تذکرہ کر کے اس کا دل مزید نہیں توڑنا چاہتی تھی اور نا ہی وہ اسے طعنے دینے آئی تھی، لیکن اس کے ساتھ تعلق ہی ایسا تھا کہ اس کا دل جلائے بغیر، اس پر مصنوعی رعب ڈالے بغیر اسے سکون بھی نہیں ملتا تھا۔
"میں تمہیں اتنی اہم بات بتانے آئی تھی اور یہاں تمہارے مزاج ہی نہیں مل رہے۔" وہ خلاف توقع اپنے لہجے کو معتدل کر کے بولی تھی۔ سلیم نے فولڈر کاؤنٹر پر الٹا کر رکھا، پھر بجھے ہوئے انداز میں بولا۔
"مجھے اس اہم بات کا بہت اچھی طرح پتا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو مجھے.... تمہیں پتا بھی ہے کہ میں یہاں سے بیٹھا تم لوگوں کے گھر میں ہونے والی ہر سرگرمی پر نظر رکھتا ہوں۔ کوئی دیکھے نا دیکھے، سلیم تو دیکھے گا ہی۔" جملے کے اثر کو ہلکا کرنے کے لیے اس نے آخر میں مزاحیہ انداز اپنایا تھا۔ نینا نے کوئی دلچسپی لیے بنا رازدارانہ لہجہ اپنایا تھا۔
"تو پھر سنو سلیم بابو.... کیا تمہیں واقعی پتا ہے کہ مہر کے چاچو نے مجھے پروپوز کیا ہے۔" سلیم نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات یک دم غصیلے ہوئے تھے۔
"کیا....؟ اس کمینے کی جرات کیسے ہوئی، یہ بات کرنے کی.... ہمارے گھر کی ایک بیٹی کو تو کھا گئے یہ لوگ.... اور اب دوسری پر نظر رکھ لی ہے.... کمینہ نظرباز.... شکل سے ہی دو نمبر لگتا ہے مجھے.... ویسے ہر وقت منہ پر بے چارگی اور معصومیت کا پردہ ڈال کر رکھا ہوتا ہے.... اور حرکتیں دیکھو.... لڑکیوں کو پروپوز کیا جا رہا ہے۔ اتنی ہمت اس کی.... اور تم بھی ہر ایک کے ساتھ بے تکلف ہو جایا کرو.... تم اس کا فون نمبر ڈھونڈتی پھر رہی تھی نا.... مجھے پتا تھا اب کوئی چاند چڑھے گا ہی....." وہ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ نینا کو اندازہ تھا کہ وہ اسی طرح ری ایکٹ کرنے والا ہے۔ اچھی بات یہ تھی کہ سلیم کا موڈ بدل گیا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر مسکراتی رہی۔
"تمہیں ہنسی آ رہی ہے.... شرم کرو.... اچھی لڑکیاں ایسی باتوں کا برا مناتی ہیں.... ناراض ہوتی ہیں۔" وہ ناگواری سے بولا تھا۔
"تو پھر تم فرض کر لو.... کہ میں بری لڑکی ہوں۔" اسے سلیم کو چڑانے میں مزا آ رہا تھا۔
"احمق.... بری ہوتی تو وہ اتنی ہمت ہی کیوں کرتا.... کہاں وہ جاہل ان پڑھ.... بونگا سا.... جسے اس کے اپنے اماں ابا بھی کسی قابل نہیں سمجھتے اور کہاں تم....." سلیم واقعی چڑ کر بول رہا تھا۔
"اماں ابا تو میرے بھی ایسے ہی ہیں.... دو کوڑی کی عزت نہیں کرتے میری.... اسی لیے تو مجھے اچھا لگا ہے یہ پروپوزل.... اللہ ملائی جوڑی ہو گی ہماری.... مجھے لگتا ہے میں اس کے ساتھ بہت خوش رہوں گی۔" وہ چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کر کے بولی تھی۔ سلیم کو اس کے انداز دیکھ کر مزید غصہ آ رہا تھا۔
"نینا.... تم جاؤ یہاں سے.... اور دوبارہ مجھے کبھی اپنی شکل بھی مت دکھانا.... نکلو.... دفع ہو جاؤ.... بتاؤ سارے

زمانے میں ان محترمہ کو وہی نظر آیا۔۔۔ پو۔۔۔ جسے اس کی اپنی اماں بھی پاگل کہتی ہیں۔" وہ انتہائی برا مان کر بولا تھا۔
نینا نے قہقہہ لگایا۔ اسے سلیم کا تپا ہوا انداز دیکھ کر مزا آرہا تھا۔
"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنے جیلس بھی ہو سکتے ہو کسی سے۔۔۔ حالانکہ وہ اچھا انسان ہے بے چارہ۔۔۔ تھوڑا معصوم اور بھولا ہے' لیکن مجھے خوش رکھے گا۔۔۔ میری ہر بات مانا کرے گا۔۔۔ میرا دل چاہ رہا ہے اس کو فوراً "ہاں" کہہ دوں۔۔۔ قسمت والیوں کو ملتا ہے ایسا بر۔۔۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"جی۔۔۔ درست کہہ رہی ہیں آپ محترمہ۔۔۔ میں آپ کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کروں گا۔۔۔ باقی واللہ العالم۔۔۔" یہ آواز کاؤنٹر کے بالکل سامنے سے آئی تھی۔ نینا اچھل ہی پڑی۔ سلیم نے بھی چونک کر عقب میں دیکھا تھا' پھر وہ سیدھا ہوا۔ پو عرف خاور مہر کا ہاتھ پکڑے بالکل کاؤنٹر کے سامنے کھڑا تھا۔ نینا اور سلیم دونوں بالکل کھسیا کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ وہ پہلے کبھی دکان پر نہیں آیا تھا۔ صورت حال یک دم ہی کافی گمبھیر ہو گئی تھی۔ وہ دونوں اس بری طرح اس کا مذاق اڑا رہے تھے اور وہ جانے کیسے وہاں آگیا تھا۔
"آپ لوگ تو چپ ہی ہو گئے ہیں۔ میری غیر موجودگی میں میرے متعلق بات ہو سکتی ہے' تو میری موجودگی میں کرنے میں کیا برائی ہے۔" وہ سادہ سے انداز میں بنا جتائے ہوئے بولا تھا۔ سلیم اور نینا اب بھی چپ رہے تھے۔
"میں مہر کو آپ سے ملوانے لایا تھا۔۔۔ میں نے وعدہ کیا تھا نا کہ آپ سے۔۔۔" اس نے بھی موضوع تبدیل کر دیا تھا۔ نینا کھسیا کر آگے بڑھی' پھر کاؤنٹر کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔
"مہر۔۔۔" اس نے مہر کا ہاتھ تھاما تھا۔ مہر بھی خوش ہوتے ہوئے اس کے ساتھ چپکی۔ نینا کو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی کہ کیا بولے۔
"میں یہاں کسی کام سے آیا تھا۔ مجھے دو گھنٹے لگ جائیں گے۔ میں آٹھ بجے مہر کو لینے آجاؤں گا۔" وہ اتنا کہہ کر فوراً" ہی پلٹ گیا تھا۔
"جاؤ۔۔۔ جان چھوڑو۔۔۔ آگئے خواہ مخواہ منہ اٹھا کر۔۔۔" سلیم نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ مبادا وہ پلٹ کر ہی نا آئے۔ پہلے ہی کافی شرمندگی اٹھانی پڑ گئی تھی۔ نینا' مہر کا ہاتھ پکڑ کر خالہ کے گھر میں گھس گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کا گھر ہے؟" صوفیہ نے اس چھوٹے' مگر انتہائی خوب صورت فلیٹ کا جائزہ لینے کے بعد سوال کیا تھا۔ کاشف نے سر ہلایا۔
"اپنا ہی سمجھو۔۔۔" اس نے کہا' زرمین کو سینے سے لگائے وہ بہت خوش تھا۔ صوفیہ کے بے حد اصرار پر کاشف نے ان دونوں کو تین مہینے کے لیے دبئی بلوایا تھا۔ صوفیہ نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا' لیکن اپنی طرف سے وہ سب سے ناراض ہو کر آگئی تھی۔ اس کا واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ مزید اپنی امی کے گھر اپنی بھابھیوں کے گھر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ گھر جہاں اپنی زندگی کے کئی قیمتی سال اس نے خوشی خوشی گزارے تھے' وہی گھر اب اسے چھوٹا بوسیدہ اور تنگ و تاریک لگتا تھا۔ وہی بھابھیاں اور بھائی جو اسے کبھی اپنے دل کے قریب محسوس ہوا کرتے تھے' اب اس کے لیے حاسد اور کم ظرف ہو گئے تھے۔ وہ سوچ کر آئی تھی' وہ کاشف کے ساتھ ہی رہنے والی تھی۔ کاشف بھی ان کو دیکھ کر کافی خوش تھا۔ زرمین تو اس کی گود سے ہی نہیں اتر رہی تھی اور بیٹی کا یہ والہانہ پن دیکھ کر وہ بھی خوشی سے نہال ہوا جا رہا تھا۔
"تمہیں گھر پسند آیا؟" کاشف نے فریج سے جوس اور کیک نکال کر میز پر رکھا تھا اور پھر اسے ان دونوں کو سرو

کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بہت زیادہ... بہت ہی خوب صورت فلیٹ ہے یہ..." صوفیہ سراہ رہی تھی۔ وہ بالکل نئی طرز کا اور نیا چمکتا چمکتا فلیٹ تھا۔ چھت پر لگے فینسی قمقموں سے روشنیاں فرش پر لگی ٹائلز سے منعکس ہو کر دیواروں پر کیے گئے خوب صورت رنگ و روغن کے حسن کو مزید بڑھا رہی تھیں۔ فرنیچر بھی اعلا درجے کا تھا اور ان سب کے درمیان صوفیہ کا وجیہہ شوہر جو اتنے برے حالات کے بداثرات کو یکسر بھلا کر اب پھر پہلے کی طرح چاق چوبند لگنے لگا تھا۔ سرمئی رنگ کی سویٹ شرٹ اور نیلے رنگ کی جینز... کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی اور اس کے وجود سے اٹھتی مہنگے پرفیوم کی خوشبو... صوفیہ نے اس کو دیکھ کر دل ہی دل میں کئی بار نظر اتاری تھی۔ وہ پھر زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اس نے گزشتہ کئی مہینے، بہت مشکل حالات سے نپٹتے ہوئے گزارے تھے، مگر اب وہ سنبھل چکا تھا۔

"شکر ہے تمہیں فلیٹ پسند آیا۔ میں چاہتا ہوں تم یہ تین مہینے خوشی خوشی گزارو... اس بدبخت عورت (رخشی) کی وجہ سے میں نے ہی نہیں تم نے بھی بہت وقت ذہنی اذیت میں گزارہ ہے... میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہارا دبئی کا وزٹ، بہت اچھا رہے۔" وہ پرخلوص لہجے میں کہہ رہا تھا۔ صوفیہ نے ہاتھ میں پکڑا جوس کا ٹن میز پر رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے اس کے ساتھ صوفے پر آبیٹھی۔

"کاشف میں آپ کے پاس آکر اتنی مطمئن اور خوش ہوں کہ اگر آپ مجھے جھونپڑی میں بھی رکھتے تو میں کوئی شکوہ کیے بنا رہ لیتی... میں نے یہ جو چند مہینے آپ کے بغیر گزارے ہیں نا... یقین کریں مجھے سب کی حقیقت سمجھ میں آگئی ہے... شادی کے بعد لڑکی کا شوہر ہی اس کی کل دنیا ہوتا ہے... میرے لیے بھی بس اب آپ ہی آپ ہیں... آپ کے سوا دنیا میں کوئی نہیں ہے میرا... میں پاکستان میں سب کو کہہ آئی ہوں کہ میرا جینا مرنا اب صرف کاشف کے ساتھ ہے... اس لیے میں یہ سب بلاوجہ نہیں بول رہی... میں بس اب یہیں رہوں گی... چاہے آپ مجھے یہاں ایک کمرے کے چھوٹے سے فلیٹ میں رکھیں یا اس خوب صورت فلیٹ میں۔ رہنا بس اب آپ کے ساتھ ہے۔ دبئی میں رہوں یا پاکستان میں..."

اس نے اپنا موقف واضح کر دینا مناسب سمجھا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی توقع کے مطابق کاشف اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ مستقل رہنے کی نوید دیتا۔ داخلی دروازے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ کاشف اٹھ کر باہر نہیں گیا تھا۔ اس نے صرف دیوار پر لگے ایک بٹن سے آٹومیٹک لاک کھول ڈالا۔

"ارے... زرمین... میری چندا... کتنی بڑی ہوگئی ماشاء اللہ... اور کتنی پیاری بھی..." کسی نے اندر آتے ہوئے سراہا تھا۔ صوفیہ کا دعوا تھا کہ وہ اس آواز کو قبر کے اندر سے بھی پہچان سکتی تھی۔ اس نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے آنے والے انسان کی جانب دیکھا تھا، پھر وہ بے حد مشکل سے مسکرائی تھی۔

"صوفیہ... کیسی ہو جان...؟" وہ اس کے قریب آئی تھی۔ صوفیہ کو اپنی جگہ سے اٹھنا پڑا، حالانکہ وہ گرنے والی ہو رہی تھی۔ حبیبہ نے بہت خلوص کے ساتھ اسے گلے سے لگالیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

نزہت جبین ضیاء

ایک جو دعا ٹھہری

غاشیہ کو ہمیشہ سے خاندان کی تقریبات میں جانے سے چڑ تھی کیوں کہ اسے ہمیشہ ہی کوفت ہوتی وہاں کے ماحول میں خود کو "مس فٹ" محسوس کرتی تھی۔ پھر کسی کی شادی کا کارڈ دیکھ کر وہ سخت کوفت میں مبتلا تھی۔

"اماں! کیا ہمیں شادی میں جانا بہت ضروری ہے۔۔۔؟" اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں بیٹا! تمہیں تو پتا ہے کہ تمہارے ابا جان جانا چاہتے ہیں۔" اماں نے تکیے پر غلاف چڑھاتے ہوئے کہا تھا، وہ منہ بنا کر رہ گئی۔ وہاں جہاں ایک تو کم مائیگی کا احساس، اوپر سے کزنز کے طنزیہ اور اپنی امارت کا احساس دلاتے والے جملے۔ حالانکہ وہ مناسب جواب بڑی تسلی اور اعتماد سے دے دیتی تھی مگر۔۔

☼ ☼ ☼

فہیم احمد کے دو بڑے بھائی کریم اور نسیم تھے اور ایک بہن رفعت تھی۔ کریم احمد اور نسیم احمد کسٹم میں
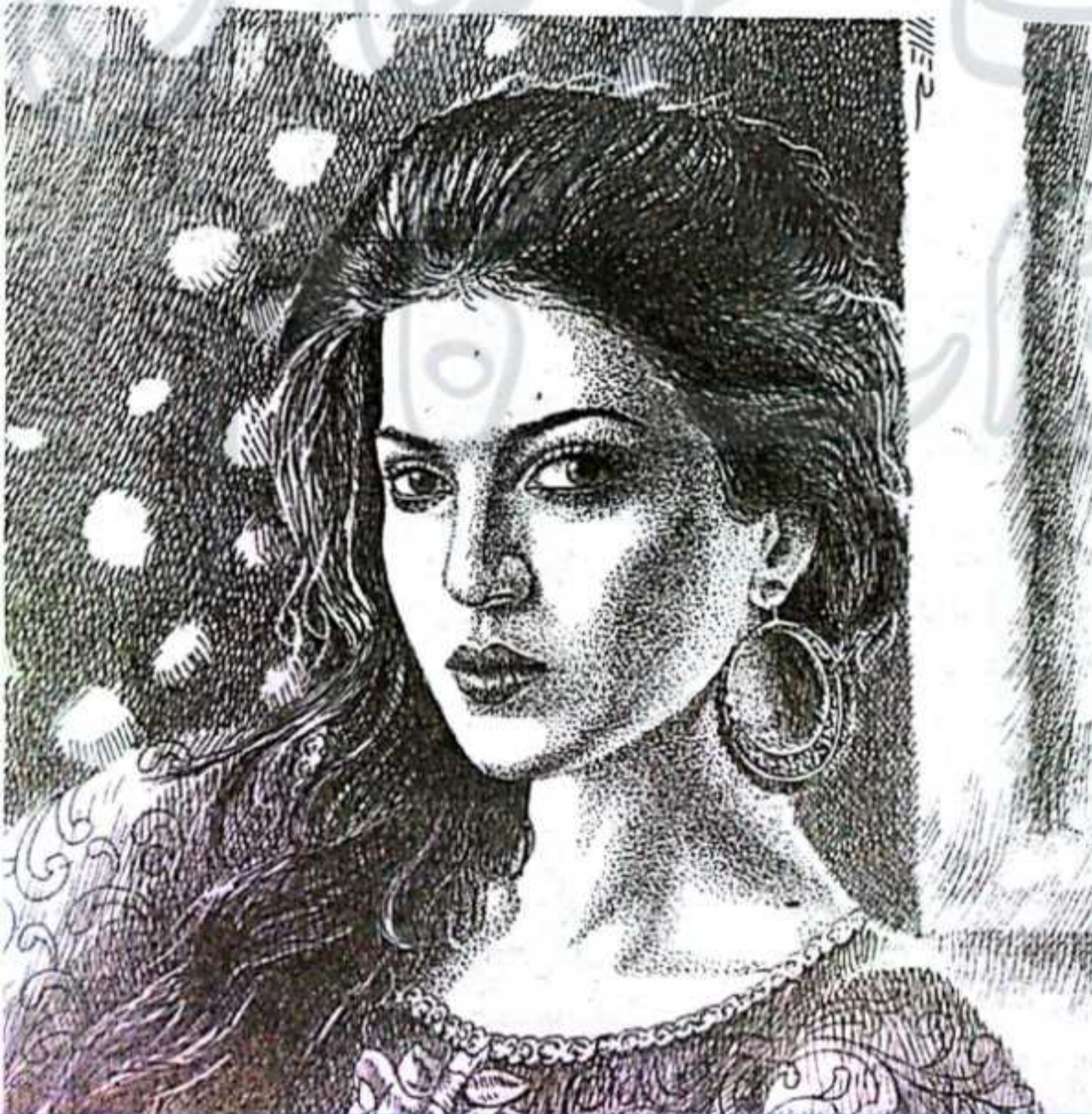
ملازم تھے' اس لیے دونوں ہاتھوں سے اوپر کی کمائیوں نے نہ صرف گھر بلکہ گھر والوں کو ان کے رہن سہن اور مزاجوں کو یکلخت بدل ڈالا تھا۔ یہی حال رفعت کا بھی تھا ان کے میاں بھی سرکاری آفیسر تھے' جہاں اوپر کی آمدنی تنخواہ سے زیادہ آتی تھی۔ ان سب کی بہ نسبت فہیم احمد بھی سرکاری ملازم تھے' لیکن نہ تو چاپلوسی کرکے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے' نہ ہی مواقع ہونے کے باوجود اوپر کی ایک پائی بھی حرام لیتے تھے۔ وہ کہتے تھے۔

"جو ہے جیسا ہے اللہ پاک ہمیں اس میں گزارا کرنے کی توفیق دے۔" اسی وجہ سے وہ آج بھی ایک سو بیس گز کے عام سے مکان میں رہتے تھے نہ آسائشیں تھیں' نہ غیر ضروری اخراجات۔ ان کے گھر میں سب سے زیادہ دین کے احکامات کی پابندی کی جاتی۔ نماز' روزہ اور قناعت پسندی' سادگی اور انکساری سے قریب تھے۔ ایسا ماحول تھا' تب ہی غاشیہ کی تربیت بھی ان ہی خطوط پر ہوئی تھی' وہ بی ایس سی کرچکی تھی۔ پردے کی پابند تھی ہمیشہ اسکارف اور حجاب کی پابندی کرتی۔ صورت شکل بہت اچھی نہیں تھی لیکن جاذب نظر اور معصوم تھی۔ فہیم احمد اور عذرا بیگم چاہتے تھے کہ کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر غاشیہ کی شادی کردیں' مگر گزشتہ دو سال سے مسلسل کوششوں کے باوجود بھی کوئی مناسب رشتہ نہیں مل پایا تھا کیوں کہ آنے والے کو' پہلے تو گھر دیکھ کر اندازہ ہو جاتا کہ یہ پارٹی لمبا چوڑا اور من پسند جہیز دینے کے قابل نہیں' اوپر سے غاشیہ کی حالت دیکھ کر اکثر خواتین کو اعتراض ہوتا۔ بعض خواتین اگر غاشیہ کو اس حالت میں پسند بھی کرلیتیں تو بات وہی جہیز اور گھریلو حالت پر آکر اٹک جاتی۔

"کیا بات ہے۔ بہن کوئی نماز کا ٹائم تو نہیں ہو رہا پھر یہ بچی نے سر پر ایسے دوپٹا کیوں لپیٹ رکھا ہے۔" رشتے کے لیے آنے والی خاتون نے اسے دیکھ کر اماں کو مخاطب کرکے خاصے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"نہیں بہن میری بیٹی کو عادت ہے وہ ایسے ہی دوپٹا لیتی ہے۔" عذرا بیگم نے ہلکی سی خجالت محسوس کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"ہمیں تھوڑی سی ماڈرن لڑکی چاہیے' جو میرے بیٹے کے ساتھ مل کر کوئی جاب کرسکے۔" خاتون نے دل کی بات کہہ دی۔

"نہیں' بہن میری بیٹی کوئی جاب نہیں کرتی گھر پر بچیوں کو قرآن پاک کو تفسیر اور تشریح کے ساتھ پڑھاتی اور درس دیتی ہے۔" عذرا بیگم نے صاف گوئی سے کہا۔

"اونہہ!" خاتون نے منہ ٹیڑھا کرکے کہا ان کے شاید غاشیہ معیار پر نہیں اتری تھی۔

ایک بار ایک خاتون نے اسکارف دیکھ کر قہقہہ لگا کر کہا کہ "ایسا تو نہیں کہ اندر سے گنجی نکلے" اتنا بے ہنگم اور فضول سا قہقہہ تھا کہ غاشیہ اندر تک سلگ گئی اس نے جھٹکے سے اپنے سر سے دوپٹا کھینچ کر اتارا اندر سے اسکارف نکالا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے گھنے' ریشمی' سیاہ سلکی بال شانوں سے پھسلتے ہوئے آبشار کی مانند اس کی پیٹھ پر پھیلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ کمر سے نیچے تک جیسے کالی گھٹاؤں نے ڈیرہ ڈال لیا ہو۔

"اوہو..." آنے والی خاتون دم بخود اس کو سر سے پیر تک دیکھے چلی گئیں۔

"ہائے اللہ اتنے پیارے بال کوئی چھپا کر رکھنے والے ہیں کیا؟" ساتھ آئی ہوئی نوجوان لڑکی نے اپنے شولڈر کٹ چھدرے بالوں کو جھٹکا دے کر ایک ادا سے کہا۔

"افوہ!" غاشیہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔ "یہ بال ہیں' ہمارا چہرہ ہے' ہمارا جسم ہے یہ سب ایک مسلمان خاتون ہونے کی وجہ سے چھپا کر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ چیزیں نمود و نمائش کے لیے نہیں ہوتیں۔ ان چیزوں کو ہم نے آرائش حسن کے لیے دوسروں کو اٹریکٹ کرنے کا ذریعہ بنا لیا ہے' مگر افسوس کہ آج کی کچھ لڑکیاں ایسی ہیں' جو ان چیزوں کا خیال کرتی ہیں نا احترام۔ وہ اپنی نمود و نمائش کرکے داد وصول کرتی ہیں اور لوگ انہیں گھور گھور کر دیکھتے ہیں اور نہ جانے ان

گھورنے والی کتنی نظروں میں ان کے لیے ہوس، فحش سوچ اور مکروہ خیالات ہوتے ہوں گے اور یہ نہیں سمجھتیں کہ یہ سب چیزوں پر ان کے شوہر کا حق ہوتا ہے اپنی ایک ایک چیز کی حفاظت کرنا اور نامحرم سے چھپا کر رکھنا چاہیے جس پر 'صرف اور صرف ہونے والے شوہر کا حق ہے۔" اس نے لڑکی کی بات پر بڑے مدلل اور ٹھہرے ہوئے انداز میں وضاحت دی۔ لڑکی نے برا سا منہ بنا کر اماں کو اشارہ کیا اور دونوں کھڑی ہو گئیں۔

"اللہ پاک ان لوگوں کو صحیح اور غلط کی پہچان کرنے کی توفیق عطا کر میرے مالک۔" غاشیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

کریم احمد کے دو بیٹے کاشان اور ریان تھے اور ایک بیٹی فروا جبکہ نسیم احمد اور راحیلہ کی دو بیٹیاں کنزیٰ اور ماورا تھے۔ رفعت بیگم کا ایک بیٹا واسق اور بیٹی ایمان تھے۔ خاندان کی ساری لڑکیوں کے رشتے طے ہو چکے تھے کنزیٰ، ماورا اور ایمان تینوں لڑکیاں غاشیہ سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ اکثر تقریبات میں ساری لڑکیاں مل کر غاشیہ کو تضحیک کا نشانہ بناتی تھیں ان سب کے خیال میں انسان کو کنوئیں کا مینڈک بن کر نہیں رہنا چاہیے، بلکہ وقت اور حالات کے ساتھ خود کو ڈھال لینا چاہیے۔ جب کہ غاشیہ کا خیال تھا کہ انسان کو اپنی اقدار کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیے۔

☼ ☼ ☼

فہیم احمد کے دور کے کزن کے بیٹے کا ولیمہ تھا جس میں جانا بھی ضروری تھا۔ وہ لوگ مقررہ وقت پر ہال پہنچ گئے شہر کے بہترین ہال میں ولیمہ ارینج کیا گیا تھا، لگتا تھا ماڈرن لوگوں کا فیشن شو ہے بنا دوپٹوں کے، سلیولیس کپڑے پہنے ہوئے انتہائی ٹائٹ اور جسموں سے چپکے ہوئے بے تکے اور بے شرمی کو چھوتے ہوئے کپڑوں میں ملبوس لڑکیاں، بے ہنگم قہقہے لگاتیں، ایک دوسرے کے منہ سے منہ ٹچ کرتے ہوئے پکس بنواتی لڑکیاں، کچھ عجیب ہی ماحول تھا یہاں کا۔ اچھی خاصی عمروں کی خواتین بھی فیشن کی اس دوڑ میں پیچھے نہ تھیں۔ باریک مہین شیفون کی ساڑیاں بلاؤز کے نام پر برائے نام کپڑا جسم سے لپٹا ہوا تھا۔ کھلے کھلے بازو اور گہرے گلے، بے باک باتیں۔ غاشیہ کو بے حد کوفت ہو رہی تھی۔ اماں اور ابا جان، کچھ پرانے رشتہ داروں سے مل رہے تھے۔ غاشیہ ایک طرف آ کر بیٹھ گئی۔

"ہائے کزن!" آواز پر پلٹی فروا، کنزیٰ اور ایمان کھڑے تھے فروا اور کنزیٰ نے ٹخنوں سے اوپر ٹائٹس کے ساتھ گہرے گلے کی سلیولیس ٹی شرٹ میں تھی جب کہ ایمان نے چھوٹی سی قمیص پر اونچا سا پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ سلیولیس شرٹ اور دوپٹا ندارد، تینوں کی اس قدر فٹنگ کہ شرم سے غاشیہ کی نگاہیں جھک گئیں۔

"السلام علیکم!" وہ عادتاً بولی۔

"وعلیکم السلام!" منہ بنا کر کہا اور تینوں وہیں بیٹھ گئیں۔

"اور سناؤ کیا چل رہا ہے آج کل؟" ایمان نے بات اسٹارٹ کی۔

"وہی روٹین ہے بچوں کو پڑھانے والی۔" غاشیہ نے آہستگی سے کہا۔ آج غاشیہ بھی سوچ کر آئی تھی کہ ٹھیک سے جوابات دے گی اس کو امید تھی کہ ہمیشہ کی طرح اس کی کزنز اس سے سوالات کریں گی جس کو سن کر وہ ہمیشہ خجل ہو جاتی، پزل ہو کر خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑتی۔

"یہ بتاؤ کہ تم کب بلوا رہی ہو اپنی شادی کی بریانی کھلانے غاشیہ.....؟" فروا نے اس کی سوچ کے عین مطابق سوال کیا۔

"جب اللہ پاک کا حکم ہو گا" اطمینان سے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن خود کو بھی تھوڑی کوشش کرنی چاہیے۔" کنزیٰ نے ناک چڑھا کر کہا۔

"مطلب....؟" غاشیہ نے پلٹ کر کنزیٰ کی طرف دیکھا۔

"مطلب یہ ہے کہ اچھی بھلی شکل ہے تمہاری

اس کو یوں پردوں میں چھپا کر خود کو اماں دادی بنا کر رکھنا کہاں کی عقل مندی ہے۔" کنزیٰ نے نصیحت کی۔

"دیکھو بھئی آج کی ڈیمانڈ کے مطابق خود کو ڈھالو۔" اس بار ایمان نے کہا۔

اگر تم لوگوں کے خیال میں خود نمائی کرنا' خود کو پوز کرنا اور بے پردگی کرنے سے اچھے رشتے ملتے ہیں تو معاف کرنا میں بنا شادی کے ہی مطمئن ہوں۔" نہایت اعتماد سے جواب دیا۔

"ویسے کنزیٰ ۔۔۔! آپ لوگ ایسے کپڑے پہنتی ہیں تو تایا ابو کچھ نہیں کہتے؟" تیکھے انداز میں سوال کیا۔

"ارے نہیں! پاپا کو اونچی ہائی سوسائٹی کے ادب و آداب آتے ہیں۔" کنزیٰ نے نہایت شان سے دور بیٹھے کریم احمد کی طرف اشارہ کیا۔ غاشیہ کی نگاہیں کنزیٰ کی نگاہوں کے تعاقب میں اٹھیں تو اس وقت کریم احمد اپنی سالی سے باتیں کر رہے تھے اور باتیں کرتے کرتے زوردار قہقہہ لگا کر ان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تھا۔ سالی جن کو اپنا ہوش تھا نہ گز بھر کے دوپٹے کا ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے دوپٹے سے ایسے بے نیاز ہوئیں کہ وہ گود میں آگرا تھا اور کھلکھلاتی اپنے بھاری بھر کم وجود کے ساتھ عجیب بے ڈھنگی سی لگ رہی تھیں۔

"توبہ!" غاشیہ نے انہیں دیکھ کر منہ بنایا۔

"یہ ہے ہائی سوسائٹی اور ماڈرن ازم۔ جب بڑوں کا یہ حال ہے تو اولاد تو دو قدم آگے چلے گی نا۔" دکھ سے سوچتی رہ گئی۔ وہ تینوں اٹھ کر اٹھلاتی ہوئی ایک دوسرے سے کلوز ہو کر سیلفیاں لینے لگیں' تو غاشیہ اٹھ کر اماں کی طرف آگئی' یہاں پر دونوں تائیاں بھی بیٹھی تھیں میک اپ سے سجے ہوئے چہرے اور فیشن ایبل لباس۔

تھوڑی دیر بعد فہیم احمد وغیرہ کی بہت دور کی کزن شمشاد آپا آگئیں' وہ عرصہ دراز سے امریکا میں رہتی تھیں۔ وہیں پر ہی بچوں کی شادیاں کی تھیں' مگر پاکستان کو بھولی نہیں تھیں وہ۔ کسی نہ کسی بہانے اپنے کسی بچے کو لے کر پاکستان ضرور آتیں۔ یہاں پر ان کے سسرال کے کچھ لوگ بھی تھے اور یہ کریم احمد وغیرہ کی فیملی جوان کے میکے میں شمار ہوتی تھی' اس بار وہ کافی عرصے بعد مل رہی تھیں۔ سب لوگ ان سے بہت گرم جوشی سے مل رہے تھے۔ وہ تنہا ہی داخل ہوئی تھیں ساتھ آنے والا شخص شاید مردانے کی طرف چلا گیا تھا۔ ان کو دیکھ کر دور بیٹھے فہیم احمد بھی آگے آگئے کیوں کہ وہ خاندان کی ہر دل عزیز شخصیت تھیں۔

"ارے ماشاءاللہ یہ تمہاری بیٹی ہے فہیم احمد۔۔۔؟"

انہوں اپنے سامنے ادب سے سر جھکا کر سلام کرنے والی غاشیہ کو تعریفی نظروں سے دیکھا' وہ واحد بچی تھی جس نے ادب سے جھک کر سلام کیا تھا باقی سب نے تو دور سے ہی لٹھ ماری تھی ہائے ہیلو کر کے کہ یہ امریکہ پلٹ خاتون ہیں۔

"جی شمشاد آپا۔" فہیم احمد نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد شمشاد آپا نے اماں کو مخاطب کیا۔

"تمہاری بچی کا رشتہ طے نہیں ہوا کیا کہیں؟"

کیوں کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ خاندان کی تمام لڑکیاں اور لڑکے جن جن کے رشتے ہو چکے تھے بڑی بے باکی سے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سیلفیاں لینے میں ادب لحاظ اور شرم کو بالائے طاق رکھے ہوئے تھے۔

"جی نہیں!" اماں نے آہستہ سے کہا۔

"ارے بھی ہماری غاشیہ کو تو عادت ہے پردے کی بو بو بنی رہتی ہے' شمشاد آپا آج کل کا دور ایسا کہاں رہا ہے' لڑکا تیز اور اپنے ساتھ چلنے والی لڑکی چاہتا ہے' جو اس کے ہم قدم چل سکے۔ اب دیکھو میں نے سوچا تھا کہ کاشان کی شادی غاشیہ سے کروں گی' مگر کاشان کو گھریلو اور ایسی لڑکی نہیں چاہیے۔ ظاہر ہے اس کی پارٹیاں' فنکشنز ہوتے ہیں' آئے دن دوستوں کی محفلیں جمتی ہیں تو بیوی سوشل چاہیے اسے۔"

بڑی تائی اماں نے لمبے سے تنقیدی لیکچر کے ساتھ اپنی معذوری بھی ظاہر کردی۔ غاشیہ کو انتہائی سبکی محسوس ہوئی' اس کا دل چاہا ابھی اٹھ کر گھر چلی جائے یہ کیسی فضول باتیں کر رہی ہیں۔ تائی امی۔" وہ کب مری

جارہی تھی ان کارٹون جیسے کاشان بھائی کے لیے جو چلتے بھی تھے تو لگتا تھا ڈانس اسٹیپ لے رہے ہوں۔

"نہیں آپا ایسی کوئی بات نہیں ہے رشتے تو بہت آئے 'مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔" اماں نے غاشیہ کے چہرے کی طرف دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"ہاں بھئی بیٹی کے رشتے کے لیے تو ہر قسم کا اطمینان کرنا ضروری ہے۔" شمشاد آپا نے غاشیہ کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ عام لڑکیوں سے مختلف سیدھے سادھے کپڑوں میں 'ہلکے میک اپ کے ساتھ 'سر پر اسکارف باندھے بڑے سے دوپٹے میں خود کو چھپائے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ شمشاد آپا نے موبائل پر کوئی میسج کیا اور پھر باتوں میں لگ گئیں ان کی نظروں کے حصار میں غاشیہ تھی۔ پانچ منٹ بعد ہی ایک دراز قد خوبرو سا نوجوان آیا۔

"السلام علیکم!" آتے ہی زوردار سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" سب نے جواب دیا۔

"جاسر یہ میرے کزن فہیم احمد ہیں یہ ان کی مسز 'اور یہ ان کی بیٹی ان سے ملو۔" وہ آگے بڑھا اور ادب سے دونوں سے ملا اور پھر اپنی اماں کی نگاہوں کا اشارہ پا کر غاشیہ کو سر سے پیر تک دیکھا۔ گرے اور سی گرین کامبینیشن کی لانگ شرٹ اور ٹراوزر میں اسکارف باندھے سیدھی سادی عام سی شکل والی لڑکی اپنی حیا اور سادگی سمیت اس کے دل میں اتر گئی۔

"بھئی فہیم میاں یہ بات تو تمہارے گھر آکر کرنے والی ہے 'مگر میں نہ اب رک سکتی ہوں نہ کوئی رسک لینے کو تیار ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ میرا بیٹا جاسر یہ امریکا میں ایک دینی مدرسہ چلاتا ہے میں اس کے لیے لڑکیاں ڈھونڈ رہی ہوں اور یقین کرو ایک سے ایک خوب صورت لڑکی دیکھی ہے۔ جس میں بہت سی پردہ دار بھی تھیں مگر... تمہاری بیٹی کو دیکھ کر میری تلاش ختم ہوگئی ہے۔"

"جی...!" سب منہ کھولے حیران تھے جب کہ دونوں تائیاں صوفے سے یوں اچھلی تھیں جیسے کسی نے پن چبھا دی ہو۔

"بے شک کہ زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے لیکن مجھے یہ سب کچھ بالکل پسند نہیں جہاں فیشن اور زمانے کے نام پر بے حیائی ہو چھوٹے بڑے کی تمیز اور عزت کا خیال نہ ہو' میں گزشتہ تیس سال سے امریکا میں ہوں لیکن سچ پوچھو تو ہم آج بھی اپنی روایات 'تہذیب اور اقدار کا پاس رکھنے والوں میں سے ہیں۔ ہمارے یہاں آج بھی دستر خوان پر بیٹھ کر ہاتھ سے چاول کھائے جاتے ہیں' ہماری بہو بیٹیاں حجاب لیتی ہیں۔ جہاں بیٹی 'باپ کے سامنے سر پر دوپٹا اوڑھ کر جاتی ہے۔ یہ تقدس 'یہی رشتوں کی حرمت ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہے۔ میں غاشیہ کے لیے اپنے جاسر کا رشتہ دے کر دست سوال دراز کرتی ہوں مجھے مایوس مت کرنا۔"

"ہائیں!" اماں اور فہیم احمد کا منہ بھی حیرت اور خوشی کے مارے کھلا رہ گیا تھا۔ غاشیہ نے غیر ارادی طور پر جاسر کی طرف نگاہ اٹھائی بلیک کرتا جس کے گلے پر نازک سی کاپر بیل بنی ہوئی تھی کاپر شلوار اور بلیک پشاوری سینڈل میں بلاشبہ وہ اپنے دراز قد اور ڈیسنٹ لک کے ساتھ خوب صورت لگ رہا تھا ان تمام لڑکوں سے خوب صورت جو اس وقت اس کے کزنز اور کزنز کے شوہروں اور منگیتروں کے رشتے سے وہاں موجود تھے۔ رفعت پھپھو دانتوں میں انگلی دبائے جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئیں۔

"جی آپا اللہ پاک مبارک کرے۔" فہیم احمد نے گویا رضا مندی دے دی۔ غاشیہ کی نظر نہ چاہتے ہوئے بھی کنزئی' فروا اور ایمان کی جانب اٹھ گئی اماں اور فہیم احمد کی آنکھیں احساس تشکر سے نم ہوگئی تھیں۔ آس پاس کے صوفے خالی ہو چکے تھے سب لوگ ادھر ادھر کھسک لیے تھے جب کہ غاشیہ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی کہ وہ آج سرخرو ہوگئی تھی اس کی دعائیں مستجاب ٹھہری تھیں۔

☆ ☆

ناولٹ

بنتِ سحر

پورے چاند کی چاندنی میں ڈوبی ہوئی ساحرات ساحل پر جلوہ افروز تھی۔۔۔ صندل کے پتوں سے لٹکتے جگنوؤں نے اپنے وجود میں لگے ننھے ننھے بلب روشن کرکے پورے چاند کی روشنی سے شرط باندھی تھی۔۔۔ مگران کے سانس اٹکنے لگے اور وہ موم بتی کے شعلے پر پرواز کرتے کسی آوارہ پروانے کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر صندل کے پتوں سے گرنے لگے۔۔۔ آن واحد میں جگنوؤں کے لاشے مرگھٹ میں جلی چربی کی طرح دھڑ دھڑ خاکستری رنگ میں ڈھلنے لگے۔۔۔ مغرور چاند نے سارے میں اک فخریہ نظر ڈالی تھی۔۔۔ بیرن ہوا نے ایک لمبی قلانچ بھری اور چمکیلی ریت کو اڑانے لگی۔۔۔ ریت کے ذروں کی چمک میں نابینا کردینے کا سحر موجود تھا۔۔۔ مگر یہی تو فرق ہے۔۔۔ نابینا ہونا قبول تھا مگر دیوانہ ہونا قطعاً "نہیں۔۔۔ درختوں کی ٹہنیاں بوجھ سے جھکی جارہی تھیں۔۔۔ ریت پر ایک پرندے نے قدم رکھا تھا نیلی مٹی کے لوبے چون اڑا اڑ کر اس کے سامنے دھمال ڈالنے لگے تھے ایک نیم وا آنکھوں والے جگنو نے حسرت سے اس استقبال کو دیکھا تھا۔۔۔ وہ تلملایا تھا۔

"یہ کون ہے۔ جس کی خاطر اتنا شایان شان استقبال ہو رہا ہے؟" اس کے ساتھی جگنو نے پتے سے آہستہ سے اڑان بھری اور اس کے مقابل آیا۔۔۔

"وہ چکور ہے۔۔۔ اس کا ذکر یوں مت کرو۔۔۔ وہ سفر پر جارہا ہے۔۔۔ اس کا سفر بہت لمبا اور کٹھن ہے۔۔۔ ہر کوئی اس کی ہمت بڑھا رہا ہے۔۔۔ اسے عقیدت سے دیکھو نظروں میں خلوص کی چاشنی اتارو۔۔۔" اول جگنو نے اس رائگی کو بمشکل برداشت کیا تھا۔ ہوا میں صندلی خوشبو اتر کر قطبین میں بکھر گئی۔۔۔ اول جگنو نے گردن اونچی کی تھی۔

"ایسے کون سے سفر پر جارہا ہے محترم۔۔۔ کہیں خدا تلاش کرنے تو نہیں جارہا۔۔۔؟" دوم جگنو نے اول جگنو کو خشمگیں نظروں سے دیکھا اور پھر پلٹ کر چکور کی طرف نظر کی تھی۔۔۔ اس نظر میں کیا کچھ نہ تھا۔۔۔ ترحم، عقیدت محبت اور ترس بھی۔

"خدا جلدی مل جاتا ہے۔۔۔ جب ہم خدا کی تلاش ایک قدم بڑھاتے ہیں تو وہ چار قدم آگے بڑھتا ہے۔۔۔ چکور چاند کا دیوانہ ہے۔۔۔ اس کی زندگی کا حاصل چاند کی محبت ہے۔۔۔ وہ پورے چاند کی رات کو سفر کرتا ہے۔۔۔ لمبا اور طویل سفر جس میں تھکن ہوتی ہے۔۔۔ مغرور چاند اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔۔۔ مگر رفتہ رفتہ دسترس سے دور بہت دور بھاگ جاتا ہے۔۔۔ یہاں تک کہ چکور کے کمزور جسم کے ریشے ریشے میں تھکن کسی اندھے کی طرح گھس جایا کرتی ہے۔ حالانکہ اندھا "اندھیرا شناس" ہوتا ہے مگر پھر بھی اسے سہارے کی طلب ہوتی ہے۔۔۔ چکور تھکن سے چور چور وجود لیے نورانی فجر میں جب نور کا پہرہ ہوتا ہے۔۔۔ ریت کے سینے پر جا گرتا ہے اور مشرق کی چوکھٹ سے ابھرتے سورج سے پہلے آنکھیں موند لیتا ہے۔۔۔ جان نکل جاتی ہے۔۔۔ مگر ایک چیز باقی رہتی ہے اور وہ چیز محبت ہوتی ہے ہر پورے چاند کی رات کو یہ رسم ادا ہوتی ہے۔۔۔ مگر افسوس ان محبت کے شہیدوں کا کوئی مزار کوئی مقبرہ نہیں بنایا جاتا۔" دوم جگنو کے ساتھی اول جگنو نے چپ اوڑھ لی تھی۔۔۔ سارے میں ایک اذیت ناک بو

پھیلی تھی ایسی بو جو مردار سے اٹھتی ہے... چکور نے اپنے اردگرد نظر دوڑائی تھی ہزاروں کی محفل اسے حوصلہ دینے آئی تھی... مگر جیسے ہی اس نے آسمان پر سجے چاند کو دیکھا اس کا دل دھڑک اٹھا... چاند نے ہمکلام ہونے کی ردا اوڑھی تھی۔

"میں چاند ہوں... ہر آنگن میں اترنا میرا مقصد ہے اور کسی کی مٹھی میں قید نہ ہونا میرا حاصل ہے... کوشش جاری رکھو ننھے پرندے..."

☆ ☆ ☆

"تم ہر روز اس سڑک سے کیوں گزرتے ہو... میری اماں بے چاری غلط فہمی کا شکار ہونے لگی ہیں..." میں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا... برگد کے درخت کے ساتھ سائیکل کھڑی کر کے اب وہ رومال سے پسینہ صاف کر رہا تھا... فجر کے اس سے مقدس سی عبادت گاہ کی سی راحت پھیلی ہوئی تھی۔

"تمہاری اماں بڑی وہ ہیں۔۔۔ میں ایسا لڑکا نہیں ہوں سمجھا دینا انہیں۔۔۔ بڑی ہی بے برکت ہیں تمہاری اماں۔۔۔" میں چونک گئی، میری ماں کی کوئی ببانگ دہل بے عزتی کرے تو میں تڑپ تڑپ جایا کرتی ہوں۔۔۔ مگر اس پر سب قصور معاف تھے۔۔۔ ہم دونوں پتھریلی زمین پر بیٹھ گئے تھے۔۔۔ میں نے دیکھا اس کے ماتھے سے پسینہ لڑھک کر گریبان تک پہنچ چکا تھا۔۔۔ میرا دل چاہا اک پل کو چکھ کر دیکھوں۔۔۔ محبوب کا پسینہ بھی آب زلال کی طرح ہوتا ہے۔۔۔ مگر میں چاہ کر بھی ایسا نہ کر سکتی تھی اگر ایسا کرتی تو وہ کبھی مجھ سے ملنے یا بات کرنے ہی نہ آتا۔

"میری اماں کا نام مت لیا کرو تم سمجھے۔۔۔ جوان کے بارے میں برا کہے میں اس کے ہاتھ توڑ دیتی ہوں۔۔۔ مگر خیر چھوڑو۔۔۔ یہ بتاؤ کل کیوں نہیں آئے تھے میں سارا دن برگد کے پتے گنتی تمہارا انتظار کرتی رہی۔۔۔" وہ اپنی کاپی کے صفحے پر پیمانے سے حاشیے کھینچ رہا تھا۔۔۔ میرا دل چاہا میں بھی کوئی کورا ورق ہوتی۔۔۔ اس نے مجھے نروٹھے پن سے دیکھا۔

"رخسانی۔۔۔ تو جھوٹ بولتی ہے۔۔۔ دوپہر کو میں اور شبیر برگد کے پاس سے گزرے تھے تو یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔" دور کہیں بلبل کا زرد سا اداس ساز سماعتوں میں نقرئی سکوں کی طرح گونجا تھا۔۔۔ میں اپنے جھوٹ پر شرمندہ ہوئی تھی مگر سارا زمانہ گواہ تھا کہ شرمندگی نامی چیز تو رخسانہ کے خمیر میں ہی نہیں تھی۔۔۔ مگر سلطان کے سامنے میرے جذبے صادق ہوتے تھے۔

"وہ تو میں کسی کام سے چلی گئی تھی۔۔۔ اور تو اس لچے شبیر کے ساتھ کیوں مٹرگشت کر رہا تھا۔۔۔ پورے زمانے کا چھٹا ہوا کمینہ 'بد معاش ہے وہ۔" میں جانتی تھی وہ اپنے یار غار کی مدح سرائی پر تڑپ اٹھے گا۔۔۔ اس کا تڑپ تڑپ جانا مجھے راحت دیتا تھا۔۔۔ ہوا میں کھٹی باس سی رچی ہوئی تھی۔۔۔ جیسے کسی نے اہرام مصر میں سے گزار کر بھیج دی ہو۔۔۔ اس نے پیمانہ دور پھینک دیا تھا۔

"کمینہ وہ نہیں ہے۔۔۔ تمہاری اماں ایسے ہی اس کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔۔۔ بلکہ وہ بتا رہا تھا کہ برکت چاچی اس کے گالوں پر چٹکیاں کاٹتی رہتی ہیں۔۔۔ تمہاری اماں بری عورت ہیں۔۔۔" وہ اماں نامہ پر بلاشبہ بغیر رکے کئی گھنٹے تقریر کر سکتا تھا۔۔۔ میں نے اس کالال گاجری چہرہ دیکھا۔۔۔ جوانی کا قاتل خمار عروج پر تھا۔۔۔ میں نے موضوع بدلنے کی سوچی تھی۔

"اچھا۔۔۔ چھوڑ ان باتوں کو یہ بتا میں کل دربار کون سے کپڑے پہن کر آؤں۔۔۔ سالانہ عرس ہے نا۔۔۔" میں اپنی جھونک میں ہانکے جا رہی تھی اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

"سوچ رہی ہوں۔۔۔ بنارسی غرارہ پہن لوں جو جمن کی شادی پر پہن کر رقص کیا تھا سب نے کتنے پیسے پھینکے تھے نا۔۔۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ ابھی تو اسکول سے وقت باقی تھا۔۔۔ ماسٹر جی بھی دیر سے آئے تھے مگر بقول ان کے وقت کی پابندی عظیم لوگوں کا شیوہ ہے اور وہ خود کو بھی اسی فہرست میں شامل کر دیتے تھے۔ وہ سائیکل پر کتابیں رکھ رہا تھا واپس پلٹا اور میرا ہاتھ سختی سے پکڑا۔

"کوئی ضرورت نہیں دربار آنے کی۔۔۔ وہاں تمہیں خراج تحسین پیش نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی تم پر سکے اچھالے جائیں گے۔ بہتر ہے تم اپنا نین مٹکا اپنے تک ہی محدود رکھو۔۔۔ دربار، ہم سیدوں کی حویلی ہے اس کی کچھ عزت ہے اور چست 'چولیاں' گھاگرے' پہن کر میرے سامنے نہ آیا کرو۔۔۔ کچھ تو اپنے اور کسی فاحشہ کے درمیان فرق رکھو۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔" لفظوں سے قتل ہونے کا پہلا تجربہ اب مجھے یہ ہوا تھا۔۔۔ میں نے بے یقینی سے اسے سائیکل پر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔ ایسا لگا کسی نے غلاظت میرے چہرے پر مل دی ہو۔۔۔ میں نے روتے ہوئے برگد کے تنے سے بازو ٹکرا کر چوڑیاں توڑ دی تھیں۔۔۔ شاید وہاں کانچ کی چوڑیاں نہیں میرا دل ریزہ ریزہ ہوا پڑا تھا۔۔۔

☼ ☼ ☼

اس کی ہر بات ماننا میرا فرض تھا۔۔۔ میں کتنی اچھی

فرض شناس تھی نا.... میں نے اپنی دوست لالی سے کہا تھا....

"لالی... سلطان نے مجھے طوائف جیسا کہا... اسے لگتا ہے میں ہر لڑکے سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہوں... میرا کردار کسی فاحشہ سے بھی گیا گزرا ہے.... مگر تم جانتی ہو نا.... میں اس کے سوا کسی کو سوچوں بھی تو ابلیس کہلاؤں...." گلابی شام میں محبتوں کے خون سے سرخی رچ گئی تھی... لالی نے کہا تھا۔

"میں نے تجھے کتنا کہا تھا نا... وہ سید لڑکا ہے.... ذات، برادری کا بھی نہیں ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"میرے اختیار میں کہاں تھا محبت کرنا... زندگی کی صبح میں محبت کی رات میرا دل کھا گئی... محبت میں مت ماری جاتی ہے محبت تو لا دین ہوتی ہے اس گرد گرد شام کے تسلی دلاسے بھی کام نہ آئے... میں کسی آوارہ پرکٹی نافرمان تتلی کی طرح بولائی بولائی پھرتی رہی... فجر دوپہر کے سانچے میں ڈھل ڈھل کر بات کی چادر اوڑھ رہی تھی... میں لالٹین تھامے کھڑی تھی وہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلا تھا... سیاہ رات میں اندھیرا ماتمی سا دکھائی دیتا تھا... میں نے اس کا راستہ روکا تھا....

"کیوں کتراتے پھرتے ہو.... برگد کے پاس ملنے بھی نہیں آتے... راستے بدل ڈالے ہیں.... دل نہ بدل سکے پھر بھی...." وہ دانت بھینچے کھڑا تھا... جالی والی ٹوپی سر پر لے رکھی تھی... آنکھوں سے شعلے نکلے تھے۔

"کیوں کھڑی ہے یہاں اتنی رات کے پہر سیر سپاٹے سوجھ رہے ہیں تجھے...." مجھے لگا سانس سانس میرے وجود میں امرت حیات ڈالا جا رہا ہو.... کتنے عرصے بعد اس کی آواز سنی تھی.... میں نے لالٹین کی روشنی بند کر دی تھی۔ وہ میرے گھر والے راستے کی طرف مڑ گیا تھا یعنی مجھے گھر چھوڑنے جا رہا تھا.... میں اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

"تجھ سے ملنے آئی تھی... آدھی رات کے وقت سیریں کرنے کا مجھے بھی شوق نہیں ہے...." وہ سیدھا چلتا جا رہا تھا... قدموں کی دھمک میرے دل پر لگ رہی تھی صوت در صوت.... میں اس کے ہم قدم ہوئی تھی۔

"تو جیسا کہے گا میں آئندہ ویسا ہی کروں گی...." وہ رکا تھا... کھجور کی چھال سا چاند آسمان کے وسط میں ٹمٹمانے لگا تھا... مگر سید سلطان مجھے چاند سے زیادہ پیارا لگا تھا۔

"اشرف کی دکان پر جانا اور اس کے ساتھ باتیں بگھارنا، بازار سے گزرتے ہوئے گھاگرا اٹھا کر چلنا.... سب چھوڑ دو... عورت کا دوسرا نام پردہ ہے۔ مجھے ہر چیز اپنے مقام پر ہی اچھی لگتی ہے...." میں سمجھ گئی تھی میں نے نظر اٹھائی چاند بھی ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔ فریبی کہیں کا میں نے نظریں موڑلی تھیں۔

"اتنا خیال رکھتا ہے میرا... پہلے کیوں نہیں بتایا۔" میں نے پوچھا تھا... راستے میں آئے درختوں کے پتے وہ ہٹاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا... میں بھی اس کی تقلید میں اس کے پیچھے پیچھے تھی... میرا چاند آگے.... میں چکور کی مانند اس کے پیچھے پیچھے....

"ہر عورت کی عزت، مرد کی اپنی عزت ہوتی ہے.... اب بچپن گزر گیا ہم شعور کی سیڑھی پر کھڑے ہیں.... یہاں ایک بار کا گرنا پوری زندگی کا روگ بن جاتا ہے ... آئندہ احتیاط کیا کرو... اور اب روز روز کی ملاقاتیں بھی نہیں ہو سکتی ہیں اماں کو پتا چل گیا ہے... شاید وہ ہمارے بچپن کے اچھے گزرے وقت کی وجہ سے چپ ہیں... ورنہ حویلی کے کسی سید زادے میں جرات نہیں جو کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے... جاؤ اب گھر آ گیا ہے میں بھی چلتا ہوں... رات کافی ہو گئی ہے۔"

وہ پگڈنڈی پر قدم رکھتا جا رہا تھا... جانے کیوں اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔ میں دروازے میں لالٹین تھامے کافی دیر کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی... کڑوا کسیلا دھواں میری سانس میں بھر گیا تھا... میرا کھانس کھانس کر برا حال تھا... غربی دیوار پر چمگادڑ لٹک کر رفع حاجت سے نبرد آزما تھے... غلیظ قسم کی بو حواس کے پہلو میں جم کر اودھم مچانے لگی....

چاند ٹک ٹک کرتا تھا... تارے لٹک لٹک جاتے تھے ... اور دور کہیں چکور ابھی تک سفر میں گم تھا... میری طرح... رخسانہ جمال کی طرح...

☆ ☆ ☆

"وہ موسم گرما کی ایک گھائل سی اداس رات تھی ... فضا میں مردہ پھولوں کی باس پھیلی ہوئی تھی۔

"تمہاری اور اس کی ذات میں زمین' آسمان کا فرق ہے... تم ایک ہندو لڑکی ہو رخسانہ اور وہ مسلمان سید ہے... وہ تمہیں اپنی زندگی میں کبھی بھی شامل نہیں کرے گا... دنیا میں بہت کم لوگ ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں محبت ملا کرتی ہے... جدھر بھی دیکھو گی تمہیں دلوں کے جلنے کی بو آئی گی... ہنسی کا نقاب اوڑھے لوگ جینے کا ہنر سیکھ ہی جاتے ہیں... تم بھی اس سید زادے کو بھول جاؤ۔" رات میں سنگریزوں کی سی چبھن تھی... دل چپ چاپ ہی مرجاتے ہیں... بغیر جنازے کے... پہلو میں دفن پڑے رہتے ہیں... اماں نے کیا کہہ دیا تھا مجھے کہ میں سلطان کو بھول جاؤں ... میں کتنی ضدی تھی... مگر اماں بھول گئی تھیں کہ رخسانہ جمال آخر تک ثابت قدمی دکھائے گی...

"سانس لینا بھول جاؤں مگر اس کو قطعاً "نہیں"..." میں نے اماں سے کہا تھا۔

"اماں... زندگی تو کھانے' پینے' رونے' ہنسنے کے علاوہ تو کچھ تھی ہی نہیں... محبت کا ذائقہ تو اب چکھا ہے... اس میں آب زلال (میٹھا پانی) کی سی چاشنی ہے اور مجھے یقین ہے کہ سلطان بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

کھڑکی کے پار والی انگوروں والی بیل پر جگنو بیٹھے تھے میں انہیں ہی تکے جا رہی تھی... دانستہ یا پھر شاید بے ساختہ... اماں نے دیے کی لو بڑھائی تھی۔

"محبت کرنے والے ہزار دلیلیں ڈھونڈ ہی لیتے ہیں... تم بھی ایسا ہی کر رہی ہو... شاید تم بھول رہی ہو کہ تمہاری سوچی گئی دلیلوں کی عمر صرف اتنی ہی ہے جتنی کہ اس پروانے کی جو شمع کے گرد منڈلا رہا ہے... آن واحد میں بھسم ہو جائے گا سید زادے دل میں جگہ دے بھی دیں تو مگر گھر میں جگہ نہیں دیتے... اور عورت تو بغیر گھر کے کسی ویرانے کھنڈر جیسی ہی ہوتی ہے..." جگنوؤں نے اڑان بھری تھی اور رات کے طلسماتی سحر میں دائرے کی مانند دور تک نکل گئے... اور میرے وجود میں خالی پن دور دور تک پھیلتا گیا... کاش زندگی میں محبت پر تو حق ہوتا... آنسو کھارے پانی کی طرح میری ہتھیلی پر گرے تھے... نم نم سے لہجے میں میں نے کہا تھا۔

"ایک بار تو یہ بازی ضرور کھیلوں گی... ہار بھی گئی تو ضبط کرلوں گی... میں بہت ثابت قدم ہوں..." اماں کچھ بھی نہ بولی تھیں... چپ ہمارے درمیان خاموشی سے براجمان ہو گئی تھی... بچپن سے لے کر آج تک ہم نے وقت اکٹھا گزارا تھا... برگد کے پیڑ کے نیچے کھیل کر بڑے ہوئے تھے... پگڈنڈیوں پر بھاگتے دوڑتے... کنچے کھیلتے... کاسنی پھول توڑتے ... اور میں تو مسجد بھی چلی جاتی تھی... پہلا کلمہ بھی مجھے تو فر فر آتا تھا... سلطان کو بھی میں نے پڑھایا تھا... مولوی صاحب سے وہ ڈرتا تھا اسی لیے میں نے پہلے یاد کیا تھا اور پھر بعد میں اسی دن برگد کے نیچے بیٹھ کر میں نے سلطان کو بھی یاد کروا دیا تھا۔

"نہیں کوئی لائق عبادت کے مگر اللہ... اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔" وہ مجھے اپنی اماں کے سامنے لایا تھا اور کلمہ سنانے کو کہا تھا اور میں نے فر فر سنا دیا تھا... اور پھر اس کی اماں غضب ناک ہو کر نوکرانیوں کو بلانے لگی تھیں۔

"ارے... ادھر تو دیکھو... کافرانی کی بیٹی اپنی ناپاک زبان سے کیسے اللہ اور محمد کا نام لے رہی ہے... منہ بند کرواؤ اس کا... یہ تو ہمیں بھی گناہ گار بنائے گی..." میں جو ساری زندگی سمجھتی رہی تھی کہ انسانیت کے احساسات کی طرح مذہب بھی سانجھے ہوتے ہیں... اس دن مجھے سمجھ آیا تھا کہ خدا ہر کسی نے اپنے بنا رکھے ہیں۔

"شاید سلطان کا خدا ہمارے خدا سے بڑا ہو گا..." میں نے سوچا تھا اس دن پہلی بار ہمارے درمیان مذہب

کی دھانی چادر کی سی دیوار تن گئی تھی۔۔۔ اور میں روتے ہوئے اماں کے پاس آئی تھی۔

"مجھے بھی سلطان کے خدا کی طرح بازار سے خدا لے کر دو۔۔۔" ہمارے گھر میں رکھی مورتیاں بھی تو بازار سے خریدی گئی تھیں اسی لیے میں نے سمجھا تھا اللہ بھی بازار سے مل جائے گا۔۔۔ اماں نے کچھ بھی نہ کہا تھا وہ چپ رہی تھیں۔۔۔ بالکل چپ جیسے مرنے کے بعد ہر کوئی خاموش ہو جاتا ہے۔ میں نے سمجھا تھا کہ شاید اللہ بہت مہنگا ملتا ہوگا اور اماں کے پاس پیسے نہیں ہوں گے۔ اسی لیے میں نے اماں سے چوری اللہ خریدنے کے لیے اپنی مٹی والی گلک میں پیسے جمع کرنے شروع کر دیے تھے۔۔۔

☼ ☼ ☼

ساری دنیا جیسے بھٹے کی طرح جل بھن رہی تھی۔۔۔ اس دن جیسے دھوپ کو سونے چڑھے پانی سے نہلایا گیا تھا۔۔۔ کوے تو درخت کی چوٹی پر لٹکے ہوئے ادھ موئے ہوئے جا رہے تھے۔۔۔ سلطان اپنی گرما کی چھٹیوں کا کام کر رہا تھا۔۔۔ اور میں ڈھیر سارے موتی گود میں رکھے دھاگوں میں ایک ایک کر کے پرو رہی تھی۔

"تمہارا خدا کتنا بڑا ہے۔۔۔؟" میں نے کالے موتی کو دھاگے میں گزارا تھا۔۔۔ وہ اپنا کام کرنے کے ساتھ ساتھ میرے سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔۔۔ برگد کے سائے میں صرف ہم دونوں ہی بیٹھے تھے۔۔۔ اس نے پنسل پر سوچ انداز میں ٹھوڑی پر رکھی۔

"ہمارا خدا تو زمین' آسمان سے بھی بڑا ہے۔ بہت بڑا۔۔۔ جتنی بڑی دنیا ہے ناں۔۔۔ اس سے بھی خوب بڑا ہے۔" "اس کا مطلب اس کا اللہ بہت مہنگا تھا' مگر میری گلک میں تو بہت کم پیسے رکھے تھے۔۔۔ میں پریشان ہوئی۔

"چلو۔۔۔ خدا کا چھوٹا بچہ ہی خرید لوں گی۔" میں نئے سرے سے خوش ہوئی تھی۔

"اللہ سے ملنے جانا۔۔۔ تو مجھے بھی لے جانا۔۔۔" میں کہنا چاہتی تھی مگر پھر رک گئی کیا پتا وہ نہ ہی لے جائے۔۔۔ میں نے پوچھا تھا۔

"تمہارے اللہ کا گھر کہاں پر ہے۔۔۔؟" وہ اب حاشیے لگا رہا تھا۔۔۔ میں نے بھی کالی لڑی مکمل کر کے گرہ لگا دی تھی۔

"بابا کہتے ہیں مسجد میں اللہ ہوتا ہے۔۔۔ پتا نہیں بابا ایسا کیوں کہتے ہیں۔۔۔ ماسٹر جی نے تو کہا تھا کہ اللہ دل میں ہوتا ہے کیونکہ دل میں اللہ ہوتا ہے اسی لیے دل بھی نہیں دکھانا چاہیے۔۔۔" "اوہ یہ اللہ تو دل میں ہوتا ہے کیا میرے دل میں بھی تھا؟ میں نے نلکی سے سرخ دھاگا توڑا تھا اور سرخ یاقوتی موتی پرونے لگی۔

"سلطان کیا تم مجھے دس روپے ادھار دے سکو گے؟" وہ کتاب پر جھکا ہوا تھا۔

"ہاں۔۔۔ دے دوں گا۔۔۔ مگر تم نے کیا خریدنا ہے۔۔۔؟" اس نے پوچھا تھا۔۔۔ میں نے دھاگے کو زبان سے تر کیا تھا۔

"وہ جیسی لالی کے پاس گڑیا ہے نا۔۔۔ نیلی آنکھوں والی۔۔۔ میں نے وہ لینی ہے۔۔۔"

"میں اسے نہیں بتانا چاہتی تھی کہ میں کل بازار جا کر اللہ خریدنے والی تھی۔۔۔ میں نے رات ہی تو اپنے پیسے گنے تھے وہ چالیس روپے تھے۔۔۔ اسی لیے دس روپے سلطان سے مانگے تھے۔۔۔ ساری دوپہر وہیں برگد کے پیڑ کے نیچے گزری تھی۔۔۔ پھر ہم گھر واپس آ گئے تھے۔۔۔ پیسوں کا جوڑ توڑ کرتے ہوئے یہ خیال بھی نہ رہا تھا کہ میری گود میں موتی تھے۔۔۔ وہ سارے موتی وہیں گر گئے تھے۔۔۔ میں اکیلی موتی چنتی رہی تھی۔۔۔ مٹی میں سے موتی ڈھونڈنا مشکل تھا۔۔۔ آخر اکتا کر پچیس موتی میں وہیں چھوڑ آئی تھی۔۔۔

اگلی صبح دن چڑھتے ہی میں اماں سے چوری ابراہیم چاچا کی دکان پر آ گئی تھی۔۔۔ میری دونوں مٹھیوں میں پچاس روپے پسینے میں بھیگ گئے تھے۔ رات ہی تو میں نے گلک توڑ کر پیسے نکالے تھے۔۔۔ اور گلک کی باقیات کو صبح ہی برگد کی مٹی کے نیچے دفن کر دیا تھا۔۔۔ جہاں کچھ عرصہ پہلے میں نے اور سلطان نے مردہ تتلیاں دفن کی تھیں۔۔۔ ابراہیم چچا کے سامنے میں نے پیسے

رکھ کر کہا تھا۔

"چاچا... مجھے ایک اللہ دے دیں..." مشرقی جانب سے ایک سرخ آندھی اٹھنے کے آثار تھے... میں جلدی سے گھر جانا چاہتی تھی... چاچا چپ چاپ بس مجھے دیکھتے رہے تھے... مجھے لگا پیسے بہت کم تھے... ڈھیر سارا خالی پن میرے دل میں خون کے ساتھ دوڑتا چلا گیا تھا... میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"چاچا... بس میرے پاس اتنے ہی پیسے تھے... مہربانی کرکے اللہ کا بچہ ہی دے دیں... چھوٹا ہوگا تو کوئی بات نہیں میں اپنے حصے کا کھانا اماں سے چوری اسے کھلا کر پال لوں گی۔" آندھی کا جھکڑ چلا تھا... ہر طرف دھول ہی دھول اڑ رہی تھی بہت سے پرندے اپنے آشیانوں کا راستہ بھول گئے تھے... دکان کے دروازے بجنے لگے تھے... چاچا نے پیسے میری مٹھیوں میں دبائے تھے اور روتے ہوئے کہا تھا۔

"بیٹی... اللہ پیسوں سے نہیں مفت ملتا ہے... بس اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے... خدا تمہیں تمہاری ذہانت اور ہدایت مبارک کرے... تم پریشان مت ہو... جلد ہی خدا تمہارے پاس آنے والا ہے... اور ہاں ایک بات یاد رکھنا۔" میں نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا... "خدا ایک ہی ہے... واحد اور اکیلا... اس کا کوئی بچہ نہیں ہے... اس وقت گھر جاؤ سرخ آندھی میں راستے کھو جاتے ہیں۔"

میں بہت اداس ہو گئی تھی... پگڈنڈی پر دھول ہی دھول اڑ رہی تھی... اللہ تو مفت میں ملتا تھا... بھلا میں نے اتنا وقت فضول میں پیسے جمع کرنے میں لگا دیا تھا اور یہی سوچ کر میں نے بند مٹھیوں کو کھول کر پیسے گرد گرد راستوں میں پھینک دیے تھے... سارا راستہ میں سوچتی رہی کہ ابراہیم چاچا کی آنکھیں نم سی کیوں تھیں۔

"شاید اس وقت آندھی آئی ہوئی تھی اور ریت بھی تو بہت اڑ رہی تھی شاید ریت کے ذرے آنکھوں میں چلے گئے ہوں گے۔" میں نے خود سے سوچا تھا... بچپن میں اپنی چھوٹی چھوٹی دلیلیں ہی مستند سمجھی جاتی ہیں... اور میں اسی دلیل کو مان بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس دن میں پہروں برگد کے پار والی نہر میں پاؤں ڈالے بیٹھی رہی تھی... کوئلوں کی سریلی آوازیں بھی مجھے متوجہ نہ کرسکی تھیں... سرخ آندھی آئی اور گزر گئی تھی... پانی میں نارنجی بیلوں کے پھول تیر رہے تھے میں چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی... گھورتی رہی... یہاں تک کہ مجھے ایسا لگا میں ایڑی سے چوٹی تک نارنجی رنگ میں نہا گئی ہوں... ہاتھ 'پاؤں' چہرہ رنگ کی لپیٹ میں تھا... مجھے اک پل کو لگا تھا کہ اگر میں بولی بھی تو میرے الفاظ بھی رنگین ہی ہوں گے... میں نے دونوں گھٹنوں میں سر چھپالیا...

"سب کو اللہ مل جاتا ہے انہیں ڈھونڈے بغیر مل جاتا ہے... مجھے کیوں نہیں ملتا... ابراہیم چچا کو لگتا ہے وہ خود مجھ سے ملنے آئے گا... مگر کب اور کہاں...؟... زرد پہاڑی کے تہہ خانے میں رہتا ہے تو بھی میں ڈھونڈ لوں گی... سلطان کے ماسٹر جی کہتے ہیں اللہ دل میں رہتا ہے... پھر میرے دل میں کہاں ہے...؟... چھری لے کر دل کے چار ٹوٹے نہ کر دوں... میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں...؟" میرے آنسو نارنجی رنگ میں ڈھلتے گئے... نہر میں گرنے لگے... نہر کا نیلا پانی افشاں کی طرح چمکنے لگا... قطرے سے قطرہ جڑنے لگا تھا۔

تبھی میری نظر برگد کی اونچی چوٹی پر پڑی... وہ پرندہ جس کی آنکھوں میں محبت نامی جذبہ کروٹیں لیتا تھا... مجھے شان بے نیازی سے ہنستا ہوا نظر آیا...

"رخسانہ جمال... اس کا کلمہ بھی پہلے تم یاد کرو... اور وہ تم ہی سے پیٹھ موڑے بیٹھا ہے... مجھے تم پر ترس آرہا ہے..." ایک طنزیہ ہنسی میرے وجود میں انگارے بھر گئی تھی... میں نے پوروں سے آنسو چنے اور مستحکم لہجے میں بولی تھی۔

"مجھ سے شرطیں نہ باندھو سیانے پرندے... وہ جہاں بھی چھپا بیٹھا ہوگا میں اسے ڈھونڈ لوں گی..."

چھناکے سے کانچ ٹوٹا تھا جیسے... سیانا پرندہ نارنجی قبا اوڑھنے لگا تھا...

"تم وہ کھیل کھیلنے والی ہو... جس میں جیت کا امکان ہے ہی نہیں... جن کھیلوں میں ہار مقدر میں ہو وہ کھیل نہیں کھیلے جاتے... جتنا اس کے قریب جاؤ گی اتنا ہی وہ تم سے دور بھاگے گا..." سیانا پرندہ شاخ پر الٹا لٹکنے لگا تھا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو... مولوی صاحب کہتے ہیں اگر اللہ کی طرف ایک قدم' بڑھاؤ تو وہ باقی سارا فاصلہ پاٹ لیتا ہے... میں اپنے ارادوں سے پیچھے ہٹنے والی نہیں ہوں۔" کافور کی مہک سی ابھری تھی... اور کوئی چیز پانی میں گری تھی... میں نے ڈر کر اپنے پاؤں پانی سے نکالے تھے... شاخ خالی تھی میں نے سیانے پرندے کو ادھر ادھر کھوجا تھا مگر وہ نظر نہیں آیا تھا...

میں واپس پلٹنے لگی تھی... پانی نے ننھے وجود کو اچھال دیا اور سیانے پرندے کا وجود چیتھڑوں میں بٹا نظر آنے لگا... سیاہی مائل خون درختوں کی جڑوں سے لپٹ گیا... درخت دھڑ دھڑ جلنے لگے تھے... میں الٹے قدموں وہاں سے بھاگی تھی... کانٹے میری ننگی ایڑھیوں میں گھس گئے تھے... مگر میں بھاگ رہی تھی... فضا ایک کریہہ چیخ سے لرز اٹھی تھی۔ نارنجی رنگ راکھ میں ڈھل کر اڑنے لگا تھا... برگد کی حدود سے باہر نکل کر آخری بار میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا... ایک نورانی وجود' حریری لبادے میں لپٹا نظر آیا تھا... اس کے ہاتھ میں تھمی تسبیح کی چمک ہزار چودھویں کے چاند کی چمک سے بھی زیادہ تھی... میری سماعتوں میں لفظ نقرئی سکوں کی طرح گرنے لگے تھے۔

"بے شک تو نے بہت عبادت و ریاضت کی مگر پھر بھی خوار ہوا... آدم کو سجدہ نہ کر کے تو نے اپنی راہ کھوٹی کی... مگر اللہ تمہیں کبھی یہ اختیار نہیں دے گا کہ تم اس کے پسندیدہ بندوں کی راہوں میں جال بچھاؤ... بے شک ابلیس پر لعنت کی گئی ہے... اور اللہ ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنا خوب جانتا ہے..."

شام کے سانچے میں ڈھلتی فضا جانے صدیوں تک نور سے اٹی رہی... میں جو آخری بار پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہتی تھی اب بار بار دیکھ رہی تھی... درختوں سے لٹکتے پرندے کے چیتھڑے سیاہی میں بدلتے اڑ گئے تھے...

میں حیرت کدے کی ننھی چڑیا کی سی حیرانی آنکھوں میں لیے پلٹ آئی تھی... سورج آنکھیں بند کیے اپنی منزل پر جا پہنچا تھا... مسجد کے دھاتی مینار کی چمک ترچھی ہو کر چاروں اطراف جگنو کی روشنی کی سی مدھم پھیل رہی تھی... مینار کے گرد لگے سپیکر سے ایک خوش الحان آواز دلوں میں رعب ڈالنے لگی تھی... مولوی صاحب اذان دے رہے تھے... گھونسلوں میں بیٹھے پرندوں کی گردنیں احترام سے جھک گئی تھیں۔

فضا میں اداسی رینگ رہی تھی... میں اذان کے الفاظ دہراتی گھاگرے کو دو ہاتھوں سے تھامے کچی پگڈنڈی پر چلتی گھر کی طرف جا رہی تھی۔

"آؤ قدم بڑھاؤ کامیابی کی طرف..."

گھور سیاہ رات کا ڈھونگ جاری ہے... گاؤں کی گلیوں میں چوکیدار چاچا کی لاٹھی حرکت میں آتی ہے تو آوارہ کتے خوف سے بھاگ اٹھتے ہیں... کماد کے کھیتوں میں گیدڑوں کی بھیانک آوازیں فضا میں تیر رہی ہیں... وہ میز کی سطح کا فارمیکا کھرچ رہی تھیں... طاق میں رکھے چراغ کی جوت اتنی مدھم تھی کہ میں چاہ کر بھی ان کے تاثرات نہ دیکھ سکی تھی۔

"رخسانہ... جو چیز خریدنے گئی تھیں خرید لی کیا...؟" فضا میں گھٹن بڑھنے لگی ہے۔

"وہ چیز فی الحال دستیاب نہیں تھی..." میں نے اطمینان' وجود کے گرد اوڑھ لیا تھا... وہ جیسے دھیمے سے مسکرائی تھیں۔

"اچھا... میں سمجھی پیسے کم پڑ گئے ہوں گے..." میرے گالوں پر گرم سا پانی گرنے لگا ہے... آواز رندھ سی گئی ہے۔

"آپ کو کیسے پتا کہ میں کچھ خریدنے گئی تھی..." چراغ کی لو لرزنے لگی ہے... شاید باہر ہوا چل رہی تھی...

"تم جو گلک کے ٹوٹے ٹکڑے چھپا گئی تھیں۔۔۔ آج جھاڑو دیتے ہوئے مٹی سے ابھر آئے تھے۔۔۔" میرا دل گہرے کنویں میں جا گرا تھا۔۔۔ میں نے خود کو بے بسی کی عظیم حالتوں میں سے سب سے عظیم حالت میں غوطہ زن پایا تھا۔۔۔

"وہ تو سلطان نے مجھ سے پیسے ادھار مانگے تو میں نے اسے دے دیے۔۔۔" وہ اندھیرے میں میرے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔۔۔ شکر ہے رات ہوتی ہے۔۔۔ پردے رکھ لیتی ہے۔

"اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ جبکہ تمہاری غیر موجودگی میں سلطان آیا تھا پیسے دینے کہ تم نے اس سے ادھار مانگے ہیں۔۔۔"

میں چلو بھر پانی میں ڈوب کر بس مرنے ہی والی تھی۔۔۔ جلدی سے لحاف اوڑھ کر سوتی بن گئی تھی۔۔۔ فضا میں میرے خراٹے گونجنے لگے تھے۔۔۔ وہ اٹھ کر میرے پاس آن بیٹھی تھیں۔۔۔ کھڑکی کے پار نرم چاند کی روشنی دستکیں دے رہی تھی۔۔۔ پتنگے آوارگی میں ادھر ادھر اڑان بھرنے لگے تھے۔ وہ بول رہی تھیں۔

"زندگی کے سارے برے رنگوں نے میری ذات پر چڑھائی کی ہے۔۔۔ وقت نے مجھے اکیلا کر دیا ہے۔۔۔ رخسانہ کے ابا ہوتے تو ساری تکلیفیں ہنس کر سہہ لیتی۔۔۔ اب تو کنکر بھی چبھے تو درد دل میں ابھرتا ہے۔۔۔ بچپن سب بھلا دیتا ہے مگر یہ بڑی ہو گئی ہے۔۔۔ شعور آنے لگا ہے۔۔۔ لوگوں کے نشتر کیسے روکے گی۔۔۔ اب جلد مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا ورنہ زمانہ اپنی چال چلے گا اور میری یتیم بچی رل جائے گی۔۔۔" وہ بے تحاشا رو رہی تھیں۔۔۔ چاند آسمان کے مرکز میں ٹمٹمانے لگا تھا۔۔۔ کھڑکی کے پار سے روشنی ان کے چہرے پر پڑنے لگی تھی۔۔۔ میں ذرا سا لحاف کا کونا اٹھائے چپ چاپ ان کو دیکھے گئی۔

وہ کون سی تکالیف کا ذکر کر رہی تھیں۔۔۔؟ ابا کو میں نے آخری بار جب دیکھا تھا تو وہ کھاٹ پر پڑے تھے اور خون تھوک رہے تھے۔۔۔ آدھی آدھی رات تک یہی ہوتا تھا۔۔۔ اور اماں فرش صاف کرتی رہتیں وہ سرحد پار کے رہنے والے ہندو بنیے کی بیٹی تھیں۔۔۔ وہ انہیں بیچ رہا تھا اور ابا نے انہیں رحم کھا کر خرید لیا اور شادی کر لی تھی۔۔۔ میری دادی حیات تھیں۔۔۔ اور ابا نے انہیں مشکلوں سے منا لیا تھا۔۔۔ ابا اپنے ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔۔۔ اماں نے دادی کی بہت خدمت کی تھی۔۔۔ ابا نے مذہب بدلنے کا اختیار اماں کو دے دیا تھا۔۔۔ وہ اچھے انسان اور بہترین مسلمان تھے جو مذہب اسلام کے اصولوں، ضابطوں پر عمل کرتے تھے۔۔۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی بھی دباؤ میں آ کر اسلام قبول کریں یہ تو دلوں کی رضا کے کھیل ہوتے ہیں۔۔۔ انہیں قوی یقین تھا کہ وہ ہدایت کی راہ پر ضرور آ جائیں گی۔۔۔ اور وہ وقت قریب تھا یہ بات صرف اماں جانتی تھیں۔۔۔

☼ ☼ ☼

فجر کائنات کے سینے پر قدم دھر چکی تھی۔۔۔ پرندوں نے اپنی آوازوں کے ساز جگا رکھے تھے۔۔۔ نور نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔۔۔ مولوی صاحب کے گھر کے آنگن میں رکھی تین چارپائیوں میں سے ایک پر وہ بیٹھی تھیں۔۔۔ جبکہ ایک خالی پڑی تھی اور درمیانی چارپائی پر مولوی صاحب اور ان کی زوجہ بیٹھی تھیں۔۔۔ اماں نے سفید چکن کا دوپٹا اوڑھ رکھا تھا جس کے ہالے میں ان کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔۔۔ وہ بول رہی تھیں اور مولوی صاحب اور ان کی زوجہ سن رہی تھیں۔۔۔

"رحمت آپ کا دوست تھا اور ان کی زندگی کے ہر پہلو سے آپ واقف ہیں۔۔۔ میں مجبوری میں ان کی زندگی میں آئی تھی۔۔۔ مگر انہوں نے ہمیشہ میرا خیال رکھا اور زندگی کے ہر راستے میں میرے شریک سفر رہے۔۔۔ ہماری رفاقت کے پندرہ سالوں میں کبھی بھی انہوں نے مجھ پر کسی بھی قسم کا کوئی دباؤ نہ ڈالا۔۔۔ حتیٰ کہ مذہب کے سلسلہ میں بھی مجھے ان کی پوری حمایت حاصل رہی۔۔۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ میں کسی دباؤ، مجبوری کے تحت مذہب کو بدلوں۔۔۔ مگر ان کی یہ سوچ مجھے کچھ سمجھا گئی۔۔۔ میں نے اپنی زندگی کے ہر معاملے میں جان، پرکھ کر کے یہ بات سمجھ لی ہے کہ میں غلط تھی۔۔۔ میں اب بغیر کسی دباؤ، ہچکچاہٹ کے اپنی دلی

آمادگی کے ساتھ چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کلمہ حق پڑھا کر حلقہ اسلام میں داخل کردیں۔۔۔" آنگن میں چلتی ہوا رک گئی تھی اک پل کو فضا میں منجمد کیفیت چھاگئی ۔۔۔ پھر اچانک فضا خوشبوؤں سے بھر گئی تھی۔۔۔ اور پھر فضا میں ان کی لرزتی ہوئی آواز گونجنے لگی تھی۔۔۔ وہ رقت کے ساتھ مولوی صاحب کے الفاظ دہرا رہی تھیں۔۔۔

"نہیں کوئی عبادت کے لائق مگر اللہ۔۔۔ اور محمد اللہ کے آخری رسول ہیں۔۔۔" کلمہ حق فرش سے عرش، چاروں قطبین کے مابین گردش کرتا ساری کائنات میں پھیل گیا۔۔۔ نور غبارے میں لگی ہوا کی مانند سکڑا اور پھر یہانگ دہل پھٹ کر اردگرد نورانیت بکھیرتا چلا گیا۔ مولوی صاحب نے انہیں مبارک دی اور ان کی زوجہ اماں کے ساتھ گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔۔۔ مولوی صاحب نے انہیں حوصلہ دیا تھا۔

"میری پیاری بہن۔۔۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت دی۔۔۔ بے شک اللہ اپنے پیاروں کو ہی ہدایت عطا کرتا ہے۔۔۔"

اور گھر واپسی پہ وہ اپنے وجود کے گرد سکون کی چادر اوڑھے محسوس کر رہی تھیں۔۔۔ دل پر رکھی پتھریلی سل جیسے کسی نے اتار پھینکی تھی۔۔۔ وہ خود کو بہت توانا اور ہلکا محسوس کر رہی تھیں۔۔۔ انسان کی زندگی کا حاصل وہ وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کی پناہ میں آتا ہے۔۔۔ وہی وقت رضا ہوتا ہے۔۔۔ جب بڑی سے بڑی تکلیف بھی روئی کی مانند لگتی ہے۔۔۔ تب انسان راحت کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے۔۔۔ پھر انسان ہوتا ہے اور اس کا مالک ہوتا ہے۔۔۔ جہاں کسی تیسرے کو شراکت کی اجازت نہیں ہوتی۔۔۔

گاؤں کے قلندری بابا دف بجاتے گلیوں میں گھوم رہے تھے۔۔۔

الف ، اللہ چنبے دی بوٹی ۔۔۔
مرشد میرے من وچ لائی ہو۔۔۔ ہو۔۔۔ و

اور اماں کے من میں لگی عشق کی بوٹی پر سدا بہار پھول لگ چکے تھے۔۔۔ جن کی خوشبو بڑی گوڑی اور پختہ تھی۔۔۔ کبھی نہ مٹنے والی۔۔۔ کبھی نہ ختم ہونے والی۔۔۔ سورج آسمان کے سینے پر ابھرا تو فصلوں کے خوشوں میں سنہری رنگ دھمال ڈالنے لگا تھا۔۔۔

☼ ☼ ☼

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں تمہیں حوصلہ دوں گی۔۔۔ اور کہوں گی کہ محبت کی پگڈنڈی پر دوڑتی جاؤ۔۔۔ تو تم غلط ہو رخسانہ میں تمہاری دوست ہوں۔۔۔ سلطان تم سے پیار کرتا ہے یا نہیں۔۔۔ اس سے مجھے فرق نہیں پڑتا۔۔۔" لالی میرے ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔۔۔ میرے چہرے پر سیاہی پھر گئی تھی۔۔۔ "پھر کس بات سے فرق پڑتا ہے لالی۔۔۔؟" میں جیسے آخری سانسیں لے رہی تھی۔۔۔ وہ مجھے سمجھا رہی تھی۔

"سلطان جوانی کے جوش میں ہے۔۔۔ بی بی جان کبھی اسے تمہارا نہیں ہونے دیں گی۔۔۔ ان کے نزدیک ان کی پگڑی کی اہمیت ہے مگر کسی انسانی جذبے کی نہیں ہے۔۔۔ وہ سید ذات ہیں۔۔۔ سیدوں کی ذات کے ساتھ ساتھ سوچ بھی بڑی ہوتی ہے۔۔۔ مگر جب معاملہ محبت کا ہو تو ظرف چھوٹا پڑ جایا کرتا ہے۔۔۔" میں نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں سانس کے بغیر رہ لوں مگر سلطان کے بغیر کیسے لالی۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔۔" میں تڑپ تڑپ کر جینے والوں کی فہرست میں اول تھی۔

"تو مر جاؤ پھر۔۔۔" وہ غصے میں بولی تھی۔۔۔ میری آنکھوں میں خالی پن بڑھنے لگا تھا۔۔۔ وہ پیٹھ موڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ "میں کیا کروں۔۔۔ میں بہت مجبور ہوں۔۔۔ محبت عزت نفس چھین لیتی ہے ناں۔۔۔ میری بھی چھین لی گئی ہے۔۔۔ میں اندھی رقاصہ بن گئی ہوں میرے گھنگھرو میرے اپنے ہی پاؤں زخمی کرنے لگے ہیں۔۔۔" وہ پلٹی تھی۔۔۔ میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"سلطان سے کہو اگر محبت کرتا ہے تو بی بی جان سے بات کرے۔۔۔ ورنہ وقت ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

ہر انسان کا اپنا غرور و قار ہوتا ہے۔۔۔ تم اپنے غرور و قار کو کیوں تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہو۔۔۔ محبت کرنے کے بھی رموز ہوتے ہیں۔۔۔ تقاضے ہوتے ہیں۔۔۔ ورنہ محبت' محبت نہیں ہوتی بس تجارت ہوتی ہے۔۔۔ جس میں بس گھاٹا ہی گھاٹا ہوتا ہے۔۔۔ سو گھڑے بنا کر ننانواں گھڑا توڑ دینے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔۔۔ آگے بڑھو۔۔۔ اور جلد ہی کوئی فیصلہ کر لو تو اچھا ہے۔۔۔"

وہ مجھے سمجھا گئی تھی۔۔۔ وہ میری اچھی دوست اور خیر خواہ تھی۔۔۔ مجھے اس کی باتوں پر عمل کرنا تھا۔

☼ ☼ ☼

زندگی کے سارے ادوار میں سے ہمیشہ سے ہی "بچپن" کو خاص اہمیت رہی ہے۔۔۔ بچپن میں تتلیوں' رنگوں' سازوں کی باتیں ہوتی ہیں۔۔۔ موسم ہوتے ہیں۔ کھیل ہوتے ہیں۔۔۔

بچپن میں "سب ایک جیسا" جوانی میں بدل کر "کچھ نہیں تمہارے جیسا" میں کیوں ڈھل جاتا ہے۔۔۔؟ میں نے اپنا بچپن سلطان کے ساتھ ہی تو گزارا تھا۔۔۔ گاؤں کی گلیوں میں بھاگتے' دوڑتے' اٹھکیلیاں کرتے' رنگ برنگے کھیتوں میں قلابازیاں کھاتے ہوئے۔۔۔ اگر سب کچھ ایسا ہی تھا تو پھر فرق کہاں پڑا تھا۔۔۔؟ بچپن کے معیار جوانی میں بدل جایا کرتے ہیں۔۔۔ ہم نے ککلی' شٹاپو ایک ساتھ کھیلا تھا۔۔۔ مسجدوں میں جھاڑو دیے تھے۔۔۔ میرا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔۔۔ کاش اگر بچپن میں ہی اس ذات پات کے الگ ہونے کا بتا دیا جاتا تو میں مر کر بھی سلطان سے محبت نامی لفظ کا دعوا نہ کرتی۔۔۔ ہم نے سارا بچپن قلندری بابا کو چھیڑتے' کھلکھلاتے ان کی گھوریاں سہتے گزارا تھا۔۔۔ میں نے اپنے حصے کی پکڑی ہوئی تتلیاں بھی اسے دان کی تھیں کہ وہ خوش رہے۔۔۔ مسکراتا رہے۔

اور رخسانہ نے تو صرف ہتھیلیوں پر لگے تتلیوں کے رنگ دیکھ کر ہی خوش رہنا سیکھ لیا تھا۔۔۔ بھلے ہی ہاتھ تتلیوں کے وجود سے خالی ہوں۔۔۔ جب بھی آسمان کے چہرے پر سورج کی چھاپ پڑتی تھی تو ہم کھیل رہے ہوتے تھے اور جیسے ہی دھوپ سلطان کے چہرے پڑتی۔۔۔ اس کا چہرہ لال ہو جاتا تھا۔۔۔ میں غیر محسوس انداز میں اس کے سامنے آجاتی تھی۔۔۔ میرے لباس سے گزر کر دھوپ میری کمر میں سوراخ ڈالنے لگتی تھی مگر میں چپ چاپ اپنا کام کیا کرتی تھی۔۔۔ ہمیشہ جب بھی کھیل کے دوران ہم دونوں مدمقابل آتے تھے تو میں خاموشی سے ہار جیت کے اس کھیل میں ہار جاتی تھی۔۔۔ میری ہار میں اس کی جیت ہوتی تھی۔۔۔ میں نے ہمیشہ اس کی خوشی دیکھی تھی۔

"جان ہی تو چاہیے سلطان سائیں۔۔۔" سرخ آندھی کہیں سے آن دھمکتی تھی۔۔۔ میں الٹے پاؤں چہرہ دروازے کی طرف کرتی چلتی تھی۔۔۔ آندھی کی گرد آنکھوں میں گھسی چلی آتی تھی۔۔۔ میں گر پڑتی تھی۔۔۔ مگر معمول میں فرق کبھی نہ پڑتا تھا۔۔۔ قلندری بابا دف بجاتے بھاگے پھرتے تھے۔۔۔ مجھے دیکھتے تو اونچی آواز میں گنگنانے لگتے تھے۔۔۔

دلاں وچ رب وسدا۔۔۔
نی یا در کھیں کٹ بے۔۔۔
جے ہویا رب راضی تے سمجھیں۔۔۔
ہو یے سب راضی۔۔۔

میں خاموشی سے ان کی آواز پر سر اٹھاتی تھی۔۔۔ اور پھر جھکا لیتی تھی۔۔۔ سارا بچپن میں نے اک بات شدت سے محسوس کی تھی کہ مجھے دیکھتے ہی سلطان کی بی بی جی کا لہجہ تلخ ہو جاتا تھا۔۔۔ ہر جمعرات دربار کی منڈیروں پر مٹی کے چراغ جلائے جاتے تھے۔۔۔ نیاز بانٹی جاتی تھی۔۔۔ ساری گاؤں کی لڑکیاں' لڑکے نیاز لیتے تھے۔۔۔ میں آخر میں کھڑی رہتی تھی۔۔۔ خالی ہاتھ جاتی تھی۔۔۔ خالی ہاتھ واپس آتی تھی۔۔۔ ان کی نظروں کی کاٹ برداشت کرنے کی سکت نہ تھی۔۔۔ بہت بار میرا دل چاہتا تھا کہ دربار کے در و دیوار کو دوسروں کی طرح میں بھی چوموں مگر کبھی ایسا نہ ہو سکا۔۔۔ بس آتے ہوئے میں دربار کی دیوار کو خاموشی سے ہاتھ لگاتی تھی اور پھر باہر آکر شدت سے چومتی رہتی تھی۔۔۔ ایک بار بی بی جان نے مجھے دربار کی دیوار چومتے دیکھا تھا تو اپنی

نوکرانیوں سے بہت مار پڑوائی تھی۔۔۔ میں چپ چاپ مار کھاتی رہی تھی۔۔۔ نیل و نیل وجود کے ساتھ گھر پہنچی تو اماں کے پوچھنے پر صرف اتنا ہی انہیں کہا تھا۔

"راستے میں گر گئی تھی۔۔۔ آپ کو پتا ہے ناں کہ میں سنبھل کر قدم نہیں رکھتی۔۔۔"

☼ ☼ ☼

رنگ برنگے سیلاب میں جوش و خروش کی برسات تھی۔۔۔ سالانہ میلے کی تقریب کا شاہانہ آغاز ہو چکا تھا۔۔۔ لڑکیاں ست رنگی کپڑوں میں ملبوس ادھر ادھر بھاگی پھر رہی تھیں۔۔۔ جلیبیاں، نمک پارے، پکوڑوں کے چھابڑے سج چکے تھے۔۔۔ کوئی فقیر ہیر گا رہا تھا۔۔۔ کوئی دائرے کی صورت میں سندھی رقص کر رہا تھا۔۔۔ میلے کی حدود سفید چونے کے گرد لگی دھاری باڑوں تک تھی۔۔۔ جھولوں پر بیٹھی کنواری لڑکیوں کے قہقہوں سے فضا گونج رہی تھی۔۔۔ میں نے سات رنگوں والا گھاگرا پہن رکھا تھا۔۔۔ جس پر چھوٹے چھوٹے شیشے لگے ہوئے تھے۔۔۔ سورج کی آتشیں شعاعیں گھاگرے کے شیشوں پر سیدھی پڑ رہی تھیں۔۔۔ لالی پھولی سانسوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی تھی۔

"یہاں کیوں بے زار کھڑی ہے۔۔۔ چل جھولوں پر چلتے ہیں بچی بہت مزا آ رہا ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"نہیں تم جاؤ مجھے جھولوں پر بیٹھنے سے خوف آتا ہے۔۔۔" وہ مجھے دھپ رسید کرتی جھولوں کی طرف بھاگ گئی تھی۔

میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔۔۔ ہر چہرے پر خوشی کی چھاپ تھی۔۔۔ میٹھے پکوانوں کی اشتہا انگیز خوشبو سارے میں پھیلی ہوئی تھی۔۔۔ میرے پرس میں پیسے تھے مگر دل تھا کہ کچھ کھانے کو آمادہ ہی نہیں تھا۔۔۔ حالانکہ آتے ہوئے اماں نے کتنا کہا تھا۔

"رخسانہ۔۔۔ وہاں خوب مزے کرنا۔۔۔ منہ باندھے نہ پھرتی رہنا۔۔۔ یہی تو دن ہوتے ہیں لڑکیوں بالیوں کے خوش ہونے کے۔۔۔ پھر اگلے گھر کون ایسے چونچلے برداشت کرتا ہے۔۔۔" میں نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔۔۔ مگر پھر بھول بھال گئی تھی۔

میں اپنے خیالوں کی سڑک پر قدم دھرتی ارد گرد کے شور شرابے کو بھول چکی تھی۔۔۔ جب سلطان نے دفعتاً میرا ہاتھ دوسری طرف سے کھینچ کر پرے کر دیا تھا۔۔۔ "چٹاخ" کی آواز سے بارودی گولہ پھٹا تھا جس کی ناگوار بو نے میرے حواس سلب کر لیے تھے۔۔۔ میرا سانس اتھل پتھل ہونے لگا تھا۔۔۔ سلطان غصہ ہو رہا تھا۔

"اگر دل نہیں تھا آنے کا تو نہیں آنا تھا نا۔۔۔ خیالوں میں گم کھڑی تھیں۔۔۔ تمہارے پاؤں پر پڑا تھا بارودی گولہ۔۔۔ خدانا خواستہ پھٹ جاتا تو یہیں پڑی ہوتی تم جلی ہوئی لکڑی کی طرح۔۔۔" ۔۔۔ ہم قریبی لکڑی کے پھٹوں پر بیٹھ چکے تھے۔۔۔ سفید کلف لگے کپڑے، سندھی چادر اوڑھے، کسی مدھم پرفیوم کی مہک سے اس کا وجود مہک رہا تھا۔۔۔ ماتھے پر بال بکھرے ہوئے تھے۔۔۔

"مجھے پتا تھا کہ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ تم جو تھے۔۔۔ تمہارے ہوتے کچھ ہو سکتا تھا۔۔۔" ۔۔۔ وہ کون سے چہرے ہوتے ہیں جو وجود کو پتھر کر دیتے ہیں۔۔۔؟
جواب ملا وہ سلطان کے جیسے چہرے ہوتے ہیں جو پتھر کر دیتے ہیں۔۔۔ میں پتھر ہوئی بیٹھی تھی۔۔۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ بالکل۔۔۔ میں نہ ہوتا تو وہیں پڑی ہوتی تم۔۔۔" وہ جھنجلا رہا تھا۔۔۔ مسکراتے لب بھینچے ہوئے تھے۔

"تم یہاں نہ آتے تو میں بھی نہ آتی۔۔۔ تمہاری وجہ سے ہی تو آئی ہوں۔۔۔" اس نے مجھے غصے سے دیکھا اور گنے کے جوس والی ریڑھی کے پاس چلا گیا۔۔۔ میں وہیں بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔۔۔ بنفشے کے پھولوں کی مہک فضا میں اچھالی جا رہی تھی۔۔۔ گلاب کی پتیاں ڈھول کی تھاپ پر سہم کر زمین کے سینے پر ٹھہر جاتی تھیں مجھے اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نظر آئے تھے۔۔۔ وہ دو شیشے کے گلاس تھامے چلتا ہوا آ رہا تھا۔۔۔

بلوچی کھیڑی میں مقید اس کے سفید پاؤں ڈھول میں بھی چمک رہے تھے۔۔۔ ماتھے پر شکنوں کا جال ہنوز برقرار تھا۔ سب سازوں کو جیسے زبان مل گئی تھی۔۔۔ وہ میرے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔۔۔ میں نے گلاس تھاما اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرنے لگی تھی۔

"آج تمہیں مجھے جواب دینا ہی ہو گا۔۔۔ بار بار اذیت میں نہیں سہہ سکتی۔۔۔" سلطان نے گلاس خالی کر کے سائیڈ پر رکھ دیا تھا۔۔۔ میرے والے گلاس میں انگوری رنگ جیسا شربت چھلک رہا تھا۔۔۔ اس نے بغور مجھے دیکھا تھا اور پھر میرے ہاتھ تھامے تھے۔۔۔ فضاؤں میں گلابی پن جانے کہاں سے امڈ آیا تھا۔

"دیکھو۔۔۔ رخسانہ زمین' آسمان کا فرق کبھی نہیں مٹ سکتا چاہے کچھ بھی کر لیا جائے ہم اچھے دوست رہے ہیں اکٹھے کھیلے ہیں' بڑے ہوئے ہیں مگر اقدار و روایات سے فرار ممکن نہیں ہے۔۔۔ تمہارے اور میرے چاہنے سے زندگی کے فیصلے نہیں ہوں گے۔۔۔ مذہب زندگی کی بنیاد ہوتا ہے اور ہماری بنیادیں ہی الگ ہیں۔۔۔" میں دم بخود بیٹھی تھی۔

"میں تمہارے لیے مسلمان ہو جاؤں گی سلطان۔"

"اگر تم مسلمان ہو بھی جاؤ تو تمہاری حیثیت کبھی نہیں بدلے گی۔۔۔ لوگ ماضی کبھی نہیں بھولتے۔۔۔ بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے راستے ابھی سے الگ کر لیں۔۔۔"

۔۔۔ میں قبر میں اتاری جا رہی تھی۔۔۔ مجھ پر کھڑے رکھے جا رہے تھے اور پھر خاک۔۔۔ میں مر رہی تھی یا پھر مر چکی تھی۔۔۔ درختوں کی ٹہنیوں کے پھول سیاہی پکڑنے لگے تھے۔ قلندری بابا سامنے نظر آ رہے تھے۔ ان کی آواز میری سماعتوں میں ہتھوڑے کی طرح لگ رہی تھی۔

بلھا کی جاناں میں کون!
نہ میں مومن وچ مسیتاں
نہ میں وچ کفر دی ریتاں
کی جاناں میں کون

نہ وچ شادی' نہ غمناکی
نہ میں پاکاں وچ پلیت آں
نہ وچ جاگن' نہ وچ سون
نہ میں موسیٰ' نہ فرعون
بلھا کی جاناں میں کون

میں سارے زمانے کی ہمت جمع کرتی سلطان کے سامنے آئی تھی۔

"تمہاری روایات' تمہارے اقدار تمہیں مبارک ہوں۔۔۔ مجھے تو محبت کے قرینے بھی نہیں آتے تھے۔۔۔ مجھے کیا پتا تھا کہ یہ تو حسب و نسب کے ستون پر کھڑی ہوتی ہے۔۔۔ چلو آج پھر میرا ضبط دیکھو۔۔۔" ۔۔۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے گلاس پر گرفت سخت کی۔۔۔ سخت اور سخت چھناکے سے گلاس ٹوٹا تھا کرچیاں میرے ہاتھوں کو سرخ کر گئی تھیں۔۔۔ میرے ہاتھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔۔۔ قطرہ۔۔۔ ڈھولوں کی آوازیں بڑھنے لگی تھیں اور میں اپنے وجود کی پوری قوت لگائے سلطان کا گریبان پکڑے چیخ چیخ کر اسے کہہ رہی تھی۔

"محبت میں حسب نسب دیکھتے ہو۔۔۔ خود غرض اور بزدل ہو تم۔۔۔ تف ہے مجھ پر کہ میں نے ایک ایسے شخص سے محبت کی جو محبت کو کاروبار سمجھتا ہے۔۔۔ میں آج سے تمہیں بھول گئی ہوں۔۔۔ سلطان بھول گئی ہوں گلال اڑ رہے تھے رنگ ہی رنگ تھے مگر سلطان کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید نظر آ رہا تھا۔۔۔ میں الٹے پاؤں واپس پلٹ رہی تھی یوں لگتا تھا جیسے میرے جسم کے ریشے ریشے میں کیل ٹھونک دیے گئے ہوں۔۔۔ دور پار سے پھر آواز ابھر رہی تھی۔

نہ میں آبی' ناں میں خاکی
نہ میں اندر بھید کتاباں

☼ ☼ ☼

شام اترنے لگی تھی۔۔۔ پرندوں کے غول آسمان پر نظر آتے اپنے آشیانوں کی طرف سفر کر رہے تھے۔ میں نے جب گھر کی چوکھٹ پر قدم رکھا۔۔۔ چاروں اطراف ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا تھا۔۔۔ میں اندر کی طرف بڑھتی

ٹھنکی تھی۔۔۔ وہ بی بی جان کی آواز تھی۔
"باز آجاؤ تم ماں بیٹی۔۔۔ اس علاقے میں رہ رہی ہو یہ بھی ہمارا احسان سمجھو۔۔۔ تمہاری بیٹی سیدوں کی حویلی پر تسلط جمانا چاہتی ہے مگر ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔۔۔ ہندو لڑکی، نیچ ذات بھلا ہماری برابری کی اہل ہو سکتی ہے۔۔۔" بی بی جان کی آواز قہر آلود تھی۔۔۔ جیسے انگارے برس رہے ہوں۔۔۔ اماں کی معذرت خواہانہ آواز آئی تھی۔
"نہیں۔۔۔ بی بی جان۔۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔ رخسانہ اور سلطان تو بچپن کے ساتھی ہیں۔۔۔ اکٹھے بڑے ہوئے ہیں۔۔۔ میں پوچھوں گی رخسانہ سے۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔۔ آپ بے فکر رہیں۔" بی بی جان نے بغور اماں کو دیکھا تھا اور پھر اپنے بغل میں کھڑی ملازمہ کو انہوں نے اشارہ کیا تھا۔۔۔ ملازمہ نے نوٹوں سے بھری گڈی ان کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔۔۔ میں باہر سن سی کھڑی تھی۔ بی بی جان نے آگے بڑھ کر پیسے اماں کے ہاتھوں میں زبردستی تھما دیے تھے۔
"بہر حال۔۔۔ جو بھی ہے۔۔۔ اپنی لڑکی کو لگام ڈالو۔۔۔ میں آئندہ کوئی بھی شکایت نہ سنوں۔۔۔ اور اپنا منہ بند رکھنا۔۔۔ اچھا تو یہی ہے کہ یہ گاؤں چھوڑ کر چلی جاؤ۔۔۔"
وہ شال لپیٹتی اندھیرے میں باہر نکل گئی تھیں۔۔۔ انہوں نے اندھیرے میں مجھے بھی نہیں دیکھا تھا۔
میں ٹوٹے قدموں کے ساتھ اندر آئی تھی۔۔۔ کمرہ چراغ کی ہلکی سی روشنی میں نیم روشن تھا۔۔۔ اماں ہلدی رنگت کے ساتھ تخت پر بیٹھی تھیں۔۔۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گئی تھی۔۔۔
اماں نے میرے ہاتھ تھامے تھے۔
"تو سلطان سے محبت کرتی ہے۔۔۔؟"
"میں سلطان سے محبت کرتی تھی۔۔۔"
"تو اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔۔۔؟"
"میں اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔۔۔"
"تو جانتی ہے کہ یہ سب کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔۔۔"
وہ پوچھ رہی تھیں۔
میں نے طاق میں جلتے چراغ کی لو کو پھڑپھڑاتا ہوا دیکھا۔۔۔ آن واحد میں وہ بجھنے کو تھی۔۔۔
"میں سمجھی تھی۔ بہت آسان ہوتا ہو گا محبت کرنا، پھر چاند سے محبوب کی باتیں کرنا۔۔۔ مگر میں غلط تھی اماں۔۔۔ جس سے میں نے محبت کی وہ تو حسب نسب کا دعوے دار نکلا۔۔۔ اس نے محبت کو حسب نسب کے پلڑے میں تولا تو میں جھکتی گئی اور وہ اٹھتا گیا۔۔۔ میں نے زندگی سراب کے پیچھے بھاگتے، دوڑتے، ہنستے، روتے گزار دی۔۔۔ اب خالی ہاتھ بیٹھی ہوں۔۔۔ زمانے والوں کے دل محبت کے بعد خالی ہو جاتے ہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ میری روح بھی کھوکھلی ہو گئی ہے۔۔۔ بہت تھک گئی ہوں اماں۔۔۔ بہت لمبا سفر تھا۔۔۔ وجود نیل نیل ہے۔۔۔ بہت لمبا سفر کر لیا آپ کی رخسانہ نے۔۔۔ ہاتھ میں تو بھر بھری ریت بھی نہیں آئی۔۔۔ زہریلی یادیں بس پلو سے باندھ لائی ہوں۔" میں تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی شام جیسے وجود میں اتر آئی تھی۔۔۔ ایک دم اچانک سے طاق میں جلتا چراغ بجھ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس رات میں نے پھر اماں کو چراغ جلانے ہی نہیں دیا تھا۔۔۔ میں جانتی تھی کہ اماں کو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا تھا مگر میری وجہ سے اس رات انہوں نے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔۔۔ رات بھیگتی رہی۔۔۔ تکیے بھی سنگ سنگ بھیگتے رہے اس رات کی ظالم صبح نے مجھ سے میری اماں کو چھین لیا تھا میں ساکت ہوئی بیٹھی تھی۔۔۔ ان کے چہرے پر گہرا سکون تھا پورے گاؤں نے اماں کے جنازہ میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ مگر مولوی صاحب اور ان کی زوجہ کی شہادت پر سب راضی ہوئے کہ اماں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔
دن رات کے چکر نے اپنا دائرہ جاری رکھا۔۔۔ لالی مجھے روز حوصلہ دینے آتی تھی۔۔۔
"تم بہت بہادر ہو رخسانہ۔۔۔ حوصلہ رکھو۔۔۔" میں اس بے غرض دوست کو دیکھتی۔
"تم جانتی ہو۔۔۔ بہادر کون ہوتے ہیں؟" وہ حیرت سے مجھے دیکھتی اور میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کر

کھڑی ہو جاتی تھی۔

"لالی... بہادروں کی ہنسی کے ساتھ آنکھوں میں آنسوؤں کی لکیریں نہیں ہوتی ہیں... وہ ہنستے ہیں تو ان کی خوشی ہنسی کے لبادے میں لپٹی خائن زدہ نہیں ہوتی۔"

وہ میرے پاس آتی مگر میں اس کے ہاتھوں کو جھٹک دیتی تھی۔

"اور سنو بہادروں کے پاس تو کوئی نہ کوئی خوشی ہوتی ہی ہیں جو انہیں جوڑے رکھتی ہے... یاد رکھنا یتیم کبھی بہادر نہیں ہوتے نہ ان کے پاس ماں' باپ ہوتے ہیں اور نہ ہی محبت ہوتی ہے... وہ صرف اور صرف خالی ہاتھ ہوتے ہیں دیکھو آج تمہاری رخسانہ بھی خالی ہاتھ کھڑی ہے۔"

وہ روتی ہوئی مجھ سے لپٹ جاتی تھی رات کو لالی میرے پاس ہی سونے آتی تھی اور کبھی کبھی اس کی اماں بھی آجاتی تھی... سب کہتے ہیں کہ وقت ہی سب بڑا مرہم ہوتا ہے مگر میرے سلسلے میں تو وقت بھی پیٹھ دکھا گیا تھا۔

رات فجر کے سانچے میں ڈھلتی تھی... فجر کے دوپہر کے اور دوپہریں شام کے سانچے میں مدغم ہو جاتی تھی ... آسمان کے چوکھٹے پر چاند آن ٹھہرتا تھا۔

اور میں چراغ جلانے کی زحمت بھی نہ کرتی تھی... چاند کی مدھم روشنی میں کھڑکی میں کھڑی چاند کو تکتے جاتی تھی۔ بار بار یہاں تک کہ آنکھیں سمندر ہو جاتی تھیں۔

گلی کوچوں میں بھاگتے' دوڑتے بچوں کے شور پر چونک جاتی تھی... آنگن میں سارے پہر بیرن ہوا سے خشک پتے ادھر ادھر اڑتے رہتے۔

میں خشک 'مٹیالے پتوں کو دیکھ کر سوچتی تھی۔

"کاش... میں بھی کسی خشک پتے کی طرح ہوتی... آوارہ ہوا مجھے ان دیکھے دیسوں میں اڑائے پھرتی اور میں لاوجود سی شرقاً" غرباً" اڑتی رہتی... تھک ہار کر کسی چھوٹے سے آنگن میں پڑی ہوتی... اور کیا خبر وہ آنگن سید زادے سلطان کا ہوتا..."

دیواروں پر اداسی کا لیپ چڑھا ہوتا... اور میں تربتوں کی اداسی اوڑھے شہر خاموشاں کی باسی کی مانند نظر آنے لگتی تھی۔

قلندری بابا کے سازآب میں مدہوش ہو کر سنتی تھی اور بلھے کی طرح سوچتی... کھوجتی۔

"کی جاناں میں کون...؟"

☆ ☆ ☆

میں حیرت زدہ سی بیٹھی تھی... یہ کیسے ہو سکتا تھا... یہ کیسے ہو رہا تھا چھاجوں' چھاج برستی بارش میں بھی چاند مکمل تھا... دودھیا روشنی سارے آنگن میں پھیل رہی تھی... میں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی... شاید سحرناک مناظر میں سے ایک "ساحر" منظر جنم لے رہا تھا... اک پل کو لگا خوف میرے جسم کے ریشے ریشے میں سرایت کرتا جا رہا ہو۔

دور پیام پر ہواؤں نے پیام پہنچانے کا ارادہ باندھا تھا ... آج سیدوں کے گھر محفل تھی ... پورا گاؤں آوازوں سے گونج رہا تھا... تڑتڑاتی ہوئی بوندوں پر وہ آواز بھاری تھی... بہت بھاری۔

میں نے کانوں پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر یہ کوشش بھی لاحاصل رہی تھی۔

طاق میں رکھا چراغ پھڑپھڑانے لگا تھا... برستی بارش میں بھی چاند آسمان کے سینے پر اٹکا کھڑا رہا... روشنی کا گھیرا تنگ ہو کر بڑھنے لگا اور... اور مشرق سے مغرب... اور شمال کے بائیں سرے سے جنوب کے دائیں سرے تک... امرود کے پتے بوندوں کے زور سے ٹہنیوں سے چھوٹ کر زمیں بوس ہونے لگے تھے۔ ہر چیز پس منظر میں چلنے لگی... چلتی گئی باقی کیا بچا تھا۔ صرف اور صرف وہ آواز... منجمد خون کو حرکت دیتی ہوئی... سماعتوں میں پڑنے لگی سب آوازیں ماند پڑتی گئی تھیں۔

مگر ہاں... وہ آواز۔

"اور جنہوں نے گمراہی لے لی... بجائے ہدایت کے..." میں کانپنے لگی تھی... ننگے پیروں کے تلوے جلنے لگے... بھس میں لگتی آگ کی مانند... شرارے

۔۔۔ نارنجی۔۔۔ نہر میں بہتے پانی کی مانند۔

"اور ان کی یہ تجارت سود مند نہ ہوئی اور نہ ہی وہ طریقہ جس پر چلے۔۔۔"

اک پل کو لگا چاند ابھی گرنے لگے گا۔۔۔ کسی روئی کے بگولوں کی مانند اڑتا جائے گا۔۔۔ دائرے میں گھومتا جائے گا۔ فرش سے عرش تک میرے ہاتھوں کی انگلیاں سفید پڑنے لگی تھیں۔۔۔ سفید اور سفید۔۔۔

"ان کی حالت اس شخص کی حالت سے مشابہ ہے جس نے (کہیں) آگ جلائی ہو۔۔۔ پھر جب روشن کر دیا ہو (اس آگ نے) اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی کو سلب کر لیا ہو۔۔۔ اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں۔ بہرے ہیں۔۔۔ گونگے ہیں۔۔۔ اندھے ہیں۔" زندگی کے چہرے پر الفاظ کی چابک پڑی تھی۔ سارا وجود جیسے دھجیوں کی مانند بکھر کر آنگن میں اڑنے لگا تھا۔۔۔ اور زخموں پر نمکین بارش اذیت بڑھانے لگی تھی۔۔۔ اک کرب مسلسل تھا۔۔۔ پھندہ کسنے لگا۔۔۔ مجھے لگا میں مٹی میں مٹی ہوتی جا رہی ہوں۔

میں کچھ نہیں سن رہی تھی۔۔۔ کیا میرا شمار بہروں میں ہونے لگا تھا؟

میں کچھ نہیں بول سکتی تھی۔۔۔ کیا میرا شمار "گونگوں" میں ہونے لگا تھا۔۔۔؟

میں کچھ نہیں بول سکتی تھی۔۔۔ کیا میرا شمار "اندھوں" میں ہونے لگا تھا۔۔۔؟

میں جامد تھی۔۔۔ بارش کی بوندیں زوردار آواز کے ساتھ زمین کے سینے پر ارتعاش ڈالتی تھیں۔ میں نے اپنے آپ کو ایک دائرے میں مقید پایا۔۔۔ شعلہ گرا آگ بڑھتی بڑھتی رہی دائرے بننے لگا تپش مجھے جھلسانے لگی تھی۔۔۔ دور پار سے سایہ ابھرا تھا۔

"اور خیر سے شر کو علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔۔۔ تاکہ وجود میں خالص پن ہو۔۔۔ اور محبت ہو واحد کی۔۔۔" مجھے لگا تھا۔۔۔ میرے وجود سے تجلی اتاری جا رہی ہو۔۔۔ لجلجی سی۔۔۔

آن واحد میں مٹی اڑی تھی۔۔۔ اس خاک میں ٹھنڈک تھی اور وہ ٹھنڈک شعلے ٹھنڈے کرتی رہی۔۔۔ برف۔۔۔ کسی فرشتے کے پروں کی مانند۔

میں نے خود کو اودے بادلوں کی طرح گرتا ہوا محسوس کیا تھا۔۔۔ چاند آسمان کے وسط میں نورانی چمک کے ساتھ ادھر ادھر بادلوں کے ہجوم میں ٹہل رہا تھا۔۔۔ میں جو ننگے پاؤں سیڑھیوں پر ہاتھ باندھے بیٹھی تھی۔۔۔ حیران ہوئی تھی۔۔۔ اک نمکین گرم آنسو ہاتھ کی پشت پر گرا تھا۔۔۔ آج پندرہ سال بعد میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اپنے بچپن کی طرح وہ کلمات پڑھوں۔۔۔ جو میں پیپل کے درخت کے سائے میں سلطان کو یاد کرواتی تھی۔ امرود کے پتے آنگن میں اڑ رہے ہیں۔۔۔ بارش تھم گئی ہے۔۔۔ مگر جیسے آسمان سے پانی کے ننھے چھینٹے اب بھی برس رہے ہیں۔

میں نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔۔۔ طاق میں رکھا چراغ جل رہا تھا۔۔۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔ میں نے وہ لفظ ڈھونڈ نکالے تھے۔۔۔ میں چیزیں رکھ کر بھول جاتی تھی۔۔۔ مگر وہ لفظ بھولتے ہی نہیں تھے۔۔۔ میں نے ایک لمبی آہ کھینچی تھی اور دور سیدوں کے اونچے ستونوں والی حویلی سے لفظ دوڑتے ہوئے آئے تھے۔

"نہیں کوئی لائق عبادت کے مگر اللہ۔۔۔ اور محمد اللہ کے آخری رسول ہیں۔" میں نے چاند کی روشنی کو بڑھتے دیکھا۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ زمین پر پڑے گیلے پڑتے پتے بھی جیسے دودھیا ہونے لگے تھے۔۔۔ میں آج پندرہ سال بعد بول رہی تھی۔۔۔ شام کے وقت برستی، تھمتی بارش کے وقت آسمان کے سینے پر سجے مکمل چاند کی روشنی کے وقت۔۔۔ وہ لفظ یاد تھے۔ کسی گمشدہ پہیلی کی طرح۔

"نہیں کوئی لائق عبادت کے مگر اللہ۔۔۔ اور محمد اللہ کے آخری رسول ہیں۔"

جسم میں سکون بھرنے لگا تھا۔۔۔ سکون کیا ہوتا ہے آج محسوس ہو رہا تھا۔

میں بول رہی تھی میں گونگی نہیں تھی۔

میں سن رہی تھی۔۔۔ میں بہری نہیں تھی۔

میں دیکھ رہی تھی میں اندھی نہیں تھی۔

میں نے ابراہیم چاچا سے اللہ خریدنے کی بات کی تھی۔ اور ان کا جواب مجھے آج بھی یاد تھا.... میں نے وہیں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے بیٹھے نظر اٹھائی تھی.... اور ساکت ہو گئی تھی۔ آنگن کے مرکز میں لالی کھڑی تھی.... وہ ششدر تھی حیران تھی۔

اس نے وہ لفظ سن لیے تھے.... اس کے ہاتھ میں تھمی چھتری چھوٹ کر زمین پر جا گری تھی۔ جانے وہ کب وہاں آئی تھی.... وہ زندگی میں ہر بات کی توقع کر سکتی تھی۔ مگر یہ.... ؟ لیلیٰ عرف لالی اسے بچپن سے جانتی تھی.... وہ رخسانہ جمال کی رگ رگ سے شناسائی کی دعویدار تھی۔ مگر آج دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے.... جتنا وہ اسے سمجھنے کا دعوا کرتی تھی.... اتنا ہی الجھ جاتی تھی.... اس کے ذہن میں ایک ہی بات گونج رہی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے.... کیا رخسانی صرف سلطان کے لیے یہ سب کر رہی ہے.... ؟ نہیں 'نہیں وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے.... بچپن میں کلمہ پڑھنا بچپنے میں آتا تھا.... مگر جوانی کے کلمے تو شعور کی حد میں بولے جاتے ہیں....'' رخسانہ پرسکون بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی.... بغیر پلکیں جھپکے۔ قلندری بابا نے مسکرا کر سلطان کو دیکھا تھا۔

''خود کو خوش قسمت کیوں نہیں سمجھتے ہو....؟''

''وہ کیوں بابا....؟''

''پتر.... محبت 'عشق ہر کسی کی چوکھٹ پر قدم نہیں رکھتا.... ان کے بھی قاعدے 'قانون ہوتے ہیں.... یہ حسب نسب سے اوپر کی چیزیں ہوتی ہیں....''

''مگر پھر بھی....''

''اگر 'مگر جیسے لفظ شک میں ڈالتے ہیں.... دل کو دیکھو.... زمانہ راضی مشکل سے ہی ہوتا ہے۔''

''بی بی جان.... کبھی نہیں مانیں گی.... وہ رخسانہ کو کبھی بھی قبول نہیں کریں گی.... میں بہت مجبور ہوں .... دل کی خوشی بھی عزیز رکھنا چاہتا ہوں مگر....'' قلندری بابا نے گھنے پتوں پر گرتی سنہری روشنی کی طرف نگاہ کی تھی۔

''تمہاری اپنی ذات کا بھی تم پر حق ہے.... اور رخسانہ جمال بھی تمہاری ذات پر حق رکھتی ہے.... حق دار کو اس کا حق نہ دینا ناانصافی ہوتی ہے.... اور تم حویلی کے وارث ہو.... جان رکھو وارثوں کی باتیں ہمیشہ مانی جاتی ہیں.... تمہاری ماں مادہ پرست ہے.... کبھی مل بیٹھ کر اسے راضی کرو....''

''وہ راضی ہو جائیں گی کیا....؟'' سوال چہرے پر اذیت ڈال گیا تھا۔

''پتر.... مائیں تو موم کا گھر ہوتی ہیں.... انہیں اولاد کی توجہ 'محبت ہی پگھلا دیتی ہے.... وہ بھی مان جائیں گی .... تو فکر نہ کر....''

وہ لاٹھی تھامے بڑبڑاتے ہوئے گرد آلود پگڈنڈیوں پر چل دیے.... سلطان کو لگا تھا کہ وہ اسے مڑ کر دیکھیں گے.... مگر نہیں وہ چلتے ہی رہے.... بے نیازی سے اور اگلی شام جب نارنجی حرارتی گولہ اپنے سفر پر پہنچ کر منظر سے غائب ہو چکا تھا اور رات کے پہلو میں کمان کا سا چاند ابھر رہا تھا۔

وہ کمرے میں بی بی جان کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا.... وہ کہہ رہا تھا اور وہ سن رہی تھیں....

''بی بی جان.... میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں .... آپ کو ناراض کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں.... مگر میں مجبور ہوں.... بہت.... میں نے رخسانہ جمال سے بچپن کے دکھ 'درد بانٹے ہیں.... اس نے ہمیشہ میرے حصے میں جیت ڈال کر خود ہار کو اپنا لیا.... پیپل کی گھنی چھاؤں میں اس نے مجھے میرے سبق یاد کروائے ہیں .... میں کیسے بھول جاؤں....؟'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھا .... بی بی جان ساکت بیٹھی تھیں۔

''اس نے ہمیشہ سرسوں کے پھولوں کے گلدستے میرے حصے میں ڈال دیے.... چھپ چھپ کر اپنے حصے کی مٹھائیاں میرے لیے لاتی رہی ہے.... میں وہ قرض نہیں اتار سکتا جو اس کے میری ذات پر ہیں.... جب بھی ماسٹر جی بید کی چھڑی سے میرے ہاتھ لال کرتے تھے.... وہ ہمیشہ میرے ساتھ روتی ہوئی میری

ہتھیلیوں پر پھونکیں مارا کرتی تھی۔۔۔ میری ٹوٹی ہوئی تسبیحوں میں اس نے موتی پرو کردیے ہیں۔۔۔ اتنے احسانات ہیں اس کے مجھ پر۔۔۔" سلطان کے چہرے پر یادوں کا نارنجی عکس ابھرنے لگا تھا۔۔۔ نہر کے پانی کی طرح۔۔۔ وہ اب ان کے قریب آیا تھا۔

"میں نے ہمیشہ اس کی ذات کو اپنی ذات سے فاصلے پر دیکھا۔۔۔ شاید وہ اس فرق سے اچھی طرح واقف تھی جو آپ کو بھی نظر آتا تھا۔۔۔ ہمارے اونچوں 'نیچوں کے اختیار انسانوں کے پاس نہیں ہوتے۔۔۔ یہ تو اللہ کی تقسیم ہوتی ہے۔ جس کو عرش پر رکھے۔۔۔ جس کو فرش پر۔۔۔ میں زمانے کے چکر پر اونچائی پر رکھا گیا ہوں۔۔۔ مگر پھر بھی میرا دل چھوٹا ہے۔۔۔ ظرف چھوٹا ہے۔۔۔ اور وہ فرش والی ہو کر بھی دل بڑا رکھتی ہے۔۔۔ ظرف بڑا رکھتی ہے۔۔۔ میں نے کبھی بھی اسے شکوے 'شکایتیں کرتے نہیں دیکھا۔۔۔ اب بھی کیا مجھے رخسانہ جمال سے محبت نہ ہوتی۔۔۔؟" وہ ان کے گھٹنے پکڑے بیٹھا تھا۔۔۔ بی بی جان نے کبھار اپنی ہتھیلیوں پر گرتے دیکھا تھا۔

موم کے گھر کی مانند تھیں وہ۔۔۔ اور موم کے گھر تو پگھل جاتے ہیں۔۔۔ محبت اور توجہ سے۔۔۔

"ہمیشہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ بی بی جان، ہمیشہ جب بھی دربار میں نیاز تقسیم کی گئی وہ باقی سب کی طرح وہ نیاز نہیں لیتی تھی۔ ہمیشہ اس بات پر مجھے اس پر حیرت ہوتی تھی۔۔۔ جب بھی میں وجہ پوچھتا تھا کہ تم یہ کیوں نہیں لیتی ہو تو رخسانہ ہنستے ہوئے کہتی تھی کہ۔۔۔

"سلطان۔۔۔ وقت آنے پر کوئی بڑی چیز مانگوں گی۔۔۔ اور میں وعدہ کرلیتا تھا۔۔۔ مگر آج اتنے سال بعد جب وعدہ پورا کرنے کا وقت آیا تو میں مکر گیا۔۔۔ میرے حسب نسب نے میرے وجود کو جکڑ لیا۔" سلطان رو رہا تھا۔۔۔ وہ سیدوں کی حویلی کا وارث رو رہا تھا۔

"آپ کو پتا ہے اس نے کیا مانگا ہے۔۔۔؟" وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے سرنفی میں ہلا گئی تھیں۔

"اس نے سلطان سے حسب نسب نہیں مانگا بی بی جان اس نے صرف اور صرف سید سلطان کو مانگا ہے۔۔۔ وہ کہتی ہے جائیداد کے پلڑے میں محبتیں نہیں تولی

جاتیں۔۔۔ میں نے اسے منع کردیا۔۔۔ میں آپ کو راضی کرنا چاہتا تھا۔۔۔ میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

وہ آنکھیں پونچھ رہا تھا۔۔۔ اور وہ دو دن پہلے کہی گئی باتیں سوچ رہی تھیں۔۔۔ دو دن پہلے مولوی صاحب کی بیگم رخسانہ اور اس کی ماں کے قبول اسلام کی اطلاع دے گئی تھیں۔

وہ حیران تھیں۔۔۔ ان کا ظرف کتنا چھوٹا تھا نا۔

شاید ریت کے ذرے سے بھی چھوٹا۔۔۔ انہیں اس چھوٹائی سے خوف آیا تھا۔

"پتر۔۔۔ کل ہی تمہارا اور رخسانہ کا نکاح ہوگا۔۔۔ سب تیاریاں کرلینا۔" اور سید سلطان ششدر بیٹھا تھا حیرت سے منجمد وجود۔۔۔ وہ اٹھا اور ان کے گلے لگ گیا تھا۔۔۔

"محبتوں کے سفر میں حسب نسب نہیں دیکھے جاتے۔۔۔ یہ محبتوں کے قصے بھی چاند چکور کے قصوں کی طرح ہوتے ہیں۔۔۔ بہت بار ملن نہیں ہوتا۔۔۔ مگر سچی اور کھری محبتوں کے دامن میں تکمیل کا پودا ضرور کھلتا ہے۔۔۔ اور سرسبز رہتا ہے۔۔۔" سرد ہواؤں میں حرارتوں کا ظہور ہونے کو تھا۔

لالی اس کے ساتھ ہی چارپائی پر بیٹھی تھی۔

"تم مطمئن ہو اپنے فیصلے سے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ میں ہوں۔۔۔"

"اچانک فیصلے کی وجہ۔۔۔؟"

"کچھ باتیں وجوہات سے خالی ہوتی ہیں۔۔۔"

"کبھی کبھی مجھے تم پر حیرت ہوتی ہے۔۔۔"

"وہ کیوں۔۔۔؟" رخسانہ نے بھنویں اچکائی تھیں

"تم محبت کے سفر میں اتنی اندھی ہوگئی ہو کہ ایک شخص کی خاطر مذہب بدل لیا۔۔۔" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"نہیں لالی۔۔۔ تم غلط ہو۔۔۔ اس میں میری رضا شامل تھی۔۔۔ میں خود غرض نہیں ہوں۔۔۔" لالی نے گہری سانس لی تھی۔۔۔ ٹھنڈی سی وجود میں اترنے لگی تھی۔

"ہمم۔۔۔ آگے کیا کیا سوچا ہے؟" وہ جو اس کی دوست تھی۔ سوال کررہی تھی۔

"جہاں زندگی لے جائے گی.... چلی جاؤں گی....
لالی نے اپنی آنکھوں کو نم سا ہوتا محسوس کیا تھا۔
"کب تنہا بسر ہوتی ہے زندگی...." رخسانہ ہنسی تھی۔
"یتیم تنہا ہی زندگی گزارتے ہیں مگر ان کا سہارا اللہ ہوتا ہے نا... سرد و گرم سے بچانے والا... ساتھ دینے والا... وہ انسانوں کی صفات نہیں رکھتا... وہ واحد اور یکتا ہے... مجھے بس وہی کافی ہے۔" لالی نے اس کے چہرے پر نور کی جھلک دیکھی تھی۔
"تم جانے کیوں مجھے کبھی کبھی بہت خوش قسمت سی لگتی ہو... رشتے، ناطے نہ ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ پرسکون سی نظر آتی ہو...." رخسانہ نے دیوار پر پڑتے سائے کو بغور دیکھا تھا۔
"جب انسانی رشتے بچھڑ جاتے ہیں تو پھر تکلیف تو ہوتی ہے مگر پھر وقت ان پر مرہم ڈال دیتا ہے۔" وہ کلائی میں پہنی کانچ کی چوڑی کو گھما رہی تھی۔ چھن.... چھن.... جلترنگ بجنے لگا تھا۔
لالی اٹھ رہی تھی۔
"چلتی ہوں.... پھر آؤں گی.... ڈھیر سارے کاموں کا انبار میرا منتظر پڑا ہے۔" وہ چلی گئی تھی۔ رخسانہ آنگن میں ٹہلتی ہوئی سوچ رہی تھی۔
"ہاں.... رخسانہ جمال کے حصے میں رشتے، ناطے نہیں آئے مگر اللہ آگیا جو سب تعلقات پر بھاری ہے۔"
سیانا پرندہ خبیث سی ہنسی ہنسا تھا۔
"اور بے چاری رخسانہ جمال کے حصے میں محبت بھی نہیں آئی...."
مگر وہ لاعلم تھا... رخسانہ اپنے حاصل پر مطمئن تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ دربار کی سیڑھیوں پر بیٹھے رغبت سے کھانا کھا رہے تھے... رخسانہ ساتھ بیٹھی جنگلی کبوتروں کو روٹی توڑ توڑ کر ڈال رہی تھی۔
کتنے رنگ تھے.... سفید بھورا.... سیاہ....
"تو ساگ بہت مزے کا بناتی ہے...." تعریف کی گئی تھی۔ رخسانہ مسکرائی تھی۔
"ہاں.... قلندری بابا اور میں کریلے بہت برے بناتی ہوں۔" وہ نوالہ لیتے ہوئے چونکے تھے۔
"یہ کس نے کہا.... تو تو ہر چیز سوادی بناتی ہے۔" وہ پھر مدہم سا ہنسی تھی.... بابا نے دیکھا تھا اس لڑکی کے ہنسنے میں کتنا نرم احساس تھا۔
"آپ نے ہی کہا تھا پچھلی گرمیوں میں...." اڑتے ہوئے کبوتروں کی اڑان کتنی پیاری تھی۔
"اچھا.... میں نے کہا تھا.... مجھے یاد نہیں آرہا۔" شرارتی ہنسی بوڑھے چہرے پر کتنی بھلی لگتی تھی وہ دوپٹا ٹھیک سے اوڑھے چنگیر اٹھائے سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے.... وہ جانتی تھی کہ وہ احاطے میں لگے نلکے کی طرف بڑھ رہے تھے۔
"آج کون سی دعا مانگوں تمہارے لیے....؟" پوچھا گیا تھا۔
وہ پہلی اونچی سیڑھی پر کھڑی تھی۔
"سکون کی بخشش کی...."
"حسب نسب نہیں مانگو گی....؟" وہ دوسری سیڑھی پر کھڑی تھی۔
"کبھی نہیں...."
"کیوں....؟"
"میری زندگی میں اس سے بہت بہتر چیز آچکی ہے۔"
"میں آج تمہارے لیے بہت خاص.... بہت ہی خاص دعا کروں گا...."
وہ تیسری سیڑھی پر چنگیر تھامے احتیاط سے پیچھے مڑی تھی....
"کون سی دعا...."
"دعا بتائی نہیں جاتی مگر بتا دیتا ہوں...."
وہ آخری سیڑھی پر کھڑی تھی... جواب کی منتظر۔
قلندری بابا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا....
"اللہ کرے سید سلطان تمہارا مقدر بن جائے۔"
وہ یہ کہتے نلکے کی طرف بڑھے تھے... چنگیر چھوٹ کر فرش پر گری تھی.... سفید کبوتر اڑتے ہوئے چنگیر کی

طرف لپکے تھے۔

"سفید کبوتروں کا حصار اس کے گرد بندھ گیا تھا.... ہوا سے دوپٹہ اڑنے لگا تھا.... اداس آنکھوں سے ایک آنسو کبوتر کے پنکھ میں جذب ہوا تھا۔

سنہری چمکیلی دھوپ در و دیوار پر عکس ڈال رہی تھی .... جامن کے پیڑ پر بیٹھی چڑیاں چہچہا رہی تھیں.... میں تلاوت کرکے قرآن پاک سینے سے لگائے ہوئے اندر جا رہی تھی۔ مگر میں رک گئی تھی.... بی بی جان آنگن پار کرکے میری طرف آرہی تھیں.... انہوں نے معمول کی طرح شال اوڑھ رکھی تھی.... میں نے قرآن چوم کر قریبی شیلف میں رکھا تھا۔

"کیسی ہو رخسانہ....؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"جی ٹھیک ہوں...." میں نے انہیں تخت پر بٹھایا تھا اور خود پیڑھے پر بیٹھ گئی تھی....

"گھر تو بہت صاف ستھرا رکھا ہوا ہے۔" وہ تعریفی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں....

"جی.... فجر کی نماز کے بعد صفائی کرتی ہوں.... پھر ناشتا بنا کر تلاوت کرتی ہوں...."

"اور کون ہوتا ہے ساتھ....؟"

میں نے اس سوال پر غور سے انہیں دیکھا تھا۔

"جی.... رات کو شاکرہ خالہ کی بیٹی لالی سونے آتی ہے.... میری دوست بھی ہے...." انہوں نے سرہلایا تھا.... چہرے کے تاثرات ناقابل فہم سے تھے۔

میں نے کہا تھا۔

"آپ کے لیے چائے لے آؤں....؟" انہوں نے اثبات میں سرہلایا تھا.... میں ٹرے میں کپ رکھ کر لے آئی تھی۔ وہ چپ چاپ چائے پیتی رہی تھیں اور میں ہاتھوں کی لکیروں پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔

"آج میں تم سے ایک بات کرنے آئی ہوں...." میں نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"اکیلی لڑکی کا رہنا بہت مشکل ہوتا ہے.... میں جانتی ہوں تمہارا گھر بسانا سارے گاؤں کی مشترکہ ذمہ داری ہے.... اسی لیے تمہارا اور بڑا تو کوئی ہے نہیں.... اسی لیے تم سے پوچھ رہی ہوں...." وہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا تمہیں سید سلطان کے رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں....؟" میں حیرت کے کس مقام پر تھی.... میں نہیں جانتی تھی.... یہ اچانک کیا ہوا تھا....؟

"مگر.... آپ...." میں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گئی تھیں.... میری پیشانی چومی تھی۔

"دیکھو رخسانہ.... کبھی کبھی کچھ حقیقتوں پر ہمارا رب اپنے پردے ڈال دیتا ہے.... جو انسان کبھی بھی نہیں کھول سکتے.... ان پردوں کو مقررہ وقت پر ہی کھولا جاتا ہے.... اور مجھ پر ڈالا گیا پردہ بھی آج کھل چکا ہے.... مجھے معاف کردو میری بیٹی۔" وہ ہاتھ جوڑ رہی تھیں.... میں نے ان کے ہاتھ ہٹائے تھے۔

دور پربتوں کی چوٹیوں کے گھنے جنگل میں سیانے پرندے کو نظر آنا بند ہو گیا تھا.... وہ ادھر ادھر ٹکراتا رہا.... کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی....

"اور ہر کوئی جان رکھے ابلیس کے مقدر میں پھٹکار لکھی گئی ہے...." عزازیل سے ابلیس تک کا سفر بہت بھاری ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

مجھے لگا تھا جیسے کہ مجھے کسی حیرت کدے میں بند کر دیا گیا ہو.... میں حیران و ششدر تھی۔

میری زندگی کی ساری حیرتوں نے میرے وجود پر چڑھائی کردی تھی.... میں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ ٹھنڈی سیڑھیاں خوشگوار لگ رہی تھیں۔

"کتنا حیران کردینے والا احساس ہے نا.... میں نے تو سلطان کو دعاؤں میں مانگنا بھی چھوڑ دیا تھا.... شاید میری دعا کسی اور کی دعا بن گئی تھی.... کتنا سچ ہے نا اس بات میں کہ ہمارا اللہ ہم سے ستر ماؤں سے بھی بڑھ کر پیار کرتا ہے.... اس نے میرے دل کی پل پل کی خبر رکھی ہے.... میں جانتی ہوں وہ "بے خبر" ہو ہی نہیں سکتا.... کبھی نہیں کبھی بھی نہیں۔" آنگن میں خشک پتے اڑتے جارہے تھے۔

"کاش.... میں اس کے شکر کے قابل ہوتی میں جانتی ہوں اس کی نعمتوں کے ترازو میں ہمارا شکر چھوٹا

پڑ جاتا ہے..... مگر اس کے احسانات جمع ہو ہی نہیں سکتے۔" دیواروں پر سلگتی دھوپ نارنجی ہو کر سرخی پکڑنے لگی تھی۔ ایک بازگشت وجود پر کسی دھاتی سکے کی مانند گری تھی۔

"اللہ کرے..... سید سلطان تمہارا مقدر بن جائے۔" میں ہنسنے لگی تھی۔

"چاند اور چکور کی لاحاصل محبت کے آگے میری محبت فتح کے مقام پر تھی..... لالی کہتی ہے کہ میں خوش قسمت ہوں..... ہاں..... میں واقعی خوش قسمت ہوں۔"

میری مناجاتیں، میری دعائیں وہ رد نہیں کر رہا تھا۔

اس نے مجھے زندگی دی۔

اس نے مجھے سکون دیا۔

اس نے مجھے محبت دی۔

مگر ان سب چیزوں سے پہلے..... اور ان سب چیزوں کے بعد.....

"میرے اللہ نے مجھے "راہ ہدایت" دی جو نصیب والوں کے حصے میں آتی ہے اور بلاشبہ میرے نصیب میں یہ تھا....."

میں نے پیڑ کے نیچے گڑھے کو دیکھا تھا جہاں میں نے گلک کے ٹوٹے ٹکڑے دبائے تھے۔ میں نے سوچا تھا۔

"ہاں..... اللہ روپوں، پیسوں کے ڈھیر سے نہیں ملتا..... بلکہ وہ چاہ سے ملتا ہے..... اور چاہ رکھنے والے دلوں کے طاق میں وہ اپنی یاد کے چراغ پر کبھی وہ ہوا نہیں بھیجتا جو اس کو بجھا دے۔"

اور میرے دل کے چہرے پر نور تھا اور میرے وجود کے چہرے پر شکر.....

☆ ☆ ☆

حویلی کی منڈیروں پر ننھے ننھے دیے جل رہے تھے۔ رات کے آخری پہر ان کی روشنی ساحرانہ سی تھی۔ سنہری، نارنجی اور ہاں اور سرخ..... سلطان نے اس کے کلائی میں بندھے کنگن کو حق کے ساتھ گھمایا تھا۔ ہلکی ہوا سے دیوں کی روشنیاں لرزی تھیں۔

"تم مجھ سے ناراض ہو.....؟" محتاط سا سوال تھا۔

"تم نے کب حق دیا مجھے ناراض ہونے کا.....؟" سوال پر سوال پلٹا دیا گیا تھا۔ چنبیلی کی مہک چاروں طرف گھومنے لگی تھی۔

"اب تو سارے حق تمہارے ہیں۔" وہ اس کے مہندی لگے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ رخسانہ کی آواز میں نمی گھلنے لگی تھی۔

"سلطان تم تک پہنچنے کا سفر آسان نہیں تھا مگر میرے لیے آسان کر دیا گیا..... میں نے تمہاری کمی اس وقت محسوس کی جب میں تنہا تھی..... میں نے تاریک پہر دیواروں پر پڑتے سائے دیکھ کر بتائے ہیں تم نے میرا ساتھ نہیں دیا۔" کالی آنکھوں سے نمکین آنسو ٹپکا تھا۔ سنہری روشنی میں وہ سنہرے پانی سے نہائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں..... مگر یہ سب بہت مشکل تھا میرے لیے مگر جذبوں کی صداقت منزل پر پہنچا ہی دیتی ہے۔" وہ مدھم سی ہنسی ہنسی تھی۔

جذبوں کی صداقت سے پہلے ہمارا شکر ہمیں اپنی منزل پر پہنچاتا ہے۔" وہ سچ کہہ رہی تھی بھیگتی رات کے اقرار سہل ثابت ہو رہے تھے۔

"کیا مطلب.....؟" وہ نہیں سمجھا تھا۔ رخسانہ نے اس کے ہاتھ تھامے تھے۔

"شکر کا قصہ زمانے ڈھیر کر دیتا ہے اور ایک انسان کھنچا چلا آیا..... میں اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں جو کہ انسان کا بہترین دوست ہے....."

بنفشے کے پھولوں پر بھنورے شکر کا کلمہ پڑھنے لگے تھے۔ عرش سے فرش تک "کلمہ شکر" پھیلتا چلا گیا..... مشرق سے مغرب تک..... شمال سے جنوب تک..... اور ساری کائنات میں صدائیں گونجی تھیں.....

"چاند کو چکور کا ساتھ نہ ملا تھا....."

ہاں..... مگر رخسانہ جمال کو سید سلطان مل گیا تھا۔

اور ہم واقف ہیں ان کی برات میں جگنوؤں نے شرکت کی تھی۔

☆ ☆

حمیرا نوشین

ہر انسان کی زندگی میں کوئی شخص، کوئی رشتہ ایسا ضرور ہوتا ہے، جو ایک لمحے، ایک پل کے لیے ہی سہی اس کے لبوں پر مسکان کی وجہ بن سکے۔ راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی مانند دکھوں بھری زندگی میں خوشیوں کا سامان کر سکے۔ جس کے ساتھ ہوتے ہوئے اپنی زندگی کی تلخیوں کو فراموش کر دے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی یادوں کو یاد کر کے کبھی ہنسنا اور کبھی اداس ہونا اچھا لگتا ہو اور اگر میں یہ سونگ اسے ڈیڈیکیٹ (انتساب) کروں تو شاید میرے احساسات کی صحیح ترجمانی ہو سکے کہ۔

مسکرانے کی وجہ تم ہو
گنگنانے کی وجہ تم ہو

ارے ارے آپ کہیں کچھ اور تو خیال نہیں کر رہے ہیں یہاں کوئی لو اسٹوری صفحہ قرطاس پر بکھیرنے والی نہیں ہوں، بلکہ میں تو اپنی زندگی میں موجود ایک ایسے رشتے کے متعلق بات کر رہی ہوں، جس سے میں چند سال قبل روشناس ہوئی جو میرے لیے باعث خوشی اور باعث سکون بن گیا۔

جی میں بات کر رہی ہوں اپنی عزیز از جان دوست فصیحہ کی۔

فصیحہ صرف نام کی فصیحہ نہ تھی، اس کی باتوں سے بھی فصاحت و بلاغت ٹپکتی تھی خوش شکل و خوش اطوار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عقل سلیم اور درد قلب بھی رکھتی تھی جب ہی تو اس نے پہلی ملاقات میں ہی میرے قلب سوز کو جانچ لیا تھا اور اپنی خوش نوائی سے میرے دل پہ چھائی کثافت کو بڑی نرمی و حلیمی سے ایسے دور کیا، کہ میرے چہرے پر بشاشت اور لبوں پہ مسکان کھیلنے لگی۔ اس سے ہر بار ملاقات میں میری طبیعت کی بے زاری و خفگی دور دیس کی مکین بن جاتی۔ جتنی دیر وہ میرے قریب رہتی اس کے ساتھ ساتھ میرے قہقہے بھی فضاؤں میں خوب گونجتے اور صالحہ خاتون میرے فلک شگاف قہقہوں سے گھبرا کر اندر کمرے میں جھانکتیں، کہ بچی پر کہیں پاگل پن کا دورہ تو نہیں پڑ گیا۔

"دیکھا تمہاری ہنسی ان سے برداشت نہیں ہوتی کیسے بہانے بہانے کمرے میں چکر لگاتی ہیں۔ سوتیلی ماں کہاں چاہے گی کہ تمہارے لبوں پہ مسکراہٹ آئے۔" اس نے آنکھیں گھما کر دروازے کی طرف اشارہ کیا تو میرے ماتھے پر فوراً" شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"ان کا تو کام ہی یہی ہے تمہارا دو گھڑی میرے پاس بیٹھنا بھی ان کو کھٹکتا ہے۔"

"آپا آٹھ بج گئے ہیں بچے ڈیڑھ گھنٹے سے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں ہوم ورک تو میں نے کروا دیا ہے، سبق پڑھانا رہتا ہے اگر آپ مصروف ہیں تو ان کو چھٹی دے دوں۔" مجھ سے چھوٹی ثانیہ کمرے میں آ کر بولی تو مجھے طیش آگیا۔

"ہاں دے دو چھٹی ایک دن سبق نہیں بھی پڑھیں گے تو کیا وکیل بننے سے رہ جائیں گے، تمہارا ہوم ورک کروانے کا احسان عظیم برسوں یاد رہے گا۔" میں نخوت سے بولی تو وہ میرا جارحانہ رویہ دیکھ کر الٹے قدموں چلی گئی۔

"بھئی اس گھر میں تو میرا آنا کسی کو برداشت نہیں ہوتا پہلے ماں کمرے کا طواف کرتی رہی اور اب تمہاری بہن نے آ کر فوراً" جتا دیا، کہ مجھے آئے ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا میں کون سا فارغ ہوں اسائنمنٹ تیار کرنی ہے۔ میں تو تمہارا احساس کر کے محبت میں چلی آتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اپنے قریب بٹھالیا۔

"خبردار جو تم نے ابھی سے جانے کا نام لیا رات کا کھانا کھائے بغیر میں تمہیں بالکل بھی نہیں جانے دوں گی۔"

"سوچ لو کہیں رات کو "تمہارے ابا تمہاری کلاس نہ لے لیں۔"

"جو ہو گا دیکھی جائے گی، چلو آؤ کچن میں چلتے ہیں آج بریانی بنانی ہے ابا کو میرے ہاتھ کی بریانی بہت پسند ہے، بریانی کا ذائقہ اماں کی شکایتوں کو منہ نہیں لگانے دے گا۔"

"واقعی یہ تو سچ ہے کہ تمہاری کوکنگ بڑی زبردست ہے کھانے والا مدتوں ذائقہ نہ بھولے اگر تم اصرار کر رہی ہو تو رک جاتی ہوں ویسے اسائنمنٹ تیار کرنا تھا مگر... چلو خیر تمہاری خاطر نیند کی قربانی دے دوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے میرے ساتھ کچن میں چل دی۔

☆ ☆ ☆

فصیحہ کو ہمارے محلے میں آئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا اور اس عرصے میں اس نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ میں جو بچپن سے ایک غمگسار دوست کے لیے ترس رہی تھی' فصیحہ نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اس کے ابا کا چائے کا ہوٹل تھا وہ چار بہنیں تھیں۔ فصیحہ سب سے بڑی تھی وہ فرسٹ ایئر میں تھی۔ گو اس کے ابا کی آمدنی قلیل تھی مگر وہ اپنی بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتے تھے' سو وہ پوری تندہی سے کام کرتے ہوئے اپنی بچیوں کے تعلیمی اخراجات پورے کرنے میں مصروف تھے۔

میں اپنے بچپن کی پانچ بہاریں اور تانیہ تین سال ماں کے لمس سے آشنا رہی۔ چھوٹے ببلو کی آمد پر امی نے چپکے سے آنکھیں موند لیں۔ ببلو نہ ماں کی صورت سے آشنا ہوا اور نہ ہی لمس سے۔ وہ کبھی خالہ اور کبھی پھپھو کے ہاتھوں پروان چڑھنے لگا جب دونوں ہی ایک شیر خوار کے وجود سے اکتانے لگیں' تو ابا کو دوسری شادی کا مشورہ دے ڈالا۔ سنا ہے ابا نے سنتے ہی انکار کر دیا تھا' کہ میری زندگی اب میرے بچوں کے لیے وقف ہے میں دوسری عورت لانے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤں گا' میں نہیں چاہتا میرے بچے سوتیلی ماں کی ناانصافیاں برداشت کرتے پروان چڑھیں' مگر جب ہم سب بہن بھائی اپنے سگوں کی ہی ناانصافی کا شکار ہونے لگے تو ابا کو دوسری عورت کے بارے میں سوچنا ہی پڑا۔ صالحہ خاتون کو ان کے شوہر نے چھ سال اپنی زوجیت میں رکھ کر یہ کہہ کر اپنے گھر اور زندگی سے بے دخل کیا کہ۔

"تمہارے وجود کے سناٹے میں اب مزید برداشت نہیں کر سکتا۔" سو وہ اپنے بھائی کے گھر طلاق یافتہ بانجھ عورت کا لیبل لگائے بھابی کے ہر ستم کو برداشت کرنے پر مجبور تھیں۔ ابا نے سادگی سے ان سے نکاح کر کے ہمارے اوپر مسلط کر دیا۔ میں سات برس کی تھی' سکول جاتی تھی لفظ سوتیلی ماں کو اپنی عمر کے مطابق جانچ گئی تھی کہ سوتیلی ماں صرف ابا کی بیوی ہوتی ہے۔ وہ ابا کے بچوں پر بہت ظلم کرتی ہے۔ اس خیال نے مجھے کبھی ان سے قریب نہ ہونے دیا۔

صالحہ خاتون ضرورت سے زیادہ چالاک ثابت ہوئی تھیں۔ وہ سوتیلی ماں کی طرح ہم پر ظلم و ستم تو نہیں کرتی تھیں' مگر ابا کو انہوں نے کچھ ہی عرصہ میں اپنا ہم نوا بنا لیا۔ وہ بلاچوں و چرا ان کی بات مان لیتے' ان کی بات پر وہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتے اور میں جو رات کو اپنی شکایتوں کی پٹاری کھول کر آنکھوں میں آنسو لیے ابا کے سامنے بیٹھتی' تو وہ میری بات سن کر ایسے مسکراتے کہ۔

"بیٹا تم جو بھی کہو مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں ہے۔" میں دل میں صالحہ خاتون کے لیے پہلے سے بھی زیادہ غبار اور آنکھوں میں نمی لیے ان کے پاس سے اٹھ جاتی پھر آہستہ آہستہ میں نے ابا کے حالات دیکھتے ہوئے شکایتیں لگانے کا سلسلہ بھی ترک کر دیا۔

"کیا فائدہ جب باپ سنتا ہی نہیں ہے۔" چھوٹی تانیہ کو ماں سے جتنا دور رکھتی' وہ ان کے اتنا ہی چپکتی۔ امی کا لفظ ایسے شیریں لہجے میں ادا کرتی کہ جیسے یہ ہی اس کی سگی ماں ہو اور وہ بھی خوب چاپلوسیاں کرتی ہوئیں اسے ہر دم اپنے ساتھ لگائے رکھتیں اور ببلو تو ہر وقت ان کا پلو ہی پکڑے رہتا۔ ان کی کمال اداکاری پر میں حیران تھی' ہمسائے رشتہ دار سب ہی ان کے گن گاتے کہ سوتیلی ماں تو صالحہ خاتون جیسی ہو' سگی ماں بھی اپنے بچوں سے کسی وقت تنگ آ جائے' مگر آفرین ہے اس عورت پر کہ سگی ماں سے بڑھ کر چاہا ہے اس نے سوتیلی اولاد کو۔ لوگوں کے منہ سے یہ فقرے سن کر

میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔

"ہونہہ! سگی اولاد کی طرح چاہے گی یہ عورت۔ ابا تک کو تو اس نے چھین لیا ہے، ہم سے" میں نفرت سے بڑبڑا کر رہ جاتی۔

☆ ☆ ☆

"آپا! امی کے ساتھ تمہارا رویہ بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔" چھوٹی مجھے میرے رویے کی بد صورتی کا احساس دلا رہی تھی، اس کی بات سن کر میرے ماتھے پہ تیوریاں چڑھ گئیں۔

"کیوں؟ کیا کیا ہے میں نے ان کے ساتھ۔"

"کتنا خیال رکھتی ہیں وہ ہمارا، کبھی ہمیں اپنی زبان یا رویے سے پریشان نہیں کیا، ہر دم ہماری فکر میں رہتی ہیں۔ کھانے پینے، پہننے اوڑھنے ہر چیز میں ہماری مرضی کو ترجیح دیتی ہیں، ابا سے کہہ کر ہماری سو ضرورتیں پوری کرواتی ہیں۔"

"اسی بات کا تو غم ہے کہ انہوں نے ہمارے ابا پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ ہمارے ابا ہماری بات نہیں مانیں گے۔ ہاں، اگر ان کی بیگم ان سے بات منوانا چاہیں تو فوراً "ہاں" کہہ دیں گے۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ابا صرف ہمارے ہیں، وہ بہت سمجھ دار ہیں، انہوں نے ہر طریقے سے امی کو پرکھا ہے۔" وہ جان گئے ہیں کہ یہ میرے بچوں کے حق میں بہتر ہی سوچتی ہے اس لیے وہ ان کی بات بلا تردد مان لیتے ہیں۔" ثانیہ ماں کی بھرپور وکالت کر رہی تھی اور مجھے اس کی بات سن کر تاؤ آ رہا تھا۔

"تم کچھ بھی کہو سوتیلی ماں ہمیشہ سوتیلی ہی رہتی ہے، کبھی سگی ماں بن کر نہیں سوچ سکتی۔ جنم دینے والی ہی ماں اپنی ماں ہوتی ہے، وہی اولاد کے دکھ سکھ کو سمجھتی ہے یہ تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔" میں منہ بنا کر وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپا پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں ضروری نہیں کہ ہر سوتیلی ماں ہی بری ہو، ہماری ماں میں سوتیلا پن ہرگز نہیں ہے۔ وہ ایک کشادہ اور ہمدرد دل کی مالک ہیں

اور یہ تمہیں بہت جلد پتا چل جائے گا۔" وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی اپنی بات پر اڑی رہی۔

"مکار عورت، ہم بھائی بہنوں کے بیچ نفرتوں کے بیج بو رہی ہے۔ چھوٹے میرے ہر خیال کی نفی کر دیتے تھے اور مجھے رہ رہ کر اس عورت پر غصہ آتا تھا۔ میں اپنی خوب من مانی کرتی، جس کام سے صالحہ خاتون کو چڑ ہوتی وہی کرتی۔ انہیں کچھ سبزیاں ناپسند تھیں اور میں جان بوجھ کر وہی سبزیاں بنواتی، حالانکہ میرے حلق سے وہ بمشکل اترتیں۔ ان کا خیال تھا کہ بچیوں کو اچھی تعلیم دلوانی چاہیے، تاکہ اچھے گھرانوں میں رشتے طے ہو سکیں۔ میں نے ان کی ضد میں ایف اے کر کے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا اور گھر میں ہر دم ان کی نگرانی پر مامور ہو گئی۔ سلائی کڑھائی سیکھنے کو کہا تو میں نے وقت گزاری کے لیے محلے کے چند بچوں کو اپنے پاس بلا معاوضہ ٹیوشن رکھ لیا۔ ابا سے وہ میری خوب شکایتیں لگاتیں اور ان شکایتوں کے نتیجے میں ابا اب میری کلاس لینے لگے تھے۔ وقتاً" فوقتاً" مجھے صالحہ خاتون کی اچھائیوں کے لیکچر دینا اور میری لاپروائیوں اور رویے کی نشاندہی کرنا ضروری خیال کرتے، مگر میں بھی پروا کیے بغیر اپنی من مانیوں میں مصروف تھی۔

ان سب باتوں نے مجھے چڑچڑا کر دیا تھا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس سے میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتی، اپنا دکھ دوسرے کو سنا کر ہلکا کرتی۔ یہ غبار اندر ہی اندر بڑھتا جا رہا تھا۔ ایسے میں **فصیحہ** کی آمد میرے لیے ایک خوش گوار جھونکے کی مانند ثابت ہوئی۔ وہ میری ہر بات توجہ سے سنتی اور میرے دل کی حالت کو خوب سمجھتی تھی۔ فقط **فصیحہ** ہی ایسی ہستی تھی جو جانتی تھی کہ سوتیلی ماں کے ساتھ رہنا کتنا اذیت ناک ہے۔ میری طرح وہ بھی ان کی مکاری و عیاری کو خوب جان گئی تھی۔ میں اس سے اپنے دل کی باتیں کر کے پرسکون ہو جاتی اور وہ ہر بار آتے ہی میرا ہاتھ پکڑ کر کہتی۔

"تم اپنے سارے غم مجھ کو دے دو، ساری خوشیاں مجھ سے لے لو۔" اور میں اس کی اس محبت پر نثار ہی تو ہو جاتی۔

☆ ☆ ☆

فصیحہ کو ہمارے گھر آئے کئی روز ہو گئے تھے اور میرے رات دن بڑے بے چین رہے تھے۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے کیوں نہیں آ رہی، کہیں اماں یا ثانیہ کے رویے سے گھبرا کر آنا ہی نہ چھوڑ دیا ہو۔ یہ سوچ کر ہی میرا وجود بے جان ہونے لگا۔

"ہائے میں اس کے بغیر کیا کروں گی کس سے اپنی افسردہ دلی و حالات بیان کروں گی۔" مجھے فکرات نے آ گھیرا۔

"چلو آج اس کے گھر چلی جاتی ہوں کیا پتا طبیعت ناساز ہو۔" میں نے قیاس آرائی کی اور الماری کی طرف بڑھ گئی اس میں سے کپڑوں کا شاپر نکالا اور سوٹ نکال کر دیکھنے لگی کہ کون سا سوٹ اس کے گھر پہن کر جانے کے لیے مناسب رہے گا۔ تینوں سوٹ ہی بڑے اسٹائلش تھے درزن نے بڑی تراش خراش سے سیے تھے۔ ابا کی کپڑے کی دکان تھی خوب چلتی تھی۔ گھر میں کسی قسم کی تنگی نہ تھی۔ جب دل چاہتا ابا کی دکان سے دو چار سوٹ لے آتی اور درزن سے سلوا کر گھر میں پہن کر پھرا کرتی۔ آنا جانا تو کہیں ہوتا نہیں تھا ابا اس معاملے میں بڑے سخت تھے، کسی بھی رشتہ دار کے ہاں بلاوجہ جانا برا خیال کرتے۔ جب بھی کہیں جانا ہوتا اپنے ساتھ لے کر ہی نکلتے اور صالحہ خاتون کا دم چھلا بھی ساتھ میں ہوتا، اس وجہ سے میں نے کہیں آنا جانا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا، بس میں تھی اور میری تلخ زندگی، سوچوں میں گھری میں نے پنک کلر کا سوٹ منتخب کر کے اپنے ہاتھوں میں تھاما اور واش روم کی طرف قدم بڑھائے۔

"ہاؤ۔" کسی کی اچانک چیخ نے میرے دل کی دھڑکن تیز کر دی میں نے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو فصیحہ شوخ مسکراہٹ کے ساتھ میرے سامنے جلوہ گر تھی۔

"بہت بری ہو تم کتنے دن بعد چکر لگایا ہے یہ بھی نہ سوچا کہ تم بن میرے یہ دن کیسے کٹیں گے۔" میں مصنوعی خفگی سے بولی تو اس نے اک ادا سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"بری تو تم ہو جسے اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ دوست کی خبر ہی لے لوں، زندہ بھی ہے یا داغ مفارقت دے گئی۔"

"اللہ نہ کرے کیسی باتیں کر رہی ہو۔" میں نے جھٹ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا ہوا تمہیں؟ بیمار پڑ گئی تھیں کیا۔" میں اپنی خفگی بھول کر اس کا حال دریافت کرنے لگی۔

"اور نہیں تو کیا ایسا زبردست بخار ہوا کہ کمبخت کسی ڈھیٹ عاشق کی طرح مجھ پر فریفتہ ہو گیا، جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، بڑی مشکل سے گولیاں (ٹیبلیٹس) پھانک کر بھگایا ہے۔ مت پوچھو کہ تمہیں ان دنوں کتنا یاد کیا۔"

"اچھا سچ کہہ رہی ہو۔" میں بے یقینی سے بولی تو اس نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کتنی دفعہ تمہیں کہا ہے کہ موبائل لے لو مگر نہ جی پتا نہیں کون سے دور میں رہ رہی ہو تم۔" وہ کہہ کر شاپر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تمہیں پتا تو ہے ابا کو کتنی سخت چڑ ہے ان موبائلز سے۔ کنواری بچیوں کے پاس وہ موبائل کو پھٹکنے بھی نہیں دیتے۔"

"خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے یہ تو آج کل کے دور کی ضرورت ہے۔ مجھ سے شرط لگا لو تمہاری سوتیلی اماں حضور نے منع کیا ہو گا جبھی تو تمہارے ابا موبائل کے اتنے سخت خلاف ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ خیر مجھے کیا مجھے کون سی فرینڈز یا کسی رشتہ دار سے راز و نیاز کرنے ہوتے ہیں جو مجھے موبائل کی ضرورت پڑے۔" میں نے کندھے اچکائے وہ سوٹ دیکھنے میں مگن تھی۔

"کتنے اسٹائلش سوٹ ہیں وردہ تمہارے۔ سچ ڈریسنگ تو تمہاری غضب کی ہے۔ گھر میں اتنے پیارے پیارے سوٹ پہنتی ہو۔ مجھے دیکھو کالج جاتی ہوں، آئے روز کالج میں پارٹیز فنکشنز ہوتے ہیں مگر

ایک بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے میرے پاس۔ کیا کروں ابا کی محدود آمدنی میں گھر کا گزارہ ہو جائے تو یہی بہت ہے۔ میں ان پر اپنے کپڑوں کا اضافی خرچ ڈال کر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔" اس کی آنکھوں کے جگنو ماند پڑنے لگے۔

"پرسوں میری فرینڈ کی برتھ ڈے ہے' اگر تم برا نہ مانو تو یہ سوٹ میں لے جاؤں پہن کر واپس کر دوں گی۔" اس نے شاکنگ پنک اور بلیو کلر کے امتزاج کا سوٹ اپنے ساتھ لگایا تو میں نے فوراً" اثبات میں گردن ہلا دی۔

"تھینکس۔" وہ میرے گلے لگ گئی اور میرے لیے یہی بہت تھا۔

"اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔" میں نکلنے لگی تو اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں ورنہ اس وقت تو میں جلدی میں ہوں پھر آؤں گی پھر دونوں مل کر چائے بھی پئیں گے اور خوب باتیں بھی کریں گے۔ کالج کے بڑے مزے مزے کے قصے ہیں تمہیں سنانے کے لیے۔"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے کچھ دیر تو بیٹھو۔" مجھے اس کا یوں ایک دم چلے جانا بہت برا لگا۔

"نہیں نا امی کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ان کے ساتھ تھوڑی ہیلپ (مدد) کروا دوں گی میں' پھر چکر لگاؤں گی اور ہاں جلدی سے موبائل بھی لے ہی لو۔ اگر آنے کا ٹائم نہ ملے تو فون پر ہی گپ شپ لگا لیا کریں گے۔" وہ شاپر لے کر کسی چھلاوے کی طرح کمرے سے نکل گئی اور میں اپنی جگہ کھڑی اس کے اس انداز پر مسکرا دی۔

"پھر تم نے اپنا سوٹ دے دیا اس لالچی لڑکی کو....." ثانیہ کمرے میں آکر مجھے گھورنے لگی۔

"تم اپنے کام سے کام رکھا کرو میرا سوٹ تھا اور میری دوست تھی میں نے دے دیا تمہیں کس بات کی جلن ہو رہی ہے۔"

"دوست نہیں ایک نمبر کی مفاد پرست اور لالچی لڑکی ہے یہ فصیحہ میڈم' الو بنا رکھا ہے اس نے تمہیں۔ کبھی شوز دے دو' کبھی سوٹ چاہیے' آج سالن نہیں بنا' تمہارے ہاتھ کے کوفتے بڑے نرم ہوتے ہیں۔ لالچی بلی تعریفیں کر کے تم سے اپنا الو سیدھا کرتی ہے۔"

"بس اب میں **فصیحہ** کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنوں گی۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تمہارے منہ میں کس کی زبان بول رہی ہے' خوب چارج کر کے بھیجا ہے تمہیں اس میسنی عورت نے۔ خود تو کچھ بولتی نہیں کبھی تمہیں اور کبھی ابا کو میرے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے خدا سمجھے اس سازشی عورت کو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا اور اسے خوب سنائیں میری بات سن کر وہ حق دق رہ گئی۔

"بڑے افسوس کی بات ہے آپا۔ اپنوں کی خالص محبتوں اور نیتوں پر شک کرتی ہو اور مطلب پرست لوگوں کی مطلب پرستی تمہیں نظر نہیں آتی۔ کھوٹے اور کھرے کی پہچان کرنا سیکھو۔" وہ مجھے باتیں سنا کر کمرے سے نکل گئی۔

"ہونہہ! بڑی آئی مجھے کھوٹے کھرے کی پہچان کرانے والی میری چیزیں ہیں میں کسی کو دوں یا پھینکوں کسی کو اعتراض کی کیا پڑی" میں بڑبڑاتے ہوئے بقیہ دونوں سوٹ الماری میں ترتیب سے رکھنے لگی۔ یہ سچ تھا کہ **فصیحہ** کو جب بھی کسی سوٹ کی ضرورت پڑتی مجھ سے مانگ کر لے جاتی۔ جوتے' پرس جو بھی نئی اور خوب صورت چیز میرے پاس دیکھتی' وہ اسے پہننا اپنا حق سمجھتی تھی اور میں خوشی خوشی اس کے ہاتھوں میں وہ چیزیں تھما دیتی۔ کتنے ہی سوٹ اور دیگر چیزیں تو اس نے مجھے واپس ہی نہ کیں اور میں نے اس سے کبھی ان کے متعلق پوچھا ہی نہیں۔ بے چاری کے حالات ہی ایسے ہیں جو مجھ سے چیزیں مانگ کر لے جاتی ہے' ورنہ کس کا دل کرتا ہے کسی سے کچھ لینے کو اور پھر ہر کسی سے تھوڑی کوئی چیز مانگی جاتی ہے۔ وہ تو مجھے اپنی دوست سمجھتی ہے' جو مجھ سے بلا جھجک لے جاتی ہے۔

کھانے پینے کی اشیاء لینے میں بھی وہ کبھی نہ شرمائی۔

فرمائش کر کے مجھ سے چیزیں بنواتی اور اکثر چھوٹی بہن کو سالن لینے بھیج دیتی' جانتی تھی کہ ہمارے ہاں اچھا ہی پکا ہو گا اور میں بھی ڈونگا بھر کر اس کی بہن کو پکڑا دیتی یہ بھی نہ سوچتی کہ باقی گھر والے دیگچی کے پیندے میں بچے سالن سے کیسے گزارہ کریں گے۔ صالحہ خاتون چپ چاپ دیکھتی رہتیں اور کر بھی کیا سکتی تھیں میرے منہ لگتیں تو منہ توڑ جواب ملتا تھا' سو ان کے لیے میرے معاملے میں خاموشی ہی بھلی تھی۔

☆ ☆ ☆

کافی دنوں سے گھر کی فضا مجھے کچھ پراسرار سی لگ رہی تھی ابا اور صالحہ خاتون اکثر سر جوڑے باہم گفتگو کرتے نظر آتے۔ ابا کم گو تھے مگر اماں سے خوب راز و نیاز ہوتے۔

آہ..... لوگ صحیح کہتے ہیں کسی کی ماں نہ مرے۔ ایک بیوہ عورت چاہے اس کا ایک بچہ ہو یا دس' اپنے بچوں کی خاطر اپنی جوانی کی قربانی دے کر بچوں کو محنت و مشقت کر کے پال لیتی ہے' مگر انہیں کبھی احساس محرومی کا شکار نہیں ہونے دیتی۔ جبکہ اس کے برعکس مرد چاہے ادھیڑ عمر میں ہی کیوں نہ ہو' بیوی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد فوراً" بچوں پر سوتیلی ماں لا بٹھائے گا اور بچے جو پہلے ہی ماں کی جدائی کے غم میں مبتلا ہوتے ہیں' سوتیلی ماں کے عتاب کا شکار ہو کر ان کی زندگی دکھوں کی بھٹی کی نذر ہو جاتی ہے۔ باپ کی جو تھوڑی بہت توجہ حاصل ہوتی ہے دوسری عورت کی موجودگی میں وہ بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ یہ مرد کیا صرف بیوی کی وجہ سے بچوں سے محبت کرتا ہے؟ پہلی بیوی کے دفن ہوتے ہی کیا اپنے بچوں کی محبت بھی دفن ہو جاتی ہے؟ بجائے یہ کہ ان کی محرومی کا احساس کر کے ان کو پہلے سے بڑھ کر محبت و شفقت دے وہ اپنی بے توجہی سے بچوں کے دلوں کو مزید زخم زخم کر دیتا ہے۔

"واہ! میرے مولا بن ماں کے بچوں کا امتحان تو بچپن سے ہی لینا شروع کر دیتا ہے؟" امی کی یاد میرے چار سو پھیل گئی ان کی صورت نگاہوں کے سامنے آ گئی امی کی یاد نے میری آنکھیں نم کر دیں۔

"امی..... امی کہاں ہیں آپ.... دیکھیں آپ کیا گئیں ابا بھی ہم سے دور ہو گئے کوئی خالہ' ماموں رشتہ دار ہم سے وہ محبت نہیں کرتا' جس کے ہم حق دار تھے سارے رشتے آپ کے ہی دم سے تھے آپ نہیں ہیں تو ہمارے لیے زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے۔" آنسو میرے گالوں پر تواتر سے بہنے لگے اسی دم ثانیہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی میں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے وہ میری نم آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

"کیا ہوا آپا تم رو رہی ہو طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" اس نے میری پیشانی کو چھوا تو میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے تم اپنا کام کرو۔"

"آپا تمہارے لیے گڈ نیوز ہے۔" اس نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ میرا ہاتھ تھام لیا۔

"میرے لیے اس گھر میں کوئی اچھی خبر نہیں ہو سکتی جلنا کڑھنا ہی مقدر ہے میرا اس گھر میں۔"

"بس اب مقدر بدلنے والا ہے وہ ہستی آن پہنچی ہے جو میری پیاری آپا کی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کر دے گی" وفور مسرت سے وہ میرے گلے لگ گئی۔

"ہو کیا گیا ہے تمہیں۔ کیوں اتنی چاہت لٹا رہی ہو مجھ بد نصیب پر" میں جھنجلا کر اس سے دور ہو گئی۔

"تمہاری یہ خود ساختہ بد نصیبی اب ان شاء اللہ خوش نصیبی میں بدلنے والی ہے اپنی قسمت پر رشک کرو گی۔" اس کی باتیں سن کر میرا ماتھا ٹھنک گیا۔

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔"

"بڑی پھپھو کے صاحبزادے ارجمند بھائی تو تمہیں یاد ہے نا۔"

"ہاں پھر....؟"

"پھر یہ کہ پھپھو نے ان کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے موصوف آج کل اپنی وکالت کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں ابا صد فیصد راضی ہیں' کل پھپھو ہماری

طرف آرہی ہیں۔" تانیہ مجھے خوشی سے جھلملاتے چہرے کے ساتھ تفصیل بتا رہی تھی اور میں حیران و پریشان تھی۔

"ابا نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ کیا میں اتنی گئی گزری ہوں کہ جس کے ساتھ چاہیں نتھی کر دیں۔ میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے' میری زندگی ہے اور مجھے اپنی زندگی کے فیصلے کا اختیار دینا چاہیے۔"

"ہماری زندگی والدین کے بہترین فیصلوں سے جڑی ہے ابا ہمارے ہمدرد ہیں' خیر خواہ ہیں انہوں نے تمہارے لیے اچھا ہی سوچا ہے اب کوئی فضول بات کر کے حماقت نہ کرنا۔ تمہاری تسلی کے لیے ہی ابا نے پھپھو کے ساتھ ارجمند بھائی کو بھی بلایا ہے تاکہ تم دیکھ کر مطمئن ہو جاؤ اور مجھے یقین ہے کہ تم نہ صرف مطمئن ہو گی بلکہ خوش ہو جاؤ گی۔" یہ کہہ کر تانیہ میرے پاس سے اٹھ گئی اور میری آنکھوں میں بچپن میں دیکھے ارجمند کی شبیہہ اتر آئی۔

گندمی رنگت والا ارجمند بچپن میں بڑا ڈیسنٹ بننے کی کوشش کرتا بڑی پھپھو جب بھی ہماری طرف آتیں۔ وہ مودب بنا رہتا' ہم بچوں کے ساتھ کھیل کود اور شرارتوں میں بالکل بھی حصہ نہ لیتا۔ اس کی عادت و فطرت دیکھتے ہوئے ہم بھی اس سے زیادہ فری نہ ہوتے۔ وہ کم گو تھا اور ہم سب ٹھہرے بلا کے باتونی اور شرارتی' سو وہ ہم سے ہمیشہ دور ہی رہا۔ بہت عرصہ سے پھپھو ہماری طرف کم ہی آتیں سال دو سال میں ایک آدھ چکر لگا لیتیں' ابا نے ہمیں کبھی اسلام آباد جانے نہ دیا حالانکہ پھپھو کتنی لجاجت اور اصرار سے ہمیں بلایا کرتی تھیں اور ابا۔

"ہاں فرصت ملے گی تو ضرور ان کو لے کر آؤں گا۔" کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے۔ مگر نہ انہیں کبھی فرصت ملی اور نہ ہم کبھی پھپھو کے گھر گئے۔ ابا صالحہ خاتون سے شادی کے بعد اپنوں سے کھنچ کر رہ گئے تھے۔ ان کے اس رویے کی وجہ سے لوگوں نے بھی ملنا ملانا کافی کم کر دیا تھا' بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ انہوں نے ہمیں ابا اور صالحہ خاتون کے رحم و کرم پر تنہا چھوڑ دیا تھا۔ میں اندر کمرے میں سوچوں میں گھری تھی اور باہر میرے نصیب کے فیصلے ہو رہے تھے۔

☆ ☆ ☆
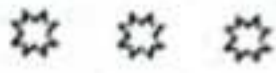
تانیہ نے خوب دلجمعی سے گھر کی صفائیاں کی تھیں' پورا گھر لشکارے مار رہا تھا بلو بھی پیشانی پہ بل ڈالے بغیر اس کی مدد کرواتا رہا۔ صالحہ خاتون ابا کے ساتھ بازار گئی تھیں اور میں کچن میں مصروف تھی۔ پھپھو کے آنے کی مجھے بھی خوشی تھی۔ وہ تھیں ہی اتنی اچھی پرخلوص محبتوں سے گندھی' ان میں ممتا کی جھلک صاف دکھائی دیتی تھی۔ میری کوکنگ کافی اچھی تھی میں نے کئی ڈشز بنائیں۔ دوپہر کو پھپھو' انکل اپنی بیٹی رفیعہ اور ارجمند کے ساتھ گھر میں کھلکھلاتے چہرے کے ساتھ داخل ہوئی تھیں' ابا اور صالحہ خاتون نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔

میں پھپھو سے مل کر اپنے کمرے میں آ گئی وہ سب لاؤنج میں تھے میں اپنے کمرے کی ونڈو سے ان سب کو دیکھنے لگی' سامنے ہی صوفہ پر ارجمند صاحب تشریف فرما تھے' جن سے میری نسبت طے ہونے والی تھی۔ وہ آج بھی ویسا ہی تھا' بڑے فارمل انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر میرے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں۔

"ہونہہ متکبر انسان ...... پتا نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے پتا نہیں اس سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے شخص کے ساتھ میری زندگی کتنی کٹھن گزرے گی۔ میں اسے دیکھ کر کڑھتی رہی۔

شام کو چھوٹی پھپھو اور تایا ابو بھی آ گئے۔ ان کی موجودگی میں بڑی پھپھو نے میرا ماتھا چومتے ہوئے میری انگلی میں انگوٹھی پہنا دی' سب اس رشتے پر خوش تھے۔ میں نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اس اکڑے ہوئے شخص کو دیکھا جو لب بھینچے بیٹھا تھا۔ تایا ابو نے ہماری طرف سے اس کو بھی رنگ پہنائی تھی۔

اسی لمحے اس نے بھی نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا تھا دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا اور میں اس کی

جذبوں سے عاری آنکھیں دیکھ کر دل مسوس کر رہ گئی۔ کسی نئے رشتے سے آشنائی کی جھلک اس کی آنکھوں میں دکھائی نہ دیتی تھی۔ میں نے بھی بے اعتنائی سے اپنی نظروں کا رخ موڑا اور وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن پھپھو روانہ ہو گئی تھیں، میں ان کے جانے تک اس خوش گمانی و انتظار میں رہی کہ شاید وہ کلف زدہ شخص اپنے لہجے کی نرمی و گفتاری سے میرے دل میں اٹھتے اندیشوں کا گلا گھونٹ سکے، مگر میرے خیال، خیال ہی رہے۔ جس طرح چپکے سے وہ آیا تھا اسی خاموشی سے وہ چلا بھی گیا۔ میرے بے چین دل کی اضطرابی کیفیت مزید بڑھ گئی تھی۔ شام کو میں اوپر چھت پر چلی آئی دل کی بے کلی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ماں باپ کے گھر میں اپنے پیارے رشتوں کی محبت سے محروم رہی اور اب لگتا ہے کہ آنے والی زندگی میں، زندگی کے رفیق کی محبتوں کے بنا ہی جینا پڑے گا۔ نئی زندگی بھی مجھے لگتا ہے، میرے لیے ایک کڑا امتحان ہی ثابت ہو گی۔

''آہ.... میری آزمائشوں کا یہ سلسلہ نجانے کبھی ختم ہو گا یا یونہی سسک سسک کر زندگی کا سفر اپنے اختتام کو پہنچے گا۔'' کوئی مایوسی سی مایوسی تھی اداسی میرے چاروں اور ہالہ کیے ہوئے تھی۔ کوئی روزن کوئی کھڑکی مجھے اپنے لیے روشن دکھائی نہ دیتی تھی، جہاں سے میری گھٹن زدہ حیات میں کسی بہار کے جھونکے کا گزر ہو سکے۔ میں تھکے قدموں سے واپس نیچے لوٹ آئی۔

دن کے اجالے بھی میرے اندر کی تاریکی کو کم نہ کر سکے کئی دن اسی کیفیت میں گزر گئے میں نے فون کر کے فصیحہ کو بلا لیا ایک وہی مجھے اپنی مایوس زندگی میں روشنی کی کرن کی مانند دکھائی دیتی تھی۔ وہ میری ایک پکار پر فوراً'' ہی چلی آئی اور میں نے اپنا دل کھول کے اس کے سامنے رکھ دیا۔ میری آزردگی و افسردگی دیکھ کے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''ان چند دنوں میں تم نے اپنی کیا حالت بنالی۔ مجھ سے فون کر کے مشورہ تو کر لیا ہوتا....'' وہ ساری بات جان کر گویا ہوئی۔

''کیسے مشورہ کرتی یہاں پر تو سب کچھ طے ہو گیا تھا میری کون سنتا پھر میں سوچ کر خاموش رہی کہ اچھا ہے اس گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے تو نجات ملے گی۔ پھپھو کی صورت میں مجھے ماں کا پیار ملے گا، مگر ایسا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔'' میں نے اپنے ہونٹ کاٹے۔

''ارے واہ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا صرف بات ہی تو طے ہوئی ہے، یہ تمہاری سوتیلی ماں صالحہ خاتون، حد درجہ چالاک اور میسنی عورت ہے بڑی چالاکی و ہشیاری سے وہ تمہیں اس گھر سے دور کر رہی ہیں۔ سوتیلی اولاد کی خدمتیں کون کرتا ہے وہ تو صرف اپنی ماں ہی ہوتی ہے۔ آج کل تو مائیں چاہتی ہیں کہ بیٹیوں کو کہیں اپنے قریب بیاہیں تاکہ ان کے حالات سے باخبر رہیں مگر یہ کون سا تمہاری ماں ہے جو تمہیں اپنے قریب رکھنا چاہیں گی، وہ تو تمہیں تمہارے ابا سے دور کرنا چاہتی ہیں تاکہ باپ جلد ہی تمہیں اپنی زندگی سے فراموش کر دے۔'' وہ کسی جہاندیدہ و عمر رسیدہ عورت کی طرح حالات و واقعات کا اندازہ لگا رہی تھی اور میرا ذہن اس کی باتوں کو صد فیصد سچائی پر مبنی خیال کر کے قبول کر رہا تھا۔

''بالکل صحیح کہہ رہی ہو مگر اب ہو کیا سکتا ہے۔''

''بہت کچھ ہو سکتا ہے تم اس رشتے سے صاف انکار کر دو۔''

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔'' میں بے بسی سے بولی۔

''تم ایسا کرو اپنے اس اکڑو کزن کو فون پر انکار کر دو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارے اس انکار پر بے حد خوش ہو گا۔ منگنی پر اس کی جو کیفیت تم مجھے بتا رہی ہو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اس رشتے سے بالکل بھی راضی نہیں ہے اور راضی بھی کیسے ہو گا وہ وکیل اور تم ایف اے پاس اسے تو کوئی اپنے جیسی پڑھی لکھی لڑکی ہی چاہیے ہو گی نا۔ تمہاری پھپھو نے زبردستی اسے اس

رشتے کے لیے راضی کیا ہو گا لکھوا لو مجھ سے۔"

وہ اپنی باتوں سے مجھے حیران کیے دے رہی تھی اور میں بے وقوف اپنی عقل پر ماتم کرتی رہ گئی کہ مجھے ان سب باتوں کا اندازہ کیوں نہیں ہوا۔

ارحمند کی موبائل میں تصویر دیکھ کر تو اس نے پکی مہر ثبت کر دی کہ یہ رشتہ زبردستی ہوا ہے اور زبردستی کے رشتے زیادہ عرصے تک چل نہیں پاتے ' جلد ہی دراڑیں پڑنے لگتی ہیں اور کھوکھلے ہو کر زمین بوس ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اس نے کچھ ایسا مستقبل کا نقشہ کھینچا کہ میں ہول گئی اگلے کئی دن میں شش و پنج میں رہی کہ ارحمند کو فون کر کے انکار کروں یا نہ کروں۔ کئی بار ہمت کر کے فون اٹھایا مگر پھر رکھ دیا۔

"پتا نہیں میرے اس انکار پر پھپھو کا کیا رد عمل ہو۔" میں عجیب اضطراب کا شکار تھی آخر کار میں نے تانیہ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔

چند ثانیے تو وہ گنگ رہ گئی۔

"تم ہوش میں تو ہو دماغ تو ٹھکانے پر ہے تمہارا۔ ہر رشتے میں تمہیں کھوٹ نظر آتا ہے۔ کتنی چاہ سے پھپھو نے تمہیں مانگا ہے۔ ابا نے تو صاف انکار کر دیا تھا کہ میں اپنی بچی کو نظروں سے دور نہیں رکھ سکتا یہ تو پھپھو کی منتیں سماجتیں تھیں جو انہوں نے ابا کو قائل کیا۔ اسلام آباد کا سفر چند گھنٹوں پر مشتمل ہے اپنی گاڑی ہے جب دل چاہے ورہ آ کر مل جایا کرے گی اور جہاں تک ارحمند بھائی کی خاموشی کی بات ہے وہ ریزروڈ (سرد مہر) طبیعت کے مالک ہیں۔ ان کی ایما پر ہی یہ رشتہ ہوا ہے' ان کی مرضی کو پھپھو نے اپنی مرضی بنایا ہے۔ تم خواہ مخواہ خدشات کو اپنے ذہن و دل میں جگہ نہ دو۔ سچے و بے لوث رشتوں پر اعتبار کرنا سیکھو' ورنہ ایک ایک کر کے سب رشتوں کو تم خود اپنے ہاتھوں کھو دو گی اور جب احساس ہو گا تو سوائے پچھتاوے و ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔" میری بات سن کر وہ ہتھے سے اکھڑ گئی میں بھی خلاف توقع چپ چاپ سنتی رہی۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ فصیحہ نے جو اندازے لگائے ہیں وہ درست ہیں یا تانیہ کی باتوں میں سچائی ہے۔ میں نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے' فصیحہ مجھے مسلسل اس رشتے سے انکار کے لیے اصرار کرتی رہی اور میں ہاں ہاں کر کے وقت کو ٹالتی رہی۔ اب تو گھر میں شادی کی تیاری بھی شروع ہو گئی تھی۔ پھپھو جلدی شادی کرنا چاہ رہی تھیں۔ میں خاموش تماشائی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی' میں چاہ کر بھی کچھ نہ کر پا رہی تھی۔ ابا ہر چیز میں میری مرضی معلوم کرتے اور میں جیسے آپ کی مرضی کہہ کر خاموش ہو جاتی اور وہ میرے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھ کھڑے ہوتے۔

مجھے ابا کے کندھے جھکے ہوئے دکھائی دیتے کیا ابا کو میری جدائی گراں گزر رہی ہے؟ کیا میرے اس گھر سے دوری کا خیال انہیں پریشان کر رہا ہے؟" میں اکثر سوچتی اور پھر خود ہی اپنے خیال کی نفی کر دیتی۔

"ہونہہ! میری جدائی سے انہیں کیا فرق پڑ سکتا ہے ایک چاہنے والی بیوی تو ان کے پاس موجود ہے اس کی موجودگی میں بیٹی کی یاد بھلا کیسے ستائے گی۔" صالحہ خاتون کا خاموش چہرہ میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور میرے دل میں ان کے لیے نفرت بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

کئی دنوں سے میں فصیحہ کی طرف جانے کا سوچ رہی تھی آج اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا ہی لیا۔ ببلو مجھے اس کے گھر تک چھوڑ گیا تھا۔ میں شاذ ہی اس کے ہاں جاتی تھی۔ اس کا گھر اگلی گلی میں ہی تھا میں اس خوش کن خیال کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہوئی کہ مجھے دیکھ کر یقیناً" وہ چہک اٹھے گی' کتنے اصرار سے وہ مجھے اپنے گھر آنے کا کہتی تھی' مگر میری اس کے گھر جانے کی نوبت کم ہی آتی' کیونکہ وہ خود جو میرے گھر کا چکر لگا لیا کرتی تھی۔

دو کمروں پر مشتمل چھوٹا سا گھر خالی پڑا تھا سامنے بنے کمرے سے مجھے فصیحہ کے قہقہوں کی آواز سنائی

دی تو میں وہاں چل دی۔

"بھئی مان گئے فصیحہ شہزادی تمہاری ذہانت و لیاقت کو۔ کیسا بے وقوف بنا رکھا ہے تم نے اپنی پیاری دوست وردہ نیاز کو۔"

"ارے میں نے تو پہلی ملاقات میں ہی اندازہ لگالیا تھا کہ موصوفہ حد سے زیادہ بے وقوف اور اپنے حالات سے ستائی ہوئی ہیں۔ اس کو کسی ایسے ہمدرد کی ضرورت ہے، جو صرف اس کی ہاں میں ہاں ملا کر اس کی باتوں کی تائید کرے اور سچ میں اس کی خود ساختہ مظلومیت کو محسوس کرسکے۔ بس مجھے بھی ایسے ہی شکار کی تلاش تھی، منٹوں میں اس کو اپنا اسیر کرلیا اور آج تک میرے سحر میں گرفتار ہے۔ مجال ہے، جو میری باتوں کے علاوہ کسی اور کی باتوں پر دھیان دے۔ میری وجہ سے وہ اپنی چھوٹی بہن کو بھی خاطر میں نہیں لاتی، اس کو بھی سخت سست سنا دیتی ہے۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھی اور اس کی ہنسی میں کسی اور کی ہنسی بھی شامل تھی۔ اور یہ اس کی گلی کی خالہ ثریا کی بیٹی سدرہ کی آواز تھی۔

"یہ دیکھو کتنا خوب صورت سوٹ ہے جو میں نے پہنا ہوا ہے۔ اس کو تو شاید یاد بھی نہیں ہوگا کہ میں اس سے یہ سوٹ لے کر گئی تھی۔ کالج میں اس کے سوٹوں اور چیزوں سے میں نے بڑے عیش کیے۔ کسی کو یہ احساس تک نہ ہوا کہ میں ایک نہایت معمولی سے ٹی شال کے مالک کی بیٹی ہوں۔ روپے پیسوں کی بھی جب ضرورت پڑی میں نے اس کے دل کی دکھی داستان سن کر منہ مانگی قیمت وصول کی۔ بدھو کبھی سمجھ ہی نہیں پائی کہ میں اسے کتنا بے وقوف بناتی ہوں۔ اس سے تو چھوٹی ہی عقل مند ہے جو صحیح اور غلط کی پہچان رکھتی ہے۔ اس کی سوتیلی ماں کتنی اچھی عادت کی ہے، پورا محلہ اس کی تعریفیں کرتا ہے، مگر اس نے ہمیشہ ہی اس عورت کا صبر آزمایا۔ اس عورت کی ہمت ہے، جو اس کی عادتوں کو برداشت کر رہی ہے، اگر مجھ میں یہ عادتیں ہوتیں تو سگی ماں روز جوتوں سے تواضع کرتی اس کی ماں کا حوصلہ ہے جو اس کی تلخ و ترش باتوں و رویوں کو برداشت کرتی ہے۔" فصیحہ کی آواز میرے کانوں میں پگھلا سیسہ انڈیل رہی تھی۔

"یا میرے خدا۔۔۔ اتنی منافق و دھوکے باز لڑکی۔ اتنے عرصہ مجھے بے وقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کرتی رہی اور میں اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی رہی۔

میرے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

"لیکن اب تو تمہارے عیش ختم ہونے والے ہیں اس کی تو شادی ہو رہی ہے اس کے کزن سے۔ وہ تو اسلام آباد چلی جائے گی۔"

"ایسا میں ہرگز نہیں ہونے دوں گی وہ چلی گئی تو میری تو عیاشی ختم۔ میں کہاں سے یہ خرچے افورڈ کروں گی۔ میں نے اسے ایسا چکر میں ڈالا ہے کہ وہ انکار کر کے ہی رہے گی۔ یہ سال گزر جائے تو میری بلا سے جہاں مرضی جائے۔ کالج سے فارغ ہوتے ہی میں کسی پرائیویٹ اسکول میں جاب کرلوں گی پھر اس کے دکھڑے سننے کی فرصت ہی کسے ہوگی۔" وہ پھر ہنسی تھی۔

"ویسے یار ہے بڑی لکی، اتنا خوبرو ڈیشنگ منگیتر ہے اس کا اور ساتھ میں وکیل بھی۔" اس نے ارجمند کو سراہا۔

"بے چاری تمہاری وجہ سے وکیل سے ہاتھ دھو بیٹھے گی، ویسے تم اپنے مفاد کی خاطر اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہیں۔" سدرہ نے اسے احساس دلایا۔

"چھوڑو یار یہ دنیا ہے یہاں ہر کوئی اپنے مفاد کی خاطر جیتا ہے میں نے اس کی ذات سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالیا تو کیا ہوا۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

میرے اندر مزید سننے کا یارا نہ تھا میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی مجھے یکدم سامنے دیکھ کر۔ اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

"ہا۔۔۔ وردہ میری پیاری دوست۔" وہ چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی میں نے اسے اپنے سے الگ کیا اس کے کریہہ وجود سے مجھے نفرت ہو رہی تھی۔

"بیٹھو نا کھڑی کیوں ہو۔"

"نہیں میں جلدی میں ہوں تمہیں خوش خبری

سنانے آئی تھی ارحمند نے فون پر مجھے اپنے حال دل سے آگاہ کیا ہے کہ وہ مجھے کتنا چاہتے ہیں' بچپن سے میں ان کے دل میں قیام کیے ہوئی ہوں۔ بس وہ اس انتظار میں تھے کہ جلد کسی مقام پر پہنچیں اور مجھے اپنے گھر کی زینت بنالیں۔ سچ میں ان کے لبوں سے اظہار سن کر سرشار ہو گئی۔ کتنی خوش نصیب ہوں میں۔ فصیحہ جو مجھے اتنا چاہنے والا ساتھی مل رہا ہے۔

بہت جلد میں اپنے پیا کے پاس ہوں گی۔ تمہیں تو ویسے افسوس ہو رہا ہو گا کہ میں اتنی دور چلی جاؤں گی۔ مگر کیا کروں یار مجبوری ہے' ایک نہ ایک دن تو مجھے یہاں سے جانا ہی تھا۔

مجھے تمہاری فکر ہو رہی تھی کہ ابھی تمہارا کالج میں ایک سال باقی ہے' کہاں سے افورڈ کرو گی مگر میں نے اس کا حل بھی سوچ لیا ہے اپنے سارے کپڑے و دیگر چیزیں تمہیں دے جاؤں گی' تمہارا یہ سال آسانی سے گزر جائے گا۔ ویسے اتنا عرصہ تم نے میری خود ساختہ داستان غم بڑے صبر سے سنی۔ جس کے لیے میں تمہاری ہمیشہ مشکور رہوں گی اور ہاں آج تم نے ایک احسان مجھ پر اور بھی کیا ہے اپنوں کی محبت پر شکوک کی جو پٹیاں میں نے اپنی آنکھوں پر باندھ رکھی تھیں آج تمہاری باتوں نے وہ سب کھول دی ہیں۔ میں تمہارے اس احسان کا بدلہ شاید کبھی نہ چکا سکوں۔" میں نے اسے ہکا بکا چھوڑ کر اپنے گھر کی راہ لی۔

☼ ☼ ☼

رات بیتی جا رہی تھی اور میرے درد جاگے ہوئے تھے آہ! کیسے کیسے منافق و دھوکے باز لوگ ہیں اس دنیا میں۔ اس فصیحہ نے اتنا عرصہ میرے خلوص و سادگی کا فائدہ اٹھایا۔ میری سچی و بے لوث دوستی کا مذاق اڑایا۔ میرا دل زخم خوردہ تھا۔ اپنے خلوص و اعتبار کی اس طرح دھجیاں بکھیرتے دیکھ کر میں بکھر گئی تھی۔ دوستی کوئی موسم تو نہیں جو اپنی مدت پوری کر کے رخصت ہو جائے۔ فصیحہ اپنی ضرورت پوری کر کے دوستی کے عظیم رشتے کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ میری بے لوث دوستی کے پھول آج مرجھا گئے تھے۔

"اتنا عرصہ وردہ نیاز تم بھی تو کسی کی پر خلوص محبتوں کا مذاق اڑاتی رہی ہو۔" دل کے کسی کونے سے آواز ابھری اور مجھے شرمسار کر گئی۔

کسی کو دکھ دینا تو اتنا سوچ کر دینا
کہ کسی کی آہ لگنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے

صالحہ خاتون کی خاموش آہ لگی تھی مجھ کو۔ زندگی میں جب محبتوں کی قدر نہ کی جائے کسی کے خلوص اور چاہتوں کو ہمیشہ بدگمانی کے دھاگوں میں پرو دیا جائے تو ایک وقت اس شخص پر ایسا بھی آتا ہے کہ جب اس کے اپنے خلوص اور سچائی کو منافقت اور دھوکے کی مار کھانی پڑتی ہے اور یہ مار بڑی اذیت ناک اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔

"آہ! تانیہ سچ کہتی تھی کہ کھوٹے کھرے کی پہچان کرنا سیکھو ورنہ پچھتاؤ گی صد شکر کہ میں کسی بہت بڑے نقصان کو اٹھانے سے پہلے ہی حقیقت جان گئی۔" آنکھوں پر سے بے اعتباری و نفرت کی پٹی ہٹی تو اپنے سے جڑے سبھی رشتے مخلص دکھائی دیے۔ صالحہ خاتون کی محبتوں و اچھائیوں کا قرض اتارنے کے لیے میں اپنے آپ کو تیار کرنے لگی بہت عرصہ بعد میری آنکھوں میں پرسکون نیند کے سائے ہلکورے لینے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼

سرخ زرتار آنچل میں چہرہ جھکائے سوچوں میں مگن میں اپنے زندگی کے رفیق کی منتظر تھی گو کہ مجھے ایسے شخص کا ساتھ نصیب ہوا تھا جس کی سنگت میں زندگی پھیکی و بے کیف گزرنی تھی مگر میں اپنے دل میں مصمم ارادہ کیے ہوئے تھی کہ میں اپنی وفاؤں و چاہتوں سے اس کے دل کی بنجر و سخت زمین پر محبتوں کے پھول کھلا کر رہوں گی' قطرہ قطرہ بارش کسی ریگستان پر بھی برسے تو وہاں بھی ہریالی اگ آئے یہ تو پھر ایک انسان کا دل تھا جسے زیر کرنے کا نسخہ میں نے سیکھ لیا تھا۔

میں اپنی سوچوں میں اتنی محو تھی کہ ارحمند کے

آنے کا پتا ہی نہیں چلا انہوں نے کھنکار کر مخاطب کیا تو میں ہوش میں آگئی۔ ارحمند بڑی دلنشین مسکراہٹ سجائے بڑی پرشوق نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے میں جو لب بھینچے کسی سنجیدہ سی شخصیت کے انتظار میں تھی یہاں تو معاملہ برعکس تھا۔

"میری زندگی کی اولین خواہش میرے برسوں کا خواب آج مجسم صورت میں میرے سامنے ہے۔ آج میں اپنے رب کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ تمہاری آنکھوں میں بکھرے لیتی اداسی کی جگہ اب ان میں محبتوں کی جگنو چمکیں گے۔ سارے اندیشے و وسوسوں کو اپنے ذہن و دل سے جھٹک دو۔ تم میری خوشی ہو میری جینے کا سبب ہو میری زندگی کی بہار ہو تم۔"

ارحمند ایک نئے روپ میں میرے سامنے اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے اور میں دم بخود تھی' میرے رب نے مجھے کتنا نوازا تھا' ابھی میں نے محبتیں دان کرنے کا دل میں فیصلہ ہی کیا تھا کہ مجھے ان کا خراج بھی ملنے لگا۔

"بہت حسین لگ رہی ہو" انہوں نے میرا ہاتھ تھاما اور میرے وجود میں روشنیاں رقص کرنے لگیں۔ ارحمند کی محبت پاش نگاہوں سے میری پلکیں بوجھل ہو گئیں۔

"ارے تمہیں رونمائی کا گفٹ دینا تو میں بھول ہی گیا۔" وہ فوراً" اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک بڑا سا پیکٹ اٹھا کر میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔

"کھولو۔" میں نے لرزتے ہاتھوں سے پیکٹ کھولا تو اندر بی۔اے کی نصابی کتب تھیں میں نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

"محبتوں کا نصاب پڑھنے کے ساتھ ساتھ تمہیں اس نصاب کو بھی پڑھنا ہوگا۔ بھئی مانا کہ تم حسن جہاں سوز کی مالک ہو مگر تمہیں مزید نکھرنے کے لیے تعلیم کے زیور کی ضرورت ہے' تاکہ دنیا میں موجود ہر قسم کے لوگوں کو جانچ پرکھ سکو۔" وہ مجھے بہت کچھ باور کرا گئے اور میں نے خوش دلی سے ان کتابوں کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا۔

"اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو میں ضرور پڑھوں گی۔ ویسے بھی ایک وکیل کے ساتھ بحث میں جب ہی جیتا جا سکتا ہے جب آپ کا مطالعہ وسیع ہو اور مضبوط دلائل ہوں۔" میں لب دانتوں میں دبا کر شرارت سے مسکرائی تو وہ میری بات سن کر کھلکھلا کر ہنس دیے۔

"اور ہاں ایک اور بات نصابی کتب پڑھنے کے ساتھ ساتھ تمہیں ہم نصابی سرگرمیوں میں بھی بھرپور حصہ لینا ہوگا مثلاً" مابدولت کو اپنے دلکش روپ و باتوں سے خوش رکھا جائے۔ روز شام کو تیار ہو کر ایک وکیل کا دلکش مسکراہٹ کے ساتھ ایسے استقبال کیا جائے کہ دن بھر کی تھکان لمحہ میں کافور ہو جائے۔ یہی نہیں بلکہ میرے ہونے والے بچوں کو بھی اپنی اعلا تربیت سے فیضیاب کرنا ہوگا۔ بولو منظور ہے۔"

انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا شرگیں مسکراہٹ کے ساتھ میں نے ان کے مضبوط ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا اور وہ مسکراتے ہوئے میری کلائی میں نازک سا بریسلیٹ پہنانے لگے۔ میرے چاروں طرف محبتوں و خوشیوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ میرے ہر طرف محبتوں کا دریا تھا اور مجھے اب اس دریا سے سیراب ہونا تھا' چاہے وہ میرا میکا ہو یا سسرال ہر طرف میرے لیے پیار بھری موجوں کی روانی تھی اور ان موجوں میں مجھے پور پور بھیگنے کا ڈھنگ آگیا تھا۔

☼ ☼

مکمل ناول

نگہت سیما

دشتِ مسیحا

اس نے جوں ہی لاؤنج میں قدم رکھا' اس کی نظر ہشام پر پڑی۔ وہ سامنے ہی صوفے کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موندے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور ذرا سا جھک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے تھے' جیسے کئی راتوں سے جاگ رہا ہو اور پیشانی پر بل پڑے تھے۔ اس نے صوفے کے پاس پڑی چھوٹی ٹیبل پر پڑی ایش ٹرے کو دیکھا جو سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ بہت غور سے ہشام کو دیکھ رہی تھی۔ آخر شامی کو کیا پریشانی ہے۔ تین دن ہو گئے تھے' نہ وہ گھر

آرہا تھا' نہ ہی اس کا فون اٹینڈ کر رہا تھا۔ ہشام نے یک دم آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر یوں ہی بے دھیانی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر یک دم اس نے ٹانگیں پیچھے کیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو امل....." اس نے بے حد ناراضی سے اسے دیکھا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا شامی' مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ لگتا ہے تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔"

"یہ تم میری گاڈ فادر کب سے بن گئی ہو۔" وہ غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور میں نے تمہیں منع کیا تھا' تم یہاں مت آنا' جب تک میڈم نیلوفر۔ ان کی والدہ محترمہ اور ان کا وہ چھیتا بھائی یہاں ہے' لیکن تمہارے نزدیک میری بات کی بھلا کیا اہمیت ہے' بکواس کی تھی میں نے....."

"شامی....." امل کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"تم آ نہیں رہے تھے' فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہے تھے تو....."

"تو....." اس نے امل کی بات کاٹی اور اسی لہجے میں بولا۔

"تم نے سوچا ہشام عبدالرحمٰن مر کھپ گیا ہو گا۔ جا کر خبر لے لوں' لیکن امل بی بی ہشام عبدالرحمٰن اب

اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے کہ اس کی موت کی اطلاع تم تک نہ پہنچتی۔"

"ہشام..." امل نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا۔

یہ ہشام عبدالرحمٰن تھا۔ دنیا میں اس کا واحد دوست' ہمدرد' غمگسار... آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ وہ یک دم تیزی سے پلٹی اور تقریباً" دوڑتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی تو ہشام عبدالرحمٰن کو خیال آیا یہ تو امل شفیق تھی اس کی دوست' غمگسار اور اس نے شاید اسے خفا کر دیا تھا۔ نہیں بلکہ وہ تو رو بھی رہی تھی۔

"اف...! اور یہ میں نے کیا کیا... امل... امل رکو پلیز..." وہ یک دم کھڑا ہوا اور تیزی سے لاؤنج کو پار کرتا اندرونی گیٹ کی طرف بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتا اسے ایک وحشت ناک چیخ سنائی دی تھی۔

"نہیں..." وہ یک دم پلٹا تھا۔

"ماما..." اور پھر تیر کی سی تیزی سے ان کے قریب آیا تھا۔ وہ دروازے پر ہاتھ رکھے وحشت زدہ سی کھڑی تھیں۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھیں سوجی ہوئی سی تھیں۔

"ماما..." اس نے بے چینی سے ان کے ہاتھ تھامے۔ "کیا ہوا..." ابھی کچھ دیر پہلے امل کے آنے سے پہلے اس نے دیکھا تھا وہ اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھیں۔ پھر کب وہ اٹھی تھیں اور کب اس کمرے تک آئی تھیں۔ شاید جب وہ امل کو پکارتا ہوا لاؤنج سے نکلا تھا۔

"وہ..." انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ "وہ نہیں ہے... وہ لے گیا اسے۔"

"ماما..." ایک گہرا سانس لے کر ہشام نے ان کے گرد اپنا بازو حمائل کیا۔ "ایسا نہیں ہے۔ آپ کی اجازت کے بغیر بھلا وہ کیسے اسے لے جا سکتے ہیں۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔ شاید عجو کے کمرے میں... آپ کو پتا ہے نا وہ کبھی کبھی چلا جاتا ہے اس کے کمرے

میں..."

"ہاں..." ان کی وحشت بھری آنکھوں میں ذرا دیر کے لیے سکون نظر آیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس کے بازو کے حلقے سے نکل کر تیزی سے ایک کمرے کی طرف بڑھیں۔ ہشام بھی ان کے پیچھے ہی چل رہا تھا۔ انہوں نے دروازے کو دھکا دیا تھا اور پھر دروازے کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھے رکھے ایک پرسکون سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ سامنے ہی کارپٹ پر بیٹھا تھا۔ جبکہ عجو بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی اور وہ چاکلیٹ کھا رہی تھی۔ جبکہ کارپٹ پر بیٹھے عفان کے ہاتھ میں بھی چاکلیٹ تھی اور اس کے منہ سے بھی رال ٹپک رہی تھی۔

"عفو..." وہ تیزی سے اندر آئی تھیں۔ انہوں نے بغیر کسی کراہت کے اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کا منہ اور ہاتھ صاف کیا تھا۔ پھر بیڈ پر بیٹھی عذرا کی طرف دیکھا تھا جو انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور اپنے دوپٹے سے خود ہی اپنے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"عفو تجھے منع کیا ہے نا اپنے کمرے سے نہ نکلا کر۔ کیوں باہر نکلا ہے تو... اگر انہوں نے دیکھ لیا تو وہ تمہیں ماریں گے۔ بہت ماریں گے۔" کسی خیال سے انہوں نے جھرجھری سی لی اور ایک بار پھر اپنے دوپٹے سے اس کے ہاتھ اور منہ صاف کرنے لگیں۔ ہشام دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں کو جن کے سر بہت چھوٹے تھے۔ چہرے پیلے تھے اور ان کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی۔ یہ دونوں اس کے بہن بھائی تھے۔

عفان عبدالرحمٰن جو اس کے سنگ پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنے انیس سالہ بھائی کو دیکھا جو اس سے صرف چند منٹ چھوٹا تھا اور پھر عذرا عبدالرحمٰن کو جو ان سے پانچ سال چھوٹی تھی۔ لوگ کہتے تھے وہ شاہ دولہ کے چوہے ہیں۔ اس نے عفان کے ہاتھ چومتی ماں کی طرف دیکھا۔ ماما وہ کتنی خوب صورت تھیں۔ میڈم نیلوفر تو ان کے ساتھ کھڑی ان کی ملازمہ لگتی تھی۔ پھر

بھی عبدالرحمٰن ملک نے میڈم نیلوفر سے شادی کرلی تھی۔ میڈم نیلوفر۔۔۔ اس نے تنفر سے ہونٹ سکیڑے عفان، ماما کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اور مسکرا رہا تھا۔

ماما کو عفان اور عذرا سے بے حد محبت تھی۔۔۔ وہ عفان اور عذرا کے سب کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔۔۔ وہ ذرا ادھر ادھر ہوتیں تو وہ انہیں ڈھونڈنے لگتے تھے۔ وہ کہیں نہیں جاتی تھیں۔ کسی تقریب کسی فنکشن میں بھی نہیں، جب وہ چھوٹے تھے، تو وہ انہیں بھی ساتھ لے جاتی تھیں، لیکن جب وہ بڑے ہوئے تو انہوں نے آہستہ آہستہ باہر جانا چھوڑ دیا تھا۔

عفان سولہ سال کا ہوا تو اسے دورے پڑنے لگے تھے۔ وہ چیختا، چلاتا، کپڑے پھاڑ دیتا اور کسی کے قابو میں نہیں آتا تھا۔ چار سال سے ہشام یہ دیکھ رہا تھا اور ان چار سالوں میں اس نے ماما کو پوری نیند سوتے نہیں دیکھا تھا۔ عفان کی وجہ سے اسے ماما کی پوری توجہ نہیں ملی تھی، لیکن اسے ماما سے کبھی کوئی شکوہ یا گلہ نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا، عفان کو ان کی زیادہ ضرورت ہے۔ جب وہ چھوٹا سا تھا، تب سے یہ بات جانتا تھا اور جب وہ پانچ سال کا تھا اور عجوا اس دنیا میں آئی تھی تو اس نے جیسے خود ہی فرض کرلیا تھا کہ اب وہ بڑا ہوگیا ہے اور اسے ماما کو تنگ نہیں کرنا۔ اس کا زیادہ وقت اپنی پھپھو کے گھر گزرتا تھا۔ جو سڑک کراس کرکے تھا۔ وہ دو سال کا تھا۔ تقریباً" جب اس کی پھپھو کا انتقال ہوا تھا، لیکن وہ پھپھو کے گھر اس لیے جاتا تھا کہ وہاں امل تھی، اس سے صرف دس دن چھوٹی اور امل کی دادی اس سے بہت پیار کرتی تھیں۔

امل کا خیال آتے ہی وہ چونکا۔ وہ اس سے ناراض ہوگئی تھی۔ حالانکہ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ جب ڈیڈی کی تیسری بیوی یہاں موجود ہوں وہ ادھر آئے۔ اسے اس کا وہ بیچڑ بھائی بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ سات ماہ پہلے ڈیڈی نے میڈم نیلوفر سے شادی کی تھی۔ نیلوفر ایک ماڈل گرل تھی۔ زیادہ سے زیادہ اس کی عمر پچیس سال تھی اور اس نے پچاس بچپن سال کے عبدالرحمٰن ملک سے

شادی کرلی تھی۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے بابا سے شادی کی تھی۔ پہلی بیوی سے ان کی اولاد نہیں تھی۔ وہ ان کا بے حد لاڈلا تھا۔

سات ماہ پہلے جب ڈیڈی نے اسے اپنی شادی کا بتایا تھا' تو وہ ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ تاہم کچھ دیر بعد اس نے انہیں کہا تھا کہ وہ یہ چاہے گا کہ میڈم نیلوفر کو وہ یہاں اس گھر میں نہ رکھیں اور ڈیڈی نے انہیں الگ گھر خرید دیا تھا۔ پھر بھی ان سات ماہ میں آج تیسری بار وہ یہاں آئی تھیں اور مزے سے سارے گھر میں دندناتی پھر رہی تھیں۔ ساتھ میں ان کی ماں اور بھائی بھی تھا۔ بھائی جس کی آنکھوں سے غلاظت ٹپکتی تھی اور جس نے پہلی بار امل کو اس طرح دیکھا تھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائے گا اور اس لیے تو اس نے امل کو منع کر دیا تھا کہ وہ نہ آئے اور امل۔۔۔

"احمق۔۔۔ پاگل۔۔۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ غلطی بھی خود کی ہے اور اب ناراض ہو کر بھی خود ہی بیٹھ جائے گی۔ تین دن سے محترمہ یہاں گیسٹ روم میں براجمان تھیں اور وہ تین دن سے ڈیڈی کو کال کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ڈیڈی فون اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔ ان سات ماہ میں انہوں نے بمشکل دو ماہ ہی یہاں گزارے ہو گے یا اس سے بھی کم وہ ہر ماہ دو تین دن کے لیے چکر لگاتے تھے اور یہ دو تین دن ماما کے ساتھ مسلسل جھگڑا۔۔۔ وہ چاہتے تھے کہ عفان کو وہ کسی ادارے میں بھجوا دیں' کیونکہ جب اسے دورا پڑتا تھا تو سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔ جب وہ آتے تو اسے زنجیروں سے باندھ دیتے تھے اور ہشام نے ان دنوں میں ماما کی بے چینی دیکھی تھی۔ وہ جیسے عفان کے کمرے کی چوکیداری کرتی تھیں۔ راتوں کو جاگ جاگ کر ان کی صحت خراب ہو رہی تھی اور اب یہ میڈم نیلوفر ایک عذاب کی طرح ان کے سر پر مسلط ہو گئی تھیں اور وہ جو امل کی طرف جانے کا سوچ رہا تھا' ایک بار پھر باہر نکل کر عبدالرحمٰن ملک کو فون کرنے لگا اور اس بار انہوں نے ریسیو کر ہی لیا۔

"ڈیڈی۔۔۔" وہ روہانسا ہو رہا تھا۔ "میں نے آپ سے ایک ہی ریکویسٹ کی تھی کہ میڈم نیلوفر کو الگ گھر میں رکھیں۔ وہ آپ کی بیوی ہیں' ہم نے قبول کیا' لیکن۔۔۔"

مائی سن کیا ہوا؟ انہوں نے بات کاٹی تھی۔

"وہ پھر تین دن سے یہاں براجمان ہیں۔ اپنی ماں اور بھائی کے ساتھ۔۔۔ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ یہاں سے نہ گئیں تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا ڈیڈی۔۔۔"

"میری جان ٹینس مت ہو۔ ابھی فون کرتا ہوں نیلو کو۔۔۔ منع کیا تھا میں نے اسے۔۔۔ پھر بھی۔۔۔ اور تم اسے میڈم مت کہا کرو یار۔۔۔ ماں ہے وہ تمہاری۔۔۔"

"مائیں ایسی نہیں ہوتیں ڈیڈی۔۔۔ میری ماما ہی میری ماں ہیں۔" اس کا دل بے حد برا ہوا' اب وہ ڈیڈی کو کیا بتاتا کہ اس کی ماں اور بھائی بھی اسے میڈم ہی کہتے ہیں اور وہ نیلوفر اس نے تو پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔ اس لیے ہرگز اسے ممی یا امی کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ابھی ینگ ہے اور اسے ممی بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

"اوکے جانو۔۔۔ میں فون کرتا ہوں اسے۔۔۔"

"آپ کب آئیں گے ڈیڈ' مجھے نہیں لگتا کہ وہ آپ کے فون پر چلی جائیں گی۔"

"تین چار دن لگ جائیں گے۔ یہاں کچھ زمینوں کے مسائل ہیں۔"

"ڈیڈی آپ پہلے نہیں آسکتے۔" وہ بہت ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

"اوکے میری جان! کوشش کروں گا۔" وہ اس کی بات تو ٹال ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ان کا اکلوتا ہوش مند بیٹا تھا۔ ذہین' خوب صورت اور بہت ہی فرماں بردار۔۔۔ ان کی ڈھیروں ڈھیر جائیداد کا وارث اور فون بند کر کے ہشام نے عفان کا ہاتھ تھامے کمرے سے باہر آتی ماما کو دیکھا تھا۔ ان کے پیچھے ہی عجو بھی تھی' سرہلاتی مسکراتی ہوئی۔

"شامی۔۔۔" ماما نے اسے آواز دی تھی۔

"بیٹا کہیں جا رہے ہو کیا؟"

"جی... امل کی طرف جارہا تھا۔"

"بیٹا یہ عفو ضد کررہا ہے باہر جانے کی' لان میں لے جاؤ یا باہر پارک تک..." ان کے لہجے میں التجا تھی' بے بسی تھی اور تھکن...

"ماما اگر یہ وہاں... اس نے تنگ کیا تو..."

"بس ایک چکر لگوا کرلے آؤ شامی۔ میرے سر میں بہت درد ہے' چکر آرہے ہیں۔ اگر میں اس کے ساتھ گئی تو کہیں یہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ نہ جائے پہلے کی طرح..."

اس نے عفان کا ہاتھ تھام لیا۔ اسے ماما سے بہت پیار تھا۔ ان کی بے بسی اور تھکن گھائل کرتی اسے ماما سے پیار ہی نہیں' ان سے عقیدت تھی۔ امل کی دادی کہتی تھیں "جس طرح ان بچوں کے لیے وہ جان مار رہی ہے' کیا کوئی ماں ایسا کرسکتی ہے تمہاری ماں نے جنت کمالی ہے ہشام..."

"آپ فریش ہوجائیں' باتھ لے کر کپڑے چینج (تبدیل) کریں تو طبیعت پر اچھا اثر پڑے گا۔ میں عفان کو گھما لاتا ہوں۔" اور امل... چلو امل کو کل منالوں گا۔ اس نے سوچا اور عفان کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ ماما لاؤنج میں کھڑی تھیں اور عجو نے ان کا دوپٹا تھام رکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"احسن..." ثمرین نے بیڈ کے دائیں طرف دیکھا۔

"میرا بیٹا کہاں ہے وہ... میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں... ہاں... ضرور دیکھ لینا۔" احسن نے اس کے گال تھپتھپائے۔

"لیکن کب احسن... تین دن ہوگئے ہیں' میں اسے کب دیکھوں گی۔ آخر انہوں نے اسے یہاں کیوں نہیں رکھا۔ میرے کمرے میں... یہ کاٹ..." اس نے کاٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ابھی انکیوبیٹر میں ہے۔"

"تو مجھے وہاں لے چلو' میں جھانک کر شیشے میں سے دیکھ لوں گی۔ بہت بے چین ہورہی ہوں اسے دیکھنے کو۔ کتنی راتیں میں یہ سوچ کر جاگتی رہی کہ ہماری اولاد کیسی ہوگی۔ ہم دونوں کی اولاد..."

"نہیں تمہیں ابھی ڈاکٹر صالحہ نے اٹھنے سے منع کیا ہے۔ تمہیں پتا ہے نا تمہاری کتنی حالت خراب ہوگئی تھی۔ ایمرجنسی میں سیزیرین کرنا پڑا۔"

"لیکن..." اس نے ہتھیلیاں بیڈ کے کنارے پر ٹکائیں اور اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں پلیز... لیٹی رہو ثمرین..." ڈاکٹر احسن نے گھبرا کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو اس نے سر پھر تکیے پر رکھ دیا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے احسن... کیا وہ تمہارے جیسا ہے یا میرے جیسا۔" اس کی آنکھوں میں اشتیاق نظر آیا... "یا پھر ہم دونوں سے ملتا جلتا..." وہ مسکرائی۔

"بقول ڈاکٹر صالحہ خوب صورت ترین کپل کا خوب صورت ترین بے بی ہوگا وہ..."

"تمہیں تو بچے کی خواہش نہیں تھی ثمرین۔ یاد ہے نا تم نے کتنی کوشش کی تھی کہ وہ اس دنیا میں نہ آئے۔ مجھ سے چوری چوری ابارشن کے لیے دوائیں کھاتی رہیں۔" ڈاکٹر احسن کی آنکھوں میں ہلکا سا شکوہ نظر آیا۔

"سوری احسن... تب میں تمہارے سنگ زندگی کو انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ میں اتنی جلدی ماں نہیں بننا چاہتی تھی' لیکن پھر جب اس نے پہلی بار میرے اندر حرکت کی تو... تب سے میں سوچنے لگی کہ وہ کیسا ہوگا اور تب سے میں اس کے آنے کا انتظار کررہی ہوں۔ پلیز لے چلو نا۔" احسن شعوری کوشش سے مسکرایا اور اس نے اس کا بازو تھپتھپایا۔

"جہاں اتنا انتظار کیا ہے میری جان وہاں کچھ اور کرلو۔" احسن نے نظریں جھکالیں۔ وہ چونکی۔ احسن کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ کوئی دکھ ہلکورے لیتا تھا۔

"تو کیا وہ نہیں ہے۔" اس کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔

"تم کچھ چھپا رہے ہو احسن... وہ زندہ تو ہے نا۔"

اس کی آنکھوں میں وحشت سی نظر آئی تھی۔ وہ مضطرب سی ہو کر اٹھ بیٹھی تھی اور بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمرین وہ زندہ ہے۔" ڈاکٹر احسن نے نظریں چرائیں۔

"پھر تم خوش کیوں نہیں ہو۔"

"خوش تو ہوں۔" احسن نے پھر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"تم خوش نہیں ہو احسن، اس طرح خوش نہیں ہو، جس طرح ایک بیٹے کا باپ بن کر کوئی خوش ہوتا ہے۔" تمرین کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"یار میں تھک گیا ہوں۔ صبح سے اب تک مسلسل تھیٹر میں تھا۔

اور ہمارا بچہ زندہ ہے، صحیح سلامت ہے تم خواہ خواہ کیوں آنسو بہا رہی ہو۔" احسن نے جھک کر اس کے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے پونچھا۔

"یوں ہی وہم آ گیا تھا احسن..... اللہ اسے لمبی زندگی دے اور یہ ممی اور امی ابھی تک کیوں نہیں آئیں۔ تم نے فون کیا تھا نا؟؟"

"میں نے فون کر دیا تھا تمرین..... بین کے کالج میں کوئی فنکشن تھا۔ شاید آج یا کل آجائیں گی وہ..... امی پریشان ہیں، لیکن میں نے انہیں تسلی دے دی تھی کہ سسٹر سارا وقت تمہارے پاس ہے۔"

"اچھا..." تمرین خاموش ہو گئی۔ تب ہی ایک نرس ناک کر کے اندر آئی۔

"انجکشن لگنا ہے سر......"

"اوکے آپ لگائیں۔" احسن نے نرس سے کہا اور پھر تمرین کی طرف دیکھا۔

"تمرین میں کچھ دیر کے لیے گھر جا رہا ہوں، بچے کا کچھ سامان لینے جلدی آجاؤں گا۔" تمرین نے سر ہلایا تو احسن تیزی سے باہر نکلے تو انہوں نے جاتے جاتے سنا، تمرین نرس سے پوچھ رہی تھی۔

"میرا بچہ کہاں ہے۔" "نرسری میں ہے میم۔"

"اسے میرے پاس کب لائیں گی۔" تمرین کی آواز کی بے چینی باہر کھڑے احسن نے شدت سے محسوس کی۔

"جب ڈاکٹر نے اجازت دی۔" نرس کے مختصر سے جواب سے مطمئن ہو کر ڈاکٹر احسن آگے بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

"نہیں....." اس کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔

"نہیں..... یہ ہمارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔" اب اس کا لہجہ قطعیت لیے ہوئے تھا۔

"میم یہ آپ کا ہی بیٹا ہے۔" سسٹر نے گلابی کمبل میں لپٹے بچے کی کلائی اسے دکھائی۔ "یہ دیکھیں ٹیگ....." کلائی میں بندھے ٹیگ پر ڈاکٹر احسن اور تمرین احسن لکھا ہوا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سسٹر ریٹا کے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"نہیں....." وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے بدل لیا ہے کسی سے میرا بچہ......"

"نہیں میم..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ خود ڈاکٹر احسن سارا وقت ڈاکٹر صالحہ کے ساتھ رہے اور آپریشن میں انہیں اسسٹ کیا۔"

"نہیں....." وہ ہذیانی انداز میں ہنسی اور انگلی سے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بچہ احسن اور تمرین احسن کا کیسے ہو سکتا ہے۔ ادھر دیکھو میری طرف....." وہ اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا تمہیں مجھ میں کوئی کمی نظر آتی ہے سسٹر..... میرا چہرہ، آنکھیں، کان، ناک، بال، قد، رنگ..... غور سے دیکھو اللہ نے مجھے پرفیکٹ بنایا ہے۔" سسٹر ریٹا کا چہرہ لمحہ بھر کو زرد ہوا۔

"انسان تو اللہ کی مخلوق ہے میم....." اس نے انگلیوں سے سینے پر صلیب بنائی۔ "پرفیکٹ (مکمل) تو صرف اس کی ذات ہے۔"

لیکن ثمرین نے جیسے اس کی بات نہیں سنی تھی۔ وہ مسلسل ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے چیخ رہی تھی۔

"احسن اور ثمرین احسن کا بیٹا اور..."

"سسٹر ریٹا..." ڈاکٹر احسن نے جو لمحہ پہلے اندر آئے تھے۔ سسٹر ریٹا کی طرف دیکھا اور پھر گلابی کمبل میں لپٹے ہوئے بچے کو اور جھک کر بچے کے چہرے سے کمبل ہٹایا اور اس کی پیشانی پر بوسا دیا۔

"آپ جائیں مس ریٹا..."

"میم بہت ضد کر رہی تھیں بچہ دیکھنے کو..." سسٹر ریٹا کا انداز معذرت خوانہ تھا۔

"پلیز..." انہوں نے سسٹر ریٹا کو بچہ لے جانے کا اشارہ کیا اور ثمرین کی طرف دیکھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم نے... احسن بچے کو پیار کیا اس بچے کو... نہیں یہ ہمارا بچہ نہیں ہے۔ نہیں ہو سکتا احسن..." اس نے نفی میں سر ہلایا اور لڑکھڑائی... احسن نے یک دم آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور وہ احسن کے بازوؤں میں جھول گئی۔ اس کے ہونٹ ہولے ہولے ہل رہے تھے، لیکن آنکھیں بند تھیں۔ احسن نے آہستگی سے اسے بیڈ پر لٹایا اور نبض چیک کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

"اے سنو..." وہ اپنے ریڈ اور بلیک کلر کے فل اونی کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چیونگم چباتی دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے سر پر بھی ریڈ اور بلیک ہی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جس نے اس کے کانوں تک کو ڈھک رکھا تھا اور اسے یوں گرم کپڑوں میں لپٹا دیکھ کر اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس وقت یخ سردی میں بغیر دستانوں اور گرم کوٹ کے بیٹھا ہے۔ اس کے جسم پر صرف ایک فل آستین کا سوئیٹر تھا، جو اس شدید سردی کے لیے ناکافی تھا۔ اس نے سوچا آخر اس شدید سردی میں مجھے یہاں باہر پارک میں آکر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر آ بھی گیا تھا تو کم از کم سر پر گرم مفلر ہی لپیٹ لیتا۔ یعنی ثابت ہوا کہ میں اس صدی کا احمق اعظم ہوں۔

"تم پاکستانی ہو..." لڑکی کی نظریں ہنوز اس پر تھیں۔

"ہاں..." اس نے سوچا اس کا وہ سیاہ اونی مفلر کتنا گرم ہے، شاید اس لیے کہ وہ ماما نے بطور خاص اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے بنا تھا اور اس میں شاید ان کے خلوص اور محبت کی گرمی بھی شامل ہے اور کیا تھا کہ میں باہر نکلتے نکلتے وہ مفلر ہی اٹھا لیتا، وہ پچھتا رہا تھا۔

لیکن لڑکوں کے شور و غل نے اسے اس حد تک پریشان کر دیا تھا کہ وہ گھبرا کر دروازہ بند کرتا ہوا باہر آگیا تھا۔ آج نیو ایئر نائٹ تھی اور لڑکے شراب پی کر غل مچا رہے تھے۔ ناچ رہے تھے۔ ڈانس کر رہے تھے۔ قہقہے، شور، ہنگامہ... اس ہوسٹل میں سوائے سعد اور اس کے سب ہی غیر مسلم تھے۔ رات بھر کروٹیں بدلنے کے بعد صبح ہوتے ہی وہ بلا ارادہ بغیر ناشتے کے نکل آیا تھا اور اب یہاں پارک میں بیٹھا تھا... اور چند لڑکوں اور لڑکیوں کو جاگنگ کرتے دیکھ رہا تھا۔

"میں بھی پاکستانی ہوں۔" لڑکی کی سبزی مائل آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور چہرے پر معصومیت...

"لاہور..." اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرا تعلق لاہور سے ہے... میرے پاپا یہاں پڑھاتے ہیں۔ یہاں بولٹن میں... اور تم..."

"میں برمنگھم سے آیا ہوں۔"

"اچھا... لیکن تم نے کہا تھا تم پاکستانی ہو۔"

"ہاں میرے بابا ہمیشہ کہتے ہیں کہ ہم پاکستانی ہیں اور پاکستان ہمارا فخر ہے۔"

"اچھا..." لڑکی نے سر ہلایا۔

"تو تم پاکستان میں پیدا ہوئے تھے، یہاں کب سے ہو برمنگھم میں؟" اسے لڑکی کی انوسٹی گیشن کھلی تھی۔ تاہم وہ بچپن سے ہی بہت سنجیدہ اور مہذب تھا، سو اس نے ناگواری کو چھپاتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"پتا نہیں... میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے، خود کو یہاں ہی دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے میں

یہاں ہی پیدا ہوا تھا۔ میرے بابا شاید میری پیدائش سے پہلے ہی یہاں آگئے تھے۔" اس نے پھر ہاتھوں کو ایک دوسرے سے رگڑا۔

"اوہ...." لڑکی نے ہونٹ سکیڑے۔

"پھر تم میرے احساسات بھلا کیا سمجھو گے۔ ایک ایسی لڑکی کے احساسات جسے اپنے وطن سے آئے صرف پچیس دن ہوئے ہیں اور جس کا دل چاہ رہا ہو کہ وہ اڑ کر اپنے پیارے پاکستان میں اپنی دادو کے پاس پہنچ جائے اور ان کی گود میں سر رکھ کر کہے.... ٹھیک ہے دادو مجھے نہیں پڑھنا وڑھنا.... آپ میری شادی کروائیں.... بھلے اس موچھل سفیر سے ہی سہی...."

سورج ایک دم ہی بادلوں کی اوٹ سے نمودار ہوا تھا.... اور اس کی کرنیں پارک کے درمیان میں موجود فوارے کے پانی پر پڑ رہی تھیں۔ آج کتنے دنوں کے بعد سورج دکھائی دیا تھا۔ موحد نے جیسے دور سے ہی اس کی حدت کو محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف دلچسپی سے دیکھا۔ ایک دم ہی اس کی ساری بے زاریت اور بوریت دور ہوگئی تھی۔

"آپ سمجھانے کی کوشش کریں تو شاید سمجھ سکوں۔"

"نہیں.... آپ نہیں سمجھ سکتے۔" اس نے مایوسی سے سرہلایا۔

"آپ یہاں پیدا ہوئے۔ ٹھنڈے یخ برفیلے موسموں میں آپ کو کیا پتا گرم تپتی دوپہروں میں جب بھاری پردے گرا کر اندھیرا کرکے اور دوپٹوں کو بار بار پانی میں بھگو کر اس حدت کو برداشت کرنے کا کیا مزا ہے اور جب ساون کی بارشیں صحن کو جل تھل کرتی ہیں اور کچن سے پکوڑے اور بوڑے تلنے کی خوشبو آتی ہے تو...." اس نے آنکھیں میچ کر جیسے مزا سا لیا اور موحد جو پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوچکا تھا، مسکرایا۔

"آپ صحیح کہتی ہیں مس...."

"امل...." وہ مسکرائی۔

"میں غلط تو خیر کبھی نہیں کہتی، لیکن مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے میرے ملک کے چاروں موسموں کا مزا نہیں لیا۔ کیا آپ کبھی پاکستان نہیں گئے؟" اس نے دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب سے نکالا اور اس کے سامنے کرکے بند مٹھی کھولی۔

"لیں نا...." موحد نے ایک نظر اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور پھر اس پر پڑی چیونگم اٹھالی۔

"تھینک یو...."

"ویلکم...." اس نے ہاتھ پھر جیب میں ڈال لیا۔

"تو آپ پاکستان نہیں گئے نا کبھی...." اس نے خود ہی جواب دے دیا۔

"ہاں...." موحد نے سرہلایا۔

"کبھی نہیں...."

"کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آپ خود کو پاکستانی کہتے ہیں اور آپ نے آج تک پاکستان نہیں دیکھا۔ وری سیڈ...." اس نے افسوس سے سرہلایا۔

"اور کبھی آپ کا دل بھی نہیں چاہا...."

"نہیں...." موحد نے نفی میں سرہلا کر چیونگم کا ریپر الگ کیا۔

"حیرت ہے، کبھی آپ کا جی ہی نہیں چاہا اپنا ملک دیکھنے کا۔"

ضرور آپ کی ماما برٹش ہوں گی۔ ہمارے ہاں کے اکثر پاکستانی یہاں گوری چمڑی پر پھسل جاتے ہیں۔ کمال ہے مجھے پہلے ہی خیال کیوں نہیں آیا۔" اس نے جیسے خود کو سرزنش کی۔ "آپ کے بال، آپ کی آنکھیں، آپ کی رنگت، یعنی آپ کے یہ بال یہ آنکھوں کی رنگت یقیناً" آپ کو اپنی ماما سے ورثے میں ملی ہوگی۔" وہ اس کے اندازے پر کھل کر مسکرایا، یہ لڑکی جو پہلی ہی ملاقات میں اتنی بے تکلف ہوگئی تھی، اسے بے حد دلچسپ لگی اور کمال کی بات یہ بھی تھی کہ اسے اس کی بے تکلفی بری بھی نہیں لگ رہی تھی۔ حالانکہ وہ خاصا ریزرو قسم کا لڑکا تھا اور یوں چپک جانے والی لڑکیوں کو تو وہ سخت ناپسند کرتا تھا۔

"تو یقیناً" آپ کی مدر نے آپ کے پاپا کو اور آپ کو کبھی پاکستان جانے نہیں دیا ہوگا۔ صحیح کہہ رہی ہوں نا

ہیں۔" اس کی سوالیہ نظریں موحد کی طرف اٹھی تھیں۔
"اور اگر میں کہوں کہ آپ کا اندازہ غلط ہے تو...." وہ کھل کر مسکرایا۔
"ہرگز نہیں، آپ کی شکل و صورت خود ہی بتا رہی ہے کہ آپ مکسڈ بلڈ ہیں۔"
"میری ماما پاکستانی ہیں۔ خالص پاکستانی اور پاپا بھی...."
"رئیلی...." (سچ میں....) اس کا منہ حیرت سے کھلا اور کچھ دیر کھلا رہا۔
"امیزنگ...." (حیرت انگیز) اس نے پھر موحد کو غور سے دیکھا۔
"پہلی بار ہے کہ میرا اندازہ غلط ہوا۔"
"ہمیشہ ہر اندازہ صحیح نہیں ہوتا مس اہل...." وہ سنجیدہ ہوا۔
"آپ صحیح کہتے ہیں۔" اس نے فوراً" اپنی غلطی تسلیم کرلی۔
"میں ہمیشہ آپ کی طرح صحیح نہیں کہتا، کبھی کبھی غلط بھی ہو جاتا ہوں۔"
"وہ تو میں بھی...." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور پاکٹ سے ایک اور چیونگم نکال کر اس کا ریپر پھاڑا اور چیونگم منہ میں رکھ کر ریپر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔
"اگر میں اپنے ملک میں ہوتی تو پتا ہے کیا کرتی۔" اس کے پاس بینچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے بتایا۔ "میں یہاں ہی بیٹھے بیٹھے ریپر اچھال کر پھینک دیتی۔ حالانکہ وہاں بھی پارکوں میں جگہ جگہ بن پڑے ہوتے ہیں۔" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"آپ ایسا کیوں کرتیں پبلک پلیس کو صاف رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔"
"ہاں...." وہ ہنسی۔ "یوں ہی دیکھا دیکھی.... حالانکہ میں جانتی ہوں، یہ غلط ہے، ہم میں سے سب جانتے ہیں یہ غلط ہے، پھر بھی...." موحد نے تاسف سے اسے دیکھا۔
"ہر بندے کو انفرادی طور پر اپنا عمل صحیح رکھنا چاہیے.... ہولے ہولے معاشرہ خود ہی سنور جائے گا۔ تم پاکستانی تب ہی تو ابھی تک ترقی نہیں کر سکے۔"
"تم نہیں.... ہم پاکستانی...." اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔ "اور میں پاکستان کے متعلق کوئی برائی نہیں سن سکتی۔ نہ پاکستانیوں کے متعلق خواہ وہ کتنے بھی برے کیوں نہ ہوں۔" موحد کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرت نظر آئی۔ "خیر تم نہیں سمجھ سکتے، اس لیے کہ تم کبھی پاکستان نہیں گئے ویسے...." وہ پوری کی پوری اس کی طرف مڑ گئی۔ "تمہارے ماما، پاپا یقیناً" بہت خوب صورت ہوں گے۔"
"والدین بچوں کے لیے ہمیشہ خوب صورت ہوتے ہیں۔ چاہے وہ خوب صورت نہ بھی ہوں۔ میرے لیے بھی میرے ماما، پاپا دنیا کے سب سے خوب صورت والدین ہیں۔"
"تم اکلوتے ہو۔" اب کے اس نے پھر اندازہ لگایا تو موحد ہنس دیا۔
"تمہارا اندازہ ٹھیک ہے۔"
"میں بھی اکلوتی ہوں اور یہ اکلوتا ہونا بڑا عذاب ہوتا ہے۔ آدمی خود کو کبھی کبھی بالکل تنہا محسوس کرتا ہے۔"
"ہوں...."
"لیکن خیر میں اتنی بھی اکلوتی نہیں ہوں۔ وہاں پاکستان میں میرے کزن وغیرہ ہیں، لیکن میری سب سے زیادہ دوستی شامی سے ہے اور وہ بھی مجھے بہت چاہتا ہے اور بہت خیال رکھتا ہے میرا.... لیکن یہاں آتے ہوئے میری اس سے لڑائی ہوگئی تھی اور میں اسے بتائے اور ملے بغیر ہی آگئی۔ آج پچیس دن ہوگئے ہیں مجھے یہاں آئے ہوئے اور ان پچیس دنوں میں اس نے چالیس دفعہ مجھے فون کیا ہے، لیکن میں نے بھی اٹینڈ نہیں کیا۔" وہ مسکرا رہی تھی اور موحد اسے دیکھ رہا تھا۔
"تم ویسے اپنی ماما پر گئے ہو یا پاپا پر...." اس نے ایک دم ہی ایک غیر متعلق بات کردی تھی۔
"پتا نہیں...." موحد چونکا۔ "میں نے کبھی غور

نہیں کیا۔ ویسے تم ایک لمحہ زمین کی بات کررہی ہوتی ہو تو دوسرے لمحے آسمان کی۔۔۔ اب تمہارے کزن کی باتوں میں میرا کیا ذکر۔۔۔"

"شامی بھی یہ ہی کہتا ہے۔" اس نے چیونگم کا غبارہ بنایا۔ "دراصل میرے دماغ میں بیک وقت بہت سی باتیں چل رہی ہوتی ہیں۔ یہ بات دراصل میں تم سے پہلے پوچھنا چاہتی تھی۔ بیچ میں اور ذکر چل پڑا تو۔۔۔ خیر تم کافی سے زیادہ خوب صورت ہو۔ میں نے بہت کم لڑکوں کو اتنا خوب صورت دیکھا ہے۔" وہ ذرا سا جھینپ گیا۔ لڑکیاں اکثر بے باک انداز میں اس کی تعریف کرتی تھیں تو اسے انتہائی ناگوار گزرتا تھا' لیکن اس وقت اس اجنبی لڑکی کی بات اسے ناگوار نہیں لگی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس کی آنکھوں میں بے باکی نہیں تھی۔ حیا تھی۔ چہرے پر سادگی اور معصومیت تھی۔

"یہ بات میں تمہارے لیے بھی کہہ سکتا ہوں اور یہ بھی کہ تمہارے پاپا نے بھی کیا کسی گوری میم سے شادی کی ہے۔" اس نے اس کی سبز مائل آنکھوں کو دیکھا۔

"ہاہا۔۔۔" وہ زور سے ہنسی۔ "میرے پاپا اور گوری سے شادی۔۔۔ ارے وہ تو کسی پاکستانی سے بھی شادی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔"

"کیا مطلب۔۔۔" موحد کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"تمہارے پاپا نے شادی نہیں کی اور تم۔۔۔" اہل نے اس کی طرف دیکھا اور پھر جیسے اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ ہنستے ہنستے وہ یک دم دہری ہوگئی۔ موحد حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اوہ ہو۔۔۔ تم کیا سمجھ رہے تھے کہ میرے پاپا بھی تمہارے ان گورے گوریوں کی طرح۔۔۔ مائی گاڈ۔۔۔" اس نے اپنے رخسار پر ہاتھ مارا اور ہنسنے سے نم ہوجانے والی آنکھوں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھا۔

"میرا مطلب تھا بے وقوف میرے پاپا دوسری شادی کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ میری ماما اصل میں جب میں دو سال کی تھی تو فوت ہوگئی تھیں اور پھر پاپا نے شادی نہیں کی۔ حالانکہ دادی تو اب بھی چاہتی ہیں کہ پاپا شادی کرلیں' بھلے کسی گوری سے ہی سہی' لیکن پاپا کہتے ہیں۔ وہ عشق میں وحدانیت کے قائل ہیں اور یہ کہ نہ ماما سے پہلے کوئی تھا' نہ بعد میں۔۔۔" اس نے اب کے شہادت کی انگلی کی پشت سے باقی رہ جانے والی نمی پونچھی۔

"سوری۔۔۔" موحد کو سمجھ نہ آیا کہ وہ اس کے علاوہ اور کیا کہے۔

"میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ کبھی ماما تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہوجائیں اور میں دیکھوں کہ وہ کیسی تھیں اور کیسے لوگ ہوتے ہیں وہ جن سے ایسے عشق کیا جاتا ہے' جیسے پاپا نے ماما سے کیا۔۔۔ ان کے جانے کے بعد بھی۔۔۔ تصویروں سے تو کچھ پتا نہیں چلتا نا۔۔۔ میں تو یہ دیکھنا چاہتی ہوں وہ کیسے بات کرتی تھیں۔ کیسے چلتی تھیں اور کیسے ہنستی تھیں۔" اس کی سبز آنکھوں میں اداسی سی بکھر گئی۔ وہ آنکھیں جو کچھ دیر پہلے ہنس رہی تھیں' اب اداس تھیں اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر شاید بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کررہی تھی۔ موحد کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔۔۔ ماں کے بغیر زندگی کتنی ویران اور اداس ہوتی ہے بھلا اس سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔

"ہاں تو تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہاری ماما گوری تھیں یا۔۔۔" اس نے اس کا دھیان بٹایا۔

"میری ماما۔۔۔" اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ "ایک دم پاکستانی تھیں' خالص پاکستانی' تمہاری ماما کی طرح۔۔۔"

"لیکن تمہاری آنکھیں' تمہاری رنگت تو کچھ اور کہہ رہی ہے۔" اس نے اسی کی بات لوٹادی تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"دراصل میری دادی کشمیری ہیں۔ شملہ کی رہنے والی' میرے دادا چھٹیاں گزارنے شملہ گئے تھے تو واپسی پر دادی ان کے ساتھ تھیں اور میری آنکھیں اپنی دادی کی طرح ہیں سبز۔۔۔ سبزی اور رنگت بھی۔۔۔"

"اچھا..." موحد کے پاس جیسے بات کرنے کے لیے کوئی موضوع نہ رہا' لیکن اس لڑکی کے پاس تو جیسے ہزاروں موضوع تھے۔

"ویسے تم یہاں کیا کرتے ہو۔"

"بولٹن یونی ورسٹی سے میکینیکل انجینئرنگ کر رہا ہوں اور یہاں ہولنز ہوسٹل میں رہتا ہوں۔"

"اور تمہارے والدین برمنگھم میں ہیں۔ پھر تم چھٹیوں میں گھر کیوں نہیں گئے۔"

"میرا خیال تھا کہ ہوسٹل میں رہ کر پڑھوں گا۔ لیکن رات اتنا ہنگامہ تھا وہاں' جیری اور جان شراب پی کر کتوں کی طرح لڑ رہے تھے۔" وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔ "میں صبح صبح ہی یہاں پارک میں آگیا تھا اور پرسوں یا کل میں برمنگھم چلا جاؤں گا اور باقی کی چھٹیاں وہاں ہی گزاروں گا۔"

"کل کیوں' آج کیوں نہیں...." اس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ آج وہاں گھر پر کوئی نہیں ہوگا۔ میرے پاپا کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے ہیں اور کل کسی وقت واپس آجائیں گے۔"

"اور تمہاری ماما.... کیا وہ بھی گھر پر نہیں ہیں۔"

"نہیں...." اس نے نفی میں سرہلایا۔ وہ یک دم ہی بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔

"تمہاری ماما کبھی یہاں آئیں تو مجھے ضرور ملوانا' میں ادھر رہتی ہوں۔" اس نے بائیں طرف اشارہ کیا۔

"دراصل مجھے "امائیں" بہت اچھی لگتی ہیں' لیکن وہ جو "امائیں" نظر آتی ہوں' میڈم نیلوفر نہیں۔ تم سمجھتے ہونا۔ اماؤں کو کیسا ہونا چاہیے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے جیسے تصور میں دیکھنے کی کوشش کی۔

"ماں وہ ہوتی ہے جس کا وجود سراپا شفقت و محبت ہو۔ اس کی آنکھوں میں صرف محبت ہو۔ شفقت جسے دیکھ کر لگے جیسے کوئی مہربان وجود کوئی شجر سایہ دار اور جس کے بغیر گھر ویران اور اداس لگے۔" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"دراصل یہ بہت مشکل ہے ماں کی شکل کو لفظوں میں مجسم کرنا۔ کیا تمہاری ماما بھی ایسی ہی ہیں کہ انہیں دیکھ کر لگے کہ وہ ماں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتیں۔" وہ بولا نہیں' لیکن اس نے سرہلا دیا۔

"تو تم مجھے کسی روز اپنی ماما سے ملوانا.... تم چھٹیوں میں برمنگھم جا رہے ہونا.... تو ہم بھی کبھی کبھی برمنگھم جاتے ہیں۔ وہاں میرے پاپا کے فرینڈ رہتے ہیں' تو اگر ان چھٹیوں میں ہم وہاں گئے تو میں ضرور تمہاری ماما سے ملنے آؤں گی۔ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔" اس کے لہجے میں اشتیاق تھا اور آنکھوں میں کوئی حسرت کرلائی تھی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی سبز آنکھوں میں اداسی کا غبار سا پھیل گیا تھا یا موحد کو لگا تھا۔

"میری ماما گھر پر نہیں ہوتیں۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں۔" موحد نے نظریں جھکالی تھیں۔ شاید وہ اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ "پچھلے سات سال سے وہ کومے میں ہیں۔ ایک حادثے کے بعد وہ کومے میں چلی گئی تھیں اور...." اس نے ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بکھرا اداسی کا غبار جیسے اس کے پورے وجود پر چھا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی' بالکل خاموش جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے کوئی لفظ نہ بچا ہو۔ پھر اس نے سر اٹھا کر موحد کی طرف دیکھا جو اپنے جوتے کی ٹو زمین پر ہولے ہولے مار رہا تھا اور اس کی نظریں اپنے جوتے پر ہی تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ اس موقع پر کیا کہنا چاہیے۔ شاید لفظ ایسے ہی موقعوں پر بے معنی محسوس ہوتے ہیں' لیکن ہوسکتا ہے کوئی معجزہ ہو جائے اور وہ ٹھیک ہو جائیں' ہو تو سکتا ہے نا معجزہ۔" اس نے تائید چاہتی نظروں سے موحد کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہو تو سکتا ہے۔" اس کی آواز بے حد آہستہ تھی' سرگوشی جیسی۔

"میں اور پاپا پچھلے سات سال سے اسی معجزے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آج' کل' پرسوں' کسی ٹائم۔" وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ پارک میں اب جاگنگ کرنے والوں کی تعداد بڑھ گئی تھی' کچھ بچے کچھ ینگ لڑکے۔

"میں اب چلتا ہوں۔"

"کچھ دیر بیٹھو گے نہیں؟"

"میں جا کر ناشتا کروں گا۔ میں نے رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ پھر سو جاؤں گا۔"

"لیکن وہاں تو..." امل کہنا چاہتی تھی کہ وہاں تو شور تھا۔ پھر کیسے سو پاؤ گے۔

"نہیں میرا خیال ہے وہ سب اب تھک ہار کر سو چکے ہوں گے۔" وہ جیسے جان گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"تم زیادہ بڑے نہیں لگتے' میرا خیال ہے تمہاری عمر یہی اکیس بائیس سال ہوگی۔" امل بھی کھڑی ہو گئی تھی اور اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر اس کے صحیح اندازے پر حیران ہوا۔

"ہاں... میں تقریباً" بائیس سال کا ہوں اور تم مجھے اٹھارہ سال سے زیادہ کی نہیں لگتی۔"

"میں انیس سال کی ہوں۔" وہ مسکرائی۔ "ابھی 25 دسمبر کو میں پورے انیس سال کی ہوئی ہوں اور مجھے اس پر بڑا فخر محسوس ہوتا ہے کہ میں 25 دسمبر کو پیدا ہوئی ہوں۔ جانتے ہو کیوں؟"

"اس روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام..."

"ہوں... ہوں..." اس نے سر ہلایا۔ "ہمارے قائداعظم کی تاریخ پیدائش بھی 25 دسمبر ہے۔" اس نے جیسے فخر کے احساس سے گردن اونچی کی۔

"تم جانتے ہو قائداعظم کو..."

"ہاں شاید... نہیں..." وہ بوکھلایا تو وہ ہنس پڑی۔

"تم تو یہاں ہی پیدا ہوئے ہونا' تمہیں کیسے پتا ہو سکتا ہے... حالانکہ تم خود کو پاکستانی کہتے ہو۔ قائداعظم پاکستان کے بانی ہیں۔"

"ہاں... تو مجھے پتا ہے یہ تو..." وہ ذرا سا شرمندہ ہوا۔ "بانی پاکستان کا نام محمد علی جناح ہے اور قائداعظم غالباً" انہیں ہی کہا جاتا ہے۔"

"یا اللہ میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی کسی ایسے پاکستانی سے بھی ملوں گی جو قائداعظم کے متعلق بات کرتے ہوئے اتنے تذبذب میں پڑ جائے گا۔" اس نے سر پر ہاتھ رکھ کر فوراً" اٹھالیا۔ "مجھے یقین ہے' پھر تو تم علامہ اقبال' محمد علی جوہر' بہادر یار جنگ کسی کو بھی نہیں جانتے ہو گے۔ خیر دو چار ملاقاتوں میں تمہیں سب کے متعلق تفصیل سے بتا دوں گی۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہم دوبارہ بھی ملیں گے۔"

"ہاں..." اس کی سبز آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

"میں ہر روز صبح یہاں جاگنگ کے لیے آتی ہوں اور تم بھی آتے ہو تو ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

"لیکن میں آج سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔"

"تو اب تو آؤ گے نا۔" وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں..." اس نے کہا اور تیزی سے مڑ گیا۔ چند لمحے وہ وہاں ہی کھڑی اسے دیکھتی رہی' پھر تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔ "ارے سنو... تم نے مجھے اپنا نمبر نہیں دیا اور نہ ہی اپنا نام بتایا ہے۔" وہ رکا۔

"تم نمبر لے کر کیا کرو گی۔" وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

میں نے بتایا تھا نا تمہیں کہ جب میں برمنگھم آئی تو تمہاری ماما سے ملنے آؤں گی۔"

"لیکن ماما تو..."

"ہاں تو کیا ہم ہاسپٹل نہیں جا سکتے انہیں دیکھنے۔"

اور موحد کو سمجھ نہیں آیا کہ وہ اس عجیب و غریب لڑکی سے کیا کہے۔ اس نے خاموشی سے پاکٹ سے بال پین نکالا۔

"میرے پاس فون ہے' تم نمبر بولو۔" اس نے کوٹ کی جیب سے فون نکالا۔ امل نے اس کا نمبر سیف کرلیا۔ "اور تمہارا نام..."

"موحد... موحد عثمان..."

"تمہارا نام بھی تمہاری طرح ہی خوب صورت ہے۔" اس نے پھر ایک بار اس کی تعریف کی تھی۔ موحد نے ایک نظر اسے دیکھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی نہیں ملنے والے' کیونکہ وہ پھر دوبارہ اتنی صبح پارک میں آنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ برمنگھم میں کبھی اسے ڈھونڈ نہیں پائے گی' کیونکہ اس نے جو نمبر اسے لکھوایا تھا۔ اس میں آخری دو ہندسے غلط تھے۔ اسے خواہ مخواہ چپک جانے والی لڑکیاں پسند نہیں تھیں۔ اگرچہ

یہ لڑکی اسے بہت مختلف لگی تھی۔ ان سب لڑکیوں سے جواب تک اسے ملی تھیں۔ اس کی کلاس فیلوز' اس کی پڑوسی لڑکیاں سے مختلف... بہرحال میں شاید اسے طویل عرصہ تک یاد رکھوں۔ اس نے ہاتھ ہلایا تو وہ رخ موڑ کر تیزی سے چلنے لگا۔

☼ ☼ ☼ ☼ ☼

اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں اور کاٹ میں سوئے بچے کے چہرے سے کمبل ہٹانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر پیچھے کرلیا۔ کاٹ کتنی خوب صورت تھی۔ کتنے دن اس نے مارکیٹ کے چکر لگائے تھے اور تب چین ون سے یہ کاٹ پسند کی تھی۔ نہ جانے کتنے کلر کے کمبل اور بیڈ شیٹ خرید ڈالی تھیں اور کپڑوں کا تو حساب ہی نہیں تھا۔

"یار یہ اتنے کپڑے... بس کرو اب..." ایک روز... احسن نے اس کی شاپنگ دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہمارا بچہ بڑا ہو جائے گا' کپڑے ختم نہیں ہوں گے۔"

"کیا کروں احسن' یہ کوریا اور یورپ والے بچوں کے کپڑے اتنے پیارے بناتے ہیں کہ جی چاہتا ہے سارا اسٹور ہی خرید لو۔ اتنے پیارے سوئیٹر' گاؤن' فراک..." اور احسن مسکرا دیے تھے۔

"چلو خیر' تم اپنا شوق پورا کرتی رہو' جو بچ گئے وہ دوسرے کے کام آجائیں گے۔"

"بالکل نہیں' اب دوسرے کے متعلق سوچنا بھی نہیں۔"

"پہلے کے متعلق بھی تم نے یہ ہی کہا تھا۔" احسن نے جتایا تھا۔

اور خود احسن کیا اس سے کم تھا۔ دبئی اور ساؤتھ افریقہ گیا' بزنس ٹور پر تو اٹیچی بھر کے نیو بورن بے بی ڈریسز لے کر آیا تھا۔ اسے بچوں کا بہت شوق تھا۔ جب اس نے ثمرین سے کہا تھا کہ کم از کم اس کے چار بچے ہونے چاہئیں تو ثمرین اچھل پڑی تھی۔

"ہرگز نہیں... اور پھر اتنی جلدی تو ایک بھی نہیں۔" اس روز وہ ہنی مون کے لیے یورپ گئے ہوئے تھے اور احسن نے بے اختیار ہی پارک میں کھیلتے ننھے ننھے بچوں کو دیکھ کر کہا تھا۔ وہ اکلوتا تھا اور اسے بچوں کی بہت چاہ تھی' لیکن ثمرین کو بچے کچھ ایسے خاص پسند نہ تھے' حالانکہ وہ بھی صرف دو بہنیں تھیں۔ ثمرین بڑی تھی' پھر بہن... اور احسن کو اس کے ردعمل پر حیرت ہوئی تھی۔

"ثمرن تمہیں بچے پسند نہیں ہیں۔ ذرا دیکھو تو ان ننھے فرشتوں کو' جی چاہتا ہے انہیں گود میں بھرلوں اور خوب پیار کروں۔"

"نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔" ثمرین نے نظریں چرائی تھیں۔

"لیکن میں اتنی جلدی بچہ نہیں چاہتی۔ بس دو تین سال بعد..." احسن نے پاس سے گزرنے والے بچے کو پیار کیا۔

"تھینکس..." بچہ شکریہ ادا کرکے بال کے پیچھے بھاگ گیا۔

"احسن میں تمہارے ساتھ زندگی کو پورے طور پر انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ دو سال تمہیں پانے نہ پانے کی جس اذیت سے میں گزری ہوں نا تو میرا جی چاہتا ہے ہمارے درمیان کوئی نہ ہو۔ چاہے وہ ہمارا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ میں تمہیں ہر لمحہ دیکھنا چاہتی ہوں' پوجنا چاہتی ہوں' احسن مجھے لگتا ہے بچہ آگیا تو میرا ارتکاز ٹوٹ جائے گا' بچہ میری توجہ اپنی طرف کرلے گا' تو میں تمہیں توجہ نہیں دے پاؤں گی' بس کچھ دن مجھے یہ یقین کرلینے دو کہ تم میرے سامنے ہو' میرے پاس ہو۔"

"اوکے جان احسن..." احسن نے حسرت بھری نظر پرام میں لیٹے بچے پر ڈالی تھی جو بے انتہا خوب صورت تھا۔

"ہمارے بچے بھی اتنے ہی خوب صورت ہوں گے ثمرین۔" اس نے سرگوشی کی تھی اور ثمرین کے گالوں پر گلال بکھر گیا تھا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ۔" وہ بھی بچے کو دیکھنے لگی تھی۔

وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ بے حد حسین تھے پرفیکٹ کپل..... جب اس کی شادی ہوئی تھی تو سب نے انہیں چاند سورج کی جوڑی کہا تھا۔ احسن نے اس کی خواہش کا احترام کیا تھا۔ کیونکہ وہ ثمرین سے محبت کرتا تھا اور ثمرین کو اس نے بڑی مشکلوں سے پایا تھا۔ پہلے ثمرین کے والدین تھے جو غیر برادری میں رشتہ کرنے کے لیے راضی نہ ہوتے تھے۔

اور پھر جب وہ قائل ہوئے تو احسن کی اماں تھیں جو بچپن سے ہی احسن کے لیے اپنی بھتیجی کا سوچے ہوئے تھیں اور پھر مرتے ہوئے بھائی سے انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ **حفصہ** کو اپنی بہو بنائیں گی لیکن دل کی اپنی شرارتیں تھیں۔ احسن کے دل نے ثمرین کو پسند کیا تھا اور یہ چاہت صرف چند روزہ تو نہ تھی بلکہ کئی برسوں پر محیط تھی وہ پڑوسی بھی تھے اور کلاس فیلو بھی۔ میٹرک تک انہوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا اور جب میٹرک کے بعد وہ الگ الگ کالجز میں گئے تو احسن اور ثمرین پر ایک کے ساتھ انکشاف ہوا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ثمرین بے انتہا خوب صورت تھی۔ اتنی حسین کہ لفظ اس کے حسن کو بیان کرنے سے قاصر ہو جاتے تھے۔

ثمرین نے بی ایس سی کے بعد پڑھائی چھوڑ دی..... احسن نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کر لیا..... ثمرین نے آنے والے ہر رشتے کو نہ کر دی۔ اس سے سات سال چھوٹی بہن بھی کالج میں پہنچ گئی تو والدین کو ہار ماننی پڑی..... احسن میں کوئی کمی تو نہ تھی ڈاکٹر' وجیہہ' خاندانی' امیران ہی کے فقے سے تعلق..... برسوں کا ساتھ بس برادری ایک نہ تھی تو یہ ایسی بات نہ تھی کہ وہ ثمرین کو کسی ناپسندیدہ شخص کے حوالے کر دیتے۔ احسن کی اماں نہ مانتی تھیں' لیکن **حفصہ** نے یہ کہہ کر راہیں آسان کر دی تھیں کہ اسے کسی ایسے شخص کی زندگی میں شامل نہیں ہونا جس کے من میں کوئی اور بستا ہو۔ یوں دونوں ایک ہوئے تھے اور پھر احسن کیوں نہ ثمرین کی خواہش کا احترام کرتا۔ چلو دو سال کا انتظار ہی سہی۔

لیکن قدرت کے اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔ ہر احتیاط کے باوجود جب ثمرین کو پتا چلا کہ وہ ماں بننے والی ہے تو وہ تڑپ تڑپ کر روئی..... شادی کے ایک سال دس دن بعد ڈاکٹر اسے خوش خبری سنا رہی تھی اور اس کا دل جیسے ڈوبا جا رہا تھا۔

"نہیں احسن نہیں..... اسے ختم کروا دیں۔"

"ہرگز نہیں....." احسن کا غصہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"یہ قتل ہے.... میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔" ہر دم اس پر نثار ہونے والا احسن اس سے پہلی دفعہ خفا ہوا تھا اور اس کی خفگی ثمرین کی برداشت سے باہر تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" چھ دن بعد ہی وہ ہار گئی تھی۔

"تم نہیں جانتیں ثمرین اللہ تمہیں کتنا بڑا اعزاز بخشنے والا ہے۔ ماں بننے کا اعزاز..... تمہارے قدموں کے نیچے جنت آنے والی ہے اور تم اس جنت کو ٹھکرانے چلی ہو....." احسن نے ثمرین کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ اس نے احسن سے سوری بھی کر لیا تھا۔ اس کی دلجوئی بھی کی تھی اور بچے سے متعلق اس کے خوابوں میں بھی شریک ہوئی تھی' لیکن اندر سے اس کا دل بجھ گیا تھا اور اس نے احسن سے چوری چوری ملازمہ سے کہہ کر کتنی ہی دوائیں منگوا کر کھالی تھیں' لیکن بے سود آنے والی روح نے دنیا میں آنا تو تھا۔ امی نے بہت ڈانٹا تھا اور جس روز بیبن نے اس کے کمرے میں خوب صورت بچوں کی تصویریں لگائی تھیں' تو اس روز اس کے اندر جیسے گدگدی سی ہوتی رہی تھی۔ ننھے ننھے ہاتھوں کا لمس جیسے اسے اپنے چہرے پر کئی بار محسوس ہو رہا تھا۔

"ارے یہ کیا۔" احسن نے تصویریں دیکھ کر پوچھا تھا۔

"بیبن کہتی ہے' خوب صورت بچوں کی تصویریں دیکھنے سے بچہ خوب صورت ہوتا ہے۔"

"تو مجھے دیکھ لیا کرو یار میں کیا کم خوب صورت ہوں۔"

"تمہیں تو ہر وقت دیکھتی ہوں۔"

"آپ دونوں کا بچہ بے حد خوب صورت ہوگا۔ کیونکہ آپ دونوں ہی بے حد خوب صورت ہیں۔" یہ صرف ہبین کی رائے نہ تھی' بلکہ نہ جانے کس کس نے کہا تھا۔

"تم دونوں کا بے بی۔ کیسا ہوگا۔" اس کی فرینڈز کہتیں۔ "ہمیں تو ابھی سے اشتیاق ہو رہا ہے اسے دیکھنے کا۔ جب تم دونوں ایسے ہو تو تمہارا بچہ۔۔۔"

اور وہ بھی سراپا انتظار بن گئی تھی۔ ڈھیروں شاپنگ کرتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں بچے کے نقوش بنتے بگڑتے رہتے۔ وہ ایسا ہوگا۔ نہیں وہ ایسا ہوگا' کبھی کبھی مارے اشتیاق سے احسن سے پوچھتی۔

"احسن وہ کیسا ہوگا' ہمارا بچہ۔۔۔"

"بچے یا ماں پر جاتے ہیں یا باپ پر وہ ہم دونوں میں سے کسی ایک جیسا ہوگا۔" احسن اس کی بے چینی پر حیران ہوتے۔ کہاں تو اس نے بچے کی آمد کا سن کر رو رو کر برا حال کر دیا تھا اور کہاں اس سے وقت کاٹے ہی نہیں کٹ رہا تھا۔

"یار وہ ہم دونوں جیسا ہوگا۔ ناک تمہارے جیسی' ہونٹ میرے جیسے' آنکھیں تمہاری جیسی' سوئی سوئی خوابیدہ سی۔۔۔" اس کی خوب صورت آنکھوں میں رنگ ہی رنگ ہوتے تھے۔

"نہیں بھئی۔۔۔ ناک بالکل تمہارے جیسی چھوٹی سی پیاری سی۔۔۔" وہ اس کی ناک کو چٹکی میں دبا کر چھوڑ دیتا۔

اور کاٹ پر دونوں بازو رکھے تھوڑا سا جھکی ثمرین کے آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے ہاتھ آگے بڑھایا' لیکن پھر پیچھے ہٹالیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ننھے سے چھ دن کے بچے سے ڈر رہی تھی' بلکہ اس لیے کہ وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس روز ہاسپٹل میں سسٹر رِیٹا کے بازوؤں میں گلابی کمبل میں لپٹے بچے کو ایک بار دیکھنے کے بعد اس نے دوبارہ نہیں دیکھا تھا۔ کل وہ گھر آئے تھے اور کل سے بچہ آیا کے پاس ہی تھا اور آج احسن کے کہنے پر کچھ دیر پہلے ہی آیا اسے کاٹ میں سلا کر گئی تھی۔ نیند میں بچہ کسمایا تو بے اختیار اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے تھپکا۔ بچے نے ہاتھ مارا تھا یا اس کے ہاتھ لگنے سے کمبل نیچے ہو گیا تھا۔ اس کی نظر بچے کے چہرے پر پڑی تھی۔ پیشانی کے وسط میں اخروٹ جتنا گول گومڑ بنا ہوا تھا۔ اس کا نچلا ہونٹ کٹا ہوا تھا اور دائیں طرف ناک میں سوراخ تھا اور ناک کے بائیں طرف بھی چھوٹی سی بٹنی جتنی رسولی تھی اور رخسار پر بھی۔۔۔

"نہیں۔۔۔" وہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی اور اپنی چیخ دبانے کے لیے نچلے ہونٹ کو بری طرح کچل ڈالا تھا' لیکن پھر بھی اس کے حلق سے چیخ نکل گئی تھی۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے بیڈ سے ٹکرا کر وہاں ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی اور اب اس کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ رو رہی تھی۔ اونچا اونچا بلند آواز میں۔۔۔

✡ ✡ ✡

"بابا مجھے ہوسٹل میں نہیں رہنا۔ مجھے کوئی اپارٹمنٹ لے دیں۔ سعد اور میں مل کر رہ لیں گے۔" رات دس بجے وہ عثمان ملک کو فون کر رہا تھا۔

"لیکن کیوں میری جان' یہاں ہوسٹل میں کیا مسئلہ ہے۔ تمہارا اپنا الگ کمرہ ہے۔ جو تم کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتے۔" وہ پریشان ہوئے تھے۔

"یہاں اس پورے ہوسٹل میں میرے اور سعد کے علاوہ کوئی اور مسلمان لڑکا نہیں ہے اور بابا۔۔۔"

"اوکے میری جان۔ میں دو تین دن تک کوشش کروں گا کہ آسکوں اور پھر دونوں مل کر کوئی اپارٹمنٹ دیکھ لیں گے۔" انہوں نے آج تک کبھی اس کی بات نہیں ٹالی تھی۔ وہ اگر کہہ رہا تھا تو یقیناً" کوئی مسئلہ ہوگا وہاں رہنے میں۔۔۔ انہوں نے سوچا۔

ورنہ موحد عثمان بچپن سے ہی بہت سمجھ دار تھا اور اس نے کبھی کوئی بے جا ضد نہیں کی تھی اور وہ تھا بھی

کتنا خوب صورت۔ انہوں نے تو کبھی اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا کہ کہیں ان کی نظر ہی نہ لگ جائے اور زینی تو ہر دم پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہتی تھی۔ جب وہ تیسری چوتھی کا طالب علم تھا تو تب... تب بھی ایک روز آکر اس نے شکایت لگائی تھی کہ بڑی کلاس کے لڑکے اسے تنگ کرتے ہیں۔ کوئی اس کے رخسار پر چٹکی لے لیتا ہے اور کوئی...

"اف او..." انہوں نے جھرجھری سی لی۔ ایسا بھی تو کوئی مسئلہ ہو سکتا ہے' لیکن اب تو وہ بائیس سال کا ہے اور... لیکن کیا پتا...

"سنو... سنو موحد..." گھبرا کر انہوں نے کسی قدر اونچی آواز میں کہا۔

"اگر تمہیں جلدی ہے تو میں صبح ہی آجاتا ہوں۔"

"نہیں بابا... آپ اپنی سہولت کے حساب سے آجائیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ایسی کوئی ایمرجنسی والی بات نہیں' لیکن میں یہاں سیٹ نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک بیٹا تو پھر پرسوں..." انہوں نے ایک اطمینان بھری سانس لی تھی۔

"ماما کیسی ہیں..." اس نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد پوچھا۔

"ویسی ہی... ساکت' خاموش کسی پتھر کی طرح..."

اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اسے صبح پارک میں ملنے والی لڑکی کا خیال آگیا۔ کیا نام تھا اس کا۔ امل... ہاں امل... تو اگر امل ماما سے ملی ہوتی تو یقیناً" کہتی۔ ارے یہ تو ماں کی مجسم تصویر ہیں اور یہ وہی ہیں جو بالکل ایاں لگتی ہیں۔ شفقت اور محبت کا پیکر۔ عجیب لڑکی تھی۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے اسے غلط نمبر دیا تھا۔ کیا تھا وہ اس کی ماں سے ملنا ہی تو چاہتی تھی۔

"چلو جو ہوا سو ہوا..." اس نے سر جھٹکا اور بابا کی بات دھیان سے سننے لگا جو اسے اپنے سیمینار کے متعلق بتا رہے تھے۔ اس کی زندگی میں صرف دو ہی رشتے تھے ماما اور بابا اور اگر کوئی تھے بھی تو وہ نہیں جانتا تھا اور نہ اس نے کبھی تجسس کیا تھا' نہ بابا اور ماما سے پوچھا تھا' وہ تو ان ہی دو رشتوں میں گم تھا اور اپنی ہر بات ان سے ہی شیئر کرتا تھا۔ ماما سے اور بابا سے... ماما اکثر اس سے اپنے بچپن کی یادیں شیئر کرتی تھیں' لیکن بابا نہیں' لیکن جب سے ماما کومے میں گئی تھیں۔ بابا اپنی ہر وہ بات جو کبھی ماما سے کہتے تھے' اس سے کہنے لگے تھے۔ پچھلے سات سال سے۔ ہاسپٹل کی باتیں اپنی کولیگز کی' اپنے پیشنٹ کی اور وہ بہت دھیان سے ان کی باتیں سنتا تھا۔ انہیں اپنی عقل کے مطابق مشورے بھی دیتا تھا۔ اور وہ بھی بہت دھیان سے اس کی بات سنتے تھے۔

"بابا..." اسے یک دم پھر امل کا خیال آیا تھا۔

"آپ کو پاکستان سے محبت ہے' لیکن آپ کبھی پاکستان نہیں گئے... میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد کبھی آپ کو جاتے نہیں دیکھا۔ مے بی (شاید) کبھی پہلے گئے ہوں۔" دوسری طرف عثمان ملک چونکے تھے۔

"یہ آج تمہیں کیسے خیال آگیا۔"

ایک لڑکی ملی تھی صبح پارک میں' کہہ رہی تھی کہ تم کیسے پاکستانی ہو جو کبھی پاکستان نہیں گئے۔ پاکستان میں پیدا نہیں ہوئے۔"

"خیر تمہاری جائے پیدائش..." وہ بات کرتے کرتے یک دم خاموش ہوئے تھے۔ "میں آخری بار تمہاری پیدائش سے چند دن پہلے پاکستان گیا تھا۔ پھر نہیں... کیا تم جانا چاہتے ہو؟"

"پتا نہیں..." اس نے کندھے اچکائے تھے۔ "لیکن جب اس لڑکی نے کہا تو میں نے سوچا ضرور کہ پاکستان کیسا ہو گا جو میرے بابا اور ماما کا وطن ہے۔"

"اوکے ڈیئر... اس پر بھی بات کریں گے۔ پرسوں ان شاء اللہ ملاقات ہوتی ہے۔ کل ہاسپٹل میں میرا بہت بزی دن ہے۔ کئی آپریشن کرنے ہیں مجھے..."

"اوکے اللہ حافظ بابا شب بخیر..."

"شب بخیر بیٹا..." فون بند کر کے وہ اپنے بیڈ پر آلتی

پالتی مار کے بیٹھ گیا۔

وہ کیمرج میں جانا چاہتا تھا' لیکن وہاں اس کا ایڈمیشن نہیں ہو سکا تھا اور پھر بابا بھی چاہتے تھے کہ وہ بولٹن میں ہی ایڈمیشن لے' حالانکہ بولٹن کے علاوہ بھی ایک دو یونی ورسٹیوں میں اس کا ایڈمیشن ہو گیا تھا' لیکن بس شاید بابا اسے دور نہیں بھیجنا چاہتے تھے اور یہاں اس یونی ورسٹی میں بابا کے دو دوست بھی تھے۔ ایک دوست مرتضیٰ صاحب تو اسی کے ڈپارٹمنٹ میں تھے اور سینئر لڑکوں کی کلاس لیتے تھے۔ وہ مکینیکل انجینئرنگ کر رہا تھا۔ مرتضیٰ صاحب سے تو اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ سنجیدہ سے مرتضیٰ صاحب اسے کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے۔ بابا سے پتا نہیں کیسے ان کی دوستی ہو گئی تھی۔ انہوں نے بھی بس سرسری سی باتیں کر کے بابا سے اجازت لی تھی کہ ان کی کلاس ہے' جبکہ حفیظ صاحب سے بابا کا رابطہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔

"مرتضیٰ اور میں بچپن کے دوست ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی سنجیدہ اور کم گو ہے' لیکن بہت مخلص اور سچا آدمی ہے۔ اگر کبھی تمہیں کوئی مسئلہ ہو تو اور میں نہ پہنچ سکوں تو ان سے ہی رابطہ رکھنا۔" بابا اسے بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بچہ نہیں تھا' لیکن وہ بابا کی ہر بات پر یوں سر ہلاتا جیسے وہ بچہ ہی ہو۔ سات سال سے بابا اس کی ماں اور باپ دونوں بنے ہوئے تھے۔ اور کتنا سچ کہا تھا اس لڑکی نے ماں کے بغیر گھر کتنے ویران اور اداس سے لگتے ہیں۔ وہ ایک بار پھر اس کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک اٹریکٹو اور دلکش لڑکی تھی اور اس کے بات کرنے کا انداز بہت مختلف تھا۔ لیکن بھلا یوں کوئی پہلی ملاقات میں اتنا بے تکلف ہوتا ہے۔ اس نے سر جھٹک کر کتاب اٹھالی۔ باہر خاموشی تھی۔ اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر لیپ ٹاپ کھول لیا تھا اور اب نہایت سنجیدگی کے ساتھ کچھ سرچ کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

امل نے گرم گرم سوپ کا باؤل ٹیبل پر رکھا۔

"شامی کا کوئی فون آیا تھا۔"

"نہیں۔۔۔" شفیق احمد نے کتاب سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"یعنی اب وہ مجھ سے پکا پکا ناراض ہو گیا ہے اور میں نے بھی تو اس کے چالیس فون اٹینڈ نہیں کیے۔ لیکن خیر مجھے پتا ہے' وہ پھر فون کرے گا مجھے۔" وہ مسکرائی اور باؤل میں سے سوپ نکال کر چھوٹے باؤل میں ڈال کر شفیق احمد کی طرف بڑھایا۔

"تم ککنگ اچھی کرتی ہو امل۔ اماں نے تمہیں بہت اچھی طرح سکھایا ہے سب۔۔۔"

"ہاں دادی جان کا تو بس نہیں چلا ورنہ وہ تو مجھے پنگوڑے میں ہی ہر فن میں طاق کر دیتیں۔"

"میں اماں کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا کہ انہوں نے تمہاری اتنی اچھی تربیت کی۔ وہ نہ ہوتیں تو شاید میں اکیلا تمہاری پرورش نہ کر پاتا۔"

"آپ دادی جان کا احسان مانتے ہیں۔" اس نے سوپ کا چمچہ منہ میں ڈالا۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔" شفیق احمد کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"تو تب ہی اس عمر میں آپ نے انہیں اکیلا کر دیا۔ مجھے اپنے ساتھ لا کر۔" ایک لمحہ کے لیے شفیق احمد خاموش ہو گئے' لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے امل کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا تھا انہیں کہ وہ زوبیا کے پاس چلی جائیں حیدر آباد۔۔۔"

"اور آپ سمجھتے ہیں کہ وہ چلی جائیں گی حیدر آباد' کبھی نہیں۔" اس نے سر ہلایا اور اپنے پیالے میں کچھ اور سوپ ڈالا۔

"وہ کبھی بھی بیٹی کے گھر جا کر رہنا پسند نہیں کریں گی بابا! آپ دادی کو بالکل نہیں جانتے۔" اس کی سبز آنکھوں میں ملال کے رنگ تھے۔

"اور وہاں دادی کتنی اکیلی ہو گئی ہوں گی نا میرے بغیر۔۔۔ اور وہ شامی کا بچہ۔۔۔ پتا نہیں وہ دادی کی طرف جاتا ہو گا یا نہیں اور میں اسے یہ ہی تو کہنے گئی تھی کہ

میرے جانے کے بعد وہ روز دادی کی طرف جائے اور مجھے اسے یہ بھی بتانا تھا کہ میں اپنے پاپا کے حکم پر جلاوطن ہو رہی ہوں۔"

"تم ایسا سمجھتی ہو امل...." انہوں نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے باؤل ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تو جب کوئی اپنے ملک سے دوسرے ملک میں جانے پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ جلاوطنی ہی تو ہوتی ہے۔ یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ پاپا جو میرے ملک جیسا ہو۔ میرے ملک کی شامیں، میرے ملک کی صبحیں، میرے ملک کی راتیں، یہاں کی شاموں، راتوں، صبحوں سے بالکل مختلف ہیں۔" شفیق احمد نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔ وہ عجیب سے تاسف میں گھرے بیٹھے تھے۔

"اگر میں نے یہ چاہا کہ میری بیٹی، میری اکلوتی بیٹی یہاں انگلینڈ میں آکر پڑھے تو کیا غلط چاہا۔ لوگ تو مرتے ہیں لندن اور امریکہ میں پڑھنے کے لیے.... میں خود یہاں تھا اور میری بیٹی پاکستان میں پڑھ رہی تھی اور میں نے اس کے لیے سوچا کہ وہ بھی یہاں سے ڈگری لے۔"

"آپ نے یقیناً" اچھا سوچا، لیکن پاپا آپ نے صرف بیٹی کے لیے سوچا، اماں کے لیے نہیں سوچا، ماں تو ماں ہوتی ہے پاپا.... جس کے بغیر دل اور گھر ویران ہو جاتے ہیں۔" اس کی پلکیں نم ہوئیں تو اس نے جھک کر باؤل اٹھاتے ہوئے پلکوں کی نمی چھپائی اور کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل میں ماں کے نہ ہونے کا کتنا ملال تھا۔ یہ شفیق احمد نہیں جان سکتے تھے۔ وہ تو اسے دادی کی گود میں ڈال کر مطمئن ہو گئے تھے کہ دادی نے دو سالہ امل کو سینے سے لگا لیا تھا، لیکن پتا نہیں امل کیسی بچی تھی کہ دادی کی بے تحاشا محبتوں کے باوجود اپنی ہر سہیلی کی ماں کو حسرت سے تکا کرتی تھی۔

"پاپا روٹیاں ابھی بنالوں یا کچھ دیر بعد...." وہ باؤل اٹھا کر لے جاتے ہوئے پوچھ رہی تھی، وہ چونکے۔

"ہاں.... نہیں مجھے بھوک نہیں ہے، تم کھالو۔"

"پاپا میں نے آلو اور مٹر کی بھجیا بنائی ہے۔ آپ نے چکن کا کھاتا نا، لیکن یہاں کا چکن.... مجھے اس کا ذائقہ پسند نہیں ہے۔ ہمارے ہاں کے چکن کا ذائقہ ہی اور ہوتا ہے۔ بھجیا بہت مزے کی ہے اور میں آج اسٹور سے نیشنل کا اچار بھی لائی تھی۔ تھوڑا سا کھالیں۔ کچھ دیر بعد روٹیاں بنالوں گی۔" انہوں نے سر ہلا دیا وہ ابھی تک اس کی بات میں الجھے ہوئے تھے اور ان کا دل تائید کر رہا تھا کہ انہوں نے صرف بیٹی کا سوچا، ماں کا نہیں۔

"لیکن بیٹیوں کو سدا گھر میں بھی نہیں رہنا ہوتا، آخر شادی کے بعد بھی تو اسے گھر چھوڑنا ہی تھا اور پھر اس کی ایجوکیشن کی خاطر ہی تو لایا ہوں اسے...." وہ خود کو سمجھا رہے تھے یا دل کو، لیکن دل نے جیسے اس کمزور جواز پر احتجاج کیا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ انہوں نے صرف بیٹی کے مستقبل کا سوچا تھا اور شاید اپنا بھی.... دس سال سے وہ یہاں پڑھا رہے تھے اور شاید اکیلے رہتے رہتے تھک گئے تھے۔ لیکن واپس جانے کو بھی ان کا جی نہیں چاہتا تھا۔ یہاں کی مصروف زندگی میں وہ ناہید کو بھول جاتے تھے یا سمجھتے تھے کہ انہیں ناہید کی یادیں یہاں اتنا تنگ نہیں کرتیں، جتنا پاکستان میں تنگ کرتی تھیں۔

ناہید ان کی ماں کی پسند تھی اور شادی سے پہلے انہوں نے اسے دیکھا تک نہ تھا، لیکن وہ پانچ سال جو انہوں نے اس کے سنگ گزارے تھے۔ ناہید نے جس طرح انہیں اپنا اسیر کیا تھا، جیسے اماں کا خیال رکھا تھا، وہ اس کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ تھی ہی ایسی کہ اس سے عشق کیا جاتا اور پھر اس کے بعد بھی یہ عشق ایسا ہی تھا۔ روز اول کی طرح.... اماں کی ضد شادی کرلو.... زویا کا اصرار.... وہ انکار کر کر کے تھک گئے تھے۔ وہ انہیں اپنا دل چیر کر نہیں دکھا سکتے تھے۔ اس لیے جب یہاں جاب ملی تو یہاں چلے آئے۔ ان دس سالوں میں وہ چار بار پاکستان گئے تھے اور ہر بار ہی اماں نے انہیں پاکستان میں رکنے اور شادی کرنے کے لیے کہا تھا اور ہر بار ہی ناہید ان کے سامنے آکھڑی ہوتی۔ پچھلی بار جب وہ پاکستان گئے تھے تو امل کے پیپرز لے آئے تھے۔ "میں چاہتا ہوں ایف ایس سی کے بعد

امل وہاں پڑھے۔"
"نہ میں تو اسے نہیں بھیجوں گی گوروں کے دیس میں... شرابی اور عیسائی لوگوں میں..."
"اماں میں ہوں گا وہاں پہ' اکیلی تو نہیں رہے گی نا۔" اماں ناراض ہوئیں، لیکن انہوں نے منا ہی لیا تھا انہیں۔ ماں تھیں نا' مان گئیں' لیکن امل... امل سے تو انہوں نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ وہ ایف ایس سی کر چکی تھی اور یہاں جیسے ہی ایڈمیشن اوپن ہوئے تھے انہوں نے سب مکمل کر کے اسے بلوالیا تھا۔ انہیں یاد آیا جب پچیس دن پہلے انہوں نے اسے ایئر پورٹ پر ریسیو کیا تھا تو انہیں وہ روئی روئی سی لگی تھی۔
اور ایئر پورٹ پر ان سے ملتے ہی پہلی بات جو کی تھی اس نے وہ یہ تھی کہ دادی بہت رو رہی تھیں۔
"شاید انہوں نے اسے یہاں بلوا کر غلط ہی کیا تھا۔ ستمبر میں کلاسز شروع ہوئی تھیں اور پورا سمسٹر ڈراپ کر کے دسمبر میں آئی تھی۔ اماں نے بتایا تھا۔ وہ بیمار ہے۔ اسے ٹائیفائیڈ ہے۔ اس کا بخار بگڑ گیا ہے اور وہ سمجھے ہی نہیں کہ وہ دادی کو چھوڑ کر یہاں آنا نہیں چاہتی' وہ بے چین سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کچن میں چلے آئے۔ ٹھیک ہے' اگر وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی تو وہ اسے واپس بھجوا دیتے ہیں' لیکن جیسے یک دم ان کا دل ڈوب گیا۔ ان کے اس چھوٹے سے گھر میں اس کے آنے سے کتنی رونق اتر آئی تھی۔ ہر وقت چہکتی رہتی۔ کیوں نہ اماں کو یہاں بلوالوں... کچن میں کھڑے کھڑے انہوں نے سوچا۔ تب ہی اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔
"مجھ سے روٹیاں صحیح نہیں بنتی تھیں۔ دادی نے بہت سر مارا' تب کہیں جا کر... دیکھیں کتنا زبردست پھلکا بنا ہے۔ پھولا پھولا سا' نرم اور مزے کا۔" اس نے پھلکا اتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھا۔
"امل..." انہوں نے کھنکار کر گلہ صاف کیا۔ "بیٹا اگر تم چاہتی ہو تو میں تمہیں واپس بھجوا دیتا ہوں وہاں ہی پڑھ لینا۔" دل ڈوب گیا تھا۔
"نہیں' خیر اب آگئی ہوں تو پڑھ ہی لوں گی۔ اتنا خرچ کیا آپ نے۔" اس نے جلدی جلدی روٹی بیلی۔
"بس آپ لمبی چھٹیوں میں ہر سال پاکستان بھجوا دیا کریں۔" تب ہی پاپا ہر فون کی بیل ہوئی تھی۔
"ضرور شامی کا ہوگا" اس کی سبز آنکھوں میں جیسے جگنو سے دمک اٹھے تھے۔ اس نے ٹائم دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔ "اس وقت پاکستان میں تو آدھی رات ہوگی۔ دادی تو سو رہی ہوں گی' ضروری شامی کا ہی ہوگا۔ چمگادڑوں کی طرح وہ دو بجے تک جاگتا ہے۔" اس نے روٹی توے پر ڈالتے ہوئے تبصرہ کیا اور باہر بھاگی۔
"پاپا آپ روٹی دیکھ لیجیے گا۔" اس نے شامی سے ناراضی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور شفیق احمد کے لبوں پر روٹی کو چمٹے سے پلٹتے ہوئے مسکراہٹ تھی اور ڈوبا ڈوبا دل آپوں آپ تیرنے لگا تھا۔
"شامی... شامی یہ تم ہونا۔" لاؤنج میں ریسیور کانوں سے لگائے وہ پوچھ رہی تھی۔ "وہاں تو اس وقت رات کے دو بجے ہوں گے۔"
"امل..." دوسری طرف شامی ہی تھا۔
"خیر اب معذرت کرنے کی ضرورت نہیں' میں تمہیں معاف کر چکی ہوں۔ یہ بتاؤ دادی کی طرف جاتے ہونا۔ خیال رکھتے ہونا ان کا..." وہ اس کی بات سنے بغیر ہی بولے چلی جا رہی تھی۔
"تم مجھے بتائے بغیر مجھ سے ملے بغیر چلی گئیں۔" اسے شامی کی آواز کچھ بھاری بھاری سی لگی تھی۔
"ہاں تو ناراض تھی تم سے... تم نے ڈانٹا بھی تو تھا نا۔ میں تو تمہیں بتانے ہی آئی تھی نا۔ خیر چھوڑو' لگتا ہے تمہیں نیند آ رہی ہے۔"
"نہیں وہ..." شامی کچھ کہنا چاہتا تھا کہ لیکن کسی کے چیخنے کی آواز آئی تھی' شاید کوئی رو رہا تھا۔ یک دم فون بند ہو گیا۔
"عفان یا بجو ہوں گے۔" اس نے سوچا۔ کچھ دیر وہ بیٹھی رہی کہ شاید ابھی پھر فون آئے' لیکن فون نہیں آیا تھا۔ البتہ پاپا نے آواز دی تھی۔ وہ ٹیبل پر کھانا لگا چکے تھے۔

"چلو کل خود ہی فون کرلوں گی اور اسے بتاؤں گی۔ اس کے متعلق کیا نام تھا۔ اس کا موحد عثمان۔۔۔ کیسا بونگا لڑکا تھا۔ خود کو پاکستانی کہتا تھا اور پاکستان کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئی' جہاں شفیق احمد اس کا انتظار کررہے تھے۔

☼ ☼ ☼
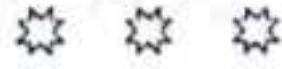
ہشام نے ریسیور کریڈل پر ڈالا تھا اور تقریباً" دوڑتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا عفان کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دروازے کے باہر بیٹھی تھیں۔ لٹی پٹی نڈھال اور وقفے وقفے سے ان کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ یہ چیخیں کسی ڈر سے نہیں نکل رہی تھیں بلکہ وہ رو رہی تھیں اونچا اونچا تڑپ تڑپ کر۔۔۔

"عفو۔۔۔ عفان میری جان۔" وہ دروازے سے سر پٹخ رہی تھیں۔

"ماما۔" وہ ان کے قریب ہی دو زانو بیٹھ گیا اور اس نے ان کے ہاتھ تھامے اور چوم کر چھوڑ دیے۔ پھر ان کا سر سینے سے لگایا اور دایاں بازو ان کے گرد حائل کرتے ہوئے ہولے سے کہنے لگا۔

"ماما پلیز ریلیکس۔" انہوں نے نظریں اٹھا کر کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔ خالی بیڈ۔۔۔ خالی کمرہ۔۔۔

"کیسے کیسے ریلیکس کروں شاہی۔ پتا نہیں وہ سویا بھی ہوگا یا نہیں۔ پتا نہیں اس نے کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں۔۔۔ تمہیں پتا ہے نا ہشام وہ میرے علاوہ کسی سے کھانا نہیں کھاتا تھا۔ میں لقمے بنا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتی تھی یہ عجو تو کھالیتی تھی نا تمہارے ہاتھ سے بھی' آیا کے ہاتھ سے بھی لیکن وہ نہیں۔۔۔ وہ ہاتھ مار کر ٹرے الٹ دیتا تھا۔۔۔ جب تک میں خود۔۔۔ وہ بھوکا ہوگا۔ ہشام۔۔۔ بھلا وہاں کون اس کی ناز برداریاں کرے گا کون۔۔۔ میرا بیٹا' میرا عفو۔ بھوکا ہوگا نا شاہی اسے تو نیند بھی نہیں آتی ہوگی۔" وہ رونے لگیں اونچا اونچا بلند آواز میں۔ انیس سالہ ہشام نے دونوں بازو ان کے گرد لپیٹ لیے۔

"ماما میں ڈھونڈ رہا ہوں اسے ڈھونڈ لوں گا چار دن سے میں صبح سے شام تک ڈھونڈتا رہتا ہوں اسے۔ وہ مجھے مل جائے گا تو ماما پرامس ہم اسے اور عجو کو لے کر چلے جائیں گے۔ یہاں نہیں رہیں گے۔۔۔ نانو کے گھر چلے جائیں گے۔ وہ گھر آپ کا بھی تو ہے نا۔۔۔ آدھا آپ کا آدھا خالہ کا۔۔۔ ہم اپنے حصے میں رہ لیں گے۔ نانو کبھی منع نہیں کریں گی۔ نانو بھی تو اکیلی ہیں نا وہ ہمارے جانے سے خوش ہوجائیں گی اور خالہ کو بھی جو ہر وقت ان کی فکر رہتی ہے نہیں رہے گی۔"

تم سچ کہہ رہے ہو نا ہشام۔۔۔" انہوں نے پرامید نظروں سے اسے دیکھا۔

"بالکل سچ ماما۔۔۔ بس آپ دعا کریں۔ اللہ دعائیں سنتا ہے اور ایک ماں کی دعا تو وہ ضرور سنے گا۔ رد نہیں کرے گا۔" ہشام نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے۔

"چلیں آئیں میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ دوں۔" اس نے انہیں اٹھنے میں مدد دی۔

"میں عجو کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آنکھ کھلنے پر اٹھ کر رونے لگتی ہے۔ اسے عفان یاد آتا ہے۔ وہ شاہ دولی ہے اس کے پاس عقل نہیں ہے۔ اسے کبھی کبھی دورے پڑتے ہیں' لیکن وہ عفان کو نہیں بھولتی۔ اور میں۔۔۔ میں تو ماں ہوں اس کی میں۔ کیسے بھول سکتی ہوں۔ تمہارے ڈیڈی نے یہ ظلم کیوں کیا ہشام۔۔۔ ہم کیا کہتے تھے انہیں اور ان کے آنے پر تو میں اسے کمرے میں بند کردیا کرتی تھی نا کہ اسے دیکھ کر انہیں غصہ نہ آئے۔ پھر بھی۔۔۔" انہوں نے ہشام کے ہاتھ تھام لیے۔ آنسو ایک بار پھر پلکوں کا بند توڑ کر ان کے رخساروں پر پھیل رہے تھے' لیکن اب ان کی آواز بلند نہیں تھی۔ وہ ہولے ہولے رو رہی تھیں۔

"ماما پلیز اب آپ بالکل نہیں روئیں گی۔ میں آپ کو سکون کے لیے ٹیبلٹ دیتا ہوں۔ آپ آرام سے سوجائیں۔۔۔ میں ادھر لاؤنج میں ہی صوفے پر لیٹا ہوں۔ عجو روئی تو میں دیکھ لوں گا اسے' لیکن آپ کو آرام و سکون سے سونا ہے۔ کتنی راتوں سے آپ ایسے

ہی جاگ رہی ہیں۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو بجو کا کیا ہو گا۔ ڈیڈی اسے بھی کسی ادارے میں چھوڑ آئیں گے۔" ہشام نے جیسے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نہیں۔" انہوں نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

"تو پھر آپ کو اپنا خیال رکھنا ہے۔ پرامس۔" انہوں نے سر ہلا دیا۔ وہ انیس سال کی عمر میں کسی سمجھ دار اور مدبر مرد کی طرح بات کرتا تھا۔

یہ ان کا بیٹا تھا، لیکن انہوں نے ایسے کبھی وہ توجہ نہیں دی تھی جو اس کا حق تھا کیونکہ اس کے ساتھ ہی عفان بھی تو تھا۔ جب انہوں نے ہشام کو گود میں لیا تھا تو انہیں لگا تھا جیسے آسمان سے چاند اتر کر ان کی گود میں آگیا ہے، لیکن جب نرس نے کمبل میں لپٹا دوسرا بچہ ان کی گود میں ڈالا تھا تو وہ گنگ سی ہو گئی تھیں۔ ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

"ہمارا ایک بچہ بالکل نارمل ہے جبکہ دوسرا....." عبدالرحمٰن ملک ان کے پاس بیٹھے ہولے ہولے بتا رہے تھے۔

"اگر تم کہو تو اسے کسی ادارے کو دے دیں۔" یہ اس کی پیدائش کے دس دن بعد کی بات تھی اور عبدالرحمٰن نے ان کی رائے چاہی تھی۔

"ہرگز نہیں۔" دس دن کے بچے کو انہوں نے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا تھا۔ "یہ ہمارا بچہ ہے عبدالرحمٰن ہم کیسے....." آنسو ٹپ ٹپ ان کی آنکھوں سے گر کر اس کے کمبل میں جذب ہونے لگے تھے۔

"اوکے ریلیکس۔ میں نے تو تمہارے لیے کہا تھا آگے چل کے مشکل ہو گی۔ ایسے بچے کے ساتھ....."

"نہیں مشکل ہو گی مجھے کبھی مشکل نہیں ہو گی۔" انہوں نے اسے یوں بازوؤں میں لیا جیسے چھپا رہی ہوں۔ عبدالرحمٰن نے کوئی زیادہ پروا نہیں کی تھی کیونکہ ہشام تھا نا..... حویلی میں پورا مہینہ پھر چراغاں ہوتا رہا۔ خیرات دی جاتی رہی آخر سلیمان ملک کا پوتا

اور اس حویلی کا وارث پیدا ہوا تھا۔ کتنے سالوں بعد حویلی میں کوئی بچہ پیدا ہوا تھا۔ عبدالرحمٰن کے بعد ایک بھائی پھر ناہید تھی اور ناہید کے بعد یہ پہلی خوشی تھی جو اس حویلی نے دیکھی تھی۔ عبدالرحمٰن سے چھوٹے بھائی بھی بے اولاد تھے اور عبدالرحمٰن جن کی پہلی شادی اپنی چچازاد سے بیس سال کی عمر میں ہو گئی تھی اولاد سے محروم ہی رہے تھے چودہ سال بعد انہوں نے دوسری شادی کی تھی اور اللہ نے انہیں ایک نہیں دو بیٹوں سے نوازا تھا اگرچہ دوسرا بیٹا نارمل نہیں تھا، لیکن ایک تو تھا نا۔ حویلی کا وارث۔ سو خوشیاں منانا تو بنتا تھا نا۔ اور خوشیاں منائی گئی تھیں دل کھول کر لیکن وہ تو ہر وقت عفان کو یوں گود میں لیے بیٹھی رہتی تھیں جیسے ابھی کوئی چھین کر لے جائے گا۔

اس نے عبدالرحمٰن سے کہا۔ "عبدالرحمٰن میں مر جاؤں گی۔ مجھے ہر لمحہ یہاں دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی اسے مجھ سے چھین کر لے جائے گا۔"

"کسی کی جرات ہے، جو ہمارے بچے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔" عبدالرحمٰن آج کئی دنوں بعد اندر حویلی آئے تھے۔ ڈیرے پر ابھی تک جشن منایا جا رہا تھا۔ انہوں نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"جیسا بھی ہے یہ ہمارا بچہ ہے۔ ہمارا خون ہے اپنے خون سے سینچا ہے میں نے اسے۔ میں اسے خود پالوں گی۔"

"ہاں ہاں ضرور۔" عبدالرحمٰن تو یوں بھی ان کے حسن کے اسیر تھے چودہ سال انہوں نے اپنے سے دس سال بڑی چچازاد بہن کے ساتھ بڑی بے رنگ زندگی گزاری تھی۔

"تو پھر کراچی چلیں نا اپنے گھر۔ وہاں بڑے بڑے ڈاکٹر ہیں ہم عفان کو انہیں دکھائیں گے۔ کیا پتا وقت کے ساتھ وہ ٹھیک ہو جائے۔ آج کل تو بڑی ترقی کر لی ہے دنیا نے۔" اور وہ کراچی آگئیں۔ کراچی تو آنا ہی تھا کیونکہ وہ بیاہ کر کراچی ہی آئی تھیں اور یہ پہلے ہی طے ہو گیا تھا کہ وہ حویلی میں نہیں رہیں گی جہاں ان کی سوکن رہتی تھی جو حویلی تو وہ خاص خاص موقعوں پر ہی

جاتی تھیں اور اب تو حویلی کا وارث پیدا ہوا تھا اور اب ان کا حویلی جانا بنتا تھا، لیکن وہ صرف ستائیس دن بعد آگئی تھیں۔ بڑی اماں کو عبدالرحمٰن نے کیسے منایا تھا۔ انہوں نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ کراچی آکر خوش تھیں کہ یہاں بھانت بھانت کی باتیں کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ناہید نہا کر اپنی ساس کے ساتھ مبارک دینے آئی تو پہلی بار ان کی باتیں سن کر دل کو سکون ملا تھا۔ ناہید کے ہاں امل پیدا ہوئی تھی امل کی دادی نے عفان کو بھی گود میں لیا تھا اور پیار بھی کیا تھا۔ اور ان کے علاوہ وہ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے عفان کو پیار کیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے تو کبھی عفان کو پیار نہیں کیا تھا۔ ہاں کبھی کبھی وہ اسے غور سے دیکھتے ضرور تھے۔

"دل چھوٹا مت کرو بیٹی۔ یہ اس کی طرف سے آزمائش ہے۔ اللہ یونہی اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ صبر اور شکر کے ساتھ اس کی پرورش کرو۔ اللہ نے تمہیں ایک صحت مند بیٹا بھی تو دیا ہے۔" اور انہوں نے دل و جان سے اس کا دھیان رکھنا شروع کر دیا حویلی میں ہشام کو سنبھالنے والے بہت تھے۔ یہاں عبدالرحمٰن نے اس کے لیے ایک گورنس رکھ لی۔ کیونکہ وہ عفان کے ساتھ مصروف ہوتی تو ہشام ذرا سا بھی روتا تو عبدالرحمٰن بے چین ہو جاتے تھے۔

"پہلے ہشام کو دیکھو جانو۔"

"لیکن یہ۔" وہ بے بسی سے عفان کو دیکھتیں جو روتا تو روتا ہی چلا جاتا تھا۔

"نیوں گورنس آگئی۔۔۔ اور۔۔۔"

انہوں نے ہشام کی طرف دیکھا۔

"ماما کیا سوچ رہی ہیں چلیں میں نے کہا نا آپ نے کچھ نہیں سوچنا۔" یہ ان کا بیٹا تھا ہر لمحہ ان کا خیال رکھتا۔

"مجھے معاف کر دو ہشام۔۔۔ میں تمہیں بہت تنگ کرتی ہوں۔۔۔ میں نے عفان اور بجو کی ذمہ داریوں میں کھو کر تمہارا کبھی خیال نہیں رکھا۔۔۔ میں نے تمہارا اس طرح خیال نہیں رکھا جس طرح کوئی اچھی ماں رکھتی ہے۔ ہیں نا، میں اچھی ماں نہیں ہوں۔۔۔ میں کبھی بھی اچھی ماں نہیں تھی۔۔۔ مجھے معاف کر دو بیٹا۔" انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"ماما۔" ہشام نے تڑپ کر ان کے جڑے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے آنکھوں سے لگائے اور پھر اس طرح ہاتھوں میں لیے لیے بولا۔

"آپ بہت اچھی ماں ہیں۔ دنیا کی عظیم ماؤں میں سے ایک ماں اور مجھے فخر ہے کہ آپ میری ماں ہیں۔ ماما میں کبھی بھی آپ سے ناراض نہیں رہا۔۔۔ بہت بچپن میں ہی مجھے آپ کی مجبوری اور آپ کی ذمہ داری سے سمجھوتا کرنا آگیا تھا۔۔۔ آپ ایسا کبھی بھی نہیں سوچنا۔۔۔ ہشام کبھی اپنی ماما سے ناراض نہیں ہو سکتا۔۔۔ کبھی نہیں۔" ان کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انہوں نے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہونٹ رکھے۔

وہ انہیں لیے لیے کمرے تک آیا انہیں نیند کی ایک گولی دی اور پھر کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر لٹاتے ہوئے ان پر کمبل اوڑھا کر پاس ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اور ان کی طرف دیکھنے لگا یہ اس کی ماما تھیں۔ بیگم عبدالرحمٰن ملک۔ جو بے حد نفاست پسند بہت ویل ڈریسڈ اور بے انتہا خوب صورت تھیں اور جب عبدالرحمٰن شاہ پہلی بار انہیں حویلی لے کر گئے تھے تو سب نے دانتوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔

"ارے یہ اتنی حسین لڑکی عبدالرحمٰن کو کیسے مل گئی۔" حتیٰ کہ بڑی امی نے بھی ان کے حسن کو سراہا تھا اور یہ سب اسے ڈیڈی نے ہی تو بتایا تھا۔

"تمہاری ماں دنیا کی حسین ترین عورت ہے، ہشام، لیکن اس نے اپنے آپ کو رول لیا ہے۔" کیسی ویران اجڑی اجڑی سی لگ رہی تھیں اس وقت۔ پتا نہیں کتنے دنوں سے انہوں نے بال نہیں بنائے تھے کپڑے نہیں تبدیل کیے تھے۔ شاید جب سے عفان گیا تھا۔ وہ گیا کہاں تھا اسے تو لے جایا گیا تھا۔ اور ڈیڈی تھے جو اسے لے کر گئے تھے۔ ڈیڈی نے میڈم نیلوفر کو جانے کا کہا تھا، لیکن انہوں نے صاف منع کر دیا تھا۔

"ارے نہیں جاؤں گی کہیں۔ دم گھٹتا ہے اس بند

فلیٹ میں۔۔۔ یہ کہاں کا انصاف ہے عبدالرحمٰن صاحب کہ ایک بیوی تو یہ اتنے بڑے گھر میں رہے اور دوسری دو کمروں کے فلیٹ میں۔" اور بے چارے عبدالرحمٰن ملک بھاگتے چلے آئے تھے انہیں ہشام کی ناراضی گوارا نہ تھی۔

"چلو اپنا سامان سمیٹو فوراً۔" انہوں نے آتے ہی حکم دیا تھا "اور کس کی اجازت سے آئی تھیں تم۔"

"اپنے گھر آنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"یہ تمہارا گھر نہیں ہے شامی کی ماں کا ہے چلو دس منٹ میں تیار ہو جاؤ۔۔۔ نہیں تو ابھی طلاق دے کر فارغ کرتا ہوں۔۔۔" نیلوفر کو تو انہوں نے بھیج دیا تھا' لیکن ان کا سارا غصہ ماما پر اترا تھا۔ کیونکہ اسی وقت عفان کو دورا پڑ گیا تھا اور یہ دورے تقریباً" چار سال سے پڑ رہے تھے۔ وہ خوف ناک چیخیں مارتے ہوئے سارے گھر میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ پھر اس نے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیے تھے۔ دانتوں سے۔۔۔ ہشام نے ملازم کے ساتھ مل کر بڑی مشکل سے اسے پکڑ کر کمرے میں بند کیا تھا اور عبدالرحمٰن ملک غصے سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اتنے سالوں تک میں نے کچھ نہیں کیا' لیکن اب وہ گھر میں رکھنے کے قابل نہیں رہا۔ ہشام پر برا اثر پڑ رہا ہے۔۔۔ وہ اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دے یا اسے سنبھالے۔"

"خادم ہے نا' زیادہ تو وہی سنبھالتا ہے۔" وہ منمنائی تھیں۔

"نیلوفر نے بہت پہلے مجھے کہا تھا کہ ان بچوں کو کسی ادارے میں بھیج دو۔"

"نہیں۔ نہیں۔" وہ ہاتھ جوڑنے لگی تھیں۔

"عجو نے کیا بگاڑا ہے وہ تو بالکل بے ضرر سی ہے۔ کچھ نہیں کہتی۔ لڑکی ذات ہے عبدالرحمٰن خدا کے لیے۔۔۔" اور عبدالرحمٰن اٹھ کر بیڈ روم میں چلے گئے تھے اور وہ یہاں ہی بیٹھی روتی رہی تھیں کانپتی رہی تھیں اور عبدالرحمٰن کچھ دیر بعد تیار ہو کر نیلوفر کے فلیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ سات ماہ پہلے انہوں نے خاموشی سے نیلوفر سے شادی کر لی تھی۔ اس شادی کو سات ماہ ہی تو ہوئے تھے اور بڑی امی کو وفات پائے بھی تقریباً" دو سال ہو گئے تھے۔ وہ اب بہت کم حویلی جاتے تھے۔ بس کام سے اور ان کا زیادہ وقت نیلوفر کے ساتھ ہی گزرتا تھا حالانکہ وہ ماما کے پاؤں کی خاک بھی نہیں تھی اور اس وقت بھی وہ چلے گئے تھے اور ہشام بہت ڈس ہارٹ ہوا تھا۔ وہ ان کے لیے اداس تھا اسے ان سے بہت کچھ شیئر کرنا تھا' لیکن وہ چلے گئے تھے اور امل بھی اپنے پاپا کے پاس چلی گئی تھی بغیر ملے۔

اس روز وہ دادی کے پاس بہت دیر بیٹھا تھا اور دادی سے سفارش کرنے کو کہا تھا اور ڈیڈی اس عرصہ میں عفان کو لے کر چلے گئے تھے۔ ساری رات عفان نے ماما کو جگایا تھا اور وہ تھک کر سو رہی تھیں کہ ڈیڈی اسے لے گئے اور ماما کی حالت خراب ہو گئی۔ اور چار دن سے وہ ایدھی سینٹر اور دوسرے اداروں کے چکر لگا رہا تھا' لیکن عفان کہیں بھی نہ تھا۔ اس نے ماما کی طرف دیکھا وہ سو رہی تھیں وہ چپکے سے باہر آیا۔ آج بھی امل سے بات نہیں ہو سکی تھی' لیکن چلو اتنا تو پتا چل گیا کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہے اب اور یہ تو وہ جانتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہ سکتی۔ لاؤنج میں صوفے پر کشن سر کے نیچے رکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☼ ☼ ☼

"ثمرین پلیز ایسا مت کرو۔۔۔ کیوں کر رہی ہو اس طرح۔" احسن بہت دیر سے اسے سمجھا رہے تھے اور اس کے آنسو خاموشی سے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"تمہارا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔ یہ جیسا بھی ہے ہمارا بیٹا ہے تم اسے ایکسپٹ (قبول) کر لو۔ تمہیں اس کا کتنا انتظار تھا اور اب تم اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہو۔"

"مجھے اس کا تو انتظار نہیں تھا۔ میں نے جس کا

انتظار کیا تھا وہ تو... "اس کی نظریں سامنے دیوار پر لگے پوسٹر کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ بے حد خوب صورت بچہ جیسے قلقاریاں مارتا ہوا گود میں آنے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اس نے پوسٹر سے نظریں ہٹالیں اس کے آنسو پہلے سے زیادہ روانی سے بہنے لگے تھے۔

"دیکھو ثمرین۔" احسن نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہمارا بچہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اسے تھوڑا سا بڑا ہونے دو۔ یہ جو رسولیاں اس کے چہرے پر ہیں ان کو اپریٹ کر دیا جائے گا اور..."

"نہیں۔" اس نے ہاتھ چھڑا لیے۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا احسن یہ میرا بیٹا۔ ہمارا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے... یہ بہت بدصورت ہے اس کا سر دیکھا ہے تم نے انڈے کی طرح بالکل سپاٹ ایک بال بھی نہیں... میں نے چھوٹے بچے دیکھے ہیں... یہ بالوں سے سر بھرا ہوتا ہے اور یہ... اس کے بال کبھی نہیں اگیں گے اور یہ اس انڈے کے چھلکے جیسے سر کے ساتھ کتنا بھیانک لگے گا۔ سوچو... سوچو احسن۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا ثمو' سائنس بہت ترقی کر چکی ہے... یہ ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا کچھ نہ کچھ تو بہتری آئے گی۔"

"اچھا۔" وہ طنز سے ہنسی۔

"اور اس کا دماغ... مجھے تو لگتا ہے یہ نارمل بھی نہیں ہو گا... اور ایک ابنارمل بچہ ڈاکٹر احسن اور ثمرین احسن کا بچہ..." وہ عجیب طرح سے ہنسی تھی۔

"یہ اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش ہے ثمرین... ہم نے اللہ کو بھلا رکھا تھا۔ اللہ نے چاہا کہ ہم اسے یاد رکھیں۔ اسے پکاریں... اس سے دعا مانگیں... تم بھی دعا مانگو اللہ سے..."

"کیا دعا مانگنے سے یہ تبدیل ہو جائے گا اور اس کی جگہ کوئی خوب صورت بچہ آجائے گا... ایسا ہی جیسا کہ ہم ڈیزرو کرتے تھے۔"

"ثمرین۔"

"خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھالو۔" احسن بے زار ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"تمہاری وجہ سے میں بہت ڈسٹرب رہنے لگا ہوں... کل تھیٹر میں آپریشن کے لیے گیا اور آپریشن کیے بغیر آگیا... مجھے لگا میں غلط کر دوں گا جب تم اسے گود میں لو گی پیار کرو گی دودھ پلاؤ گی تو خود بخود تمہارے دل سے محبت کے سوتے پھوٹ پڑیں گے۔ تم تو ماں ہو ثمرین اور میں باپ پھر بھی ان چند دنوں میں مجھے اس سے بہت محبت ہو گئی ہے۔ میں جب اسے گود میں اٹھاتا ہوں تو میرے آنسو میرے اندر گرنے لگتے ہیں۔ اس خیال سے کہ آنے والے کل میں میرا بچہ کتنی تکلیف سے گزرے گا۔ ہم اسے باہر لے جائیں گے اس کا علاج کروائیں گے پلیز ثمرین..." ثمرین سر جھکائے روتی رہی جیسے اس نے احسن کی ایک بھی بات کو سمجھنے کی کوشش نہ کی ہو۔ احسن آیا کو بچے کے متعلق ہدایات دے کر چلا گیا... ثمرین یونہی ساکت بیٹھی رہی۔ بچہ رو رہا تھا' لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی تھی۔ وہ یونہی ساکت بیٹھی تھی۔ آیا نے آکر بچے کو اٹھا لیا۔

"شاید بھوک لگی ہے۔ بیگم صاحبہ آپ اسے پکڑیں تو میں اس کا فیڈر بنا لوں۔"

"نہیں اسے کاٹ میں ڈال دو۔" آیا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نسرین کو کہو فیڈر بنا دے۔" آیا بچے کو لے کر باہر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر ہولے ہولے چلتی ہوئی کاٹ کے پاس آئی۔ ننھے سے تکیے پر ننھا سا گڑھا تھا۔ وہ تکیے پر ہاتھ پھیرنے لگی پھر یک دم مڑی اور دروازے کے پاس سے آواز دی۔

"نسرین' خان کو بھیجو۔" خان چوکیدار تھا۔ کچھ ہی دیر بعد خان اندر آیا تھا۔

"جی بیگم صاحب۔"

"خان یہ کاٹ دوسرے کمرے میں بھجوانی ہے۔"

"جی میں قاسم کو لے کر آتا ہوں۔" کچھ دیر بعد ہی اس نے کاٹ گیسٹ روم میں رکھوا دی تھی... جہاں چند دنوں سے آیا رہ رہی تھی۔ آیا کو احسن لایا تھا۔

"نسرین، زرینہ کو کہو کہ میں نے کاٹ گیسٹ روم میں رکھوادی ہے۔ وہ بچہ اپنے پاس ہی رکھے۔ میرے پاس مت لایا کرے۔" نسرین کو کہہ کر وہ اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گئی تھی۔

"یہ کیا ہوا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا وہ ابارشن کروالیتی۔" وہ پھر رو رہی تھی۔

"یہ بچہ سزا ہے یا آزمائش۔ اور احسن کہتا ہے کہ میں شکر ادا کروں کس بات پر سزا پر یا آزمائش پر۔ لوگ تو مجھ پر ہنسیں گے۔" اس کا دل جیسے پتھر ہو رہا تھا اور اس میں اپنے بچے کے لیے کہیں کوئی گداز نہیں تھا۔ بچہ جسے نو ماہ تک اس نے اپنے پیٹ میں رکھا تھا وہ اسے بددعا دے رہی تھی۔

"اللہ کرے مرجائے وہ اس سے پہلے کہ کوئی اسے دیکھے اور جانے کہ ثمرین احسن نے ایسے بچے کو جنم دیا ہے۔" آنسو تکیہ بھگو رہے تھے تب ہی فون کی بیل ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل پر پڑے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"آپا کیسی ہیں۔"

دوسری طرف سبین تھیں۔

"گھر آنا مبارک ہو اور وہ کیسا ہے چھوٹو، یہ احسن بھائی انہوں نے مجال ہے۔ جو کچھ بتایا ہو۔ کہہ رہے تھے آکر دیکھ لینا۔" وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

"ابھی آخری پیپر دے کر آئی ہوں اور اب بازار جا رہی ہوں۔ یار کیا کروں امی میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں کچھ چیزیں ابھی لینی ہیں نا تم سب کے لیے "کافی کچھ تو پہلے ہی لے لیا ہے۔"

"کیا کرنا ہے سب "اتنا کچھ تو ہے۔"

"وہ تو آپ نے لیا ہے، ہم نے بھی تو کچھ لینا ہے اور احسن بھائی کی امی نے تو پورا جہیز تیار کیا ہوا ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے آپ کا بیٹا... وہ بے چاری تو تڑپ رہی ہیں اسے دیکھنے کو، لیکن ان کا پلاسٹر ابھی ایک ہفتے بعد کھلنا ہے۔ احسن بھائی نے بتایا تھا نا آپ کو کہ جس روز آپ اسپتال گئی تھیں اسی روز ان کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔" سبین کی وہی پرانی عادت بہت

بولنے کی جو اسے ہمیشہ اچھی لگتی تھی کہ محلے بھر کی خبریں سنا دیتی تھی آج بری لگ رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ وہ فون بند کر دے۔

"اچھا آپ بتائیں نا کس پر گیا ہے آپ پر یا احسن بھائی پر۔" اس کا دل جیسے کٹنے لگا۔

"کہا تو ہے احسن نے خود دیکھ لینا۔"

"آپ دونوں بھی نا۔" دوسری طرف سے سبین نے دانت پیسے تھے۔

"خیر کل آتو رہے ہیں دیکھ لیں گے۔ اچھا امی بلا رہی ہیں۔" اور ثمرین نے شکر کیا تھا اس نے فون خود ہی بند کر دیا تھا۔ اب پھر وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ کل جب سبین اور امی اسے دیکھیں گی اور سبین کیا کہے گی... کتنی ہرٹ ہو گی نا وہ بھی میری طرح... اور پھر کتنی ہی دیر وہ یونہی ہاتھ گود میں دھرے خالی الذہن سی بیٹھی رہی۔ پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی اور تھک ہار کر وہ ایم فائیو کی گولی کھا کر لیٹ گئی، بہت دیر سونے کے بعد اٹھی تو بھوک محسوس ہوئی۔ اس نے انٹر کام پر نسرین کو اندر آنے کے لیے کہا۔

"مجھے کچھ کھانے کو دو۔" اس نے نسرین کے اندر آنے پر کہا اور پھر احسن کا پوچھا۔

"صاحب نہیں آئے باجی۔ ان کا فون آیا تھا وہ آج رات نہیں آئیں گے۔ کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ بہت برا حادثہ ہوا ہے۔ جی بہت زخمی ہیں۔ ٹی وی پر بھی بتا رہے تھے جی۔"

"جب فون آیا تھا تو تم مجھے جگا دیتیں۔"

"انہوں نے منع کیا تھا کہ آپ سو رہی ہیں تو نہ جگاؤں۔ وہ کہہ رہے تھے وہ خود فون کریں گے دوبارہ۔"

"اچھا پہلے مجھے دودھ گرم کر کے دے دو پھر ایک سلائس اور تھوڑا سا سوپ۔"

"میں نے تازہ یخنی بنائی ہے دیسی چوزے کی صاحب نے کہا تھا۔ وہ لے آؤں۔" اس نے سر ہلا دیا اور نسرین چلی گئی۔ وہ کچھ دیر تو یونہی بیٹھی حادثے کے متعلق سوچتی رہی پھر اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ وہ

باہر آئی تو نسرین دودھ رکھ کر جا چکی تھی۔ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے کپ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا اور سامنے دیوار کی طرف دیکھا۔ خوب صورت بچوں کے تین پوسٹر جو بیبن نے لگائے تھے۔

"حالانکہ ان کی ضرورت نہیں، آپ احسن بھائی کو ہی دیکھ لیا کریں۔" بیبن ہنسی تھی۔ وہ دودھ پیتے ہوئے ان پوسٹروں کو دیکھتی رہی۔ پھر کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ کھڑی ہو گئی اور جب نسرین اس کے لیے یخنی اور سلائس لے کر آئی تو وہ تینوں پوسٹر اتار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ نسرین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہائے کتنے پیارے بچے تھے۔ آپ نے ایسے ہی ٹوٹے ٹوٹے کر دیے۔ مجھے دے دیتیں۔"

"یہ گند اٹھاؤ اور دفع ہو جاؤ۔" اس نے بلاوجہ ہی اسے ڈانٹا۔ وہ کبھی ملازموں کو خفا نہیں ہوتی تھی اور نسرین کا تو بہت ہی خیال رکھتی تھی۔ یتیم بچی تھی اور شادی کے بعد جب وہ احسن کے ساتھ یہاں جہلم آئی تھی۔ تب سے ہی وہ اس کے پاس تھی۔ نسرین نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ دیوار کی طرف دیکھ رہی تھی خالی دیوار جیسے ایک اور پوسٹر سے سج گئی تھی۔ انڈے کے چھلکے جیسا بغیر بالوں کے سر پیشانی پر اخروٹ برابر رسولی اور کٹا ہوا ہونٹ۔

"نہیں۔" اس نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ نسرین پتا نہیں کب چلی گئی تھی۔ ٹیبل پر یخنی پڑی تھی اور بھوک جیسے مر گئی تھی۔ اس نے بے دلی سے دو تین نوالے لیے بچے کی رونے کی آواز آرہی تھی جو آہستہ آہستہ قریب آرہی تھی پھر آواز بند ہو گئی اور ساتھ ہی نسرین دستک دے کر اندر آگئی اس کے ہاتھوں میں کمبل میں لپٹا بچہ تھا۔

"جاگ گیا تھا جی رو رہا تھا۔" اس نے بچہ بیڈ پر لٹا دیا۔ بچہ اچھی طرح پیک تھا۔

"وہ کہاں ہے... زرینہ۔" وہ بچے کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی اس کی نظریں نسرین پر تھیں۔

"جی وہ گھر چلی گئی۔ اس کا بچہ گر گیا تھا جی چھت سے۔ اس نے صاحب کو بتا دیا تھا صبح آجائے گی۔ ماں ہے نہ جی صبر نہیں کر سکی ورنہ بچے کی دادی نے تو منع کیا تھا۔ اس وقت رات میں نہ آئے۔"

بچہ بیڈ پر دائیں طرف لپٹا ہوا پڑا تھا اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اور وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ زرینہ چلی گئی تھی اور بچہ آج رات اسے ہی سنبھالنا تھا۔ نسرین، لیکن نہیں نسرین تو ابھی خود بچی ہے۔ بھلا بچے کو وہ کیسے سنبھالے گی اور رات کو وہ خود تو لاؤنج میں کارپٹ پر گدا بچھا کر سوجاتی تھی تو کیا بچے کو بھی... اور بچے کا نام... اس کا دھیان خود بخود ہی نام کی طرف چلا گیا تھا۔ انہوں نے کتنے ہی نام سوچ رکھے تھے۔ اگر لڑکا ہوا تو یہ نام رکھیں گے اور لڑکی ہوئی تو یہ اور اب پتا نہیں احسن نے کیا نام لکھوایا تھا اس نے پوچھا ہی نہیں تھا۔ ان دس دنوں میں ایک بار بھی نہیں پوچھا تھا۔ نسرین دودھ بنا کر لے آئی تھی۔

"سو رہا ہے۔" اس نے جھک کر بچے کو دیکھا تب ہی وہ نیند میں کسمایا۔

"نسرین بیٹا تم ذرا اسے دودھ پلا دو۔ دودھ کا ٹائم ہو گیا ہے نا۔ یہاں ہی بیٹھ جاؤ۔ میں ذرا باہر جا رہی ہوں کھلی ہوا میں دل گھبرا رہا ہے اور اس کا ڈائپر وغیرہ بھی چینج کر دینا۔" نسرین نے سر ہلا دیا تھا اور بڑی خوشی خوشی بچے کو گود میں لے کر آلتی پالتی مار کر کارپٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آگئی اور برآمدے میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگی۔ آسمان بالکل تاریک تھا اور لان میں درختوں کے پتے تیز ہوا سے شور مچا رہے تھے۔ ہوا میں بہت خنکی تھی شاید بارش ہونے والی ہے۔ وہ کچھ دیر یوں ہی برآمدے میں کھڑی رہی، لیکن کچھ دیر بعد ہی اسے کمر میں درد کا احساس ہوا۔ اسٹچز میں کھنچاؤ سا محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی دس دن ہی تو ہوئے تھے اسے لگا جیسے وہ مزید کھڑی نہ رہ سکے گی وہ اندر آکر لاؤنج میں صوفے پر گر سی گئی۔ نسرین بیڈ روم سے باہر آئی۔

"سو گیا ہے وہ دودھ پیتے ہوئے شرٹ گندی ہو گئی تھی۔ میں نے وہ بھی بدل دی ہے۔" نسرین نے آکر

بتایا۔

"کتنا کام رہتا ہے تمہارا اور تم نے کھانا کھالیا۔"

"برتن دھونے ہیں اور کچن سمیٹنا ہے اور کھانا ابھی نہیں کھایا۔"

"پہلے کھانا کھالو اور یہ ریموٹ مجھے دے دو۔"

"جی وہ بے بی اندر اکیلا ہے۔ ڈر جائے گا میری اماں کہتی تھیں چھوٹے بچے اکیلے میں ڈر جاتے ہیں۔ آپ اندر۔۔۔"

"تم جاؤ اپنا کام ختم کرو اور مجھے نصیحتیں مت کرو۔" اسے غصہ آیا تھا۔ نسرین سر جھکا کر کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ کچھ دیر ٹی وی دیکھتی رہی ٹی وی پر حادثے کی خبر ہی دکھائی جا رہی تھی۔ وہ تھک گئی تھی اور لیٹنا چاہتی تھی، لیکن وہ اپنے بیڈ روم میں بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔ جہاں وہ تھا اور وہ اس سے ڈر رہی تھی اسے دیکھنے سے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا چہرہ مختلف شکلوں میں بار بار اس کے سامنے آرہا تھا کٹے پھٹے ہونٹوں سے جھانکتے مسوڑھے اور ٹپکتی رال۔۔۔ ناک کا بھیانک سوراخ، بچے ہنستے ہوئے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ اس نے جھری جھری سی لی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور روم میں آگئی۔ بچہ بیڈ پر اس طرح لیٹا پڑا تھا نسرین نے اس کے ارد گرد تکیے رکھ دیے تھے۔ لگتا ہے نسرین کو اماں نے بچے سنبھالنے میں بھی ایکسپرٹ کر دیا تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"آج نسرین سے کہوں گی ادھر میرے کمرے میں ہی سو جائے۔" وہ بیڈ پر بیٹھنے کے بجائے صوفہ چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے صبح سے اب تک کوئی میڈیسن نہیں لی تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد درد کی لہریں سی اٹھ رہی تھیں۔ اس نے سر چیئر کی پشت پر رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ تب ہی فون کی بیل ہوئی تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر فون اٹینڈ کیا۔

"کیسی ہو جانو۔" دوسری طرف احسن تھا۔ اس کی آواز سے تھکاوٹ نمایاں تھی۔

"فارغ ہو گئے ہیں آپ۔" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ بس چائے پینے کے لیے آیا تھا۔ بہت بڑا حادثہ ہوا ہے چالیس پچاس بندے زخمی ہیں دس پندرہ مر گئے ہیں۔ تم ٹھیک ہو نا۔"

"ہاں۔"

"میڈیسن لے لی تھیں۔ زرینہ کے جانے سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔ یوں بھی کل آنٹی اور سبین آرہی ہیں۔ سنبھال لیں گی۔ او کے ڈیر اپنا خیال رکھنا۔" فون بند ہو گیا تھا، لیکن وہ ریسیور ہاتھوں میں تھامے کھڑی تھی۔

کافی دیر بعد اس نے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کمر میں ٹیس سی اٹھی۔ تو وہ لیٹ گئی۔

نسرین پتا نہیں کب کام سے فارغ ہوئی تھی اور کب لاؤنج میں اپنا گدا بچھا کر سو گئی تھی اسے خبر نہیں ہوئی تھی بچہ رونے لگا تھا اس نے چوسنی اس کے منہ میں دے دی اس نے کوشش کی تھی کہ وہ اسے نہ دیکھے لیکن اس کی نظر پھر بھی اس کے کٹے ہوئے ہونٹوں پر پڑ گئی تھی۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹی تھی۔

"نسرین۔" وہ اس کو آواز دیتی ہوئی اٹھی دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ نسرین بے فکری کی نیند سو رہی تھی۔

"نسرین۔" اس نے پھر آواز دی اور اس کی نظر وال کلاک پر پڑی ایک بج رہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر وہ اندر آئی اور بچے کو اٹھالیا۔ بچہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے ٹیبل کی طرف دیکھا۔ نسرین نے سونے سے پہلے اس کے دونوں فیڈر دھو کر بائل کر کے رکھ دیے تھے۔ پھر اس کی نظر باسکٹ پر پڑی جو غالباً نسرین نے ہی گیسٹ روم سے لا کر یہاں رکھی تھی۔ اس باسکٹ میں بچے کی ضرورت کا سامان تھا۔ اس نے دودھ کا ڈبا اور فیڈر بھی باسکٹ میں رکھ دیے اور لاؤنج میں کی ریک سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔۔۔ اور اندرونی گیٹ کھول کر پورچ کی طرف آئی۔ باسکٹ نیچے رکھ کر اس نے گاڑی کا لاک کھولا۔ وہ بچے کو ایک ہاتھ میں اٹھائے ہوئے تھی۔ اس نے بچے کو پچھلی سیٹ پر لٹایا اور پھر

کسی خیال سے وہ مڑکر اندر گئی اب اس نے کیری کاٹ بھی لے لی تھی اور بچے کو اس میں لٹا کر اس نے اسٹریپ لگائے۔ باسکٹ بھی رکھی۔ اور پھر گیٹ کا تالا کھولا۔ قاسم اور خان اپنے کوارٹر میں سو رہے تھے..... گاڑی باہر نکال کر اس نے اتر کر گیٹ بند کیا..... سٹیرنگ میں کھنچاؤ بھی تھا اور درد بھی..... اس کا ذہن بالکل خالی تھا وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی لیکن وہ گاڑی کو دوڑا رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی..... اس کے ذہن میں ابھی کچھ واضح نہیں تھا۔ باہر جھکڑ چل رہے تھے۔ شاید آندھی آنے والی تھی..... پھر پانی کی موٹی موٹی بوندیں بھی گرنے لگیں اور ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"موحد عثمان نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑی امل شفیق کو دیکھا۔ وہ آج بلیک جینز پر لیدر کا ہاف کوٹ پہنے ہوئے تھی اور سر پر ٹوپی کے بجائے سفید ڈاٹس والا سیاہ اسکارف تھا اور وہ اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے امل شفیق کے متعلق تین چار بار سوچا تو ضرور تھا یا شاید تین چار سے زیادہ بار لیکن اس سے دوبارہ ملنے کی اسے ہرگز توقع نہیں تھی حالانکہ آج صبح جب وہ پاپا کو اس کے متعلق بتا رہا تھا تو اسے دل میں تھوڑا سا افسوس ضرور ہوا تھا کہ اس مخلص سی لڑکی کو اس نے غلط نمبر دیا تھا۔

"تم مسز امیت کے مہمان ہو۔" وہ باڑھ کے دوسری طرف کھڑی تھی۔ دراصل یہ ایک ہی گھر کے دو پورشن تھے۔ دونوں پورشنز کے گیٹ اور عمارت بالکل الگ ہی تھی لیکن لان کو صرف یہ خوب صورت باڑھ الگ کرتی تھی بنانے والے نے جیسے انہیں کرائے پر دینے کی غرض سے بنایا تھا۔ موحد کے کہنے پر عثمان صاحب کل شام آئے تھے اور اسے گھر لے دیا تھا..... وہ شام کو ہی اپنا سامان اٹھا کر لے آیا تھا..... سعد واپس آتا تو وہ بھی آجاتا اس کی سعد سے بات ہوگئی تھی۔ وہ شارجہ گیا ہوا تھا۔ اپنے والدین سے ملنے۔ اس کی والدہ کی طبیعت کچھ خراب تھی اس لیے انہوں نے اسے بلا لیا تھا ورنہ وہ لمبی چھٹیوں میں ہی جاتا تھا۔ تین سال پہلے جب وہ برمنگھم سے آیا تھا تو اس کی ملاقات پہلے دن ہی سعد سے ہوئی تھی۔ سعد فیصل آباد پاکستان کا رہنے والا تھا لیکن اس کے والد شارجہ میں جاب کرتے تھے۔ وہ پہلے سال ایک ہی ہوسٹل میں رہتے تھے۔ دوسرے سال دونوں نے ایک اپارٹمنٹ لے لیا تھا اور اب تیسرے سال پھر وہ ہوسٹل میں تھے۔ لیکن اس ہوسٹل میں سوائے سعد کے اور اس کے کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔ جبکہ پہلے والے ہوسٹل میں مصری، یمنی، اردنی، انڈین پاکستانی لڑکے بھی تھے۔ پہلے ہوسٹل کا نام اور بناڈو تھا دوسرا ہولنز تھا۔

"تم مسز امیت سے ملنے آئے ہو۔" تھوڑی سے ردوبدل کے ساتھ اس نے اپنی بات دہرائی۔

"نہیں میں نیا کرایہ دار ہوں۔"

"اوہ گڈ۔" خوشی اس کی سبز آنکھوں میں واضح طور پر نظر آئی تھی۔ اور پھر اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا تھا۔

"میں بھی کبھی بالکل بھلکڑ ہو جاتی ہوں حالانکہ پاپا نے بتایا بھی تھا کہ مسز امیت لندن جا رہی ہیں اور ساتھ والا گھر خالی ہو رہا ہے..... اور یہ مسز امیت۔ جاتے ہوئے ملی بھی نہیں۔ آخر کو انڈین تھیں نا ہماری ازلی دشمن۔" وہ ہنسی۔

"چلو اچھا ہے اب تمہیں صبح صبح بھاگ کر پارک میں نہیں آنا پڑے گا۔ شور و غل سے گھبرا کر۔"

"خیر وہاں ہمیشہ شور و غل نہیں ہوتا وہ سب نیو ایئر نائٹ کی وجہ سے تھا۔ لیکن میرا ارادہ تھا شروع سے کہ ہم کوئی الگ اپارٹمنٹ لیں گے۔"

"تم اکیلے رہو گے یہاں۔"

"میرا ایک دوست ہے سعد وہ بھی رہے گا۔"

"کیسا ہے۔" وہ باڑ کے اور قریب ہوئی تھی۔

"اچھا ہے۔" موحد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"لڑاکا تو نہیں ہے۔" وہ اس کے لان میں ادھر ادھر نظر دوڑا رہی تھی۔

"نہیں تو۔ وہ بے حد سنجیدہ اور کم گو سا ہے۔"

"تم سے بھی زیادہ۔" وہ پھر ہنسی تھی اور موحد کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ اس بات کا کیا جواب دے۔ کیونکہ آج سے پہلے کبھی کسی نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ سنجیدہ اور کم گو ہے۔ اس کا اپنا خیال تھا کہ وہ کافی باتونی ہے۔ لیکن شاید اس لڑکی سے تو کم ہی ہو گا۔

"تم کب آئے ہو ادھر۔" اس کا جواب سنے بغیر اس نے اگلا سوال داغ دیا تھا۔

"رات کو۔۔۔ بابا کے دوست نے یہ جگہ دیکھ کر لینڈ لیڈی سے بات کرلی تھی پہلے۔ رات بابا آئے تو ہم آگئے۔ بابا آج واپس چلے جائیں گے یا پھر کل۔"

"تمہارے بابا کہاں ہیں۔" وہ اشتیاق سے تھوڑا سا آگے جھکی۔

"اور ماما۔۔۔۔" پھر یک دم جیسے اسے یاد آگیا کہ اس کی ماما تو اسپتال میں ہیں اور اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا۔

"سوری۔۔۔۔ مجھے خیال نہیں رہا۔"

"بابا اندر آرام کر رہے ہیں۔ میں ذرا گروسری کے لیے مانچسٹر اسٹور تک جا رہا تھا۔"

"تو چلو میں بھی جا رہی ہوں۔ میں باہر گیٹ پر تمہارا انتظار کرتی ہوں۔" وہ باڑھ کے پاس سے ہٹ کر شاید گھر کے اندر کی طرف جا رہی تھی۔ "عجیب چیکو لڑکی ہے۔" اس نے سوچا۔ اور یہ ساتھ والے گھر میں رہتی ہے تو خوامخواہ وقت بے وقت ڈسٹرب کرے گی خیر میں بھی صاف صاف کہہ دوں کہ مجھے فضول وقت ضائع کرنا ہرگز پسند نہیں ہے۔" اس نے دل ہی دل میں سوچا اور باہر نکل آیا وہ اس سے پہلے ہی گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔

"تم پہلے کہاں سے گروسری لیتے تھے۔؟"

"یہ کام ہمیشہ سعد کرتا تھا۔ میں تو بس آج ہی جا رہا ہوں۔۔۔۔ میں نے سوچا بابا کے لیے کچھ بنالوں۔"

"اور جب سعد نہیں ہوتا تو پھر کیا کرتے ہو۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"پھر ایسے ہی کام چلا لیتا ہوں۔ ڈبل روٹی کے ساتھ انڈے، آلو کچھ بھی، جو پکا پکایا مل جائے۔ ویسے میں سب کچھ بہت اچھا پکا لیتا ہوں۔" اس نے کچھ اس انداز میں کہا کہ امل ایک دم ہنس پڑی۔

"اس میں بھلا ہنسنے کی کیا بات ہے کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں وہ ناراض ہوا۔" جب ماما اسپتال چلی گئیں تو میں بابا کے ساتھ کچن میں ان کی مدد کرتا تھا۔ بابا ایسا تو نہیں پکا سکتے تھے جیسا ماما لیکن پھر بھی گزارہ ہو جاتا تھا۔۔۔ اور صرف دو سال بعد میں نے بابا کی مدد کے بغیر ہی بہترین ڈنر تیار کیا تھا۔" اس کے لہجے میں فخر سا تھا۔ اب کے امل نے اپنی مسکراہٹ کو چھپایا تھا۔

"سوری تمہیں میرا ہنسنا برا لگا۔" دراصل مجھے یوں لگا جیسے کوئی سگھڑ لڑکی اپنے سگھڑاپے کی تعریف کر رہی ہے۔"

اس نے برا سا منہ بنایا۔ تاہم اب وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"کیا ناراض ہوگئے ہو؟" وہ بہت گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں بھلا۔۔۔ میرا تم سے ناراضی کا کیا رشتہ بنتا ہے۔" ایک لمحہ کو وہ چپ سی کر گئی۔

"ہاں ٹھیک ہے لیکن اگین سوری۔ دراصل۔ شامی بھی بعض اوقات میری ہنسی سے چڑ جاتا تھا۔ میں کبھی کبھی یوں ہی سوچے سمجھے بغیر ہنس پڑتی ہوں۔" وہ وضاحت کر رہی تھی لیکن وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"وہ شامی۔۔۔۔ ہشام اس روز میں نے تمہیں اس کے متعلق بتایا تھا نا۔۔۔۔ میرے بڑے ماموں کا بیٹا ہے۔ وہ اگرچہ میرا ہم عمر ہے لیکن وہاں پاکستان میں وہ ہمیشہ میرا ایسے خیال رکھتا تھا جیسے وہ مجھ سے سو سال بڑا ہو۔۔۔۔" اس کے ہونٹ ذرا سا کھل کر بند ہو گئے تھے۔

"تمہیں کیا بتاؤں موحد عثمان کہ آج کل وہ کتنا پریشان ہے۔۔۔۔ میں اس سے ناراض تھی لیکن اب نہیں ہوں۔ یوں بھی بہت زیادہ دن تو میں اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتی۔ اس وقت اسے میری اتنی ضرورت ہے اور میں یہاں ہوں اور میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں

کرسکتی۔"

"تم اتنا کرسکتی ہو کہ ٹکٹ کٹاؤ اور کل کی کسی فلائٹ سے واپس چلی جاؤ۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے موحد عثمان نے جل کر سوچا۔

"پتا ہے اس نے ہر مشکل لمحے میں میرا ساتھ دیا میرے پاپا تو یہاں تھے نا اور جب دادی بہت زیادہ بیمار ہوئی تھیں، تو تب وہ ہی تھا جو دن رات اسپتال میں میرے ساتھ رہا تھا۔ زویا پھپھو تو تین دن بعد حیدر آباد سے آئی تھیں۔" اس کی سبز آنکھوں میں اداسی چھاگئی تھی اور کچھ دیر کے لیے وہ چپ کرگئی تھی۔

"توبہ یہ لڑکی کس قدر بولتی ہے۔" موحد عثمان نے سوچا تاہم ازراہ مروت پوچھ لیا۔

"تمہارا یہ ماموں زاد آخر اتنا پریشان کیوں ہے۔"

"وہ..." اس نے چلتے چلتے رک کر موحد عثمان کی طرف دیکھا۔ اور موحد کو پتا نہیں کیوں لگا جیسے اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے چمک پیدا ہوئی ہو۔ جیسے موحد عثمان کا شامی کی پریشانی کے متعلق پوچھنا اسے اچھا لگا ہو۔

"دراصل..." اس نے ایک لمحہ کے لیے سوچا کہ موحد عثمان کو یہ بات بتانی چاہیے یا نہیں... شامی نے خاص طور پر اسے منع کیا تھا کہ وہ کسی سے حتی کہ اپنے پاپا کو بھی اس کے متعلق نہیں بتائے گی۔ اور اس نے وعدہ بھی کرلیا تھا لیکن یہ تو موحد عثمان تھا جو نہ شامی کو جانتا تھا نہ اس کی فیملی کو اور جسے شاید کبھی پاکستان بھی نہیں جانا تھا تو اس سے شامی کا دکھ شیئر کرلینے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا۔ شامی کا دکھ جو دراصل اس کا بھی دکھ تھا... وہ بھی یہاں اتنی ہی پریشان ہوئی تھی۔ جتنا شامی پریشان تھا۔ اور کل شامی سے بات کرنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک مامی کا خیال کرکے پریشان ہوتی رہی تھی۔ شفیق احمد نے پوچھا بھی تھا لیکن وہ ٹال گئی تھی۔ اب جب شامی نے پاپا سے بھی بات کرنے کو منع کیا تھا تو وہ کیسے انہیں بتاسکتی تھی لیکن موحد عثمان۔

"دراصل..." وہ وہاں ہی گرین بیلٹ کے پاس کھڑی ہو کر اسے بتانے لگی۔ اور موحد عثمان حیرت سے اس کی بات سننے لگا۔

"نہیں... یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔ کوئی باپ اتنا ظالم کیسے ہوسکتا ہے کہ ماں سے چوری..." اسے ہشام اور اس کی والدہ کی پریشانی کا خیال افسردہ کرگیا۔

"نہیں خیر میرے ماموں ظالم تو نہیں ہیں... آخر انیس سال تک تو..." اس نے فوراً" ہی دفاع کیا تھا۔

"اسے سنبھالنا اب مشکل ہوگیا تھا۔ بعض اوقات وہ سارے کپڑے پھاڑ دیتا تھا۔ وہ شاہ دولہ تو ہے ہی لیکن اسے C.P کی بیماری بھی تھی... مامی اسے کبھی جانے نہ دیتیں اس لیے ماموں انہیں بتائے بغیر۔" وہ سانس لینے کو رکی تھی۔

"شاہ دولہ... سمجھتے ہو نا۔ چھوٹے سر والے۔"

"نہیں۔" موحد نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ہاں شاید یہاں شاہ دولے۔ نہیں ہوتے۔ وہاں پاکستان میں کئی فیملیز ایسے بچوں کو درگاہ پر چھوڑ دیتی ہیں۔ لیکن سب نہیں۔"

"اپنے بچوں کو۔" وہ اور بھی حیران ہوا تھا۔

"ہاں۔"

"لیکن مامی... میرا مطلب ہے شامی کی ماما انہوں نے اپنے بچوں کے لیے اپنی زندگی وقف کردی ہے... پتا ہے موحد کبھی تم انہیں دیکھو تو تمہیں لگے گا انہیں محبت کے ضمیر سے گوندھا گیا ہے۔ سراپا محبت و شفقت۔ ہر لمحہ اپنے بچوں پر نثار ہوتی 'قربان ہوتی۔ اور ان کی حالت کیا ہوگی میں اندازہ کرسکتی ہوں۔ میں یہاں بیٹھ کر بھی ان کے آنسوؤں کو محسوس کرسکتی ہوں... شامی مجھے نہ بھی بتاتا تب بھی۔ لیکن شامی نے مجھے بتایا کہ وہ ساری ساری رات سارا سارا دن عفان کے کمرے میں بیٹھی روتی رہتی ہیں... ایسے کہ کلیجہ پھٹتا ہے۔ ایسی ہوتی ہیں نا مائیں۔" اور موحد کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہے اس نے اس ہنستی مسکراتی لڑکی کو دیکھا جس کی سبز آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند تھی اور وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش کررہی تھی اور اسے افسوس ہوا کہ اس نے ہشام کی پریشانی کا پوچھ کر اسے اداس کیوں کیا۔

"چلیں۔" موحد نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔ بلاشبہ اس کی سبز آنکھوں میں مقناطیسیت تھی اور صبیح چہرے پر بلا کی کشش۔

"ہاں چلیں۔" اب دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ موحد نے دو تین بار اس کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش تھی شاید وہ ہشام کے متعلق سوچ رہی تھی۔ یکایک اس نے اپنے دل میں اس لڑکے ہشام کے لیے عجیب سا جذبہ محسوس کیا' کچھ حسد سے ملتا جلتا سا اور پھر وہ آپ ہی شرمندہ ہو گیا اور اس نے دل ہی دل میں خود کو سرزنش کی' وہ اس کا کزن ہے اور اگر وہ اس کے لیے پریشان ہو رہی ہے تو مجھے کیا۔ اس نے کندھے اچکائے۔

"میں آج دوسری بار اس سے ملا ہوں۔ اور یہ خود ہی زبردستی۔ خیر۔ پتا نہیں وہ کیسا ہو گا اس کا کزن اس کی طرح خوب صورت اور ہینڈسم سا ظاہر ہے اس کا ماموں زاد جو ہے۔" وہ ایک بار پھر ہشام کے متعلق سوچ رہا تھا۔ گروسری خرید کر وہ واپس آئے تو گھر کے گیٹ پر رک کر اس نے موحد کی طرف دیکھا۔

"میں شام کو تمہارے بابا سے ملنے آؤں گی۔"

"کیا اماؤں کی طرح تمہیں اباؤں سے بھی ملنے کا شوق ہے۔" وہ خوش دلی سے ہنسا تھا۔ اس کا موڈ کافی اچھا ہو گیا تھا۔ سامان خریدتے ہوئے وہ مسلسل اپنی رائے دیتی رہی تھی بلکہ کچھ ایسی چیزیں بھی خرید لی تھیں جو وہ خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے خریداری میں مدد کی تھی بلکہ دو چار ڈشز کی ریسیپی بھی بتا دی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ موحد کو ایک ریسیپی بھی یاد نہیں رہی تھی۔

"اماں اور ابا۔۔۔ دونوں ہی بچوں کے لیے اہم ہوتے ہیں اور دونوں کے بغیر ہی گھر ویران اور خالی ہو جاتے ہیں اور یہ بات مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے موحد عثمان کہ ماں تو میں نے دیکھی ہی نہیں اور باپ میری کم عمری میں ہی مجھ سے دور چلا گیا تھا۔۔۔ اور سالوں بعد کہیں۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ چھپاک سے اپنے گیٹ میں گھس گئی تھی۔ موحد کچھ دیر وہاں ہی کھڑا رہا

اسے اپنی خاموش زندگی میں یہ ہلچل اچھی لگی تھی انوکھی سی۔ اور یہ لڑکی' یہ بھی کچھ انوکھی ہی تھی۔ اتنا بولنے سے اس کے جبڑے بھی ضرور تھک جاتے ہوں گے۔ وہ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ لیے گیٹ کھول کر اندر چلا گیا۔ کچن کی سلیب پر سارا سامان رکھ کر وہ بیڈ روم میں آیا تو عثمان صاحب تیار کھڑے تھے۔

"ارے بابا آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"ہاں یار اسپتال سے فون آ گیا ہے۔ میرا ایک پرانا پیشنٹ ہے اسے میری ضرورت ہے۔" وہ ایک دم اداس ہوا تھا۔

"لیکن میں نے تو آپ سے کہا تھا دو تین روز رہیں میرے پاس۔"

"ہاں میں نے بھی سوچا تھا لیکن یار کیا کروں۔ تم تو خود کہہ رہے تھے برمنگھم آنے کو تو' چلو تیار ہو جاؤ چلتے ہیں اکٹھے۔"

"نہیں میں آج نہیں جا سکتا بابا مجھے کام ہے کچھ۔ ابھی کچھ سامان ہوسٹل میں بھی پڑا ہوا ہے۔ میں کل یا پرسوں آ جاؤں گا۔"

"او کے میری جان۔" انہوں نے پیار سے اس کے بال بکھیرے۔

"بابا۔۔۔ یہ ساتھ والے گھر میں پاکستانی فیملی ہے باپ اور بیٹی۔۔۔ وہی لڑکی' امل کے متعلق کل میں نے آپ کو بتایا تھا۔۔۔ وہ اور اس کے بابا۔۔۔"

"گڈ۔۔۔ پھر تو اچھی بات ہے اگر میرے پاس وقت ہوتا تو ضرور ان سے ملتا' چلو پھر کبھی سہی۔" وہ چلے گئے اور وہ بیڈ روم سے اٹھ کر لاؤنج میں آ بیٹھا تھا۔ کچھ دیر تو وہ یوں ہی بیٹھا رہا خاموش۔۔۔ بابا اندر تھے بیڈ روم میں پھر بھی گھر کتنا بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ صحیح تو کہہ رہی ہے امل۔ گھر کیسے خالی اور ویران ہو جاتے ہیں ان دو ہستیوں کے بغیر۔ شوخ و شریر تو وہ کبھی بھی نہیں رہا تھا بچپن میں بھی نہیں لیکن ماما کے کومے میں چلے جانے کے بعد وہ بہت سنجیدہ ہو گیا تھا۔ حالانکہ جب تک وہ وہاں تھا برمنگھم میں بابا کے ساتھ تو وہ بہت توجہ دیتے تھے اس پر۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس خالی گھر میں کوئی

آجائے اور بہت بولے۔ وہ خواہ مخواہ ہی ہوسٹل چھوڑ کر آگیا وہاں زندگی کا احساس تو ہوتا تھا۔ باہر کوریڈور میں سے گزرتے طالب علموں کے قدموں کی چاپ ہنسی، قہقہے، باتیں، ہوسٹل کے 6 فلور تھے اور طلبا بھی اتنے ہی تھے وہ بابا کے جانے سے یک دم بے حد قنوطیت محسوس کر رہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ اٹھا اور لیپ ٹاپ آن کر کے اپنا ادھورا کام کرنے لگا۔ پتا نہیں کتنی دیر گزر گئی تھی جب کسی نے لاؤنج میں قدم رکھا تھا۔ تو چونک اٹھا۔ سامنے وہی کھڑی تھی امل شفیق بے حد فریش اور تروتازہ سی۔

"تم۔۔۔" اسے یوں اچانک اپنے لاؤنج میں کھڑے دیکھ کر اسے خوشی ہوئی تھی۔

"سوری۔ گیٹ کھلا تھا تو میں آگئی۔۔۔ پہلے بیل دی تھی لیکن تمہاری ڈور بیل خراب ہے اسے ٹھیک کروالو۔۔۔ مجھے یاد آگیا تھا کہ مسز امیت نے جان بوجھ کر ڈور بیل خراب کر دی تھی۔ وہ ایسی ہی تھیں گڑبڑ گھٹالا قسم کی۔"

"گڑبڑ گھٹالا۔" اس نے امل کی طرف دیکھا۔

"مطلب کہ ذرا خطرناک پراسرار سی گڑبڑ کرنے والی۔"

"بیٹھو۔۔۔ بیٹھ جاؤ نا۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر کتابوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

امل نے ایک ہاتھ سے کتابیں ایک طرف کیں اور بیٹھ گئی۔

"تم بابا سے ملنے آئی ہو لیکن بابا تو چلے گئے۔"

"کیا۔۔۔ تم تو کہہ رہے تھے۔۔۔"

"ہاں بس جانا پڑا انہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ وہ ڈاکٹر ہیں۔"

"میں دراصل ایک اور کام سے بھی آئی تھی۔۔۔ یہ کہنے کہ تم اور تمہارے بابا آج ڈنر ہمارے ساتھ کریں۔ لیکن خیر اب بابا چلے گئے ہیں تو تم آجاؤ نا۔"

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بوکھلایا۔

"لیکن میرے خیال میں تو اس کی ضرورت ہے بلکہ رواج ہے۔۔۔ ہمارے ہاں پاکستان میں کوئی پڑوس میں آکر رہے تو اس کے پاس کے نزدیکی گھروں میں سے ضرور انہیں دعوت دی جاتی ہے یا کھانا گھر بھجوا دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے آنے والوں کو گھر سیٹ کرنا ہوتا ہے۔ نئی جگہ۔" وہ نان اسٹاپ بولے چلی جارہی تھی۔

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن میں وہ۔۔۔ رات میں ہوسٹل جاؤں گا اور دوستوں کے ساتھ ڈنر کروں گا۔" اسے یوں ایک اجنبی لڑکی کے گھر ڈنر پر جانا کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"خیر۔۔۔ یہ تو تم بہانہ بنا رہے ہو میں جانتی ہوں تمہیں کہیں نہیں جانا۔۔۔ مجھے اچھا لگے گا اگر تم آئے تو۔۔۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور ہاں مجھے دو تین سبز مرچیں دے دو ہم نے لی تھیں نا۔ میرا خیال تھا گھر پر ہوں گی لیکن نہیں ہیں۔" وہ اٹھا وہ اس کے ساتھ ہی کچن تک آئی تھی۔

"ارے یہ سامان ابھی تک یہاں ہی پڑا ہے تم نے سمیٹا نہیں۔"

"ہاں بس وہ۔۔۔" وہ اندر آگئی تھی اس نے پہلے فریج کھول کر اس کی کولنگ چیک کی۔ اور پھر سامان نکال نکال کر رکھنے لگی جو فریج میں رکھنے والی تھیں، وہ فریج میں رکھیں اور جو کیبنٹ میں رکھتی تھیں وہ وہاں رکھیں۔ وہ چپ چاپ کھڑا اسے کام کرتے دیکھتا رہا۔ دو تین بار اس نے اسے منع کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی تھی۔ وہ خاموشی سے آکر لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ وہ کتنے دھڑلے سے اس کے کچن میں گھسی تھی جیسے جیسے۔ اس کا دل یک بارگی زور سے دھڑکا اور وہ کچھ حیران حیران سا اپنے دل کی کیفیات سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ کافی دیر بعد باہر آئی تھی۔ اور اس کے ہاتھ میں فرنچ فرائیز کی پلیٹ تھی۔ ساتھ میں کیچپ کی بوتل تھی جو اس نے امل کے کہنے پر ہی مانچسٹر اسٹور سے خریدی تھی۔

"مجھے پتا ہے تم نے لنچ بھی گول کر دیا ہوگا تمہارے بابا چلے گئے اور تم نے کچھ بھی نہیں پکایا۔ ہیں نا۔"

"ہاں لیکن مجھے بھوک نہیں تھی۔ میں دراصل بزی ہو گیا تھا۔"

"خیر۔" وہ مسکرائی۔
"اب یہ کھاؤ میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔ چائے یا کافی؟"
"ہاں۔" وہ چونکا۔
"چائے ٹھیک ہے لیکن وہ میں خود بنالوں گا۔"
"لیکن ویکن کو چھوڑو میری دادی کہتی ہیں کہ اگر گھر میں عورت موجود ہو تو مرد کچن میں گھسا بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔"
"ہاں لیکن یہ تمہارا گھر تو نہیں ہے تم محض دعوت دینے آئی ہو۔" وہ سٹپٹایا تھا لیکن بہر حال اسے جواب سوجھ گیا تھا۔
"ہاں تو میں کب اس گھر پر ملکیت کا دعوا کر رہی ہوں۔" وہ ہنسی تھی۔
"لیکن اس وقت تو میں یہاں ہوں نا۔" وہ اس کا جواب سنے بغیر واپس کچن میں چلی گئی تھی۔ وہ حیران سا بیٹھا کچھ دیر اپنے سامنے پڑی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ گولڈن گولڈن خستہ فرنچ فرائیز.... اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک ٹکڑا اٹھایا.... اور پھر پلیٹ میں ایک طرف کیچپ الٹا۔ بھوک تو واقعی لگ رہی تھی۔ اس نے ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ اور جب وہ چائے لے کر آئی تو وہ پلیٹ ہاتھ میں اٹھائے بڑی رغبت سے کھا رہا تھا۔ امل نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا۔
"تم نے اپنے لیے نہیں بنائی۔"
"نہیں ایک تو اس لیے کہ میں لنچ کر کے آئی تھی.... اور کافی کا یہ بڑا مگ بھی اپنے اندر انڈیلا تھا اور دوسرا میرے پاپا اب حیران ہونے کے بعد پریشان ہونا شروع ہو گئے ہوں گے۔ پہلے تو وہ حیران ہوئے ہوں گے کہ میں پڑوس میں دعوت دینے گئی ہوں یا سمندر پار اور اب پریشان ہو رہے ہوں گے کہ کہیں پڑوس میں کوئی خطرناک لوگ تو آکر آباد نہیں ہوئے اور......"
"تم کو نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے برا منایا تھا۔ لیکن امل نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔
"تو میں جا رہی ہوں ڈنر پر آنا یاد رکھنا۔ اگر تم کچھ خاص کھانا چاہو مشرقی کھانا تو بتا دو ویسے میں یخنی پلاؤ بنا رہی ہوں مٹن کا۔"
"میری ماما بہت اچھا پلاؤ بناتی تھیں۔" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ پھر جیسے اپنی بے اختیاری پر شرمندہ ہوا۔
"میں نے کہا نا تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شاید نہ آسکوں۔"
"چلو کوشش کرنا آسکے تو۔" اب کے اس نے اصرار نہیں کیا تھا اور چلی گئی تھی۔ پلیٹ میں فرنچ فرائیز کے تین چار ٹکڑے ہی پڑے تھے۔ اس نے پھر پلیٹ اٹھالی اور اسی رغبت سے کھانے لگا۔

☼ ☼ ☼

ہشام گلاس ونڈو سے ناک ٹکائے باہر دیکھ رہا تھا۔ صبح سے وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی لیکن اس وقت یک دم ہی بارش میں شدت آگئی تھی اور وہ موسلا دھار برس رہی تھی۔ ہشام کچھ دیر پہلے ہی سٹنگ روم میں آیا تھا اگرچہ ابھی پانچ ہی بجے تھے لیکن باہر ایک دم اندھیرا چھا گیا تھا.... تھوڑی تھوڑی دیر بعد بجلی چمکتی اور بادل زور سے گرجتے۔ ہشام نے مفلر اچھی طرح اپنے سر اور کانوں کے گرد لپیٹا اور پھر چہرہ شیشے سے لگا دیا یک دم ہی بجلی زور سے چمکی اور باہر کا سارا ماحول روشن ہو گیا۔ ہشام کی نظر گیٹ پر پڑی۔ برستی بارش میں کوئی گیٹ کے پاس کھڑا تھا۔ اس وقت کون باہر گیا ہے۔ چوکیدار تو آج دوپہر میں ہی بیٹے سے ملنے چلا گیا تھا۔ بجلی پھر چمکی تھی۔
"ماما۔" اس کے حلق سے چیخ کی طرح نکلا تھا اس بارش میں بھلا ماما وہاں گیٹ پر کیا کر رہی ہیں۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا اندرونی گیٹ کھولتا برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگتا بارش میں بھیگتا گیٹ کی طرف بھاگا۔

☼

☼

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

کھولے پنکھ یادوں نے

الحمدللہ "کرن" کی کامیابی کا ایک اور سال مکمل ہوا۔ کامیابی کے اس سفر میں ہماری مصنفین اور قارئین بہنیں ہمارے ہم قدم ہیں۔ قاری کا مصنف سے دلی وجذباتی تعلق ہوتا ہے۔ ایسا تعلق جو ان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے۔ ہماری قارئین مصنفین سے ایسی ہی وابستگی رکھتی ہیں۔ قارئین مصنفین کے بارے میں ہمیشہ جاننا چاہتی ہیں۔ لہٰذا "کرن" کی سالگرہ کے موقعے پر مصنفین سے ایک خصوصی سروے کا اہتمام کیا ہے۔ سروے کے سوالات درج ذیل ہیں۔

1 ۔ آپ کا اور کرن کا ساتھ کتنے سالوں پر محیط ہے؟
2 ۔ آپ کی سالگرہ کا دن گھر والوں اور احباب میں کون لوگ یاد رکھتے ہیں اور آپ کو مبارک باد دیتے ہیں؟
3 ۔ لکھنا بہت وقت اور ذہنی فراغت چاہتا ہے۔ لکھنے کے علاوہ آپ کی دیگر مصروفیات کیا ہیں؟
4 ۔ کوئی ایسا واقعہ ہے؟ جس کا مشاہدہ آپ نے بہت قریب سے کیا، لیکن کوشش کے باوجود لکھ نہ پائیں۔

کھولے پنکھ یادوں نے

ادارہ

رابعہ افتخار

1 ۔ میرا اور کرن کا ساتھ تقریباً" چودہ پندرہ سال پرانا ہے' ایک قاری کی حیثیت سے کرن سے رشتہ بنا' سب سے پہلے "نامے میرے نام" میں شرکت کی' پھر بلا عنوان ایک افسانہ بھیجا جو جنوری 2004 میں کرن میں ہی شائع ہوا۔ اس افسانے کی اشاعت نے مجھے اتنی خوشی اور حوصلہ دیا کہ میں نے بحیثیت مصنفہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنی تحریریں نہ صرف کرن میں بلکہ دوسرے شماروں میں بھی بھیجنی شروع کردیں۔ کرن میں اپنی تحریر کی اشاعت دیکھ کر مجھے محسوس ہوا کہ اب لوگ "رابعہ افتخار" کو ایک مصنفہ کی حیثیت سے پہچاننے لگیں گے۔ کرن نے نہ صرف مجھے ایک نام اور مقام دیا بلکہ میری اصلاح بھی کی۔

2۔ اب تو فیس بک وغیرہ کی وجہ سے تقریباً" سب کو ہی سب دوستوں کی سالگرہ یاد رہتی ہے مگر اس کے علاوہ میری سالگرہ کے دن امی ابو کا فون سب سے پہلے آتا ہے' یہ دس جنوری وہ واحد سالگرہ تھی۔ جب صبح صبح ابو جی نے فون کر کے اپنی شفقت بھری آواز میں "سالگرہ مبارک" نہیں کہا۔ امی ابو کے علاوہ علی بھائی' عائشہ باجی' شمسہ باجی میرے تمام اسٹوڈنٹس جن کے ناموں کی فہرست بہت لمبی ہے مگر کچھ ایسے اسٹوڈنٹ جو بہت قریب ہیں میرے ان میں سامعہ' کرن' مومنہ' علینہ' آنسہ' فیضان گل' احمد

علی، سعد، آمنہ اور عائشہ شامل ہیں، یہ سب میری سالگرہ کا دن نہ صرف یاد رکھتے ہیں بلکہ گفٹ بھی دیتے ہیں، ان سب کے علاوہ میرے میاں جی یعنی عارف صاحب کی طرف سے دیا گیا گفٹ ہر سال شاندار ہوتا ہے، بچوں کے ساتھ مل کر مجھے وش کرنا، سالگرہ کا کیک کاٹنا پھر ڈنر کروانا۔ ہمیشہ اچھا لگتا ہے۔

3۔ بالکل صحیح، لکھنا کم از کم میرے لیے تو واقعی بہت وقت اور ذہنی فراغت مانگتا ہے، کہاں وہ دن تھے جب ایک ہی نشست میں افسانہ لکھ لیتی تھی مگر اب دو بچوں کے ساتھ اور گھر کی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ لکھنا واقعی وقت مانگتا ہے، ایسے میں میرے ذہن میں کہانی کا جو تانا بانا بنتا ہے اس کی باقاعدہ بنائی کرنے کے لیے رات کو ہی وقت نکالنا پڑتا ہے۔ لکھنے کے علاوہ میری مصروفیات کوکنگ کرنا اور اپنے گھر کو صاف ستھرا رکھنا، سجانا سنوارنا ہے، کبھی کبھی سلائی بھی خود کر لیتی ہوں، میری کوکنگ کی ہمیشہ تعریف ہی ہوئی ہے۔

4۔ آہ.... کیا سوال کر دیا؟ اس سوال پر تو دل سے آج آہ سی نکلی ہے، میں نے خون کے رشتوں کو حق داروں کا حق کھاتے اور دولت کے لالچ میں خون سفید ہوتے دیکھا ہے۔ برادران یوسف نے تو جو کیا وہ سب ہی جانتے ہیں مگر ہماری امی اور ہم بہنوں اور بھائی نے جو دیکھا اور محسوس کیا وہ شاید کوئی دوسرا کبھی نہ سمجھ سکے، میں بہت کوشش کے باوجود ایک بہت پیارے، بہت قریبی شخص کی وہ کہانی نہ لکھ سکی جو اس کی زندگی کے چھتیس سالوں پر محیط تھی اور میرے قلم کو یہ تحریر لکھنے سے روکنے والا بھی وہ پیار تھا، وہ احترام تھا جو مجھے اس مہربان دوست سے تھا اور اس سے وابستہ رشتوں سے بھی اور اپنے اس مہربان دوست کی جدائی کے بعد میں نے وہ قلم ہی توڑ دیا جس سے میں حق تلفی کی یہ کہانی لکھنا چاہتی تھی۔

نظیر فاطمہ

1۔ کرن اور میرا ساتھ بہت پرانا ہے۔ اتنا پرانا کہ جب لفظوں سے آشنائی تھی مگر مفہوم پوری طرح سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ کرن ہی نہیں دیگر رسائل اور اخبارات بھی پڑھتی تھی کہ میری امی کو مطالعے کی عادت تھی اور ان سے ہم سب بہن بھائیوں میں بھی آئی۔ جب تھوڑا بڑے ہوئے اور ہائی اسکول میں آئے تو ہم ساری بہنیں اور کزنز مل کر اپنا جیب خرچ جمع کرتیں اور پھر نئے کی بجائے پرانے رسالے خریدتی تھیں کہ جتنے میں ایک نیا آتا تھا اتنے میں ہم تین یا چار خرید لیتے تھے۔

2۔ ہمارے ہاں سالگرہ منانے کا رواج نہیں ہے۔ مجھے تو خود اپنی سالگرہ کا دن یاد نہیں رہتا۔ البتہ فرینڈز نہیں بھولتیں۔ وہی وش کرتی ہیں اور کیک وغیرہ کا اہتمام بھی۔

3۔ لکھنا میرا شوق ہے۔ اس لیے جتنی بھی مصروفیت ہو اس کے لیے وقت نکال لیتی ہوں۔ میں ایک پرائیوٹ تعلیمی چین کے کریکولم ونگ سے وابستہ ہوں۔ میں صبح نو سے شام پانچ بجے تک میں آفس میں ہوتی ہوں۔ اس کے بعد گھر اور بس۔

4۔ میرے ساتھ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی واقعے کو چاہے کتنا ہی قریب سے دیکھ لوں مگر جب اسے لکھنے کی کوشش کروں تو بری طرح ناکام ہو جاتی ہوں۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آتا اور سارے الفاظ جیسے ہاتھ چھڑا کر کہیں دور جا کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر کچھ عرصے بعد وہی واقعہ پوری شدت سے حملہ آور ہوتا ہے، قلم ہاتھ میں پکڑاتا ہے اور پوری کہانی کی صورت میں صفحات پر بکھر جاتا ہے۔ ایسے میں دور جانے والے الفاظ بھی بھاگ بھاگ کر میری طرف آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کا کہا ہوا ایک جملہ یا کسی سے سنا ہوا آدھا ادھورا واقعہ بیٹھے بٹھائے پوری کہانی میں ڈھل جاتا ہے۔

شفق افتخار

سب سے پہلے تو کرن کو اس کی سالگرہ کے موقع پر ڈھیروں ڈھیر مبارک باد۔ مجھے یہ بات یہاں یہ لکھتے ہوئے بے انتہا خوشی ہو رہی ہے کہ اس سالگرہ پہ ہمیں پھر سے ایک معیاری کرن پڑھنے کو مل رہا ہے۔

1۔ کرن کا اور میرا ساتھ کتنا پرانا ہے اور کتنے سالوں پر محیط ہے۔ یہ تو اب سچ میں یاد ہی نہیں ہے۔ میں نے "فرحت اشتیاق" کا ناول۔ "وہ ایک ایسا شجر ہو" کرن میں پڑھا تھا۔ تب سے ہی باقاعدگی سے کرن لیتی ہوں۔ ورنہ اس سے پہلے امی کرن کے خاص نمبر ہی لیتی تھیں۔ پھر 2010 میں میری پہلی تحریر کرن میں چھپی۔ تب سے اب تک کرن سے ایسا ناطہ جڑا ہے۔ جو کہ ابھی بھی قائم ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو آئندہ بھی اسی طرح بنا کسی رکاوٹ کے قائم رہے گا۔ (آمین)

2۔ جناب میری سالگرہ جنوری کی 23 کو ہوتی ہے (آپ سب یاد کرلیں) گھر میں تقریباً" سب ہی کو یاد رہتی ہے۔ کیونکہ چھوٹی سی فیملی ہے تو سب کو ہی ایک دوسرے کے خاص دن اور مواقع یاد رہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو جی جو پہلا میسج آتا ہے رات کے بارہ بجے وہ میری کزن معصومہ کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اب پچھلے دو سال سے بھابھی وش کرتی ہیں۔ اور امی اگر اس ٹائم جاگ رہیں ہوں تو... ورنہ اگلے دن صبح کو وش کرتی ہیں۔ ابو کیک لے آتے ہیں۔ امی پسند کا کھانا بنادیتی ہیں۔ میری دوست ہے ابیہا شاہ وہ ضرور وش کرتی ہے۔ بمعہ گفٹ کے۔ شام میں کزنز وغیرہ چکر لگا لیتے ہیں۔ خاص کر معصومہ ضرور آتی ہے وہ بھی بمعہ گفٹ۔ اور آج کل تو فیس بک اور SMS کا زمانہ ہے تو جو کزنز اور دوست دور ہیں وہ ان ذرائع سے وش کرتے ہیں۔ تو جناب تقریباً" ساری رات بارہ بجے سے اگلے دن تک یہ سلسلہ یونہی چلتا ہے۔ بچے تھے تو دوستوں کے ساتھ مل کر بہت دھوم دھام سے سالگرہ مناتے تھے اور خوب ہلا گلا کرتے تھے۔ کیونکہ تب احساس نہیں تھا کہ ایک پورا قیمتی سال ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ اب قطعی سالگرہ منانا اچھا نہیں لگتا۔ بس خوشی ہوتی ہے کہ گھر والے اور دوست احباب یاد رکھتے ہیں اور وش کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ بس اب یہی دعا ہوتی کہ جس طرح پچھلا سال خیر وخیریت سے گزر گیا۔ اس طرح ہی اللہ کرے آنے والا سال بھی خیر و عافیت سے گزر جائے۔ (آمین)

3۔ میری زندگی کے روز و شب میں میری سب سے اہم اور پسندیدہ مصروفیت پڑھنا اور لکھنا ہی ہے۔ باقی تو جی عام سی انسان ہوں اور عام سی ہی مصروفیات ہیں۔ جو کہ کسی بھی گھریلو لڑکی کی ہو سکتی ہیں۔ میری ایک سب سے بڑی عادت کہ مجھے رات کو لیٹ سونے کی عادت ہے تو اسی حساب سے صبح بھی لیٹ ہی ہوتی ہے۔ پڑھائی ختم کرنے کے بعد اب گھر پہ ہی ہوتی ہوں۔ ہمارا گھر بہت بڑا ہے۔ اور اللہ کا بہت کرم ہے کہ ہر کام کے لیے ملازم ہیں۔ ہم لوگوں کو زیادہ تر صرف کچن ہی دیکھنا ہوتا ہے۔ کیونکہ کوکنگ ہم لوگ خود کرتے ہیں۔ اور مجھے ہر کام طریقے اور سلیقے سے کرنا پسند ہے۔ بے ترتیبی مجھے پسند نہیں ہے۔ ان سارے کاموں کو سمیٹتے سمیٹتے مجھے تقریباً" رات کے بارہ تو بج ہی جاتے ہیں۔ کبھی اپنے کپڑوں کی ڈیزائننگ وغیرہ کرلی۔ کوکنگ کا شوق ہے۔ نئی نئی چیزیں ٹرائے کرتی رہتی ہوں خاص کر سوئیٹ ڈشز۔ کیونکہ میٹھا کھانا اور بنانا دونوں ہی پسند ہیں۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام میں رات کو مکمل فارغ ہو کے سکون سے بیٹھ کر کرتی ہوں۔

میری سب سے بڑی مصروفیت میری ایک سال کی بھتیجی ہے زینیا فاطمہ۔ کافی ٹائم اسے بھی دینا پڑتا ہے۔ کیونکہ اسے میرے بغیر کہیں چین نہیں ملتا۔ بس یہی ہے جی میری مصروفیت۔ جو کہ کچھ خاص نہیں ہے۔

4۔ واقعہ تو ایسا کوئی بھی خاص نہیں دیکھا کہ جس پہ خاص طور پر کچھ لکھ سکوں۔ ہاں اگر کسی حالات اور واقعات کی بات کی جائے تو وہ میرے دل و دماغ پہ بہت اثرات چھوڑتے ہیں۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کی حالت زار اور ہمارے مذہب کو جس طرح سے تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس پہ دل دکھتا ہے تو ان ساری چیزوں پہ کچھ لکھنا چاہتی ہوں اور دوسرا یہ کہ۔ میں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے لوگ۔ کچھ کردار اور کچھ ایسے رویے ضرور دیکھے ہیں۔ جنہوں نے ذہن و دل پہ گہرے اثرات چھوڑے۔ ان پہ انشاء اللہ کبھی نہ کبھی ضرور لکھوں گی۔ مگر لکھنے میں میری مثال منیر نیازی کی "ہمیشہ دیر کردیتا ہوں" والی ہے۔ پھر جب ادارے سے کرن والوں کی کال یا کوئی میسج آتا ہے۔ تب احساس تشکر کے ساتھ ساتھ احساس شرمندگی بھی گھیر لیتا ہے کہ یار میں اس قابل نہیں ہوں۔ مگر آپ لوگوں کا بہت شکریہ کہ ہر موقع پہ مجھے یاد رکھتے ہیں۔ اور شامل ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ اللہ کرے کہ کرن کو ایسی ہزاروں سالگرہیں دیکھنا نصیب ہوں اور اسی طرح اچھے اور مخلص ساتھیوں کا ساتھ رہے۔ (آمین)

بشریٰ سیال

1۔ الحمد اللہ کرن سے وابستگی کو چار سال ہوگئے ہیں۔

2۔ میری سالگرہ کا دن سب گھر والے یاد رکھتے ہیں۔ میری جان' میری زندگی' میرا بھائی سب سے پہلے رات کو ہی وش کردیتا ہے۔ پھر میری بہن' میری فرینڈ شمائلہ اور فاطمہ بھی رات کو ہی وش کرتی ہیں۔ میرے اسٹوڈنٹس وش کرتے ہیں اور اکثر اوقات سیلیبریٹ بھی کرتے ہیں۔

3۔ لکھنے کا کام میرے لیے ایسے ہے جیسے سانس لینا' کھانا

پینا' لکھنے کے علاوہ پڑھاتی ہوں جو میرے نزدیک ایک عبادت ہے۔

4 ۔ بہت سے واقعات کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ ایک رائٹر کی کہانی کے کردار اس کے ارد گرد اور ماحول میں ہی ہوتے ہیں۔ ایک کہانی جسے لکھنے کا بارہا سوچا مگر ابھی تک لکھ نہیں پائی۔ میری ایک اسٹوڈنٹ کی مدر اپنے پروفیسر کو پسند کرتی تھیں اور جس طرح حالات کا شکار ہوئیں اس پر لکھنے کے باوجود ابھی تک لکھ نہ پائی۔

فرح بخاری

کرن ڈائجسٹ کی پوری ٹیم کو سالگرہ کی بہت بہت مبارک اور سروے میں شامل کرنے کا بہت شکریہ۔

1 ۔ کرن سے میرا رشتہ بطور قاری کے تو بہت پرانا ہے' شاید کالج کے دنوں سے۔ لیکن بطور رائٹر یہ رشتہ چار سال پرانا ہے' شارجہ میں رہتے مصروفیت کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ ایک سال میں ایک کہانی لکھتی تھی۔ اب سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے۔ بھلا ایسی بھی کیا سستی۔ یعنی وہ کام جس کا تعلق ہمارے ذاتی شوق اور دلچسپی سے ہو۔ وہ روز مرہ کے جھنجھٹ اور ذمہ داریوں میں بری طرح پس کر رہ جائے۔ البتہ گزشتہ دو برس سے میرے لکھنے کے کام میں بہت تیزی آئی ہے اور وجہ صرف وہ ذہنی سکون ہے جو وطن آکر نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ سکون اور آرام ہمیشہ برقرار فرمائے آمین۔

2 ۔ میری سالگرہ 19 اگست کو ہوتی ہے۔ گھر والوں اور دوستوں میں سب ہی کو نہ صرف یاد رہتی ہے بلکہ وش بھی کرتے ہیں۔ عمر کے سنجیدہ دور میں تو ویسے اب صرف بچوں کی سالگرہ منانا ہی اچھا لگتا ہے۔ پھر بھی بچے اپنی خوشی اور مرضی سے کیک وغیرہ لے آئیں تو مسکرا کر کیک کاٹتے ہوئے تصویر ضرور بنوالیتی ہوں تاکہ واٹس ایپ پر بہن بھائیوں کے گروپ میں بھیج دوں۔ کیونکہ تقریباً" سب ہی بہن بھائی دوسرے شہروں میں رہتے ہیں تو بھیجنا بھی اچھا لگتا ہے اور وہ بھی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

3 ۔ اچھا سوال ہے لیکن اسے کچھ یوں ہونا چاہیے تھا کہ روز مرہ کی مصروفیات میں سے لکھنے کے لیے وقت کیسے نکالتی ہیں کم از کم شادی کے بعد تو یہ حال ہو جاتا ہے۔ کبھی تو بیچ بیچ میں دو چار پیراگراف چوروں کی طرح لکھ آتی ہوں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ سالن میں چمچہ چلا رہے ہیں اور کوئی جملہ یا ڈائیلاگ سوجھ جاتا ہے۔ جسے فوراً" ہی آنچ دھیمی کرکے لکھنے بھاگنا پڑتا ہے کیونکہ میں ایک اونچے درجے کی بھلکڑ ہوں۔ دوبارہ لکھ پانا میرے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ ویسے میری دیگر مصروفیات آج کل صرف گھر سنبھالنا ہے۔ جس کی اب عادت سی ہو گئی ہے۔ البتہ تین سالہ بیٹے کی شرارتیں کنٹرول کرنا کافی مشکل اور تھکادینے والا کام ہے۔

4 ۔ آپ کے آخری سوال نے آج ایک درد بھری یاد کو پھر سے تازہ کردیا ہے۔ ایک واقعہ جس کا میں نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا اور جس پر باوجود کوشش کے قلم اٹھانے کی ہمت خود میں نہیں پائی' میری کزن کی زندگی سے متعلق ہے۔ جو گزشتہ دو برس سے اب ہمارے درمیان نہیں ہے۔

اس کی زندگی کے مشاہدے سے مجھے ایک ہی بات سمجھ میں آئی کہ یقیناً" ذہانت بہت کچھ ہے۔ لیکن بڑوں کی اطاعت اور فرمانبرداری اس سے بھی بہت اوپر کی چیز ہے۔ خصوصاً" والدین کا دل دکھا کر اولاد کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔ میری کزن نے زندگی اپنے ڈھنگ سے گزارنے کی کوشش کی اور ایسا کرنے کے لیے اس کے پاس ٹھوس دلائل اور جواز تھے لیکن اس کی کوئی دلیل کوئی بھی جواز دنیا والوں کو تو کیا مطمئن کرتے کہ خود اسی کے کام نہیں آئے اور دس سالہ ازدواجی زندگی پچھتاوے اور ندامت کے ساتھ گزار کے وقت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئی اسے زندگی میں جو کچھ پیش آیا اس پر کہانی لکھنے کی کوشش میں شاید مجھے کبھی کامیابی نہ ہو کیونکہ اس کی یاد سے دل آج بھی درد سے بھر جاتا ہے اور دل ہرگز یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔

نزہت جبین ضیا

1 ۔ سب سے پہلے کرن کو سالگرہ کی ڈھیر ساری محبت بھری پرخلوص مبارک باد اللہ پاک ہمارے "کرن" کو ہمیشہ یوں ہی چمکتا دمکتا اور شادباد رکھے۔ (آمین ثم آمین) میرا اور کرن کا ساتھ کئی سالوں پر محیط ہے۔ مجھے اس وقت سے جب میں خود بچی تھی ہوش سنبھالا تو "کرن" کو گھر میں دیکھا بس تب سے ہی چپکے چپکے پڑھنا شروع کردیا' پھر بارہ یا تیرہ سال کی عمر میں "ڈائری کے اوراق" سلسلے میں انعام

بھی حاصل کیا۔ جوش میں آکر فوراً ہی ایک افسانہ بھی لکھ دیا اور وہ شائع بھی ہوگیا۔ پھر کچھ عرصے بعد شادی ہوگئی۔ پڑھتی تو رہی مگر لکھ نہیں پائی اب تقریباً "آٹھ نو سال سے پھر سے رابطے میں ہوں ان شاء اللہ اب یہ رابطہ برقرار رہے گا۔

2 ۔ میری سالگرہ کا دن الحمدللہ گھر والے' دوست احباب سب یاد رکھتے ہیں۔ میری سالگرہ یکم اکتوبر کو ہوتی ہے تو تیس تمبررات کے بارہ بجتے ہی میرے پاس میسجز آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ سب سے پہلے میرے بچے اور ضیاء وش کرتے ہیں۔ شادی شدہ بیٹیوں کی کالز آتی ہیں۔ صبح تک ماشاءاللہ ان گنت وشز آجاتی ہیں اور یہ سلسلہ فیس بک پر بھی چلتا رہتا ہے دوسرے دن رات بارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ الحمدللہ میں اس معاملے میں بہت بہت لکی ہوں کہ میری فیملی کے ساتھ ساتھ اللہ پاک نے مجھے بے حد پر خلوص اور محبت کرنے والے دوستوں سے نوازا ہے اس کے علاوہ ان لوگوں کے میسجز بھی آتے ہیں جنہیں میں جانتی بھی نہیں مگر وہ لوگ مجھے لکھاری کی حیثیت سے جانتے ہیں اللہ پاک میرے فیملی' میرے دوستوں اور ان لوگوں کی محبتوں کو سلامت رکھے۔ (آمین ثم آمین)

3 ۔ ہاں جی! لکھنے کے لیے تو ذہنی فراغت اور یکسوئی ضروری ہے۔ اس کے لیے ظاہر ہے کہ بہت کوشش اور دیکھ کر ٹائم مینیج کرنا پڑتا ہے۔ الحمدللہ لکھنے کے ساتھ ساتھ میں گھر کے سارے کام کرتی ہوں۔ بقول میرے رشتے داروں' دوست احباب کے کھانا بہت بہترین بناتی ہوں۔ مختلف میگزین اور اخبارات میں میرا کچن شائع ہوتا رہتا ہے اس کے علاوہ آرٹ اینڈ گرافکس کے بے شمار کام جن میں ڈوھ ورک اور جیولری میکنگ جوٹ ورک' شیشوں کے شوپیز' ربن ورک' ٹونک ورک' ڈرائی اریجمنٹ' فوائل ورک' پینٹنگ' کپڑوں کے ٹائی اینڈ ڈائی' ایمبرائیڈری اور کپڑوں کی سلائی بھی خود کرتی ہوں' حلوہ پوری' پیزا سے لے کر کیک تک خود بناتی ہوں۔

4 ۔ ہاہاہا.... بہت زبردست سوال ہے دوسرے لفظوں میں شاید دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دینے کے مترادف بھی تو واقعہ کوئی نہیں ہے انسان کی اپنی زندگی' حالات' واقعات' اونچ نیچ' تلخیاں' محرومیاں' نادانیاں' غم' خوشی' سمجھوتے' نہ جانے کیسے کیسے حالات سے گزارتی ہے اور اپنی زندگی سے زیادہ گہرا مطالعہ میرے خیال میں کسی اور کا نہیں کرسکتے۔ جتنا اپنی زندگی کو دیکھا' گزارا اور جو کچھ لیا اور دیا جن جن حالات سے گزری کئی بار دل چاہا کہ کاغذ قلم لے کر لکھوں۔ بہت کچھ لکھوں۔ لیکن ہر بار نہ جانے کیوں وہ سب لکھ نہ پائی۔ شاید میرے اندر کے ڈرنے مجھے ابھی تک ایسا کرنے سے روک رکھا ہے۔ یا شاید میں کچھ لوگوں کے چہروں کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتی۔

مصباح علی

سب سے پہلے تو کرن کو کامیابی کی ایک اور منزل طے کرلینے پر تہ دل سے مبارک باد پیش کرتی ہوں۔

1 ۔ 2014 اکتوبر کرن میں میرا پہلا افسانہ شائع ہوا۔ تب سے اس کی کشش' کشش ثقل سے زیادہ محسوس ہوئی۔ بھلے دو سال کا ساتھ' لیکن ان دو سالوں میں کرن اور اپنا تمام سفر طے کیا۔ بس یہ مت پوچھنا کیسے؟ نا ہوائی جہاز' نا میٹرو' نہ ریل' بس یوں سمجھ لیں منی بس والے جھوٹے۔ (جھولے) تھے کیا کس کس بک اسٹالز کی خاک چھانی' نیٹ کھنگالا۔ بھائی کی منتیں' سہیلیوں کے ترلے۔ اکثر شاپ کیپر کہتے۔ "بی بی پرانا کیوں مانگ رہی ہو' نیا آگیا ہے اس ماہ کا۔ وہ لے لو۔" لیکن مجھے تو اپنا سفر مکمل کرنا تھا نا۔ اک ساگر ہے زندگی' بساط دل' دل دیا دہلیز' اور بہت سے۔ تقریباً "سب ہی پڑھے" اور گر چند رہ گئے ہیں تو مستقبل قریب میں پڑھوں گی ضرور' تو اس حساب سے میں دو سال میں ہی بہت پرانی قاری اور ہم جولی بن گئی' نا! کیوں کرن؟

2 ۔ اب دوسرے سوال کی طرف' میرا سالگرہ کا دن پیشگی

تین دن پہلے پورا پاکستان جشن منالیتا۔ ناچ ناچ "گا گا" کو تو نے پھیپے لوگوں میں ہمت ہی نہیں رہتی وش کرنے کی۔ 17 اگست ہے میرا یوم پیدائش تین دن پہلے ہی لوگوں کے گلے اور کان اپنی صلاحیت کی میعاد پوری کر لیتے ہیں اور میرا خیال ہے اگر کسی کو یاد آجاتا ہو گا تو وہ استغفار ہی پڑھتا ہو گا "لو بھلا کوئی آفات کو بھی وش کرتا ہے' میرے تو اپنے بہن بھائی ہنسی مذاق (جوان کی نظر میں ہوتا ہے) میں کہہ دیتے ہیں "تو ہم سب میں شروع سے ہی الگ ہے۔" اماں بھی کہتی کہتی دنیا سے رخصت ہو گئیں "جانے تو کس پر چلی گئی" اور ابا کہا کرتے تھے "کوئی بات نہیں' باقی بہن بھائیوں کو دیکھ کر' اسے بھی عقل آجائے گی' اب یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں عقل آنے کے دن ہیں یا جانے کے۔ لیکن اپنا آپ تو ویسے کا ویسا ہی لگتا ہے' اب بتائیں' ایسے ویسے کو' کون وش کرے' ہاں سچ یاد آیا میری دوسرے نمبر والی آپا۔۔۔ ان کا رات بارہ بجے ایک میسج آتا ہے۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے' دیکھو ہمیں یاد ہے ناں۔"

ہے تو یہ وِش لیکن مجھے ان کی یاد میں مخفی کہانی اچھی طرح معلوم ہے۔ غالباً" میں نے اپنی سگھڑ آپا کے ناک میں دم کر رکھا تھا' چائے اسٹرک کر' تا پنیو' میں انہیں چڑانے کے لیے پانی بھی ویسے پیتی' پوچا لگے کیلئے فرش پر ابا کو پاؤں رکھنے کی اجازت نہیں تھی لیکن ما بدولت ڈھیٹ دو چھاپے لگا بھاگ جاتی۔

3 ۔ آپ نے تو یہ کہہ دیا جی! لکھنا وقت اور فراغت مانگتا ہے' میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ تنہائی بھی ضروری ہے' لیکن یقین کریں مجھ میں ایسی کوئی کوالٹی نہیں' یا یوں سمجھ لیں ایک زبردست صلاحیت ہے کہ میں بھرے مجمعے میں بیٹھ کر بھی آرام سے لکھ لیتی ہوں' یقین کریں۔ "اک رات کا رنگ" جب لکھا گھر میں شادی اور میں بے حد مصروف تھی' آدھی رات کو اٹھ کر لکھ لیا تھا۔ بس اک تعجب بھری صلاحیت ہے۔

4 ۔ واقعات مشاہدات تو بہت سے ہیں' لیکن اک جیتا جاگتا بندہ ہے نظر میں' اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے' کبھی بے پناہ رومانٹک' بھی بیوی کو کھانے کو پڑتا ہے۔ کبھی اس کی بلا سے مرے بیگم' اور کبھی خود جان دینے والا ہو جاتا ہے' بہت مشاہدہ کیا اس پر' لیکن ابھی تک لکھ نہیں پائی۔ اچھا قارئین اگر آپ تھک گئے تو اللہ حافظ۔ اور گر نہیں تو پھر اگلی سالگرہ پر۔

صدف آصف

سب سے پہلے کرن کی سالگرہ پر آپ سب کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

1 ۔ شروع سے خواتین اور شعاع کو ہی تسلسل کے ساتھ پڑھا' کرن کبھی کبھی پڑھ لیا جاتا تھا۔ تاہم پچھلے سال سے باقاعدگی سے کرن کو بھی پڑھنا شروع کیا۔ دن بہ دن بڑھتا ہوا نکھار اور نئے اور پرانے لکھاریوں کی آمد نے کرن کے معیار کو بڑھایا' کہانیوں کا انتخاب مزید بہتر ہوا ہے۔ اب کرن کو ہر مہینے پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔

2 ۔ شادی سے پہلے تو گھر والے سرپرائز دیتے تھے۔ یہ ایسا سرپرائز تھا۔ جس کے بارے میں پتا ہوتا تھا۔ چھوٹی بہن چھپ کر گفٹ ریپ کر رہی ہے۔ فرینڈز کو انوائیٹ کیا جا رہا ہے' پہلے آفس میں کیک کٹتا۔ کولیگ سے ڈھیروں تحائف وصول کرتے ہوئے' جب گھر میں داخل ہوتے تو ہیپی برتھ ڈے کا شور مچتا۔ دیکھتے تو کزنز جمع ہیں۔ امی نے سب کی فرمائش پر مزے دار بریانی پکائی ہوئی ہوتی۔ بہت انجوائے کیا جاتا۔ شادی کے بعد کیک کٹتا ہے' اور پھر ڈنر پر چلے جاتے ہیں ثانیہ (بیٹی) اور اس کے پاپا نے کوئی اچھا سا گفٹ خریدا ہوتا ہے' چپکے سے جو ہمیں دے دیا جاتا ہے۔ ہاں ثانیہ ایک بڑی سی چاکلیٹ ضرور خریدتی ہے۔ ہمارے لیے۔ جسے وہ بعد میں خود ہی ختم کر دیتی ہے۔ ہاہاہا۔

3 ۔ واقعی لکھنے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ گھریلو مصروفیات سے فارغ ہو کر کوئی کتاب لے کر بیٹھ جانا۔ بہت اچھا لگتا ہے۔

4 ۔ بعض دفعہ دکھ ایسے ہوتے ہیں۔ جن پر قلم اٹھانا' بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک کزن کی ڈیتھ ڈاکٹر کی لاپروائی کی وجہ سے اٹھارہ سال کی عمر میں ہو گئی۔ اسے دانت کی معمولی تکلیف پر ایسا انجکشن لگا دیا گیا' جس سے ری ایکشن ہو گیا اور بعد میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ کہانی لکھنا بہت مشکل امر ہے۔

(باقی آئندہ)

شعاع عزیز

القرآن

☆ اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدے کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے ہو کر راتیں بسر کرتے ہیں۔ (الفرقان۔ ۶۴-۶۳)

☆ وہ (خدا) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔ (الملک۔ ۲-۱)

☆ ہر متنفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو جو شخص آتش دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران۔ ۱۸۵)

اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دینا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"عنقریب تم لوگ میرے بعد ترجیحات (اپنے نفس کو دوسروں پر ترجیح دینا) اور ناپسندیدہ امور دیکھو گے۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں سے جو شخص اس زمانے کو پائے تو کیا کرے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے اوپر واجب ہونے والے حقوق ادا کرتے رہو اور اپنے حقوق کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہو۔" (مسند احمد بن حنبل)

قاتل کا مددگار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جس نے مومن کو قتل کرنے میں ایک لفظ بھر بھی مدد کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا، اللہ کی رحمت سے ناامید۔" (سنن ابن ماجہ شریف)

موتی مالا

☆ اگر تمہیں پتا چل جائے کہ تمہارا رزق اللہ تعالیٰ کے پاس ہے تو پھر رزق تلاش نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ تلاش کرو جس کے پاس تمہارا رزق ہے۔

☆ جہاں دو راستے آتے ہیں وہاں سوچ آتی ہے۔ جس آدمی کے پاس راستہ ہی ایک ہو اسے سوچنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔

☆ زندہ رہنا چاہو تو موت قیامت ہے اور مرنا چاہو تو زندگی قیامت ہے۔

☆ سخی تب سخاوت کرے گا جب سائل بھی موجود ہو۔

☆ گناہ گار گناہ عاجزی پیدا کر رہا ہو تو وہ بچ سکتا ہے۔

☆ چھوٹی نیکی کو کبھی چھوٹی نیکی نہ سمجھنا، چھوٹے گناہ کو کبھی چھوٹا گناہ نہ سمجھنا۔

☆ اگر ایک ہاتھ اللہ کے لیے رکھو تو سارا وجود ہی اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا۔

مسز نگہت غفار۔۔۔ کراچی

کوئی اور ہے

میں شکار ہوں کسی اور کا مجھے مارتا کوئی اور ہے
مجھے جس نے بکری بنا دیا وہ تو بھیڑیا کوئی اور ہے
کئی سردیاں بھی گزر گئیں میں اس کے کام نہ آسکا
میں لحاف ہوں کسی اور کا مجھے اوڑھتا کوئی اور ہے
مرے رعب میں تو وہ آگیا مرے سامنے تو وہ جھک گیا
مجھے لات کھا کے ہوئی خبر مجھے پیٹتا کوئی اور ہے

فائزہ بھٹی..... پتوکی

خوش نصیب

خوش نصیب انسان حق کے قریب رہتا ہے۔ وہ ہوس اور حسرت سے آزاد ہے۔ وہ فنا کے دیس میں بقا کا مسافر ہے۔ اس کا دل جلوہ نور سے معمور ہے۔ وہ اپنے آپ پر راضی ہے۔ اپنی قسمت اپنے نصیب سے راضی ہے۔ اپنی زندگی پر راضی ہے۔ اپنے حال پر راضی ہے۔ اپنے حالات پر راضی ہے۔ اپنے خیالات پر راضی ہے۔ اپنے خدا پر راضی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ راضی، سلام ہو خوش نصیبوں کی خدمت میں۔
(واصف علی واصف)

ریمانور رضوان..... کراچی

طلبہ کا دھرنا

☆ امتحان پانچ گھنٹے اور پچاس نمبر کا ہونا چاہیے۔
☆ ہر تیس منٹ کے بعد مشورے کے لیے وقفہ ہونا چاہیے۔
☆ ہمیں ایک "فری ہٹ" دیں جس میں ہم اپنی مرضی کے ایک سوال کا جواب اپنی مرضی سے لکھیں۔
☆ پہلے بیس منٹ کا "پاور پلے" رکھیں جس میں نگراں کمرہ امتحان کو کمرے سے باہر رکھیں۔
☆ اگر کسی سوال کا جواب غلط ہو تو "ریویو" کا اختیار ہونا چاہیے۔ تاکہ ہم کتاب سے تصدیق کر لیں۔

فوزیہ ثمرث..... گجرات

علم یا دولت

ایک مرتبہ چار آدمی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور بولے ہمیں آپ سے ایک سوال کرنا ہے لیکن اس کا جواب ہمیں الگ الگ دیجیے گا۔
آپ نے فرمایا "پوچھو کیا پوچھنا ہے۔"
ان لوگوں نے پوچھا "علم بہتر ہے کہ دولت؟"
حضرت علی نے انہیں ترتیب وار جواب دیا۔
۱ علم بہتر ہے کیونکہ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم، خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔
۲ علم بہتر ہے کیونکہ مال کی تم حفاظت کرتے ہو اور علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔
۳ علم بہتر ہے کیونکہ علم والے کے دوست زیادہ اور مال والے کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔
۴ علم بہتر ہے کیونکہ علم نبیوں کا ورثہ ہے اور مال فرعون، نمرود اور قارون کا ورثہ ہے۔

سلمیٰ نصیر..... کراچی

دوستی اور پیار

دوستی اور پیار ایک دریا میں گھومنے گئے۔ پیار دریا میں گر گیا۔ کیونکہ پیار اندھا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے دوستی بھی گر گئی، کیونکہ دوستی کبھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔

نبیلہ نازش راؤ..... اوکاڑہ

ماں اور محبت

بو علی سینا نے کہا "اپنی زندگی میں محبت کی سب سے اعلا مثال میں نے تب دیکھی، جب سیب چار تھے اور ہم پانچ تب میری ماں نے کہا مجھے سیب پسند ہی نہیں۔

حمدا واجد..... کراچی

خوب صورتی کے بہترین راز

☆ ہاتھوں کی خوب صورتی کے لیے اپنے ہاتھوں سے صدقہ دیں۔
☆ آواز کی خوب صورتی کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کریں۔
☆ آنکھوں کی خوب صورتی کے لیے اللہ کے

خوف سے آنسو بہائیں۔

☆ چہرے کی خوب صورتی کے لیے وضو کی عادت ڈالیں۔

☆ دل کی خوب صورتی کے لیے اپنے دل میں اللہ کی یاد بسائیں۔

☆ دماغ کی خوب صورتی کے لیے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کریں۔

دانیہ عامر..... کراچی

فراموش

دو کے بجائے چائے بنائی ہے ایک کپ
افسوس آج تو بھی فراموش ہو گیا

صدف سمیع..... لاہور

اقوال اختری

☆ خبر کی نہ آنکھیں ہوتی ہیں کہ آنسوؤں سے بھری ہوں نہ دل ہوتا ہے کہ اندیشوں سے اٹا ہو۔ خبر تو خبر ہوتی ہے کسی انجان ملاقاتی کی طرح جو مسکرائے نہ رلائے، بس احوال سفر بتائے اور پھر دور چلا جائے۔

☆ نیکی کی دو شاخیں ہوتی ہیں ایک خدا سے عاجزی اور محبت کا رشتہ بنانے کی طرف لے جاتی ہے اس کی مخلوق کی خیر خواہی پر ابھارتی ہے اور دوسری دل میں اپنی نیکی کا گھمنڈ پیدا کرتی ہے انسانوں سے دور کرتی ہے۔ صرف اپنی بڑائی کا احساس پیدا کرتی ہے۔

سیدہ نسبت زہرا..... کہروڑ پکا

ماہر امراض چشم

میں نے ان سے پوچھا اس کی کیا تدبیر کریں
جس کی آنکھوں کو لپکا ہے دل پر زخم لگانے کا
کہنے لگے وہ، انور صاحب! آپ بھی کتنے بھولے ہیں
میرے پاس اٹھا لائے ہیں کیس زنانے تھانے کا

(انور مسعود)

نور

ایک نوجوان، مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا۔

"مولوی صاحب، ایک مسئلے کا حل پوچھنا ہے، اکثر رات کو آفس کا کام کرتے کرتے میں صوفے پر ہی سو جاتا ہوں، رات کو جب میری آنکھ کھلتی ہے، تو دیکھتا ہوں، کہ میری بیوی بیڈ پر سوئی ہوئی ہے، اور اس کے اوپر ایک رضائی ہے، اور اس رضائی سے نور چھلک رہا ہے تو حضرت، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری بیوی کی وہ کون سی ایسی نیکی یا عمل ہے، جس کی بدولت اس کی رضائی میں سے اتنا نور چھلکتا ہے.....؟"

مولوی صاحب "ابے گدھے تو ضرور مرے گا کسی دن، یہ نور نہیں چھلکتا، بلکہ تیری بیوی رات میں تیرا موبائل چیک کرتی ہے، پاس ورڈ ڈال کر رکھا کر۔"

☆ ☆ ☆

برا نہ چاہو

ایک بادشاہ کا غلام بھاگ گیا۔ کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ وزیر کو اس غلام سے دشمنی تھی۔ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا، کہ اس قتل کر دیا جائے۔ غلام نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ "حضور کے حکم کے سامنے میرا سر خم ہے، لیکن میں حضور کا نمک کھا کر پلا ہوں اس لیے نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن آپ پر میرے قتل ناحق کا الزام لگایا جائے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس وزیر کو مار ڈالوں پھر اس کے قصاص میں آپ مجھے قتل کر دیں۔ اس صورت میں میرا قتل جائز ہو گا۔" بادشاہ ہنس پڑا اور وزیر سے کہا۔ "اب تیری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا "جہاں پناہ! میری رائے میں یہ مناسب ہے کہ خدا کے لیے اپنے پدر بزرگوار کی قبر کے صدقے میں اس کو آزاد کر دیجیے تاکہ یہ مجھے کسی بلا میں نہ پھنسائے۔"

سبق: جب تو کسی دشمن پر تیر چلائے تو یہ جان لے کہ تو بھی اس کے نشانے پر ہے۔ (حکایت سعدی)

گیلانی سسٹر..... کہروڑ پکا

☆ ☆

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

"زرتاشیہ" کی ڈائری میں تحریر

وصی شاہ کی نظم

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کئی طرح سے جی دیکھا ہے
کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں
لیکن جاناں!
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر نہیں دیتے

"روبی" کی ڈائری میں تحریر

محسن نقوی کی نظم

"سن لیا ہم نے"

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اور سن کر اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے

دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
ایک طرف تو ہے ایک طرف دل ہے
دل کی مانیں کہ اب تجھے دیکھیں

تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی امرت سمجھ کے پی لیں گے
ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں
چند سانسیں ہیں گن کے جی لیں گے

"گڑیا شاہ" کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی غزل

رکتا بھی نہیں ٹھیک سے چلتا بھی نہیں ہے
یہ دل کہ ترے بعد سنبھلتا بھی نہیں ہے

یہ شہر کسی آئینہ کردار بدن پر
الزام لگاتے ہوئے ڈرتا بھی نہیں ہے

اک عمر سے ہم اس کی تمنا میں ہیں بے خواب
وہ چاند جو آنگن میں اترتا بھی نہیں ہے

پھر دل میں تری یاد کے منظر ہیں فروزاں
ایسے میں کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے

"عائشہ وحید" کی ڈائری میں تحریر

بشیر بدر کی غزل

تتلیوں کا مجھے ٹوٹا ہوا پر لگتا ہے
دل پہ وہ نام بھی لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے

رات آئی تو ستاروں بھری چادر تانی
خوبصورت مجھے سورج کا سفر لگتا ہے

زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے زمین
پاؤں پھیلاؤں تو دیوار سے سر لگتا ہے

میں ترے ساتھ ستاروں سے گزر سکتا ہوں
کتنا آسان محبت کا سفر لگتا ہے

رباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر
منیر نیازی کی نظم

دکھ کی بات،

بچھڑ گئے تو پھر ملیں گے ہم دونوں اک بار
یا اس بستی دنیا میں یا اس کی حدوں کے پار
لیکن غم ہے تو بس اتنا جب ہم وہاں ملیں گے
ایک دوسرے کو ہم کیسے تب پہچان سکیں گے
یہی سوچتے اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑے رہیں گے
اس سے پہلے بھی ہم دونوں کہیں ضرور ملے تھے
یہ پہچان کے نئے شگوفے پہلے کہاں کھلے تھے
یا اس بستی دنیا میں یا اس کے حدوں کے پار
بچھڑ گئے ہیں مل کر دونوں پہلے بھی اک بار

نادرہ سلطانہ، کی ڈائری میں تحریر
قتیل شفائی کی غزل

جب بھی چاہیں اک نئی صورت بنا لیتے ہیں لوگ
اک چہرے پر کئی چہرے بنا لیتے ہیں لوگ

مل بھی لیتے ہیں گلے سے اپنے مطلب کے لیے
آ پڑے مشکل تو نظریں بھی چرا لیتے ہیں لوگ

خود فریبی کی انہیں عادت سی شاید پڑ گئی
ہر نئے رہزن کو سینے سے لگا لیتے ہیں لوگ

ہے بجا ان کی شکایت لیکن اس کا کیا علاج
بجلیاں خود اپنے گلشن پر گرا لیتے ہیں لوگ

ہو خوشی بھی ان کو حاصل یہ ضروری تو نہیں
غم چھپانے کے لیے بھی مسکرا لیتے ہیں لوگ

اس قدر نفرت ہے ان کو تیرگی کے نام سے
روزِ روشن میں بھی اب شمعیں جلا لیتے ہیں لوگ

یہ بھی دیکھا ہے کہ جب آ جائے غیرت کا مقام
اپنی سولی اپنے کاندھے پر اٹھا لیتے ہیں لوگ

روشنی ہے ان کا ایماں، روک مت ان کو قتیل
دل جلاتے ہیں یہ اپنا تیرا کیا لیتے ہیں لوگ

شمع مسکان، کی ڈائری میں تحریر
اعتبار ساجد کی غزل

تو بھی تنہا تنہا نہ خاک اڑا، میری جان میرے قریب آ
میں بھی خستہ دل ہوں تری طرح، مری جان میرے قریب آ

ہیں سمندروں کی ہوا نہیں کہ تجھے دکھائی نہ دے سکوں
کوئی بھولا بسرا خیال ہوں نہ گمان میرے قریب آ

نہ چھپا کہ زخم وفا ہے کیا، تری آرزو کی کتھا ہے کیا
تری چادرہ گر نہ یہ زندگی نہ جہان میرے قریب آ

تجھے ایسے ویسوں کی دوستی نے بہت خراب و خجل کیا
کسی جھوٹ کی یہ نقاب رخ پہ نہ تان میرے قریب آ

جو نکل سکے تو نکال لے کوئی وقت اپنے لیے کبھی
مرے پاس بیٹھ کے دو گھڑی، کسی آن میرے قریب آ

نہ مکالمہ ہو نہ گفتگو، فقط اتنا ہو کہ نہ میں نہ تو
ہیں صرف اپنے بھلے ہوئے دل و جان میرے قریب آ

شگفتہ سلیمان

روبینہ، فرح ____ بھائی پھیرو

میں جانتا ہوں کہ دنیا تجھے بدل دے گی
میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں بظاہر تو
ہنسی خوشی سے بچھڑ جا اگر بچھڑتا ہے
یہ ہر مقام پہ کیا سوچتا ہے آخر تو

پری گلزار ____ سلانوالی

ایسا گم ہوں تیری یادوں کے بیابانوں میں
دل نہ دھڑکے تو سنائی نہیں دیتا کچھ بھی

شاہدہ ظفر ____ کراچی

عمر گزری ہے مگر یہ نہیں معلوم ہوا
اس کو میری ہے کہ مجھ کو ہے ضرورت اس کی
اتنی شدت سے تو میں نے بھی نہیں چاہا تھا
مجھ سے دیکھی نہیں جاتی محبت اس کی

فرحین اکرام ____ کراچی

مجھ کو دھوکا دیا سہاروں نے
اب سہاروں سے بچ کے چلتا ہوں

سیمی ظفر ____ کراچی

کیا لکھیں ہم زندگی کے بارے میں
وہ لوگ ہی بچھڑ گئے جو زندگی ہوا کرتے تھے

بینا ظفر ____ کراچی

خواب اور حقیقت میں فرق صرف اتنا ہے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں حقیقت توڑ دیتی ہے

رانیہ ____ کوٹ چھٹہ

جس دن کرے گا یاد میری محبت کو
بہت روئے گا خود کو بے وفا کہہ کے

شاہینہ عارف ____ اورنگی ٹاؤن

ہم اردگرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
تیرے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں

ثروت راشد ____ کراچی

چاہت کے کچھ دیپ جلائے خواب کسی کے دیکھوں
ہاتھوں کو تکیہ سا بنائے خواب کسی کے دیکھوں
تارے چمکیں امبر پر جب چاند ہنسے انگن پر
پھولوں کا جب موسم آئے خواب کسی کے دیکھوں

نمرہ، اقراء ____ کراچی

وہ سب سوال جو میری سمجھ سے باہر ہیں
میں جاگ جاگ کے ان کے جواب سوچتی ہوں
پلٹ کے دیکھتی ہوں جب راہ وفا کی طرف
تو عمر بھر کے دکھوں کا حساب سوچتی ہوں

روبی ____ کراچی

اور اس سے نہ رہی کوئی طلب
وہ بس میرے پیار کی عزت کرنا

ایمان فہمید، مدیحہ فہمید ____ فیصل آباد

عکس خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو، مجھ کو نہ سمیٹے کوئی
کانپ اٹھتی ہوں میں، یہ سوچ کر تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی

درخشاں رضوان ____ کورنگی

آئے تو یوں کہ جیسے ہمیشہ تھے مہرباں
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے

نشاء نورین، صائقہ نورین ____ بوتالہ جھنڈا سنگھ

انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا ترا ہم سفر کہاں ہے

صدف عمران ____ کراچی

کیا خوب ہوتا کہ یادیں ریت ہوتیں
مٹھی سے گرا دیتے، پاؤں سے اڑا دیتے

درخشاں رضوان ____ کراچی

ہوئی جو شام تو پھر تیرے در پہ آ بیٹھا
میں شال اوڑھ کر اک مہرباں اداسی کی
تمام شہر ہے اک کشمکش کے موسم میں
دلوں میں ٹھہر گئی ہے خزاں اداسی کی

ندا، نفیسہ ____ گوجرہ

اپنے مسیحا سے اب کوئی امید نہ رکھ ساغر
وہ تنگ دل ہے اور تیرے زخم کی گہرائی بہت

شاہدہ عارف ____ اورنگی

کچھ اپنے آپ سے ہی اسے کشمکش نہ تھی
مجھ میں بھی کوئی شخص اس کا رقیب تھا
پوچھا کسی نے مول تو حیران رہ گیا
اپنی نگاہ میں کوئی کتنا غریب تھا

وشال فرحان ____ کراچی

عجیب رنگوں سے مجھ کو سنوار دیتی ہے
کہ وہ نگاہ بستائش نہیں سنگھار سے کم

عظمیٰ ولی محمد ____ حیدر آباد

سکوتِ شامِ خزاں ہے قریب آ جاؤ
بڑا اداس سماں ہے قریب آ جاؤ
جو دشتِ عشق میں بچھڑے وہ عمر بھر نہ ملے
یہاں دھواں ہی دھواں ہے قریب آ جاؤ

نازش ریحان ____ کراچی

اترے ہو میرے دل میں آپ چاند نگر سے
اب خوف نہیں کوئی اندھیروں کے سفر سے

صدف عمران ____ کراچی

مجھے سوچوں تو محسوس ہوتا ہے
زندگی کتنی خوبصورت ہے

مینا بخاری، صبا نوشاہی ____ ڈونگہ گجرات

تہمتیں مجھ پہ آتی رہی ہیں کئی ایک سے ایک نئی
خوبصورت مگر جو ایک الزام تھا وہ تیرا نام تھا
دوست جتنے بھی تھے آشنا ہو گئے پارسا ہو گئے
سانحہ میرے رسوا جو سرِ عام تھا وہ تیرا نام تھا

رانی ____ کراچی

ملے گا پھر کبھی اس وہم سے نکال گیا
وہ شخص اب کے بہ انداز ماہ و سال گیا

سیدہ رملہ بخاری ____ جہلم

آیا ہے نیا سال دل میں آئے خیال کئی
جو گزر رہے ہیں انہیں بھول جاؤں میں بسا ترنگ نئی
کاش یہ سال لائے تیرے ملنے کی نوید
ہر بات ہو گی وہی مگر یہ بات تو ہو گی نئی

آمنہ تبسم ____ سیالکوٹ

لمحہ لمحہ نظر آتا ہے کبھی اک اک سال
کبھی لمحے کی طرح سال گزر جاتا ہے
کبھی نرمی کبھی سختی کبھی عجلت کبھی دیر
وقت اے دوست بہرحال گزر جاتا ہے

نورین ____ کراچی

ہر سمندر کا ایک ساحل ہے
ہجر کی رات کا کنارہ نہیں
وہ نہیں ملتا اک بار ہمیں
اور یہ زندگی دوبارہ نہیں

سونیا ____ کراچی

آنکھوں کو انتظار کے لمحات سونپ کر
نیندیں بھی کوئی لے گیا اپنے سفر کے ساتھ

شائستہ رشید ____ لاہور

محبت ہی محبت کاشت اب کے سال کرتے ہیں
چلو پھر آنے والی رت کا استقبال کرتے ہیں
کہ اب ہم سب کو سہاروں کی ضرورت ہے
نئے سال میں آنے والی بہاروں کی ضرورت ہے

اسماء بدر ____ مظفر گڑھ

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر مری وہی طلب اب کے برس مل جائے تو

سیدہ نسبت زہرہ ____ کھروڑ پکا

آنچل میں پھول لے کے کہاں جا رہی ہوں میں
جو آنے والے لوگ تھے وہ لوگ تو گئے
کیا جانیے افق کے ادھر کیا طلسم ہے
لوٹے نہیں زمین پر اک بار جو گئے

کنول شاہین ____ جلال پور جٹاں

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

"عورت"

عورت بہت عجیب سی شے ہے یار! تم اسے نہیں سمجھ سکے ہر عورت ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ خواہ وہ عام سی ہو یا چاند چہرا۔ چاہے وہ درختوں پر نام لکھ کر اپنے جذبوں کو کھلے عام آشکار کردے یا پھر سوکھے گلاب کتابوں میں رکھتی رہے اور کسی کو معلوم ہی نہ ہو کہ کب بہار آئی۔ کب کوئی غزل خواں ہوا یا نہیں ہوا۔ صحرا کی پیاس من میں لیے زندگی ایک جست میں طے کرتی ہے۔ باقی تو زندہ رہنے کے بہانے ہوتے ہیں۔ اس کی پیاس بجھتی ہی نہیں تن کی پیاس، من کی پیاس، من کی پیاس تو اکثر بادل بھی نہیں بجھا پاتے خواہ بارش سے بھرے کیوں نہ ہوں۔"

(محبت جاوداں ہے..... سعدیہ حمید چوہدری)

آسیہ ارم..... کراچی

عشق

عشق انسان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ یہ ایک ریگ مار ہے، اگر انسان پتھر ہو تو اس کی رگڑ سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور وہ ہیرا ہو تو چمک دمک جاتا ہے۔ یہ کلی طور پر انسان کی پوٹینشل پاور پر منحصر ہے کہ عشق اسے کیا عطا کرتا ہے۔ عشق کچھ لوگوں کے لیے صرف ہجر ہے اور کچھ کے لیے ہجر بھی وصل ہے۔ (بانو قدسیہ)

حرا قریشی..... بلال کالونی ملتان

خامی

کسی بھی ملک میں کچھ نہیں ہوتا ہر ملک زمین کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اصل چیز اس زمین کے ٹکڑے پر بسنے والے لوگوں کی ہوتی ہے۔ کمی ہمیشہ ان لوگوں میں ہوتی ہے اور یہ خامی اس ملک کا تعارف بن جاتی ہے۔ ایسا سائن بورڈ جسے پھر وہ ملک اٹھائے پھرتا ہے۔ (عمیرہ احمد)

ناز علی، نور آمنہ..... کراچی

بندگی کا سلیقہ

بندے تو سبھی ہوتے ہیں پر بندگی کا سلیقہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ سر تو بہت جھکتے ہیں پر جب آزمائش کی دو دھاری تلوار گردن کو کاٹتی ہے تو کتنے ہی سر اپنے آپ اٹھ جاتے ہیں پر معبود کا حق تو تب ادا ہو کہ سر نہ اٹھے چاہے گردن کٹ کر گر جائے۔ (عشق آتش..... سعدیہ راجپوت)

ام طلحہ..... کراچی

گناہ

ایک بات یاد رکھنا گناہ ہر صورت گناہ ہی رہتا ہے۔ اسے کسی بھی طرح نیکی نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ لیکن تب گناہ کا بوجھ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے جب تاویلیں پیش کر کر کے اسے درست قدم قرار کر دینے کی کوشش کی جائے۔ انسان گناہ کرے اور اس پہ شرم سار ہو تو ممکن ہے اللہ اسے معاف فرما دے، لیکن گناہ گار خود کو حق پر سمجھے، یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

اماوس کا چاند..... بشریٰ سعید

سیدہ نسبت زہرہ..... کہروڑ پکا

محبت کے رمز

کون ہے، جو پیار نہیں کرتا مگر کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا مفہوم اور مقصود کیا ہے؟ ہر شخص اپنے طور پر اس کی تشریح کرتا ہے۔ کسی نے شیریں سے پیار کیا تو کسی نے شیریں کے نام پر اس کے باپ کی دولت پر نظر

جمائی، کون زندہ رہ گیا' یہ سب جانتے ہیں، محبت کے بارے میں لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ بہت سوں کا کہنا ہے کہ محبت وہ بیماری ہے جو شادی کا کڑوا گھونٹ پینے ہی سے ختم ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں دل لگانے کا مشورہ بہت ہی چھوٹی عمر میں مل جاتا ہے۔ بزرگ کہتے ہیں۔

"بیٹا دل لگا کر پڑھو"

دل لگنے کے بعد بھی کوئی پڑھ سکا ہے؟ جو لوگ انگریزی پڑھتے، لکھتے اور بولتے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ محبت کرنا گڑھے میں گرنے جیسا ہے، Falling in love اگر ایسا نہیں ہے تو پھر انگریزی میں محبت کرنے کے لیے کی اصطلاح کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ محبت چونکہ انسان کو کچل کر اس کا کچومر نکال دیتی ہے اس لیے انگریزی میں کرش کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ "Crush" کے لیے بے پناہ پیار کا اظہار کرنے کے لیے جیسی گنے کو کرش کر کے جوس نکالا جاتا ہے۔ کسی کا دعوا ہے کہ اگر محبت کو ہٹا دو تو یہ دنیا مقبرے جیسی دکھائی دے گی۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ محبت کے ہاتھوں کتنے مزار بنتے ہیں، اس پر بھی کسی نے شور کیا۔ کہتے ہیں کہ محبت کرنے بعد کسی چیز کی خواہش نہیں رہتی کوئی اور خواہش کرنے کے قابل ہی کب رہتے ہیں؟ (محبت کا پوسٹ مارٹم..... ایم ابراہیم)

سمیعہ سیف، سندس رفیق سندر..... عبدالحکیم

نام کا مسئلہ

نومولود بچوں کے ناموں کا مسئلہ خاصا پریشان کن ہے۔ اتنے نام کہاں سے لائے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ریڈیو پاکستان، زاہدان ریڈیو اور سیلون کے فرمائشی پروگراموں سے خاص مدد ملتی ہے۔ لیکن وہ چند ناموں تک محدود ہے پرانے زمانے میں یہ مسئلہ پیش نہ آتا تھا کیونکہ لوگوں کے نام عبدالغنی، سراج الدین، فاطمہ بیگم، سکینہ خاتون اور رحمت بی بی وغیرہ ہوتے تھے۔ ان کا لامتناہی ذخیرہ اب بھی موجود ہے۔ قلت صرف نئے ناموں کی ہے۔ ہر کوئی اپنے بیٹے کا نام صریر خامہ اور بیٹی کا نام نوائے سروش رکھنا چاہتا ہے۔ اساتذہ کے دیوان بھی آخر کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ فیملی پلاننگ پر جو ہمارے ملک میں اتنا زور دیا جا رہا ہے اس میں صرف ایک ہی حکمت نہیں کہ خوراک کا توڑ ہو جائے، ناموں کا مسئلہ بھی ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

بہت دن ہوئے ایک صاحب ہمارے پاس بھاگے بھاگے آئے کہ کوئی نام سبکتگین اور ایسلین کے قافیے کا بتاؤ۔ ہم نے کہا خیریت؟ شرماتے ہوئے بولے "میں نے اپنے تاریخی ذوق کی بنا پر اپنے دو صاحبزادوں کے یہ نام رکھے تھے، بس غلطی کر گیا" یہ نہ سوچا کہ اللہ کی رحمت بے پایاں ہے ورنہ خاندان سبکتگین کے بجائے خاندان مغلیہ کا انتخاب کرتا، جس میں بابر اور ہمایوں سے لے کر رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات تک گنجائش موجود ہے۔" غمگین، اندوہگین پر ان کو اعتراض تھا کہ فال بد ہے۔ والدین یہ نہیں سوچتے کہ بچہ بڑا ہو کر نالائق نکل آیا یعنی شاعر بن گیا تو رنجور، الم افسوس اور حسرت وغیرہ تخلص اختیار کرنے سے انہیں کون روکے؟ رنگین، تماشبین، دوربین، خوردبین وغیرہ ہمارے ذہن میں آئے۔ لیکن ہمارے دوست کو اطمینان نہ ہوا۔

(ابن انشا..... خمار گندم)
فوزیہ ثمر بٹ..... گجرات

نیکی

ہم میں سے وہی زندہ رہے گا جو دلوں میں زندہ رہے گا اور دلوں میں وہی زندہ رہے گا جو خیر بانٹے گا۔ محبتیں بانٹے گا اور آسانیاں پیدا کرے گا۔ (اشفاق احمد)

ریما نور رضوان..... کراچی

☼ ☼

دوبینہ شریف

ڈر

"میرا بوائے فرینڈ بہت خوبرو، تعلیم یافتہ اور دولت مند ہے، میں اسے بہت چاہتی ہوں وہ بھی مجھ پر جان چھڑکتا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے، لیکن مجھے ڈر لگتا ہے۔"

ایک خوب صورت لڑکی نے اپنے نفسیاتی معالج سے اپنی الجھن بیان کی۔

"کس سے ڈر لگتا ہے آپ کو؟" ماہر نفسیات نے پوچھا۔

"اپنے شوہر سے۔" خوب صورت لڑکی نے افسردگی سے جواب دیا۔

فوزیہ ثمر بٹ... گجرات

سمجھوتا

ایک نو آموز مصنف نے ایڈیٹر سے شکوہ کیا۔

"آپ نے مصنفوں پر یہ پابندی کیوں لگا رکھی ہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔"

"یہ تو ہم نے حالات سے سمجھوتا کیا ہے۔" ایڈیٹر نے گہری سانس لے کر کہا۔

"حالات سے سمجھوتا۔ کیا مطلب؟" نو آموز مصنف نے حیرت سے پوچھا۔

"بھئی کیونکہ بعض لوگوں کے بارے میں تو ہمارا خیال ہے کہ وہ صفحے کے ایک جانب بھی نہ لکھیں۔" ایڈیٹر نے جواب دیا۔

ہانیہ عمران ...گجرات

امت مسلمہ

ایک کالج میں رزلٹ کا دن تھا ایک دوست دوسرے دوست سے۔

"یار میرے ساتھ میرے ابو کھڑے ہیں تو جلدی سے جا اور رزلٹ دیکھ کر آ... اگر میں ایک پیپر میں فیل ہوا تو کہنا ایک مسلمان بھائی سلام کہتا ہے اگر دو میں فیل ہوا تو کہنا دو مسلمان بھائی تمہیں سلام کہتے ہیں۔"

دوست گیا اور تھوڑی دیر بعد آکر بولا۔

"یار پوری امت مسلمہ تمہیں سلام کہتی ہے۔"

طاہرہ ملک... جلالپور پیروالا

قدر و قیمت

عورتوں کی ایک محفل میں ایک عورت دوسری عورت پر رعب ڈالنے کے لیے بولی۔

"میرے شوہر مشہور ادیب ہیں۔ ان گنت کتابوں کے مصنف ہیں۔ اپنے لکھے ہوئے ہر لفظ کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ انہیں فی صفحہ سو روپے معاوضہ ملتا ہے۔"

یہ سن کر دوسری عورت بولی۔

"میرے شوہر بھی لکھتے ہیں، لیکن ان کے لکھے ہوئے ہر لفظ کی قیمت سینکڑوں اور ہزاروں روپے ہوتی ہے۔"

پہلی عورت حیران ہو کر بولی۔

"آپ کے شوہر کیا لکھتے ہیں؟"

"ایک بڑی فرم کے منیجر ہیں۔" دوسری عورت نے کہا۔

"یہ فرم جو مال خریدتی ہے اس کی ادائیگی بذریعہ چیک ہوتی ہے اور یہ چیک میرے شوہر لکھتے ہیں۔"

عائشہ وحید۔ کراچی

خوش گمان

ایک صاحب نے پنڈت جی سے کہا۔ "آپ نے مجھے آشا، شانتی اور شردھا کا دامن پکڑنے کا اپدیش دیا تھا!"

پنڈت جی نے جواب دیا۔ "ہاں دیا تو تھا پھر؟"

"جب میں نے ان کا دامن پکڑنے کی کوشش کی تو

وہ پولیس، پولیس، چلانے لگیں۔" ان صاحب نے کہا۔

موسم کا حال

ماہ رخ... شور کوٹ

ایک عورت نے اپنے شوہر کو مخاطب کیا جو اخبار پڑھ رہا تھا۔

"اگر آج موسم خراب نہ رہا تو میں شاپنگ کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ موسم کے بارے میں اخبار نے کیا لکھا ہے؟"

شوہر نے جواب دیا۔ "لکھا ہے کہ موسلادھار بارش ہوگی، بادل گرجیں گے بجلی چمکے گی اور طوفان آئے گا۔"

احتیاط

سلمیٰ عزیز... کوئٹہ

ایک نوجوان جوڑے کا سامان، ہوٹل کے کمرے میں رکھنے کے بعد بیرے نے پوچھا۔

"جناب! آپ کو اپنے لیے کوئی چیز منگوانا ہو تو بتادیجیے۔"

نوجوان نے جواباً کہا۔ "نہیں، کچھ نہیں چاہیے۔"

بیرے نے دوبارہ کہا۔ "آپ کی مسز کے لیے؟"

"اوہ خوب یاد دلایا۔ انہیں بھیجنے کے لیے تم مجھے ایک پوسٹ کارڈ لادو!"

عقل کی بات

بندیا... قصور

ایک لیڈر پاگل خانے میں اخلاقیات پر تقریر کر رہا تھا۔ تقریر بہت طویل ہوگئی اور ایک پاگل نے اٹھ کر کہا۔

"یہ بکواس بند کیجیے۔ بس بہت ہوچکا۔"

لیڈر نے حیرت اور غصے سے پاگل خانے کے انچارج کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔

"آپ تقریر جاری رکھیے اس کی پروا نہ کیجیے۔ یہ سال میں ایک آدھ بار ہی عقل کی بات کرتا ہے۔"

ہاتھ نہ چھوڑنا

اسما صادق... خان میلا

شاہد آم کے درخت پر چڑھ کر قلم کا پیوند لگانے لگا کہ شاخ ٹوٹ گئی اور وہ نیچے والی ٹہنی سے لٹک گیا اب وہ ٹہنی کو چھوڑ نہیں رہا تھا کیونکہ چوٹ نہ لگ جائے۔

ادھر سے اکرم اونٹ پر سوار گزر رہا تھا شاہد نے دیکھتے ہی شور مچانا شروع کردیا۔

"کہ مجھے نیچے اتارو ورنہ میں مرجاؤں گا اور اگر تم مجھے خیریت سے نیچے اتارو گے تو میں تمہیں ایک سو روپے انعام دوں گا۔"

اکرم نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔"

اونٹ پر کھڑا ہوکے جونہی شاہد کی ٹانگوں کو پکڑا اونٹ نیچے سے گزر گیا اب دونوں ہی لٹک گئے اور نیچے والا اب اوپر والے کو کہہ رہا ہے دو سو روپے لے لینا، لیکن ہاتھ نہ چھوڑنا بھائی۔

بدلہ

نورین عامر... گوجرانوالہ

رشید نے امجد سے پوچھا۔

"یہ تم نے اندر کے جیب میں کیا ڈالا ہوا ہے۔ جو اس قدر ابھرا ہوا ہے۔"

رشید نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"ڈائنامیٹ ہے، میں اس موٹے اکبر کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ جب بھی مجھ سے ملتا ہے سیدھا میرے سینے میں گھونسا مارتا ہے اور اس بار اس نے یہ حرکت کی تو اس کے ہاتھ کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔"

ٹیکس

حنا کرن... پتوکی

ثاقب نے سگریٹ کا آخری کش لیتے ہوئے سرفراز سے پوچھا۔ "اس دفعہ سگریٹوں پر نئے ٹیکس کیوں لگادیے گئے ہیں۔"

سرفراز نے جواب دیا۔ "یہ ایک پوشیدہ ٹیکس ہے اس نئے قبرستان کو ترقی دینے کے لیے جو صرف سگریٹ نوشوں کے لیے مخصوص ہوگا۔"

فوزیہ ثمر بٹ... گجرات

☆ ☆

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

ویجیٹیبل چاؤمن

ضروری اشیاء :

نوڈلز	آدھا کپ (ابال لیں)
پیاز	ایک عدد
ہری پیاز	دو سو گرام
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
اویسٹر ساس	دو کھانے کے چمچے
ووسٹر ساس	حسب ضرورت
شملہ مرچ	ایک عدد
بند گوبھی	ایک چوتھائی پھول
گاجر	ایک عدد
ٹماٹر	ایک عدد
سیاہ زیتون	چھ سے سات عدد
تیل	دو سے تین کھانے کے چمچے

ترکیب :

گرم تیل میں ابلے ہوئے نوڈلز ڈال ساتے کریں۔ پین میں پیاز' شملہ مرچ' گاجر' ہرا پیاز' ٹماٹر' سیاہ زیتون اور بند گوبھی ڈال کر نرم کریں۔ نمک' کالی مرچ' ووسٹر ساس ڈال کر اتنا پکائیں کہ سبزیاں گل جائیں تو اس میں نوڈلز شامل کر کے دو سے تین منٹ پکنے کے بعد پیش کریں۔

ہاٹ ونگز

ضروری اشیاء :

چکن	پانچ سو گرام
لہسن	دو جوے
کارن فلاور	چار چمچے
میدہ	دو چمچے
انڈا	ایک عدد
ووسٹر ساس	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
کالی مرچ	حسب ضرورت
سفید مرچ	حسب ضرورت
کٹی ہوئی لال مرچ	حسب ضرورت

ترکیب :

انڈا پھینٹ لیں۔ پیالے میں چکن ونگز' انڈا'

نمک، کالی مرچ اور کٹی ہوئی لال مرچ شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں اس میں کارن فلاور، میدہ اور ووسٹر ساس بھی شامل کرلیں۔ کڑاہی میں تیل ڈال کر گرم کرلیں۔ گرم کیے ہوئے تیل میں ونگز ڈال کر تل لیں۔
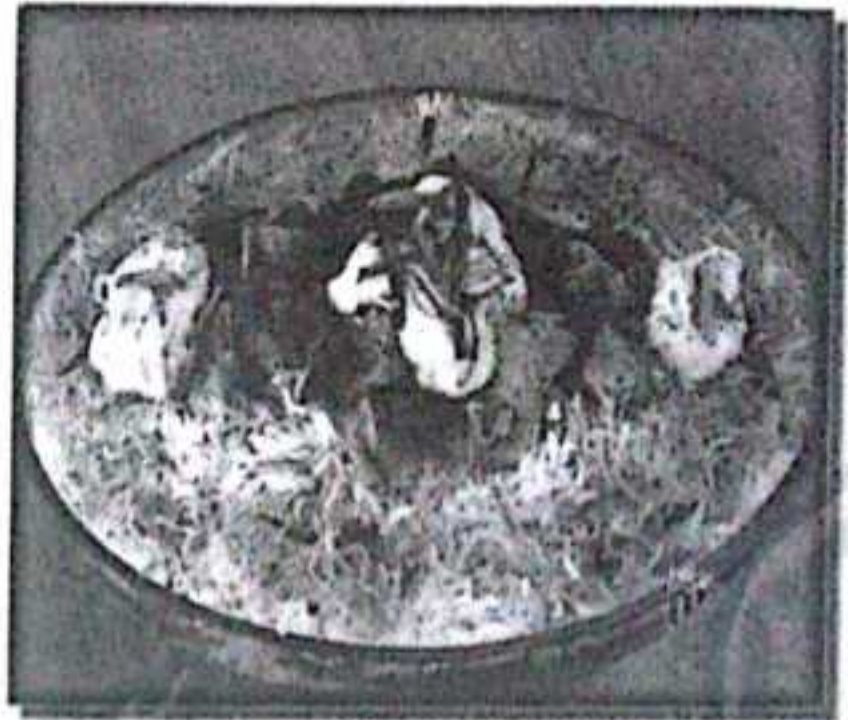
سنگاپوری رائس

ضروری اشیاء :

مرغی	ایک سو پچاس گرام
چاول	دو کپ
نوڈلز	آدھا پیکٹ
شملہ مرچ	ایک عدد
ہری پیاز	ایک عدد (پتے کاٹ لیں)
بند گوبھی	ایک چوتھائی گوبھی
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ	آدھا کھانے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
چلی گارلک ساس	ایک کھانے کا چمچہ
کیچپ	دو کھانے کے چمچے
مایونیز	چھ کھانے کے چمچے
اویسٹر ساس	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	چار سے چھ عدد
لہسن	چار جوے
کٹی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

پین میں پانی ڈال کر ابال لیں۔ تھوڑی سی ہلدی بھی شامل کرلیں۔ پانی ابل جانے پر نوڈلز ڈال دیں۔ نوڈلز نرم ہو جانے پر چھان لیں۔ گرم تیل میں ابلے ہوئے نوڈلز ڈال کر فرائی کرلیں۔ پین میں پانی، نمک اور ثابت زیرہ ڈال کر ابال لیں، دو چمچے تیل بھی ڈال دیں گرم پانی میں چاول ڈال کر ابال لیں۔ ہری مرچ کے لمبے ٹکڑے کاٹ لیں، لہسن کے باریک قتلے کرلیں اور گرم تیل میں ہلکے فرائی کرلیں۔ پیاز، شملہ مرچ، گاجر اور گوبھی ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ گرم تیل میں لہسن ادرک پیسٹ ڈال کر بھون لیں اور چکن ڈال کر ہلکا براؤن کرلیں۔ تمام کٹی ہوئی سبزیاں ڈال کر مکس کرلیں۔ سفید مرچ، کالی مرچ، نمک، اویسٹر ساس، ٹماٹو کیچپ اور گارلک ساس ڈال دیں۔ کارن فلاور تھوڑے سے پانی میں ڈال کر مکس کرلیں اور ساس میں ڈال کر گاڑھی کرلیں پیالے میں مایونیز (کریم) پانی اور کٹی ہوئی لال مرچ ڈال کر چکن اور سبزیوں کا آمیزہ پھیلا دیں۔ باقی کے چاول آمیزہ پر ڈال دیں۔ کریم کا تیار کیا ہوا پیسٹ اور فرائی کی ہوئی مرچیں اور لہسن اوپر پھیلا دیں اس کے اوپر فرائی کیے ہوئے نوڈلز ڈال دیں۔ مزے دار سنگاپوری رائس تیار ہیں۔

فرائڈ فش

ضروری اشیاء :

مچھلی	پانچ سو گرام
لیموں	ایک عدد
کٹی ہوئی سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ادرک	ایک چائے کا چمچہ
کٹا ہوا دھنیا	حسب ضرورت
گرم مسالا پاؤڈر	حسب ضرورت
انڈے	دو عدد
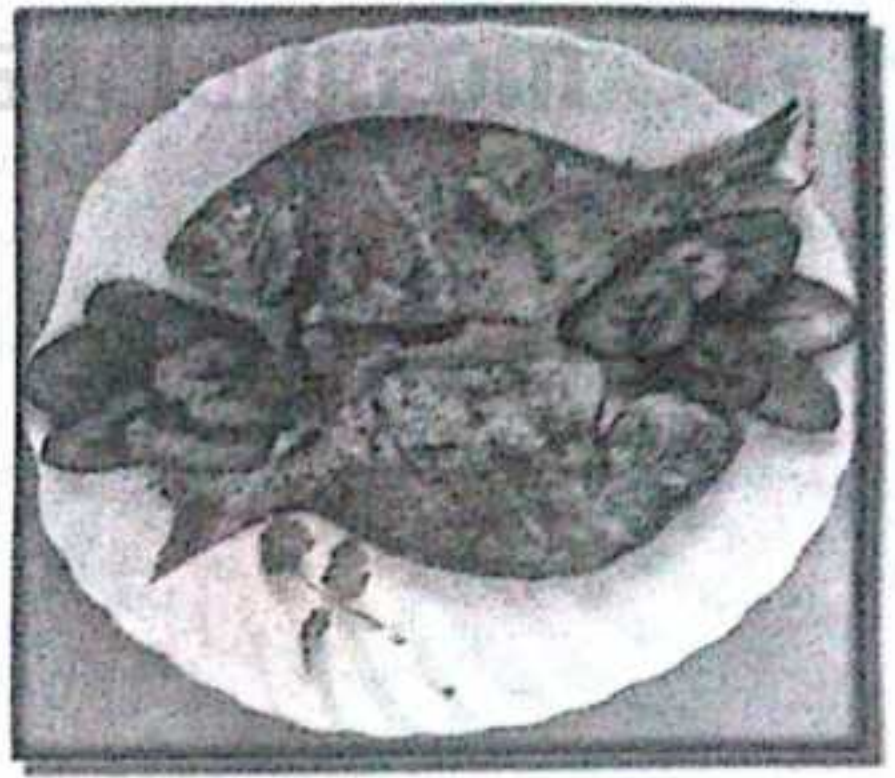
بیسن	تین چائے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ضرورت
لہسن	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

مچھلی کی پرت میں دونوں طرف کٹ لگالیں پھر ایک پیالے میں سارے مسالے ادرک کا پیسٹ بیسن اور انڈے شامل کرلیں اچھی طرح مکس کرنے کے بعد لہسن، تیل اور لیموں کا جوس شامل کردیں۔ اس آمیزہ کو اچھی طرح مکس کریں۔ مچھلی کی پرت پر آمیزہ کو لگا کر آدھا گھنٹے بعد اس کو ڈیپ فرائی کرلیں۔ فرائڈ فش تیار ہے۔
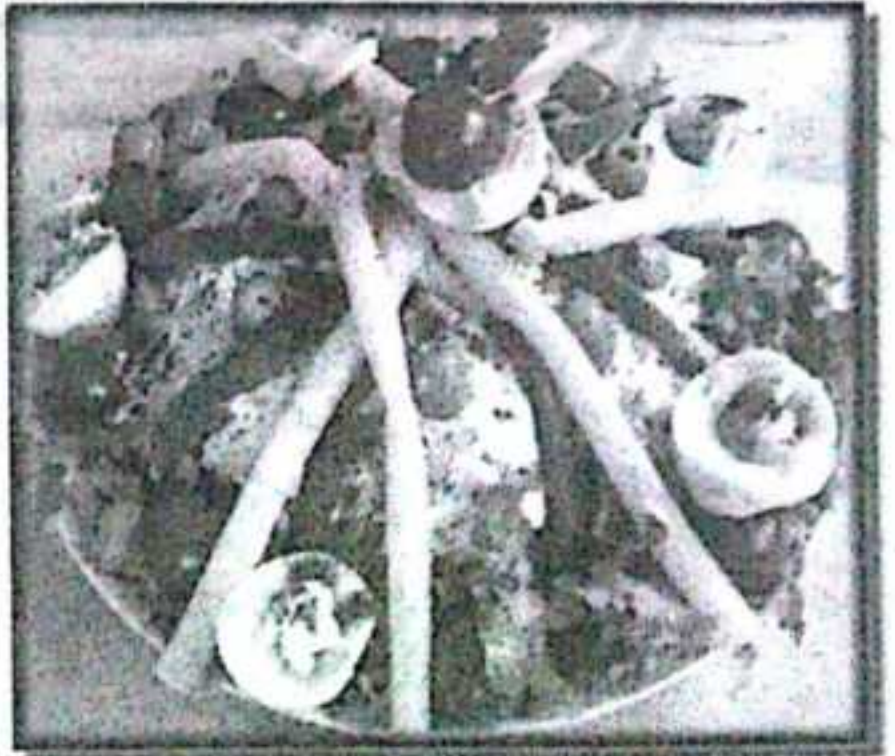
رشین سلاد

ضروری اشیاء :

آلو	دوعدد
گاجر	دوعدد
سیب	ایک عدد
اخروٹ	پچاس گرام
کشمش	پچاس گرام
مایونیز	آدھا کپ
کالی مرچ	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کریم	چار چمچے
سلاد پتا	ایک عدد

ترکیب :

سب گاجر اور آلو ابال کر کیوب بنالیں۔ ایک پیالے میں ابلی ہوئی گاجر، ابلے ہوئے آلو، سیب، اخروٹ، کشمش، نمک، کالی مرچ، کریم اور سلاد پتا ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔

لوکی کا حلوہ

ضروری اشیاء :

لوکی	تین سو گرام
کھویا	دو سو پچاس گرام
چینی	حسب ذائقہ
بادام	پچاس گرام
پستہ	پچاس گرام
گھی	آدھا کپ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب :

پین میں کش کی ہوئی لوکی اور پانی ڈال کر ابال لیں۔ پین میں گھی ڈال کر گرم کرلیں گرم گھی میں ابلی ہوئی لوکی اور چینی ڈال کر بھون لیں۔ پھر کھویا ڈال کر تھوڑا پکالیں۔ آخر میں بادام اور پستے ڈال کر بھون لیں اور گرما گرم پیش کریں۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

فرزانہ دیوان۔۔۔۔ راولپنڈی

س بھیا! میں نے اپنی دادی اماں سے سنا تھا کہ جب انسان سو برس کا ہو جائے یعنی سنچری مکمل کرنے کے بعد اس کے نئے بال آنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ بھی کالے۔ اس کے دانت دوبارہ آنا شروع ہو جاتے ہیں' اس کی نظر ٹھیک ہو جاتی ہے' اس میں پہلے جیسی طاقت آنا شروع ہو جاتی ہے' کیوں؟ اس کیوں کا جواب میں اپنی دادی اماں سے پوچھ لیتی' اگر وہ زندہ ہوتیں تو؟

ج اسی لیے کہتے ہیں کہ سنی سنائی باتوں پر کان مت دھرا کرو۔ اب دیکھو تمہاری دادی جان یہ ثابت کرنے کے لیے بے چاری سو سال نہ جی سکیں۔

ام کلثوم ترک۔۔۔۔ شکار پور

س نین جی! ذرا یہ تو بتاؤ کہ مرد کے دل کو بارہ دری کہا جاتا ہے تو عورت کے دل کو؟

ج گورکھ دھندا۔

غزالہ یوسف۔۔۔۔ حیدر آباد

س اونینا! آپ جلد از جلد شادی کرلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو یہ کہنا پڑے کہ؟

ابھی تو میں جوان ہوں

ج آپ کا پہلا مشورہ نا قابل قبول ہے لیکن ابھی تو میں جوان ہوں قبول ہے۔

فیروز جہاں۔۔۔۔ خانیوال

س ۔ اس انسان کی کیا سزا ہو جو گزرا ہوا وقت بھول جائے؟

ج ۔ اس کو سزا خداوند خود ہی دے دے گا۔ آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔

صائمہ گل۔۔۔۔ بہاول پور

س ۔ اگر کوئی مرد شادی کے دن سہرے کے پیچھے روئے تو کیا سمجھنا چاہیے؟

ج ۔ نکاح کے وقت اس نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اس کے والد بزرگوار نے زبردستی کروائی ہے "ہاں"

آنسہ شفق رحمن۔۔۔۔ بہاول پور

س ۔ سنا ہے تم نے ماسی مصیبتے کا "دُکڑ" چرا لیا ہے

ج ۔ کھا بھی لیا۔

س ۔ جلدی کا کام شیطان کا دیر کا کام؟

ج ۔ انسان کا

مدیرہ کرن

اس ماہ کا خط

ثوبیہ شاہین..... ملتان

اپریل کا پرچہ ہاتھ میں لیتے ہی دل خوش ہو گیا' ماڈل بہت پیاری لگ رہی ہے' اس میں کوئی شک نہیں کہ کرن میں بہت اچھی تبدیلیاں آئی ہیں۔ جس کی وجہ سے پڑھنے کا دل چاہتا ہے۔ انٹرویوز پڑھنے کے بعد سب سے پہلے فائزہ افتخار کا "شاید" پڑھا' مزا آگیا۔ آسیہ مرزا کا "من مورکھ کی بات نہ مانو" بھی ٹھیک ہے نایاب جیلانی کا "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" تھوڑی یکسانیت کا شکار ہو گیا۔ ناولٹ میں دیا شیرازی کا "مٹھی بھر یقین" زیادہ اچھا لگا۔ افسانوں میں نظیر فاطمہ اور سحرش فاطمہ کے افسانے زیادہ پسند آئے تنزیلا ریاض' صدف آصف اور قرۃ العین خرم مجھے بہت پسند ہیں۔ ان کی کہانیاں شامل کرتی رہا کریں۔

اس بار کرن کا دستر خوان مزے دار لگا ویسے میں آپ لوگوں کی ریسیپی اکثر ٹرائے کرتی ہوں۔

ج : پیاری ثوبیہ! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ ہر ماہ خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا کریں۔

سلمیٰ عزیز..... کوئٹہ

اس دفعہ کا کرن قابل رشک تھا پڑھ کر مزا آگیا۔ سب سے پہلی نظر ماڈل کی آنکھوں پر گئی۔ کیا بڑی بڑی حسین آنکھیں تھیں بے اختیار اپنی آنکھیں آئینے میں دیکھی آج تو کچھ زیادہ ہی چھوٹی نظر آئی..... حمد اور نعت سے ایمان تازہ کیا آفان وحید قریشی اور زرنش خان سے ملاقات کرکے بہت اچھا لگا انہیں پڑھ کر تو شاہین رشید کو دعائیں دیں۔ عاصمہ حسین کو ابھی تک سنا نہیں اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتی۔ "کھولے پنکھ یادوں نے" بہت زبردست کیونکہ قارئین اپنے مصنفین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتے ہیں "مقابل ہے آئینہ" حور العین اقبال کو پڑھ کر بہت اچھا لگا "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" کیا بات ہے نایاب جیلانی۔ ان کی ہر تحریر دل پر لگتی ہے۔ عون کی قسمت میں ماہ رو ہی تھی' لیکن ایک بات پیٹ میں کھل بھلی مچا رہی ہے کہ ماہ رو اور اتنی سلیقہ شعاری..... زبردستی کے رشتوں کی کوئی منزل نہیں ہوتی لیکن اچھا لگا کہ انہیں منزل مل گئی۔ میرا موسٹ فیورٹ "من مورکھ کی بات" ہائے اس میں مجھے حازم کا رول بہت اچھا لگتا ہے۔ ابھی سے آگے کی استوری کا پتا چل رہا ہے کہ حازم اور حوریہ کا ہی ساتھ لکھا ہے۔ آخر کو دونوں کے نام کے حرف "ح" سے جو شروع ہوتے ہیں اور یا بران دونوں کے رشتے کی دیوار ثابت ہو گا۔ "شاید" کی آخری قسط ہائے ئے ئے..... جلدی جلدی نکال کر پڑھا۔ آخر کار ہنی اور سعد مل ہی گئے اور تانیہ ایک سچی دوست ثابت ہوئی۔ "مالکن" افسانوں میں پڑھا اچھا لگا۔ "میرے بدگمان" نام بہت انٹرسٹنگ لگا ام ایمان اچھی تحریر تھی۔

ج : پیاری سلمیٰ! کرن کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔ آپ اپنی تحریر بھیج دیں قابل اشاعت ہونے کی صورت میں ضرور لگائی جائے گی۔

ملیحہ راشد..... سادھوکی گوجرانوالہ

آپ سب یقیناً" میرے نام کے ساتھ لگے میرے "سرنیم" کو دیکھ کر پریشان ہو رہے ہوں گے ارے..... رے بھئی میں وہی پرانی ملیحہ رفیق ہی ہوں مگر فروری کے حسین و سرد مہینے میں ہم اپنے "پیا" کے دیس سدھار چکے ہیں۔ اسی لیے ہمارے ساتھ ہمارے "پیا" کا نام جڑ چکا ہے اور سب سے بڑی خوشی کی بات ہمارے لیے یہ کہ ایڈووکیٹ

"پپا" بھی "کرن" کے مداح نکلے اور اسی لیے ہم نے سوچا یہ خوشی ایسی نہیں جس کو پیٹ میں دبایا جائے بھئی۔ جی تو اب آتے ہیں کرن کے سرورق کی طرف ماڈل کی خوب صورتی نے سرورق پر رونق بکھیردی تھی بہت ہی پیارا لگا۔ انٹرویو میں زرنش خان کا نام دیکھ کر اور ان کے بارے میں پڑھ کر بہت مزا آیا آفان وحید بھی اچھے ہیں مگر میرے فیورٹ نہیں سو بس پڑھ لیا۔ ورق پلٹتے پلٹتے لفظ "نالائق" پر نظر پڑی اور ٹھہرگئی کیونکہ بھئی یہ لفظ تقریباً "کسی نہ کسی فارم میں ہر ایک کو سننے کو ملتا ہے اس لیے ابتدا اسی افسانے سے کی اور پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ نظیر فاطمہ آپ نے بہت ہی اچھا لکھا۔ پھر سحرش فاطمہ کا "میری کہانی کا دی اینڈ" افسانہ اینڈ میں دکھی تو کر گیا مگر حقیقت یہ ہی تھی کہ کہانیاں سبق آموز ہوتی ہیں۔ آپ ان میں کی گئی اچھی باتوں کو سیکھیں اور اپنے کردار کو ان کے مطابق ڈھالیں اور رہی بات یہ کہ ہیرو ہیروئن تو آپ اگر زندگی کو صحیح طریقے سے گزاریں تو آپ اپنے کردار میں خود ایک ہیروئن ہیں۔ آپ کو کسی دوسرے کو کاپی کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ دیا شیرازی کا "مٹھی بھر یقین" بھی بہت اچھا لگا۔

ج : پیاری ملیحہ کرن کی طرف سے آپ کو شادی کی بہت بہت مبارک ہو یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ کے میاں جی بھی کرن کے پسند کرنے والوں میں سے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ زندگی کے نئے سفر میں آپ کو ڈھیروں خوشیاں ملیں۔ آمین

فضہ نور...... روہڑی

کرن جیسے ہی ہاتھوں میں آیا اور بس جی ہم اس میں مگن گھر والوں نے یہ تک کہہ ڈالا کہ فضہ تم نے اگیزامز دینا ہے کیا... ٹائٹل گرل یعنی ماڈل صاحبہ کی آنکھیں اس بار بہت اچھی لگ رہی ہے۔ اس بار کرن کتاب میں پھولوں کی زبان کے بارے میں جاننا اچھا لگا۔

فہرست میں "راپنزل" غائب' راپنزل کی کمی بہت محسوس ہوئی لیکن "کھولے پنکھ یادوں نے" میں تنزیلہ ریاض کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ انٹرویو میں آفان وحید اور زرنش سے ملاقات اچھی رہی۔

"نامے میرے نام" میں اپنا نام پاکر بے حد خوشی ہوئی اس بار نئے نام بھی شامل تھے کرن کی یہ بات مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ حرا قریشی کا خط ہمیشہ کی طرح لاجواب!

افسانوں میں نظیر فاطمہ' عابدہ احمد' سحرش فاطمہ' سعدیہ اقبال سب کے افسانے اچھے لگے۔

عابدہ احمد افسانہ "کتنے دور کتنے پاس" میں سمیرا کو ٹھوکر کھا کر ہی سمجھ آئی۔ ام ایمان کا ناولٹ "میرے بدگمان" کا نام پڑھ کر ہی کہانی سمجھ میں آگئی لیکن حسین شاہ جیسا انسان پڑھا لکھا ہو کر ایسی سوچ رکھ سکتا ہے۔ بہت دکھ ہوا جان کر۔ دیا شیرازی "مٹھی بھر یقین" مٹھو کا کردار ایک آنکھ نہ بھایا روشن کا یقین اسفندیار کو واپس لے آیا۔

"دل ٹوٹ کے ہارا" نایاب جی الفاظ نہیں کہ تعریف کس طرح شروع کروں۔ مکمل ناول انیلا کرن "جو لکھا تھا میرے نصیب میں" چلبلی فاطمہ کا کردار بہت بھایا۔ بیبن کا دولت کی خاطر شہروز کو چھوڑ دینا بہت برا لگا شہروز کی ماں کا کردار بیسٹ لگا۔ نظم بہت خوب صورت لگی۔

ج : پیاری فضہ کرن سے محبت کا بے حد شکریہ۔

صبا آصف...... کراچی

کرن کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اداریہ سے لے کر "نامے میرے نام" ہر چیز بہترین نایاب جیلانی کا مکمل ناول "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" بہت ہی خوب صورت

تحریر۔ "مٹھی بھر یقین" دیا شیرازی کی بہت ہی اچھی تحریر لڑکیوں کو بہت احتیاط کا سبق سکھاتی ہوئی۔ آسیہ مرزا کا "من مورکھ کی بات نہ مانو" اچھی تحریر ہے عباد کے پچھتاوے ملال سب مومنہ کے لیے بے معنی ہیں' لیکن معاف کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ "دل آباد کریں" نازیہ جمال کا مکمل ناول اس دور کی کہانی ہے بلکہ ہر تیسرے گھر کی کہانی۔ ہر افسانہ بہت اچھا ہر کہانی کوئی نہ کوئی سبق لیے ہوئے دل تو چاہتا ہے پورے رسالے پر تبصرہ کروں' وقت نہیں ہے صبح کے ساڑھے سات بج رہے ہیں اسکول بھی جانا ہے پڑھنے نہیں پڑھانے۔

ج : پیاری بہن صبا! کرن میں آپ کا خط لکھنا بہت اچھا لگا آپ نے اتنی مصروفیت کے باوجود اپنی رائے سے آگاہ کیا آئندہ ذرا فرصت سے تبصرہ کیجیے گا ہم منتظر ہیں۔

آسیہ ارم...... ملیر کراچی

خیر پیاری سی ماڈل رائنا۔ گرمی کے حساب سے تیار'

اچھی لگی۔ اداریہ پڑھ کر شمارے میں شامل لسٹ پر نظر دوڑائی اور اپنا پسندیدہ ناول نہ پا کر دلی افسوس ہوا گیا ہے تنزیلہ جی ہم ایک مہینہ انتظار میں گزارتے ہیں مگر.... چلیں آپ کی کوئی مجبوری ہوگی۔

شاہین جی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے آفان وحید سے ملاقات کروائی مجھے ان کا بولنے کا نرم انداز بہت پسند ہے۔

آگے بڑھی تو "میری بھی سنیے" میں اپنی نئی ابھرتی موسٹ فیورٹ اداکارہ زرنش کا انٹرویو دیکھا' واہ! شاہین جی اکثر آپ بنا فرمائش ہی ہماری خواہش پوری کر دیتی ہیں اسے کہتے ہیں "دل سے دل کو راہ ہونا"۔ "کھولے پنکھ یادوں نے" میں اپنی پسندیدہ مصنفین 'تنزیلہ ریاض' فاخرہ گل' صدف ریحان' ام ایمان اور سیما بنت عاصم سے مل کر بہت اچھا لگا۔ ورنہ ہمیں ہماری مصنفین بہنوں سے ملنے کا موقع کہاں ملتا۔ آسیہ مرزا کا "من مورکھ" معذرت کے ساتھ جتنا اچھا اسٹارٹ لیا تھا اب ویسا جاندار نہیں رہا سوری پلیز آسیہ اسے کچھ اور بھی موڑ دیں ورنہ اب سب کچھ تو واضح ہے باقی آئندہ پر کوئی تجسس اور انتظار نہیں رہتا۔

نایاب جیلانی کا "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" بس ٹھیک ہی تھا۔ مزا نہیں آیا "شاید" فائزہ کا بہت اچھا ناولٹ تھا مگر سالار کی موت نے بہت دکھی کیا۔ اس دفعہ دو اسٹوریز کا دی اینڈ ہوا ہے' پلیز اب ان کی جگہ کوئی تھوڑی رومانٹک' تھوڑی مزاح لیے ہوئے کوئی زبردست سی تحریر شائع کریں۔ انیلا کرن علی کا "جو لکھا تھا نصیب میں" بہت اچھا تھا۔ خاص کر فاطمہ کے بھائیوں کا کریکٹر' بہن ایک ہو یا بہت ساری سب بھائیوں کو بہنوں کے لیے ایسا ہی کیئر فل ہونا چاہیے۔ بہت اچھے اینڈ بہت مزا آیا آپ کا ناول پڑھ کر۔ نازیہ جمال کا "دل آباد کریں" پڑھا اور کیا خوب پڑھا مزا آگیا نازیہ اتنا اچھا اور بے جھول ناول پڑھ کر۔ "مٹھی بھر یقین" دیا شیرازی کا ناولٹ پڑھا یہ کس دور کی کہانی تھی پلیز مدیرہ آج کے مسائل پر لکھا کریں۔

"میری کہانی کا دی اینڈ" سوری مجھے یہ افسانہ پسند نہیں آیا۔ "کرن کا دستر خوان" میں سلاد کی مختلف ریسیپی شائع کریں۔

ج : ارم! کرن پڑھنے کا بے حد شکریہ۔ آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے۔

سلمیٰ زبیر.... لاہور

اس بار تو پورے کا پورا رسالہ ہی قابل تعریف ہے ہر ایک کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ حمد و نعت سے مستفید ہو کے کچھ آگے بڑھے تو آفان وحید سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ میں آفان کی بہت بڑی فین ہوں زرنش خان اور عاصمہ۔ کا تو پہلے بھی انٹرویو شائع ہو چکا ہے۔ "من مورکھ کی بات" "بہت خوب صورت اسٹوری ہے خاص کر حازم اور حوریہ کی' اس بار حوریہ نے تو کمال کر دیا' بابر کے ساتھ تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ نایاب جیلانی 'دل ٹوٹ کے ہارا' کا اینڈ بہت خوب صورتی سے کیا۔ پلیز ماہ رو کا مطلب جان سکتی ہوں میں۔ انیلا جی نے اپنے ناول بھی بہت خوب صورتی کے ساتھ شروع اور اس کا اینڈ کیا' بہن کے ساتھ تو اس سے بھی برا ہونا چاہیے تھا "دل آباد کریں" میں شمامہ کا کردار بہت خوب صورت تھا' فیملی اسٹوری اچھا لگا پڑھ کے۔ شکر ہے کہ قرۃ کے ساتھ بھی اچھا ہوا فائزہ جی سات سلام آپ کو وہ بھی دل و جان سے' شکر ہے کہ ام ہانی اور سعد ملے تو! بس ثانیہ کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔ ام ایمان جی نگی کا بھی سارا پول کھل جانا چاہیے تھا۔ ویلڈن ام ایمان "مٹھی بھر یقین" بھی سپر اسٹوری تھی۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف۔ سارے افسانے بھی خوب صورت تھے۔ "ناگن" میں چھوٹے لوگوں کی چھوٹی خواہشیں۔ سحرش فاطمہ نے بھی بالکل ٹھیک لکھا تھا۔

ج : تبصرہ کرنے کا بے حد شکریہ۔ ماہ رو کا مطلب ہے "چاند سا چہرہ"

صبا علیشا.... فیصل آباد

اپریل کے کرن کا ٹائٹل واقعی تعریف کے قابل ہے۔ حمد و نعت قابل عقیدت۔ اس کے بعد فائزہ جی کا "شاید" پڑھا' اچھا لگا۔ نایاب جیلانی کا "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" سو سو رہا۔ مکمل ناول میں نازیہ جمال بازی لے گئیں "دل آباد کریں" اچھا لگا۔ ناولٹ دونوں ٹھیک لگے۔ افسانے سارے بہترین تھے مگر نظیر فاطمہ کا "نالائق" زیادہ پسند آیا۔ باقی مستقل سلسلے اور انٹرویوز بھی اچھے تھے۔ کرن کا معیار دن بہ دن بڑھ رہا ہے مبارک باد قبول کریں۔

ج : پیاری صبا! کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

سدرہ مرتضٰی..... کراچی

کرن میں دو مہینے لگا تار خط کیا چھپے لگا جیسے کوئی بہت بڑا تیر مار لیا ہے میں نے۔ شکریہ مدیرہ کرن۔

سب سے پہلے تو "راپنزل" کو مس کیا۔ آسیہ مرزا کا ناول بہت بہترین انداز میں اپنی منزلیں طے کررہا ہے۔

"شاید" نے اپنا سفر کامیابی سے ختم کیا۔ فائزہ جی کا یہ ناولٹ بھولنے والا نہیں ہے، ہمیشہ یاد رہے گا مجھے۔

نایاب جیلانی کا یہ سبق بہت پسند آیا "جیت ہمیشہ خالص اور صاف نیت کی ہوتی ہے" ماہ رو کا کردار یاد رہنے والا ہے۔

انیلا کرن جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں حالانکہ ٹاپک پرانا تھا بہت' انیلا کرن کی تحریر نے بالکل ایک نیا انداز سے پیش کیا۔ ام ایمان اور دیا شیرازی وقت کے ساتھ ساتھ بہترین سے مزید بہترین تحریر کے ساتھ آتی ہیں۔ یونہی لکھتی رہیں آپ دونوں۔

افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ عابدہ احمد نے ایک کسان کی محبت دکھائی تو دوسری طرف ان لڑکیوں کے لیے ایک سبق پیش کیا جو ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھتی ہیں۔ سحرش فاطمہ' سعدیہ اقبال اور نظیر فاطمہ تینوں کے افسانے شاندار تھے۔ سلسلے بھی اے ون جارہے ہیں۔

ج : پیاری سدرہ دو مہینے کیا؟ آپ ہر ماہ خط لکھا کریں ان شاءاللہ ضرور شائع کیا جائے گا۔

ثناء شہزاد..... کراچی

اپریل کا شمارہ اس بار دس کو مل گیا۔ اتنی جلدی ملنے پر بہت خوشی ہوئی جلدی سے اداریہ اور حمد و نعت کو پڑھنے کا شرف بخشا پھر آفان وحید سے ملے مجھے یہ بہت پسند ہیں۔ اتنے دھیمے لہجے میں بات کرتے ہیں ڈراموں میں۔ زرتش خان اور عاصمہ حسین سے بھی ملاقات کرلی۔ "مقابل ہے آئینہ" میں حورالعین اقبال کے جوابات اچھے لگے "کھولے پنکھ یادوں" نے تمام رائٹرز نے اچھا لکھا۔ سب سے پہلے تو فائزہ جی کو بہت بہت مبارکباد قبول ہو "شاید" جیسا شاہکار تخلیق کرنے پر بہت زبردست کہانی تھی میرے دل و دماغ سے کبھی نہیں نکلے گی آپ نے سعد اور ہانی کو ملا دیا اس کے لیے بہت شکریہ دوسری مبارک باد ہم نایاب جیلانی کو دیں گے جنہوں نے "دل ٹوٹ کے ہارا تھا"

پیش کیا۔ دونوں کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ تنزیلہ جی کے "راپنزل" کی کمی محسوس ہوئی۔ "من مور کھ کی بات" بھی اچھا چل رہا ہے۔ "میرے بدگمان" ام ایمان نے اچھا لکھا حسین کا کردار ویسے تو بہت اچھا تھا مگر مہوین پر شک کر کے اچھا نہیں کیا وہ تو شکر ہے اینڈ میں اسے پتا چل گیا ورنہ وہ تو اپنا گھر برباد کرلیتا۔ "مٹھی بھر یقین" میں مٹھو نے بہت ہی گھٹیا حرکت کی روشن کو بدنام کرنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے اور اسفند صاحب بھی بغیر تصدیق کے روشن کو چھوڑ کے چلے گئے لیکن روشن نے اسفند کو معاف کر کے اعلا ظرفی کا ثبوت دیا۔ انیلا کرن اور نازیہ جمال کی کاوشیں بھی شاندار تھیں۔ افسانے سب اچھے تھے "میری کہانی کا دی اینڈ" ان لڑکیوں کے لیے تھا جو کہانیوں کی دنیا میں گم ہو کر خود کو ہیروئین تصور کرنے لگتی ہیں "نالائق" سب سے زیادہ اچھا تھا۔ اس بار طبیعت کچھ ناساز تھی ممی نے کہا چھوڑو خط نہیں لکھنا مگر اپنا گزارہ کہاں ہے بصرہ کیے بغیر سو حاضر خدمت ہوگئی۔

ج : پیاری ثنا طبیعت کی ناسازی کے باوجود آپ نے بصرہ کیا بہت بہت شکریہ۔

آسما کنول..... اکوڑہ خٹک

پہلے تو دل سے ہزار بار شکریہ جو آپ نے میرا خط شامل کر کے مجھ پر احسان کیا۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہے آپ کے شکریے کے لیے۔ کرن اتنا پسند ہے کہ بتا نہیں سکتی خاص کر نایاب جیلانی واقعی ان کے قلم میں جادو ہے ساری کہانیاں زبردست ہیں "دل ٹوٹ کے ہارا" تو بیسٹ ہے نایاب جی پلیز کوئی رومانٹک سی کہانی لائیں دوبارہ۔ افسانے ناول ناولٹ سب کچھ ہر دفعہ زبردست ہوتا ہے' کرن میں ناپسندیدگی کی کوئی بات ہی نہیں۔ لاکھوں کامیابیاں نصیب فرمائے۔ کیا میں "مقابل ہے آئینہ" میں شرکت کرسکتی ہوں۔

ج : پیاری بہن آسما! آپ تو شرمندہ کررہی ہیں ہمیں۔ کرن آپ بہنوں کا ہی پرچہ ہے تو آپ لوگوں کے ہی خطوط شامل کیے جائیں گے اور آپ ضرور "مقابل ہے آئینہ" میں شرکت کرسکتی ہے۔

طاہرہ ملک..... جلالپور پیروالا

سوئیٹ کرن آپ سے چھوٹا سا شکوہ ہے کہ ہم بھی تو

آپ کی فیملی کا حصہ ہیں اتنے ماہ ہم غیر حاضر رہے کیا آپ نے ہماری کمی محسوس نہیں کی تو چلیں ہم خود ہی بتا دیتے ہیں وجہ تھی مائی سوئیٹ مسٹر رضوانہ ملک کی شادی پھران کے اومان جانے کی تیاریاں پھران کی روانگی تو اتنی مصروفیات میں ہم چاہ کے بھی شرکت نہیں کرپائے اور نہ ہی پڑھنے کا ٹائم ملتا تھا سب اکٹھے کرکے رکھے ہوئے تھے اب سارے پڑھے ہیں اور پھر شرکت کررہی ہوں۔

اب آتے ہیں کرن کی طرف ٹائٹل گرل بہت پیاری لگی پھر مدیرہ جی سے ملاقات کی ان کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں گھر کرگئیں "حمد و نعت" سے دل و روح کو منور کرتے ہوئے آفان وحید قریشی، زرنش خان، عاصمہ حسین سے ملاقات کی "کھولے پنکھ یادوں نے" خوب صورت سروے اچھا لگا "من مورکھ کی بات نہ مانو" آسیہ مرزا کا زبردست ناول ہے مونہ بیچاری پہ افسوس ہوا کہ زندگی کے قیمتی سال ضائع ہوگئے اب حازم کو اتنا اچھا بیٹا بننا چاہیے جو اپنی ماں کے دکھوں کی دوا بن جائے۔

"نالائق" نظیر فاطمہ نے صحیح کہا دولت کے نشے میں چور لوگ احساسات سے عاری ہوتے ہیں جو اپنے قریبی لوگوں کی بھی پروا نہیں کرتے "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" ماہ رو محبت میں فاتح ٹھہری اور بالآخر عون کی محبت پا گئی لیکن فریحہ پہ بہت افسوس ہوا اس بے چاری کا کیا قصور تھا۔

"میری کہانی کا دی اینڈ" ردمیصہ بے چاری ناول پڑھ پڑھ کے خیالوں کی دنیا میں رہنے لگی۔ "مٹھی بھر یقین" مٹھو بے چارے نے اپنی محبت کے حصول کے لیے غلط راستہ چنا اپنے ساتھ ساتھ روشن کی زندگی بھی خراب کر بیٹھا اور جھوٹی قسم سے اپنی آخرت بھی گنوا بیٹھا۔

"دل آباد کریں" میں خوب بتایا گیا کہ وقت کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا کب بدل جائے۔ "شاید" میں شکر اللہ کا بالآخر سعد کو اس کی محبت مل ہی گئی۔

حور العین اقبال آپ سے مل کر بہت اچھا لگا کرن کا دستر خوان ہمیشہ کی طرح زبردست تھا بہت جلد یہ ساری چیزیں ٹرائی کروں گی۔

ج : طاہرہ نہ صرف آپ کی بلکہ رضوانہ کی بھی کمی محسوس ہوئی۔ ہماری طرف سے ہی رضوانہ کو شادی کی بہت مبارک ہو۔ آپ نے اتنی مصروفیت کے باوجود کرن لے کر رکھے اس محبت کا بے حد شکریہ۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ کی دوست نبیلہ افتخار کا پتا چل جائے آمین۔

فوزیہ ثمروٹ ام ہانیہ عمران..... گجرات

اپریل کا کرن اس بار کچھ جلدی ہی مل گیا۔ مطلب 12 تاریخ کو۔ سرورق دلنشین نگاہوں والی ماڈل اچھی لگی۔ حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول سے ذہن و قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ "آفان وحید" سے ملاقات اچھی رہی۔ بندہ بڑا سمجھ دار ہے بڑے پھونک پھونک کے سوالوں کے جوابات دیتے ہیں۔

"میری بھی سنیے" زرنش خان کی باتیں اچھی تھیں۔ "آواز کی دنیا میں" بڑے عرصہ بعد اینکر پسند آئی ہیں۔ "مقابل ہے آئینہ" حور العین اقبال کی باتیں بھی پسند آئیں۔ اس ماہ کے بیسٹ تحریر کی جس کا شدت سے انتظار تھا۔ یعنی کہ "شاید" فائزہ افتخار نے بہت خوب صورتی سے تحریر کا اختتام کیا۔ ہیپی اینڈ کرکے۔ پھر میں نے مکمل ناول "دل ٹوٹ کے ہارا تھا" پڑھا۔ ہائے ہائے کیا غضب کا اینڈ فرمایا گیا۔ مکمل ناول "جو لکھا تھا میرے نصیب میں" کچھ حاصل نہیں لگا۔ کوئی چونکنے والی بات نہ تھی "دل آباد کریں" ہمارے معاشرے کی کہانی ہے 80 فیصد گھرانوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات اچھی رہی کہ ایک حادثہ نے تمام فیملیز کو پھر سے یک جان کردیا۔

"نالائق" اچھا تھا۔ "مٹھی بھر یقین" بڑی اچھی تحریر لگی۔ یہ سمجھ نہیں آئی۔ مٹھو دیوانہ اپنے عشق کی وجہ سے ہوا یا ماں کی بد دعا یا پھر روشن کی بے گناہی نے اس کا ایسا حال کردیا تھا۔

"من مورکھ کی بات" ابھی تک تو اچھا جارہا ہے عباد گیلانی نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے اعلا ظرفی کا ثبوت دیا ہے حوریہ اور حازم کی جوڑی اچھی ہے۔

"مالکن" کوئی امیر ہو یا غریب جذبات واحساسات سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں چلو جی رائٹر نے کسی کی ادنیٰ سی خواہش پوری کی مالکن بننے کی۔

"میری کہانی کا دی اینڈ" یہ حقیقت تو کھولی۔ افسانوں میں سب سچ بھی نہیں ہوتا اور جھوٹ بھی نہیں۔ بس پڑھتے ہوئے خود کی سوچ کو مضبوط اور مثبت رکھنا چاہیے۔

"کتنے دور کتنے پاس" سمیرا کی جو شامت آئی تھی دادی

کے فرمودات سے بہت ہنسی آئی خیر میں پھر دادی کی باتیں ہی سمیرا کے کام آئیں۔

ج: پیاری فوزیہ جی ہر دفعہ آپ کا تبصرہ کرنے اچھا لگتا ہے۔ آپ کو شکایت ہے کہ آپ کا خط بہت کاٹ دیا جاتا ہے تو پیاری بہن خط طویل ہونے کے باعث شائع نہ بھی ہو مگر پڑھا ضرور جاتا ہے۔

ثمینہ اکرم..... لیاری، کراچی

کرن ملا..... دل کی اداسی دور بھاگی کچھ مسکراہٹ لبوں پر بکھری۔ ٹائیٹل پر من موہنی سادہ سی ماڈل بہت اچھی لگی۔ اس ماہ صفحہ اول سے صفحہ آخر تک سارا کا سارا کرن ڈائجسٹ زبردست لگا۔ میں نے حرف بہ حرف سب پڑھ لیا۔ (شاید کرنے کو جو کچھ نہیں.....) ناولز، ناولٹ اور افسانے سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ مگر "راپنزل" کی کمی بہت محسوس ہوئی اپنے پسندیدہ اداکار آغان وحید اور زرلش کا انٹرویو پڑھے، بہت دلچسپ رہے شاہین رشید آپ جو بڑی محنت اور تگ ودو کے بعد یہ انٹرویو ترتیب دیتی ہیں آپ کی کاوش بھی لائق تحسین ہے۔ "کھولے پنکھ یادوں نے" مصنفین سے سالگرہ سروے بہت خوب رہا۔ سب ہی مصنفین نے بہت اچھا لکھا۔

مسلسل ناول "من مورکھ کی بات" آسیہ مرزا کا بہت اچھا چل رہا ہے۔ یقیناً "حوریہ اور حازم کا کپل بنے گا۔ ناول میں حوریہ کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ لڑکیوں کو بلند فصیلوں والے قلعے کی مانند ہی ہونا چاہیے تاکہ ہر کوئی اندر نقب نہ لگا سکے۔ فائزہ افتخار نے "شاید" کو بہت خوبی سے اپنے انجام تک پہنچایا ہے۔ ریڈیو سنتے ہی نہیں، اس لیے آواز کی دنیا سے عاصمہ حسین سے متعارف نہ ہو سکے۔ "مٹھی بھر یقین" دیا شیرازی کی ایک بہترین کاوش ٹھہری۔ مٹھو کی وجہ سے روشن نے کڑی دھوپ کی مسافت طے کی۔ مگر آخر میں اسفندیار نے یقین کی چھاؤں بخشی۔ نایاب جیلانی کا ناول "دل ٹوٹ کے ہارا" بھی اختتام پذیر ہوا۔ یہ ناول بھی شروع سے آخر تک قارئین کی توجہ و دلچسپی کا مرکز بنا رہا۔ ماہ رو نے آخر کار اپنی سچی محبت کی بدولت عون عباس کا دل جیت ہی لیا۔

حور العین نے "مقابل ہے آئینہ میں" اچھا لکھا۔ غنوی اکرم بھی اس سلسلے میں اپنی انٹری کے لیے کب سے محو انتظار ہے۔ "دل آباد کریں" نازیہ جمال کا ناول اور "لکھا تھا نصیب میں" انیلہ کرن علی کا ناول دونوں ہی بہترین کہانیاں لگیں۔ ہماری رائٹرز کے قلم میں روز بہ روز نکھار آتا جا رہا ہے۔ اور کرن کا معیار بہت بہترین ترین ہو گیا ہے۔ مئی میں ہی جناب محمود ریاض صاحب کی برسی ہوتی ہے ان کے لیے بھی خصوصی دعا مغفرت..... اللہ پاک انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

ج: پیاری بہن ثمینہ آپ کہاں غائب تھیں ہم نے آپ کی کمی محسوس کی۔ آپ خط لکھتی رہا کریں اور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہا کریں۔ "مقابل ہے آئینہ" میں غنوی اکرم کے جوابات بھی ضرور شائع کیے جائیں گے ان شاء اللہ۔

زیمل انصاری..... کراچی

کرن پڑھا لیکن اس کے سوا اور کچھ نہ کہوں گی کہ ہمیشہ کی طرح تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خط لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو بتا سکوں کہ میں آپ لوگوں سے سخت ناراض ہوں۔ وجہ میں نے بہت بار کرن میں خط لکھا لیکن نہ اسے شامل کیا گیا اور نا ہی کوئی جواب دیا گیا میں نے ایک نظم بھی بھیجی تھی ماں کے نام سے اس کا بھی پتا نہ چلا کہ آیا وہ قابل اشاعت ہے یا نہیں اور ایک ناول بھی تھا مگر افسوس اس کے بارے میں بھی نہیں بتایا گیا۔ سوچا تھا اب کبھی کچھ نہ لکھوں گی اور نا ارسال کروں گی۔ مگر کیا کیا جائے کہ سکون تو ہمیں بھی نہیں آتا۔ بس پھر کیا تھا قلم لیا اور ساری بھڑاس صفحہ پر اتار دی۔ خیر آپ سے گزارش ہے کہ اس خط کو ضرور شامل کیجیے گا۔

ج: پیاری زیمل اتنی ناراضی آپ یقین کریں کہ یہ آپ کا پہلا خط ہے جو ہمیں موصول ہوا اور شائع کر دیا گیا۔ آپ کی اور کوئی تحریر ہمیں نہیں ملی۔ کرن میں ایسا کوئی سلسلہ نہیں ہے جس میں آپ لوگوں کی شاعری وغیرہ لگائی جائے البتہ مختلف شعرا کی نظمیں اور غزلیں لگائی جاتی ہیں۔ "یادوں کے دریچے" میں۔

✡ ✡